کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب

ماکان حدیثا یفتریٰ

شروانی نامہ

یعنی

اور شروانی خاندان (سلف و حال) موجودۂ ہندوستان

کے

تاریخی حالات اور شجرات

مرتبہ

حاجی عباس خاں شروانی - بی اے (علیگ)

ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر مؤلف "حیات مسعودی" و "تاریخ التواریخ"

بعد

نظرثانی و اہتمام نگرانی مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

جرنلسٹ و پبلسٹ و مالک شروانی بک ڈپو

شروانی پرنٹنگ پریس، علی گڑھ

[قیمت ... ۲]

محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

ستمبر ۱۹۵۳ء
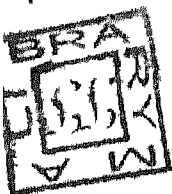
مختصر فہرست کتب

تصنیفات نواب صدر یار جنگ بہادر

سیرۃ نبوی صلعم

ذکر الحبیب خصوصاً معجزات کے ذکر میں نہایت معتبر و مستند ۔ ۲/

ذکر جمیل حضور صلعم کی مقدس حیات و پاکیزہ اخلاق کا نہایت موثر مرقع ۔ ۱۲/

شانِ رسالت قرآن شریف کے لفظ شاکلہ کی تفسیر بیان کر کے حضور کی حیات مبارک کے چند مراتب کو اس پر منطبق کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/

رسالۃ عامہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلعم کی رسالت تا قیام قیامت تمام ملکوں، قوموں، اور نسلوں کے لیے ہے ۴/

شمع ہدایت یہ کہ حضور کی تعلیم ایسی ہی ہدایت کن ہے جیسے تاریکی میں شمع ۔ ۔ ۔ ۔ ۳/

ذکر شریف حضور صلعم کے پاک عادات اور فوز شہ چند معجزات کا بہترین

پیغام رحمت خدا کی طرف سے ذریعہ سے مخلوق کو توحید، امن، علم، مساو حقوق، عدل، پارسائی و تقوی اور صفا کیسے کیسے جان پرور تعلیم ملے ۔ ۔ ۔

ذکر مبارک حیات مبارک کے تف پہلوؤں پر بحث (زیر تصنیف) ۔

سیرۃ اصحاب

سیرۃ الصدیق حضرت ابوبکر صدیق کی معتبر سوانح عمری ۔ اپنے مضمون کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے

سیرۃ صلحا و علما وغیرہ

ذکر محبوب حضرت پیران پیر کے پاکیزہ حالات ۔ ۔ ۔ ۔

ملنے کا پتہ: محمد مقتدی خاں شروانی علی گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

شروانی نامہ

ضروری تصحیح ۔ حبیب گنج کے شجرہ (صفحہ ۳۳۹ سطر ۱۴، ۱۱ اولاد نواب صدیار جنگ) میں محمد عزیز خاں عرف چھوٹو میاں کا نام سہواً رہ گیا جو عبید الرحمٰن خاں سے چھوٹے اور مسعود الرحمٰن خاں سے بڑے (گویا سنجھلے) تھے اور جن کا انتقال تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں ۱۹۱۱ء میں ہوا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ ناظرین براہ کرم تصحیح کر لیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ذیل میں ہم اپنے واقر تمیز عزیز مولوی ریاض الرحمٰن خاں ایم اے (خلف مولوی حاجی عبید الرحمٰن خاں سلمہٗ نبیرہ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم کا لکھا ہوا "پیش لفظ" (جو ہماری خاص فرمائش کی تعمیل میں ہے) اس امید اور دعا کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اُن کے ہم عصروں اور ہم عمروں کے لئے اُن کی یہ تحریر (جو اگرچہ بچوں میں نہیں ہوتی، تاہم جیسی کچھ ہے) صدالصحرا ثابت نہ ہو۔ "لعلہم یتفکرون"

ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں خاندانوں اور قبیلوں کے احوال کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اس سے ہمیں یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ ایک خاص زمانے اور خاص ماحول میں سماج کے مختلف عناصر کے طرز زندگی، ان کے مشاغل اور افکار و نظریات کی کیا نوعیت تھی۔ انھوں نے ترقی کے منازل کیسے طے کئے۔ اور اُن کے زوال و پستی کے کیا اسباب ہوئے۔

آج کی دنیا میں حالات جس تیزی سے بدل رہے ہیں، زمانہ جس جوش و خروش سے

آگے بڑھ رہا ہے اور اپنی تیز گامی میں ماضی کے نقوش کو جس بے دردی سے مٹاتا جا رہا ہے اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر اپنے ماضی پر ایک نظر ڈالیں، اس میں جو اُجلے نقوش ہمیں دکھائی دیں انھیں مستقبل کے لئے دلیلِ راہ بنائیں اور پھر آگے بڑھیں۔

"شروانی نامہ" اسی قسم کی ایک کوشش ہے جس میں شمالی ہندوستان کے ایک مشہور اور باوقار خاندان کے گزشتہ سرمایہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس میں سے مستقبل کے لئے روشن اور تابناک موتی چن لئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کی روشنی میں شروانی خاندان کی نئی نسل آگے بڑھے اور زمانے کی ترقیوں کا ساتھ دینے کی اہلیت اپنے اندر پیدا کر سکے۔

یہ تقریباً پانسو صفحے کی کتاب (جو آپ کے ہاتھ میں ہے) تین حصوں میں منقسم ہے: پہلا حصہ شروانیانِ سلف کے حالات میں ہے اور شروانی خاندان کی ابتدا سے ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط (آغاز انیسویں صدی) قائم ہونے تک کے حالات پر حاوی ہے۔ دوسرا حصہ انگریزوں کے تسلط (آغاز انیسویں صدی) سے موجودہ دور تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ اور تیسرے حصہ میں شروانی خاندان کی مختلف شاخوں کے شجرے مہیا کر دیئے گئے ہیں۔

سب سے اہم اور مفید مطلب کتاب کا پہلا حصہ ہے جس میں شروانیوں کے آبائی وطن، وجہِ تسمیہ، ہندوستان میں آمد، یہاں کی عوامی اور قومی زندگی میں ان کے اثر و رسوخ، پٹھانوں کے دوسرے قبیلوں اور گوتوں سے ان کے تعلقات اور آویزش، ملک کے مختلف حصوں میں ان کی آمد و رفت، مغلوں سے ان کی چھیڑ چھاڑ اور اس کے نتیجہ میں ان کے اثر و رسوخ میں کمی، نواح علی گڑھ وایٹہ میں ان کی آمد اور حصول زمینداری کے لئے ان کی تگ و دو، جاٹوں سے ان کی جنگ و جدل، ان کی

بعض شاخوں کی زمینداری سے محرومی اور دوبارہ حصول کی داستان درج ہے۔

اس داستان کے مطالعہ سے جو سب سے روشن نقش ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے وہ شجاعت و مردانگی، جرأت و استقامت اور عالی حوصلگی و فراخ دلی کا نقش ہے اور یہ ایسے اوصاف ہیں جو ہمیشہ پٹھانوں کا طرۂ امتیاز رہے ہیں۔ اور افغانستان وغیرہ میں آج بھی ہیں۔ دوسرا حصہ اس لحاظ سے نسبتاً کم زور ہے کہ شروانی بجائے سپاہی کے رئیس بن گئے اور جہاں ان میں ایک طرف ریاست کی شائستگی، تہذیب، اور متانت آگئی وہاں وہ بڑی حد تک ان مردانہ صفات سے محروم بھی ہو گئے جو ان کے آبا و اجداد کا سرمایۂ زلیست تھیں۔ اس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنی زمینداری اور ریاست کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کی خاطر غیر ملکی حکومت کا آلۂ کار بن گئے اور معدودے چند مستثنیات کے علاوہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کا کردار ہمیشہ غیر پسندیدہ ہی رہا۔ اس کی سب سے تاریک مثال ہمیں بغاوت ۱۸۵۷ء کے دوران میں ملتی ہے جب کہ سوائے ایک اسماور کے پٹھانوں کے شروانیوں کی دوسری تمام شاخوں نے غیر ملکی حکومت کے تسلط کو اس ملک میں دیرپا بنانے کے لئے اپنی آخری کوششیں صرف کر دیں۔

اس حصہ کے مطالعہ سے ہمیں سب سے بڑا اطمینان یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ اس دور کے شروانیوں نے زندگی کی مختلف راہوں میں اپنے لئے تگ و دو کے میدان تلاش کئے۔ اور ان کی بڑائی کسی ایک سمت میں محدود ہو کر نہیں رہ گئی۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے جو میرے خیال سے شمالی ہند کے بہت کم خاندانوں کو حاصل ہوگا۔ پہلے کے لوگوں کو تو جانے دیجئے خود ہماری ہی آنکھوں دیکھتے اس خاندان میں اگر ایک طرف نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں اور نواب ابوبکر خاں نے حکام رسی، اثر و رسوخ اور شان و شوکت میں زیادہ سے زیادہ بلندی حاصل کی تو دوسری طرف مسٹر

تصدق احمد خاں اور مسٹر نثار احمد خاں نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور بعد میں آنے والوں کے لئے اپنے قدموں کی روشن نشان چھوڑے تیسری طرف نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں مولوی محمد یونس خاں، اور مولانا چودھری عبدالحمید خاں نے علم و فضل کے بلند ترین مینار سے تک پہونچ کر دم لیا۔ چوتھی طرف خان بہادر مولوی خلیل الرحمٰن خاں اور چودھری محمد شعیب خاں نے زہد و اتقا اور داد و دہش میں نام پیدا کیا۔ پانچویں طرف پروفیسر محمد ہارون خاں اور محترمہ زاہدہ خاتون نزہت[۱] نے اپنی علمی اور ادبی کاوشوں سے شروانی خاندان کو روشناسِ خلائق کرایا۔ اور چھٹی طرف حاجی محمد موسیٰ خاں اور مولوی عبیدالرحمٰن خاں نے مسلمانوں کے سیاسی اور تعلیمی اداروں سے وابستہ رہ کر قابل قدر خدمات انجام دیں۔

یہ چند نام میں نے صرف مثال کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ ان اوراق کا مطالعہ کرنے والے کو اور بھی ایسے بہت سے گلہائے تر و تازہ ملیں گے جو اس کے مشامِ جان کو معطّر کر دیں گے۔

اس موقع پر ایک خیال ضرور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہ سب کارنامے تو ایک نسل اوپر تک کے بزرگوں کے ہوتے۔ ہماری موجودہ نسل (جس کے ہاتھ میں نہ صرف شروانی خاندان کے مستقبل کی تعمیر و ترقی کا کام ہے بلکہ جسے ملک و قوم کے مستقبل کو بنانے اور سنوارنے میں بھی دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے) اس کے کیا کارنامے ہیں۔ اور وہ مصافِ حیات میں حصّہ لینے کے لئے کہاں تک تیار ہے۔ افسوس ہے کہ اس کا جواب دینے کے لئے مجھے کچھ تلخ باتیں عرض کرنی پڑیں گی (اپنے بزرگوں سے بھی اور ساتھیوں سے بھی) اُمید ہے کہ میری معروضات درخورِ اعتنا قرار پائیں گی اور ان میں چھپے ہوئے خلوص کو سمجھنے میں کوتاہی نہیں کی جائے گی۔

---

[۱] زہ رخ بخش یا نزہت (زاہدہ خاتون شروانیہ نزہت) نواب مزمل اللہ خاں مرحوم کی منجھلی صاحبزادی رد نواب حرمت اللہ خاں

شروانی خاندان کے بزرگوں کے تمام روشن کارناموں کے باوجود ہماری نگاہ
کے سامنے یہ حقیقت بار بار ابھرتی ہے کہ انھوں نے چند مستثنیات کے علاوہ
ہمیشہ اپنا اوڑھنا بچھونا زمینداری ہی کو بنائے رکھا۔ اور ان کا خیال کبھی اس طرف
نہیں گیا کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح یہ نظام بھی فانی ہے۔ اور اس لئے یہ ضروری
ہے کہ ہم اپنے ذریعۂ معاش کے لئے اسی ایک نظام کے محتاج نہ رہیں۔ بلکہ تجارت
صنعت و حرفت، ملازمت اور دوسرے پیشوں کے اختیار کرنے کی طرف بھی متوجہ ہوں۔
تاکہ ایک طرف ہماری نگاہوں کے سامنے زندگی کی نئی نئی راہیں کھلیں اور دوسری
طرف ہماری آئندہ نسلیں اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق اپنے لئے پیشوں کا
انتخاب کر سکیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ زمینداری کے کام میں اتنا پھیلاؤ تھا کہ اسی سے فرصت ملنی
محال تھی، پھر کسی اور طرف کیسے توجہ کی جاتی؟

میں اسے تسلیم کرتا ہوں لیکن مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ خاندان کے مختلف افراد کسی
ایک شخص پر اعتماد کر کے زمینداری کا کام اس کے ہاتھ میں چھوڑ سکتے تھے اور خود دوسرے
پیشوں کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ یہ بات عملاً ناممکن نہیں ہے اور ایسا ہوتا بھی رہا ہے
کہ زمینداری کے کام کی دیکھ بھال کسی ایک آدمی کے ذمہ رہی ہے لیکن افراد ریاست میں
بھی دوسرے لوگوں نے اسی کا دست نگر ہو کر زندہ رہنا پسند کیا ہے۔ اور ان کا خیال
دوسرے پیشے اختیار کرنے کی طرف کبھی شاذ و نادر ہی گیا ہے۔ اس سے کئی نقصان
ہوئے۔ شروانی خاندان کے افراد کا دارومدار اپنی معاش کے لئے صرف زمینداری ہی
پر ہو گیا۔ ان میں وہ وسعت خیال اور آزادیٔ افکار پیدا نہیں ہو سکی جو باہر نکلنے اور
باہر کی دنیا دیکھنے سے ہوتی۔ وہ ہمیشہ آپس کے جھگڑوں میں پھنسے رہے اور ان کا
سارا وقت اور ساری توجہ اس پر صرف ہوتی رہی کہ خاندان کی کون سی شاخ اونچی ہے۔

اور کون سی نیچی، کون ہمارے برابر کا ہے اور کون ہم سے کم تر درجے کا۔ ان کی آئندہ نسلوں کے لئے ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے ذرائع مسدود ہو گئے۔ اور وہ آنے والے دور میں بڑی حد تک بے یار و مددگار رہ گئے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا غضب یہ ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے اپنی اولاد کی تعلیم کی طرف بہت کم توجہ فرمائی۔ علی گڑھ جیسے مقام سے وابستہ ہونے کے باوجود (جہاں **سر سید احمد خاں** مرحوم و مغفور کی توجہ اور خلوص کی بدولت ایک عرصے سے علم کے سوتے پھوٹ رہے ہیں) ہمارے خاندان کی علمی تہی مائیگی کا یہ عالم ہے کہ ہمارے ہاں ایم اے اور بی اے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اور صنعتی اور سائنٹفک تعلیم کا حال تو اس سے بھی بدتر ہے۔

اس خاندان کے لوگوں کو جو فراغت اور اطمینان اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا تھا اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ دس بیس آدمی اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان سے باہر گئے ہوتے، دس بیس نے ڈاکٹری اور انجینیری کی تعلیم حاصل کی ہوتی، دس بیس پروفیسری اور بیرسٹری کر رہے ہوتے اور دس بیس صنعتی و حرفتی اداروں سے وابستہ ہوتے۔ لیکن یہاں یہ عالم ہے کہ اول تو لکھے پڑھے ہی معدودے چند ہیں اور جو ہیں بھی وہ ایک فرسودہ اور کرم خوردہ نظام سے وابستہ رہنے کی بدولت کسی طرح بھی بے پڑھے لکھے لوگوں سے بہتر حالت میں نہیں ہیں۔ ہماری ترقی کی راہ میں ایک اور رکاوٹ یہ تخیل رہا ہے کہ ہمارا خاندان بہت اونچا ہے اور ہماری رگوں میں خالص افغانی خون دوڑ رہا ہے! اس لئے فلاں کام ہمارے کرنے کا ہے اور فلاں کام ہمارے کرنے کا نہیں ہے۔ دراصل اس قسم کے تخیلات ہمارے جاگیردارانہ نظام کی پیداوار ہوتے ہیں اور چونکہ ہمارا بڈھی اور جمیڑ ا خالص جاگیردارانہ نظام سے بنا ہے اس لئے اس قسم کے تخیلات کا ہمارے اندر پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ اسی کے ماتحت ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ اپنے خاندان سے باہر شادی بیاہ کرنا معیوب سمجھا جس سے یہ تو فائدہ ہوا

کہ ہماری نسل اپنے آبائی کردار سے بالکل محروم نہیں ہوگئی لیکن نقصان بھی ہوا کہ ہمارے خاندان میں بیرونی خون کے ساتھ بیرونی نظریات و خیالات بھی جگہ نہیں پا سکے۔ اور ایک طرف علم الحیوانات کے قانون کے مطابق ہماری نسل کم زور ہوگئی اور دوسری طرف اس میں نئے حالات کا مقابلہ کرنے اور اُن پر قابو پانے کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

کہا جا سکتا ہے کہ آخر ہمارے بزرگوں نے بھی تو ان تمام خامیوں کے باوجود ترقی کی اور اپنا اور اپنے خاندان کا نام روشن کیا، پھر ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انحطاط جس طرح انسانوں میں اسی طرح خاندانوں میں بھی ایک روز میں رونما نہیں ہو جاتا، وہ تو آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر سماج کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے لئے جتنا سخت مقابلہ آج کی دنیا میں کرنا پڑتا ہے اتنا شاید اس سے پہلے کبھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔ "بقائے اصلح" (سروائول آف دی فٹسٹ)
کا قانون آج اتنی شدت سے چاردانگ عالم میں جاری و ساری ہے کہ تیسرے درجہ کے لوگ تو الگ رہے دوسرے درجے کے لوگوں کا بھی ترقی کرنا اور سماج میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنا محال ہو گیا ہے۔ یہ بھی زمانے کی نیرنگی ہے کہ جاگیردارانہ نظام (جسے ایک روز بہر حال ختم ہونا تھا، اس لئے کہ دنیا کا رجحان کافی عرصے سے اس کے خلاف ہو گیا تھا) ہمارے ہی زمانے میں ختم ہو کر رہا۔ لیکن میرے خیال سے یہ بھی ایک طرح اچھا ہی ہوا، اس کے نتائج ہماری موجودہ دو نسلیں ہی بھگت لیں گی، بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے تو راستہ صاف ہو جائے گا۔ اور وہ تو ان خامیوں اور نقائص سے بچی رہیں گی جو اس نظام کی بدولت ہمارے اندر پیدا ہو گئے تھے۔

یہ ہے ہماری نسل کے لوگوں کے لئے سوچنے کی بات کہ کیا ہمارا کام اپنے موجودہ زوال اور پستی کے اسباب و وجوہ بتا کر ختم ہو جاتا ہے یا انھیں دور

کرنے کے لئے بھی ہمیں کچھ کرنا ہے۔؟ مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک ہم نے اس طرف بالکل توجہ نہیں کی ہے!

کرنے کے کام دو ہیں: ہمیں ایک طرف اپنے بزرگوں کے روشن کارناموں کو اپنے لئے شمعِ راہ اور نشانِ منزل بنانا چاہئیے۔ اور دوسری طرف نہ صرف موجودہ حالات (بلکہ آنے والے انقلاب) کے لئے بھی اپنے کو تیار کرنا چاہئے میں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب تک جو کچھ پیش آیا ہے وہ تو ابتدا کی بات ہے، اصلی انقلاب تو ابھی آنا باقی ہے۔ اور اب اس کے آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں ہے ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا؟
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب یہ انقلاب آئے تو ہمیں اپنے استقبال کے لئے تیار نہ پائے اور جس طرح ہم موجودہ تبدیلی پر حیران و سراسیمہ ہیں اسی طرح اس وقت بھی ہاتھ ملتے ہوئے صرف حیرانی اور سراسیمگی ہی رہ جائے۔

حصولِ آزادی اور تقسیمِ ہند کے بعد امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

"یہ ٹھیک ہے کہ وقت نے تمہاری خواہشوں کے مطابق انگڑائی نہیں لی .... (اور اس انقلاب کی) ایک کروٹ نے تمہیں بہت حد تک خوف زدہ کر دیا ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ تم سے کوئی اچھی شے چھن گئی، اور اس کی جگہ کوئی بری شے آ گئی۔ یہ واقعہ نہیں ہے وہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بری شے چلی گئی۔ اور اچھی شے آ گئی۔ ہاں، تمہاری بے قراری

اس لئے ہے کہ تم نے اپنے تئیں اچھی شے کے لئے تیار نہیں
کیا تھا۔ اور بُری شے ہی کو ملجا و ماویٰ سمجھ لیا تھا ......
عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو، یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے
تیار نہ تھے بلکہ اب تیار ہو جاؤ۔ ستارے ٹوٹ گئے لیکن سورج تو
چمک رہا ہے۔ اس سے کرنیں مانگ لو اور اندھیری راہوں میں
بچھا دو جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔"

ہم مسلمان بھی ہیں اور زمیندار بھی اور اس لئے ہمیں بجائے ایک کے دو انقلابوں سے
ہو کر گزرنا پڑا ہے اور ابھی ایک تیسرے انقلاب سے ہو کر اور گزرنا ہے۔
اس لئے امام الہند کا یہ مشورہ اور سب لوگوں سے زیادہ ہمارے حسب حال اور
مفید مطلب ہے اور ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے۔
ہمیں جہاں ماضی سے استفادہ کرنے میں ہچکچانا نہیں چاہیئے وہاں اپنی باگ ڈور
بھی اس کے ہاتھ میں نہیں دے دینی چاہیئے۔ بلکہ ماضی میں جو کچھ شاندار
اور قابل عمل نظر آئے اس سے مستقبل کے بنانے اور سنوارنے میں کام لینا
چاہیئے۔ ادنیٰ اور کم تر درجے کی چیزوں سے اپنا دامن آلودہ نہیں ہونے دینا چاہیئے۔
اس لئے کہ خذ ما صفا و دع ما کدر کا اصول اسی کا متقاضی ہے۔

اس سلسلے میں کارل مارکس[۱] نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ "ماضی کی لگام ہمارے
ہاتھ میں ہے لیکن ہماری لگام اس کے ہاتھ میں نہیں ہے"
ہمیں حاجی محمد عباس خاں [illegible] کا شکر گزار ہونا چاہیئے جنہوں نے مواد کی فراہمی

۱؎ ہینرِش کارل مارکس (۱۸۱۸ء – ۸۳ء) مشہور جرمن یہودی، ابتدائی اقتصادی لیڈر، سوشلسٹ
کمیونسٹ اور اکثر سوشلسٹ تحریکوں کا بانی۔

کے باوجود نہایت تحقیق و تفتیش سے شروانی خاندان کی تاریخ میں اتنی اچھی کتاب مرتب فرمائی ہے۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی اور حافظ حاجی عبدالجلیل خاں شروانی بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے محمد عباس خاں صاحب شروانی کے ساتھ اشتراکِ عمل کرکے اس کتاب کی ترتیب اور اشاعت کا کام آسان کر دیا۔

یہ کتاب شروانی خاندان کے لوگوں کی ہمت افزائی کی تو مستحق ہے ہی لیکن اس کے مطالعے سے دوسرے اہلِ ذوق بھی کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ریاض الرحمٰن شروانی

حبیب منزل،
علی گڑھ:
۵ ستمبر ۱۹۵۳ء

تاریخِ خاندانِ شروانی

(نوشتہ نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم)

مسلمانانِ ہند کے کم خاندان ایسے ہیں جن کی از ابتدا تا انتہا مع صحیح تاریخ موجود ہو اور بہت کم خاندان ایسے ہیں جن کی نجابت، شرافت اور شان و شکوہ قائم ہو۔ البتہ یہ شرف خاندانِ شروانی کو حاصل ہے۔

خاندانِ شروانی (جس کے باعث آج علی گڑھ تمام ہند میں خاص شہرت رکھتا ہے) بفضلِ اللہ خدا کے فضل سے دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

شروانی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا اصل مولد قصبہ شروان ہے جو سلطنتِ افغانستان

لہ اور قوم کے نبیۂ اللہ خاں صاحب مرحوم بھی شکریہ کے ... اور علامہ ...

کے مستحق ہیں جنھوں نے اب سے تقریباً پون صدی پہلے (۱۳۰۶ھ) میں اس ضروری کام کی

میں واقع ہے۔ آج بھی نواح قندھار میں اس خاندان کے افراد موجود ہیں۔

ہندوستان میں سب سے پہلے اس خاندان کے تین حقیقی بھائی غلزئی، لودی اور شیروانی آئے تھے۔ لودیوں کے زمانۂ حکمرانی میں اس خاندان کو بہت عروج ہوا تھا۔ سکندر لودی کے وزیر اسی خاندان کے ایک بزرگ عمر خاں شیروانی تھے جن کی خداداد عملی قابلیت اور شجاعت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ عمر خاں بہلول لودی کے عہد حکومت میں با اقتدار تھے۔ اور وہی سکندر لودی کی تخت نشینی کے باعث ہوئے تھے۔ شاہزادہ جلال لودی کم سن تھا۔ اس کی ماں کی خواہش اور کوشش تھی کہ وہ تخت نشین ہو۔ عمر خاں نے اس کو سلطنت کے استحکام کے منافی سمجھ کر اپنی کوشش و تدبر سے سکندر لودی کو تخت نشین کیا۔ کسی زمانہ میں جو عروج سادات بارہہ کو تھا وہی کیفیت عمر خاں کی تھی۔ ان کے بیٹے محمد خاں شیروانی سرکار کول کے حاکم تھے۔ علی گڑھ کا مشہور قلعہ (جو اب مٹ کر محلہ بالائے قلعہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے) ابتداء میں انھیں نے محمد گڑھ کے نام سے بنوایا تھا۔ نواب نجف خاں کے عہد میں اس کا نام نجف گڑھ ہوا پھر مرہٹوں نے اس کو جدید طرز پر بنا کر اس کا نام علی گڑھ رکھا تھا جس نام سے اب یہ شہر مشہور ہے)۔

لودیوں کے عہد میں سپہ سالار افواج کو "اعظم ہمایوں" کا لقب ملا تھا۔ ابراہیم لودی کے عہد حکومت میں اعظم ہمایوں ایک شیروانی تھے۔ بابر نے شاہزادہ ہمایوں کے ولیعہد ہونے کے بعد اس لقب کو موقوف کیا تھا۔ اکبر کے عہد میں خان زماں خاں لودی حاکم جونپور کی شکست کے بعد یہ محمد خاں شیروانی جونپور کے صوبیدار مقرر ہوئے۔ یہ واقعات تاریخ فرشتہ، واقعات بابری اور اکبر نامہ میں درج ہیں۔

شیر شاہ کی چیرہ دستی اور بنگال میں سلیمان خاں و داؤد خاں کے مقابلوں نے سلاطین مغلیہ کی پالیسی پٹھانوں کی طرف سے بدل دی۔ اس وقت شیروانیوں نے مضافات کا رخ کیا۔ عہد اکبری و شاہجہانی میں کچھ لوگ ضلع علی گڑھ و ایٹہ میں آکر آباد ہوئے اور زمینداریاں پیدا کیں جو کہ اس وقت تک خاندان میں باقی ہے۔ کچھ حصہ اس خاندان کا پنجاب کی طرف گیا۔ مالیرکوٹلہ کے فرماں روا شیروانی ہیں۔ نواب والاجاہ کی رفاقت میں کچھ شیروانی مدراس پہنچ گئے تھے (جن کا سلسلہ اب تک وہاں موجود ہے)۔

سنہ ۱۸۰۳ء میں اس نواح میں انگریزی عملداری قائم ہوئی۔ اس وقت محمد باز خاں رئیس بھیکم پور تھے

ضلع علی گڑھ کے مواضعات کنوبی، بھیکمپوری، سکندرہ راؤ میں بھی شروانی آباد ہوئے گو ان سب میں مقتدر بزرگ
خاندان بازخاں ہی کے تھے جو علاوہ دیگر اوصاف کے انتہائی دور اندیش تھے۔ انھوں نے برطانیہ کی قوت
کا صحیح اندازہ کر کے بے تامل انگریزی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور ہر طرح کی مدد برٹش حکومت کو دی تھی
حالانکہ ان کے ایک سے زیادہ ہمعصر کوتہ اندیشی کا شکار ہوئے۔ بازخاں کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے
حاجی محمد داؤد خاں صاحب خاندان کے بزرگ ہوئے جو اپنی دینداری، فیاضی اور کنبہ پروری میں بہت مشہور تھے۔
ان کی دیانت کا اس درجہ شہرہ تھا کہ لارڈ ولیم بنٹنک گورنر جنرل ہند نے ان کو آگرہ کا صدر الصدور مقرر کیا تھا۔
اس زمانہ میں ہندوستانیوں کے واسطے یہ عہدہ معراج کمال تھا۔ کچھ عرصہ ملازمت کے بعد اس سے مستعفی ہو کر ۱۸۳۹ء
میں ایک بڑے قافلہ کے ہمراہ منزل بمنزل سفر کر کے بیت اللہ شریف لے گئے تھے۔ جب تک ملازمت کی
کسی مسلمان پر مسلمان کے سود کی ڈگری نہیں کی۔ یوم جمعہ کو ہمیشہ بعد نماز جمعہ اجلاس پر تشریف لے جاتے تھے آپ کے دو
صاحبزادے ہوئے۔ ایک حاجی غلام احمد خاں صاحب، والد ماجد نواب سر محمد مزمل اللہ خاں دوسرے
محمد عنایت اللہ خاں صاحب۔

حاجی غلام احمد خاں صاحب اوائل عمر ہی سے آخرت کے طالب اور دنیا سے نفور تھے اور گو تو آئی شمال
امن بیامن سے ہے گو زمینداری کاروبار سے کبھی کوئی سروکار نہیں رکھا ساری عمر یاد مولیٰ اور عبادت معبود میں گزار دی۔

محمد عنایت اللہ خاں صاحب (عم بزرگوار نواب صاحب) بڑے علم دوست بزرگ تھے اور سر سید کے
خاص دوست اور مددگار تھے۔ کالج میں ان کی بہت یادگاریں موجود ہیں۔ پکی بارک کے بہت سے
کمروں پر آپ کے نام کے کتبے موجود ہیں۔ اسٹریچی ہال میں آپ کا کتبہ نصب ہے۔ بانیوں کی وال پر
بھی آپ کا اسم گرامی موجود ہے۔ کالج کا سب سے بڑا اکارا کنواں آپ ہی کا بنوایا ہوا ہے جس کی تاریخ
ہے "خضر بیئر من عنایت اللہ"۔ ایک نہایت خوبصورت فوارہ آپ کا مرحمت کردہ جو پہلے کوٹھی
میں تھا اب سوامنگ باتھ میں منتقل ہو کر پہنچ گیا ہے قابل دید ہے۔

آنریبل سر نواب صاحب نے آپ ہی کی گود میں پرورش پائی ہے اور اس وجہ سے بچپن
ہی سے موصوف کو کالج سے خاص تعلق رہا ہے۔

محمد حبیب الرحمن خاں

مصارف طبع اس حصۂ خاص (جشن نظام) کے مولوی ریاض الرحمن خاں صاحب "دولت کدہ" رئیس بھیکم پور نے ادا کئے۔

مندرجہ ذیل نظم نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر مرحوم مغفور نے شروانی اسکول (قلعہ چھرہ ضلع علی گڑھ) کی رسم افتتاح (اگست سنہ ۱۸۹۶ء) کے موقع پر پڑھی تھی جس میں شروانیوں کی تاریخ کے بعض جستہ جستہ واقعات اور چند قدیم و جدید برگزیدہ ہستیوں کا ذکر ہے۔ اسے ہم آں مرحوم کی شکر آمیز یاد اور دعائے مغفرت کے لئے مرحوم کے ضخیم مطبوعہ کلیات موسومہ "درج لولوئے نصائح" مرتبہ (مع دیباچۂ دلچسپ) مولوی حاجی محمد مقتدی خاں شروانی صاحب سے لے کر نقل کرتے ہیں۔

بسم اللہ خیر الاسماء

اے صنادید قوم شروانی (۲۲) ‏ وے مفخر نسل افغانی

اے بزرگان خانوادۂ ما ‏ وے جوانان ایلۂ خانی

از قدوم شریف تان امروز ‏ فخر دارم ز فضل یزدانی

در قدوم رنجہ کردن احباب ‏ شد دلم شاد و چشم نورانی

شکر واجب بود بذمۂ من ‏ کہ چنین ست حکم قرآنی

لیک اظہار منت و احسال ‏ عرض مطلب کنم بآسانی

خواہم این شعر ہائے نغز و لطیف ‏ گر توجہ کنید ارزانی

چہ حکایت کنم ز تفصیل خویش ‏ اے لبادرہائے پنہانی

دل من پر ز دردمندی قوم جان بود مبتلائے حیرانی
جگر من کباب سیخ الم تن من پیکر پشیمانی
همه روزم به فکر می گزرد همه شب این غم و پریشانی
در خیال عروج و پستی قوم منم و صد هزار حیرانی
یاد ایام شهریاری غور یاد آن صولت خراسانی
یاد آن جد پاک شاه حسین که بلغزشت کرد مهمانی
یاد ابنائے عم لودی ها یاد آن طمطراق سلطانی
یاد اقبال و شوکت سوری یاد فر و شکوه شاهانی
یاد اوج زوال شاهجهان مرحمت هائے ظل سبحانی
یاد آن ثروت شجاعت خان وان سپهداری عمر خانی
یاد شان و شکوه راج مئو یاد آن مرد یوسف ثانی
یاد هنگامهائے مرهته ها حمله شیر مرد درانی
یاد جنگ و جدال با جاتان یاد زخم و سنان و پیکانی
یاد انعام از گشائش ها کان دہنگر امیر لاثانی
بربہ اجداد ما کرامت کرد آنچه بودش بحد امکانی
یاد هژده صد و سه سال مسیح (۱۸۰۳) یاد فتح عظیم برطانی
یاد تسخیر قلعه کوئل یاد تخلیص از پریشانی
یاد آن افسران انگریزی یاد بخشش و سیلہ نانی
یاد آن باز خان با اقبال برد اندیش در ود یزدانی
بود چون شیر شرزه در میدان جان ایمان در مسلمانی
یافت عزت ز نیت انگلش گشت اقبال قوم را بانی

کرد جنگِ عظیم در دادوں   با لنگ دیہ تیر ترکانی

زخم ہا خورد در صفِ ہیجا   آخرش یافت فتح تابانی

یادِ داؤد خانِ نیک اختر   صدرِ اعلائے بزمِ انسانی

یادِ اوجِ عروج و اقبالش   ہمچو خورشید در درخشانی

یادِ حج و زکوٰۃ و صوم و صلوٰۃ   یادِ حبّ و ودادِ ایمانی

ہر یکے در محبتش کوشاں   ہندو و ہم یہود و نصرانی

گرد بر گردِ خوانِ الطافش   عربی، کابلی و ایرانی

خوش بیاں، خوش مذاق، خوش تدبیر   ماہرِ فنِ طبِ یونانی

در سخاوت چو حاتمِ طائی   در محبت چو پیرِ کنعانی

صاف گو، راست بازِ صدق بیاں   متوکل بفضلِ رحمانی

ربط و ضبطش بجا کمالِ زماں   عزتش در عیان و پنہانی

خیر خواہیش در زمانۂ غدر   واں خلوصش بہ تاجِ برطانی

کوششش از برائے امنِ امال   ہمہ با صرفِ مالی و جانی

ربِّ اغفر لہ وارحمہ   انت باقٍ و کلنا فانی

تا کجا قصۂ سلف خوانم   از خلف یابدم سخن رانی

آں سلف صالح و خدا آگاہ   ایں خلف غرقِ بحرِ عصیانی

آہ از جہل و از تجاہلِ ما   آہ از خودسری و خود دانی

آہ از کینہ و نفاق و حسد   آہ از ابتری و ویرانی

آہ از معصیت پناہیِ ما   آہ از جذبہائے شیطانی

آہ از غفلت و تغافلِ ما   آہ از بے سری و سامانی

آہ از کردہائے ناکردہ   سہل انکاری و شفقت رانی

آه ازاین زبان شهر آشوب — آه ازاین زبان طوفانی
شرم از نغمه‌هائے بیهوده — شرم بر نعره‌هائے شترانی
آوخ از کروہائے ناہموار — آوخ از صلیب ننگ افغانی
حیف بر ما و بر شرافت ما — حیف بر غلبہائے شہوانی
قوم من مست خواب ناز و غرور — وقت خواهان سعی مردانی
تا کجا کاہلی و سستی و جہل — تا کجا دست غم به پیشانی
از برائے خدا و بہر رسول — واگذارید راه نادانی
همه بالاتفاق برخیزید — همه با یک دل و یک جانی
ہر یکے باکمال صدق و صفا — ہر یکے در رضائے یزدانی
حمله کوشید در ترقی قوم — اے بزرگان آگاہی و دانی
اُطلبوا العلم بر زبان آرید — همه از دولت مسلمانی
دین و دنیا تلاش افغان ست — علم و دولت معاش شروانی
تیزه‌شان شد قلم زبان شمشیر — کاندر آماجگاه چوگانی
گر زمانے بریں روش باشید — حق دہد خاتم سلیمانی[۱]
گو ہمت خاتم سلیمان چیست؟ — علم دنیا و علم عرفانی
علم باشد عصائے موسیٰ — علم شہ را کند نگہبانی
علم جان بخش چون دم عیسیٰ ست — ہم جہان بخش و ہم جہانبانی
علم در ہر زبان که باید نیکوست — عربی یا زبان سریانی

---

۱ کنایۂ بلیغ از ایں امر که سلیمان خان صاحب کار رئیس چهتره بالفعل وافر داشت و توجہ بکمال بکار مرفور مگر از حوادث دہر و قضائے ایزد کردگار بجہان ماند و از تمام کار معذور شد. انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(محمد مقتدیٰ خان شروانی مرتب دیوان نواب صاحب مرحوم مغفور "درج لولوئے فصاحت")

مختصر در زمانهٔ امروز — علم حاجت بود بجز نانی

گر از آسمان نبارد علم — این نه آید ز مشقِ دهقانی

علم خواهد که جان به من بازید — تا دهم اجر نقلِ ربّانی

علم گوید که صرف زر بکنید — تا کنم بر شما دُر افشانی

پس عزیزان ز نوشدارهٔ علم — دردِ خود را کنید درمانی

بس هزل زبان بکام گزار — تا کجا این همه غزل خوانی

تا کجا وعظهای نغز و شگرف — تا کجا پندهای لقمانی

تا کجا رزم گو چو فردوسی — تا کجا بزم خوان چو خاقانی

تا کجا فیض خواه از سنجر — تا کجا راز جو ز قاآنی

هان به شغلِ دعای قوم بکوش — درگذر از فلان و بهمانی

رب ارحم علی جماعتنا — حالِ ما ایزدا تو میدانی

بطفیلِ نبی و آلِ نبی — رحمت خویش دار ارزانی

شوقِ علمی به بخش و ذوقِ عمل — حلِ مشکل نما بآسانی

دولتِ حبِّ دین و دنیا بخش — دور دار از خراب و ویرانی

دوستان شاد دشمنان پامال — جانِ حُسّاد در پریشانی

سعی‌هائے حبیبِ رحمن خان — جمله مشکور کن کرمانی

درس گاهِ علوم مدرسه را — ذاتِ او باد سیّد ثانی

من و سودائے خیرخواهی قوم — قوم و دریائے جودِ ربّانی

شکر گویانِ فضلِ تو باشم
تا بآن دم که جان بستانی

نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر مرحوم

کا دیوان

(موسومۂ)

"درج لولوئے فصاحت"

(جس سے مندرجۂ بالا نظم نقل کی گئی ہے، متعدد اصناف کلام حمد، نعت منقبت، غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی، وغیرہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اور "شروانی پرنٹنگ پریس" کا عمدہ کاغذ پر اور بہت اچھا چھپا ہوا ہے)۔ نواب صاحب ممدوح مرحوم کے فرزند رشید نواب رحمت اللہ خاں صاحب سلمہ کی طرف سے تقسیم ہوتا ہے۔ شائقین ذیل کے پتہ پر درخواست روانہ کریں:

محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

مصارف طبع اس حصۂ خاص (نظم) کے نواب رحمت اللہ خاں متخلص "حیات عیاں" نے علاوہ اپنے عطیۂ خاص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اس چھوٹی سی کتاب کو راقم الحروف اُن ٹنکی اور شروانی اصحاب کے نام نامی سے منسوب کرتا ہے جن کو اپنے خاندانوں اور اسلاف کی تاریخ سے دلچسپی ہے اور جنہوں نے اس کام میں راقم الحروف کا ہاتھ بٹایا۔ ع

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

چمنستان
علی گڑھ:
سنہ ۱۳۷۲ھ
۱۹۵۳ء

راقم اثم
عبّاس شروانی

فہرست مآخذ

شروانی نامہ

۱۔ تاج المآثر مصنفہ نظام الدین حسن نظامی نیشاپوری ۶۱۴ھ / ۱۲۱۷ء

۲۔ طبقات ناصری مصنفہ قاضی ابو عمر عثمان منہاج ابن السراج ۶۵۸ھ / ۱۲۵۹ء

۳۔ تاریخ فیروز شاہی مصنفہ مولانا ضیاء الدین برنی ۷۵۸ھ / ۱۳۵۷ء

۴۔ تزک بابری مصنفہ بابر بادشاہ از ۹۳۲ھ لغایۃ ۹۳۶ھ

۵۔ تاریخ شاہی مصنفہ احمد یادگار معروف بہ تاریخ سلاطین افاغنہ ۹۸۴ھ

۶۔ واقعات مشتاقی مصنفہ مولانا رزق اللہ مشتاقی ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء

۷۔ طبقات اکبری معروف بہ تاریخ نظامی مصنفہ مولانا نظام الدین ہروی ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء

۸۔ منتخب التواریخ مصنفہ ملا عبد القادر بدایونی ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۷ء

۹۔ اکبر نامہ و آئین اکبری مصنفہ علامہ ابو الفضل ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء

۱۰۔ تاریخ شیر شاہی عرف تحفۂ اکبر شاہی مصنفہ عباس شروانی بعہد اکبر بادشاہ

۱۱۔ تاریخ فرشتہ عرف بہ گلشن ابراہیمی حکیم محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ۱۰۱۵ھ

۱۲۔ تاریخ داؤدی مصنفہ عبد اللہ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء بعہد جہانگیر

۱۳۔ تاریخ مخزن افاغنہ عرف مرآت افاغنہ عرف خان جہانی خواجہ نعمت اللہ ہروی ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء

۱۴۔ بادشاہنامہ ملا عبد الحمید لاہوری ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۳ء بعہد شاہجہاں

۱۵۔ خلاصۃ التواریخ سوجان رائے بھنڈاری ۱۱[illegible] / ۱[illegible]۳۱

۱۶۔ منتخب اللباب میر محمد ہاشم خافی خان ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۱ء

۱۷۔ تاریخ احمد شاہی محمد علی خاں انصاری پانی[illegible] ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۲ء

۱۸۔ چہار گلزار شجاعی ہرچرن داس میرٹھی ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء

۱۹۔ صحیح الاخبار مصنفہ سروپ چند کھتری ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء

۲۰۔ تاریخ مظفری محمد علی خاں انصاری پانی پتی ۱۲۲۵ھ

۲۱۔ تاریخ فرخ آباد لوح منور مصنفہ منور علی خاں ۱۲۵۵ھ

۲۲۔ داستان ترکتازان ہند مرزا نصر اللہ خاں ایرانی ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء

۲۳۔ یادداشت مرتبہ سمیع اللہ خاں صاحب شمر بلوتوی مرحوم ۱۳۰۶ھ

۲۴۔ تاریخ خورشید جہاں شیر محمد خاں ۱۳۱۱ھ

۲۵۔ حیات افغانی مصنفہ سردار محمد حیات خاں

۲۶۔ مآثر الامرا مصنفہ صمصام الدولہ شاہنواز خاں

۲۷- خلاصۃ الانساب حافظ رحمت خاں روہیلہ
۲۸- گلستان رحمت نواب مستجاب خاں روہیلہ
۲۹- سفرنامہ برنیر ترجمہ انگریزی مطبوعہ
۳۰- تاریخ شاہ عالم ثانی مصنفہ ڈبلیو فرینکلن
۳۱- تاریخ مرہٹہ مصنفہ گرانٹ ڈف
۳۲- سوانح اسکنر مصنفہ جیمس بیلی فریزر
۳۳- قلمی تاریخ اترولی مصنفہ محمد رضا بہدرشا نونگو
سنہ ۱۸۵۲ء موجودہ کتاب خانہ حبیب گنج
۳۴- علی گڑھ اسٹیٹس سنہ ۱۸۳۳ء لغایتہ سنہ ۱۸۵۶ء
بے- آر ہچینسن
۳۵- کنز التواریخ (تاریخ بدایوں) مصنفہ مولوی
رضی الدین
۳۶- ایپی گریفیا انڈکا (کتبہ جات متعلقہ مرتبہ
محکمہ آثار قدیمہ حکومت ہند) ترجمہ انگریزی
۳۷- آرکیولوجیکل سروے رپورٹ ہند
(رپورٹ ہائے متعلقہ آثار قدیمہ)
جنرل کننگھم
۳۸- آرکیولوجیکل رپورٹ شمالی ہند- فیوہرر
۳۹- ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ، ایٹہ، بلند شہر
۴۰- رپورٹ بندوبست علی گڑھ سنہ ۱۸۸ء
۴۱- یادداشت متعلقہ خاندان شروانی مؤلفہ
مولوی ظفر حسن خاں شروانی بلونوی مرحوم
۴۲- یادداشت مرتبہ حاجی ہدایت اللہ دتاولی
علی گڑھ- تقریباً سنہ ۱۹۲۵ء
۴۳- مقالات شروانی نواب صدر یار جنگ
مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

شروانی نامہ

(مقدمہ)

مطالعۂ تاریخ کے فوائد

حمد و نعت کے بعد واضح ہو کہ ہر ایک پڑھے لکھے (خاص کر غور و فکر کرنے والے) انسان کے لئے تاریخ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، نہ محض اس وجہ سے کہ تاریخ گزرے ہوئے زمانہ کو حال سے ملا کر آیندہ کے واسطے اچھے سبق دیتی ہے اور کارآمد باتیں اور مثالیں بتاتی ہے (جیسا کہ ہمارے مشہور مؤرخ عالم فاضل محدث مفسر مولانا عبدالحق دہلوی مرحوم نے فرمایا ہے) ؎

مقصود اہلِ ذوق ز اذکارِ رفتگاں
تنبیہ عبرت است چہ مسکیں، چہ بادشاہ

یہ شعر تفسیر ہے قرآن مجید کے اس ارشاد کی کہ:۔
"لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب"۔

اس قسم کا مطالعہ اس وجہ سے اور بھی لازمی ہے کہ اس کے ذریعہ سے اسلاف کے کارنامے موجودہ نسلوں میں تازگی، ہمت اور جواں مردی کی روح پھونکتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بلندی و پستی، عروج و زوال میں ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ تاریخ کا جاننے والا ملک ملت اور قوم کو دوسروں کی خدمت پر آمادہ کرتا ہے اور افراد کو اپنی حالت سدھارنے پر

کمربستہ۔ وہ بتاتا ہے کہ غلامی سے آزادی کس طرح حاصل ہوسکتی ہے اور آزادی میں اس کی ذمہ داری اور فرض منصبی کیا ہے۔

تاریخ بھی مرغانِ چمن کی طرح پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ او سونے والے غافل مسلمان اٹھ اور جلد اٹھ اور مجھ سے سبق لے۔ قطع نظر ان حالات کے تاریخ یوں بھی ایک دلچسپ مضمون ہے۔ وہ بولتی ہوئی تصویروں کا سینما ہے۔ ایک تصویر پردہ پر آتی ہے اور کچھ کہہ کر اور اپنا کام دکھا کر چلی جاتی ہے۔ دوسری دل بہلاتی ہے تیسری اچھی باتوں کا سبق دیتی ہے۔ چوتھی بری باتوں سے بچنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور وقت ہنسی خوشی میں کٹ جاتا ہے۔

عدم واقفیت اور دست نگری وپست ہمتی کا نقصان

خاص کر آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی روایات کو پس پشت ڈال کر کس قدر نقصان اٹھایا۔ پھر ہماری بدقسمتی سے ایسے مسلمانوں میں توم شناسی کا درجہ تو بہت ہی بلند ہے کیونکہ وہ بری طرح پستی اور تنزل کے گڑھے میں پڑی ہے۔ اس سے نکلنے کے واسطے ہاتھ پیر مارنا اس کے لئے لازمی ضروری ہے۔ اگر ایک زمانہ میں ان شروانیوں کے موشان عروج کے بعد پستی میں گرے تو وہ خدا کے فضل اور اپنے بل بوتے پر پھر سنبھل گئے۔ اسی طرح اب اس تاریک اور زوال کے زمانہ میں ان کو سنبھلنے کی کوشش کرنا چاہئے اور "لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ" کو مشعل راہ بنانا چاہئے۔ افسوس ہے کہ مسلمان خدائے عزوجل کے احکام اور ہادی برحق روحی فداہ صلعم کی ہدایتوں اور اقوال کو بھول کر فانی انسانوں کی امداد سے آسرا لگائے ہوئے ہیں۔ "افوض امری الی اللّٰہ" اور "السعی منی والاتمام من اللّٰہ" کا سبق بھول گئے جس سے دین اور دنیا دونوں ہاتھ سے جارہے ہیں۔ نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے۔

آج کل سیاسی، اقتصادی، مالی اور سماجی اور بے دینی کے ہیجان میں مسلمانوں کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اس سے نکلنے کے واسطے ہاتھ پیر چلائیں اور جمود اور خشی کی حالت سے بیدار ہوں۔ آخر یہ خواب خرگوش کب تک؟ عزل ونصب کے تھپیڑوں سے بچنے کی فکر کرنا چاہئے۔ محض قسمت اور فلک کج رفتار کو برا بھلا کہنے سے کیا حاصل ہے

خیرت ہست کہ مرغانِ چمن می گویند
کاخر اے خفتہ سر از بالشِ غفلت بردار

انھی جذبات کے ماتحت یہ گنہ گار امیدوار رحمتِ پروردگار مسلمانانِ ہند کے ایک مخصوص خاندان کی بابت اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے یہ تاریخی مضمون پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ اس مخصوص خاندان (یعنی شروانی پٹھانوں) کے حالات پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے اور اس قبیلہ کے حالات تاریخ میں اس قدر منتشر ہیں کہ ان کو یکجا کر کے سلسلہ کے ساتھ پیش کرنا ضروری سمجھا گیا۔ زمانے کی دست برد سے کتنے جواہر ریزے غائب ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ آج ہم ان کے لئے آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں۔ تھوڑے دن میں رہے سہے تاریخی اوراق بالکل مفقود ہو جائیں گے۔ اور شروانی اپنے اسلاف کو بھول جائیں گے۔ ایک زمانہ میں یہ قوم یا تو ہندوستان کے پٹھان بادشاہوں کا دست راست بنی ہوئی تھی، مغلوں سے مقابلہ پر آتی تھی اور ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھی یا آج اپنی زمینداریوں سے محروم ہو کر مقابلۃً گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہے اور اب تو ہندوستان کی موجودہ حکومت کے ہاتھوں وہ بالکل ہی پستی میں جا پڑی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ہماری علمی بے مائگی، تاریخی مواد کی کمی، اس مضمون کو بے مزہ بناتے اور ہماری مشکل راہ میں خارِ مغیلاں کا کام کر رہی ہے۔ مگر یہ زرّیں مقولہ ہماری ہمت بڑھاتا ہے کہ ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

خدائے عزّ و جل سے دعا ہے کہ ؎

ما بدیں مقصدِ عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

مواد کی کم یابی

شروانی قبیلہ کے حالات اور اس کا تاریخی مسالہ اس قدر وسیع نہیں کہ اس پر کوئی بڑی مبسوط کتاب لکھی جا سکے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ عروج کے زمانہ میں اس کے اسلاف اہلِ سیف رہے ہیں نہ کہ اہلِ قلم۔ انھوں نے آئندہ نسلوں

کے واسطے اپنے حالات کو اور شجرہ جات کو قلمبند کرنے سے گریز کیا۔ محض سیاسی اور فوجی دوڑ دھوپ میں لگے رہے۔ ان میں تاریخی علم اور روایات سینہ بہ سینہ چلتی تھیں۔ زمانہ حال کے پڑھے لکھے اور واقف حضرات نے اس طرف توجہ نہ کی (بجز معدودے چند ہستیوں کے) مگر ان کا علم بھی ان کی ذات یا گھرانے تک محدود رہا جس نے نشر و اشاعت کی روشنی نہ دیکھی آخرالذکر طبقہ اور اس انجمن کی آخری شمع جو قومی اور خاندانی تاریخ پر تیز روشنی ڈال سکتی تھی وہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا ڈاکٹر الحاج حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی ذات بابرکات تھی مگر حیف صد حیف کہ وہ بھی حال میں گل ہو گئی۔ اس کام میں اس مایۂ ناز اور قابل قدر ہستی نے (جو آج ہماری آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہے) قدم قدم پر ہماری ہمت افزائی کی اور ہر قسم کی امداد بہم پہونچائی۔ مگر افسوس ہے کہ چند وجوہ سے یہ ناچیز کتاب موصوف مرحوم کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔ ہم نے اس بارہ میں موصوف کے مشہور کتاب خانہ واقع حبیب گنج ضلع علی گڑھ سے اور خاندانی حالات کے بارے میں مرحوم کی چھوڑی ہوئی یادداشتوں سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کتاب خانہ میں جو مختصر سی یادداشت خاندانی حالات کے بارے میں ہمارے کرم فرما مولانا ظفر حسن خاں مرحوم شروانی بلونوی نے چھوڑی اس سے ہم کو بہت مدد ملی۔ مرحوم نے یہ کام بڑی عرق ریزی سے شروع کیا تھا مگر افسوس ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اس کو مکمل نہ کر سکے۔ اسی طرح دوسرے بزرگ مرحوم سمیع اللہ خاں صاحب بلونوی کے چھوٹے سے قلمی رسالے سے (جو سنہ ۱۳ھ میں بلونہ کے حالات میں مرتب کیا گیا) ہم کو بڑی مدد ملی۔

"شروانی" کی وجہ تسمیہ

مسلمانوں کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اکثر سوال کر بیٹھتے ہیں کہ لفظ "شروانی" کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ کیا وہ شر و فساد کے بانی مبانی تھے یا شیروان سے آئے تھے یا شتربانی کرتے تھے۔ ان کے مورث کب کہاں سے اور کیوں ہندوستان میں آئے کہاں بسے کیا کیا اور اب کہاں کہاں موجود ہیں اور کیا حالت ہے؟ اس مختصر کتاب میں انہی سوالات کے جوابات ہیں۔ اور سینا کے اس گلبن میں اسی کا تماشا دکھایا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ صاحبان ذوق و علم اس ناچیز کتاب کو دیکھ کر آئندہ اس سنگلاخ زمین میں اور گل کھلائیں اور اس

مضمون پر ہم سے زیادہ وسیع اور گہری روشنی ڈالیں اور ہماری کمی کو پورا کر دیں "فضّلنا بعضهم علیٰ بعض"۔

ہم نے اس مضمون کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مناسب سمجھا ہے۔

حصۂ اوّل شروانیانِ سلف کی بابت، حصۂ دوئم شروانیانِ زمانۂ حال کے متعلق اور حصۂ سوئم خاندانِ شروانی کے شجرہ جات کے بارے میں۔

زمانہ حال سے مراد انیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے (جبکہ انگریزوں کے قدم شمالی ہندوستان میں پہنچے) آج تک ہے۔ اس میں اس قبیلہ کی ممتاز ہستیوں کے تذکرے ہیں جن سے اس خاندان کے دوبارہ عروج پر روشنی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ ان کے حالات سے آج کل کے حالات کا مقابلہ کرکے ہماری آنکھیں کھلیں گی۔

حصۂ سوئم بھی ہماری ناچیز رائے میں ضروری ہے کیونکہ اب سے چند پشتوں کو چھوڑ کر ہم کو اپنے اسلاف کے مسلسل شجرے بھی معلوم نہیں ہیں اور آئندہ اتنے بھی یاد نہ رہیں گے۔

شکریۂ معاونین

اس حصۂ سوئم کی تدوین اور ترتیب بڑی جاں فشانی، عرق ریزی اور مقامی تحقیقاتوں اور خاندانی روایتوں کی فراہمی کے بعد حاجی حافظ عبدالجمیل خاں صاحب شروانی رئیس حسن پور نے کرکے ہمارا ہاتھ بٹایا اور خاندان اور تاریخ پر احسان کیا۔ خدائے تعالےٰ حاجی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ وہ قدم قدم پر ہمارے شریک رہے اور مشورہ دیتے رہے۔

مولوی عبدالشاہد خاں صاحب شروانی (اسسٹنٹ اورنیٹل سکشن لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ناظم اعلیٰ جمعیت العلما علی گڑھ، مؤلف و مرتب "باغی ہندوستان" "کاروانِ خیال" "زبدۃ الحکمۃ" وغیرہا) سے ہم کو بڑی بڑی مدد ملی۔

اسی طرح بڑی احسان فراموشی اور فروگزاشت ہوگی اگر اس سلسلہ میں مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی بلونوی کا ذکر نہ کریں۔ موصوف نے ہم کو نہ صرف افراد شروانیان کے متعلق مسالہ بہم پہونچایا بلکہ اپنے سالہا سال کے تجربہ اور واقفیت کی بنا پر ہم کو مفید مشورے دے کر اور کتاب کی طباعت کے انتظام میں عملی حصہ لے کر ہمارا ہاتھ بٹایا۔ بلا موصوف کی مدد کے

ہم اس تالیف کو شائع نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے خاندان اور علم تاریخ پر احسان کیا۔ موصوف ہی کی علمی و عملی دلچسپی سے نواب بہادر ڈاکٹر الحاج سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے دیوان اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خاں صاحب مرحوم کے مقالات کی اول مرتبہ اور فاضل زماں خاں مرحوم مغفور کی کوشش سے جو اصلاح خاندان شروانی میں مسائل شرعی کی بنا پر عمل میں آئی (جو کتاب کی شکل میں چھپ چکے تھے مگر نایاب تھے) ان کی طبع اول ۱۲۶۶ھ سے ایک سو چار سال بعد دوبارہ چھپنے کی نوبت آئی۔ اور خود اپنی طرف سے شروانی سیریز کے سلسلہ میں ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور رسالے طبع اور شائع کئے۔ ان سب سے ہم نے فائدہ اٹھایا اور مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب کو دعائیں دے رہے ہیں۔

نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم مغفور کے خلف الصدق مولوی حاجی عبید الرحمٰن خاں صاحب شروانی سابق ایم ایل اے رئیس حبیب گنج سکریٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سابق ممبر کورٹ مسلم یونیورسٹی کے ہم خاص طور سے مشکور ہیں۔ موصوف نے ہر طرح ہماری ہمت افزائی کی اپنے مشہور کتب خانہ میں کتابوں کے دیکھنے کی آسانی بہم پہونچائی اور بڑی فراخ دلی سے اس نازک زمانہ میں اس کتاب کی طباعت میں حصہ لیا۔ خدائے تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر دے۔

پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب شروانی سابق صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن رئیس دتاولی اور ان کے بھائی حاجی محمد شیث خاں صاحب شروانی نے بھی تاریخی حالات اور مفید مشوروں سے ہم کو بہت مدد دی جس کے بغیر شروانی خاندان دتاولی کے حالات نامکمل رہ جاتے۔

عبد الصبور خاں صاحب شروانی بی اے رئیس بھیکم پور نے ان ناچیز سطور میں شروانی خاندان بھیکم پور کے حالات پر نظر ثانی کر کے احسان کیا۔

جن حضرات نے ہم کو طباعت کے اخراجات کا انتظام کرنے میں مالی مدد دی اُن کو خدا جزائے خیر دے آمین! ہم ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

اظہارِ حقیقت

اگر اس ناچیز کتاب میں نادانستہ یا بغرض اظہار حقیقت تاریخی کسی پر تھوڑی بہت نکتہ چینی ہو گئی ہو تو یہ خیال نہ گزرے کہ

کسی کا دل دکھانا ہم کو مقصود نہ تھا۔ حاشا و کلا ہم اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح کسی کی جائز تعریف کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ قوم اور اس کے افراد کی بیجا مدح سرائی یا تفاخر سے کام لیا گیا۔ "پدرم سلطان بود مرا چہ" صرف اظہار حقیقت ہمارا منشا ہے ؎

صادق ہوں اپنے قول میں غالبؔ! خدا گواہ!!
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے!!!

اعترافِ کوتاہی | راقم الحروف نے حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم مغفور کے مشورہ پر ایک مرتبہ سابق صوبہ پنجاب و سرحد وغیرہ میں دورہ کر کے حالات شروانی کے کھوجنے اور مسالہ فراہم کرنے کا ارادہ کیا تھا یہ کام شروع کیا مگر افسوس ہے کہ چند وجوہ سے مکمل نہ ہو سکا تقسیم ملک نے اور بھی مشکل کر دیا۔ جو کچھ مسالہ مل سکا وہ ناظرین کے سامنے حاضر ہے۔ اتفاق اور اختلاف ان کا فعل ہے ہم کو تسلیم ہے کہ نفس مضمون اور اس کے اظہار اور زبان کے لحاظ سے ہماری روشنائی پھیکی ہے مگر قوموں کے بنانے اور بگاڑنے والے احکم الحاکمین سے دعا ہے کہ صبغۂ رجسٹری کی روشنائی کی طرح وہ عرصہ تک قائم رہے۔

اس خیال سے کہ شاید ناظرین اور ناقدین اس کتاب کو فسانۂ عجائب یا راقم الحروف کی من گھڑت کہانی نہ سمجھیں ہم نے شروع میں ماخذ حالات کی فہرست دے دی ہے۔ اور کہیں کہیں زیر متن حوالے دے دیئے ہیں ؎ سعدیؒ۔

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مراد ما نصیحت بود و گفتیم — حوالت با خدا کردیم و رفتیم

بماند سالہا این نظم و ترتیب — ز ما ہر ذرہ خاک افتادہ جائے
غرض نقشے ست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت — کند در کار مسکینے دعائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروانی نامہ

حصۂ اوّل

(شروانیانِ سلف)

اصلی وطن قبل اس کے کہ قوم شروانی کے حالات پیش کئے جائیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کا اصلی وطن ملک افغانستان کا وہ حصہ جو روہ کہلاتا ہے اور اس کا ملحقہ علاقہ تھا جہاں اب وہ خال خال رہ گئے ہیں۔ اس ملک کی وجہ تسمیہ پر اور اس میں رہنے والوں پر روشنی ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ علاوہ بریں یہ ظاہر کئے ہوئے بغیر کہ وہ شروانی کیوں کہلائے، ان کا ماحول کیا تھا، وہ جوق جوق ہندوستان میں کب اور کیوں آکر بسے ان کی کہانی نامکمل رہ جائے گی۔ افغانستان کا نام تو بہت سے حضرات نے سنا ہوگا مگر اس کی وجہ تسمیہ اور جغرافیائی حالات سے کم حضرات واقف ہوں گے۔

ہمارے ملک کے شمال اور مغربی سرحد پر پہاڑ کے درۂ خیبر سے نکل کر اور اس سے بہت تھوڑے فاصلہ پر افغانستان کا پہاڑی ملک شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے ملک بلوچستان سے اوپر درۂ بولان سے نکل کر یہ ملک ہم کو ملتا ہے۔ اس پہاڑی اور دریائی علاقہ کی آب و ہوا مائل بہ سردی ہے۔ جغرافیائی پیمائش کے لحاظ سے وہ ۳۰ اور ۳۵ درجہ شمالی عرض البلد اور ۶۰ اور ۶۵ درجہ مشرقی طول البلد کے درمیان واقع ہے۔ سمندر سے دور اور چاروں طرف خشکی اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے چٹیل اور ٹھنڈے پہاڑوں نے اور آب و ہوا نے اس میں بسنے والوں کی عادت، طرز معاشرت، تمدنی، سماجی

اور مالی اور ملکی خصوصیات پر بڑا اثر ڈال رکھا ہے۔ زراعت کی کمی ہے۔ البتہ تجارت کا کچھ سلسلہ ان میں ہے۔ معدنیات موجود ہیں مگر حکومت اور ملک اب تک ان سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ باشندگان میں سختی اور محنت برداشت کرنے کی عادتیں، مزاج میں درشتی (مگر عمدہ صحت اور تندرستی) پائی جاتی ہے۔ پھلوں کی بہتات اور ٹھنڈی آب و ہوا نے ان کو سرخ سفید بنا رکھا ہے۔ اس کے قبائل میں آزادی اور حریت کا مادہ کوٹ کوٹ کر قدرت نے بھر دیا ہے، جس کی وجہ سے آج تک کسی حکومت نے ان پر پورے طور پر قابو نہیں پایا۔ ان کے ملک کے شمال میں روسی ترکستان، مشرق میں دریائے سندھ اور پٹھانوں کی ریاست ہائے چترال، باجوڑ اور سوات واقع ہیں۔ جنوب میں چند خود مختار قبائل (جو آئے دن پڑوسیوں کو دق کرتے رہتے ہیں) اور ملک بلوچستان ہے۔ مغرب میں ملک ایران واقع ہے۔ پڑوسی ہونے کی وجہ سے افغانستان و ہندوستان میں ہزارہا سال سے تعلقات رہے ہیں خواہ وہ امن اور صلح کے ہوں یا لڑائی کے، تجارت کے ہوں یا باہمی امداد کے۔ دونوں ملکوں کے مذہب، تمدن اور سیاسیات ایک دوسرے سے متاثر ہوئے ہیں۔ پھر افغانستان اور درۂ خیبر ہی کیا اس کی مشرقی سرحد کے قریبا سے گزر کر وسط ایشیا سے آنے والی آرین اقوام ہندوستان میں آئیں۔ ان کے بعد دولت حاصل کرنے کے لالچ سے یا زرخیز اور نرم آب و ہوا کے ملک میں بسنے کی غرض سے بہت سی قومیں اور گروہ افغانستان اور درۂ خیبر کے ذریعہ ہو کر ہندوستان آئے۔ باہر سے آنے والی جنگجو اور تجارت پیشہ اقوام کچھ افغانستان میں کچھ ہندوستان میں بس گئیں اور کچھ لوٹ مار کر کے چلی گئیں۔ یہاں ان لوگوں نے کچھ باتیں سیکھیں اور کچھ سکھائیں۔ ایسی حالت میں صاف ظاہر ہے کہ دونوں ملکوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا اور رہے گا۔

افغانستان، افغان اور پٹھان کی وجہ تسمیہ

افغانستان کے معنی ہیں افغانوں کے رہنے کی جگہ۔ فارسی کا ستان اور سنسکرت کا استھان دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ مگر افغانستان نام نسبتاً نیا اور حال کا ہے۔ حضرت مسیح سے دو ڈیڑھ ہزار سال

(بلکہ اس سے بھی زیادہ) قبل ویدک دھرم کے زمانہ میں اس ملک کا پرانا نام "پکھتا" परवता تھا۔ اسی سے پختونا نکلا۔ یونانیوں کے قائد اعظم سکندر کے ساتھ آنے والے یونانیوں نے اس کو "بیکڑیا" اور ایرانیوں نے اس کو "باختر" یا "باختریا" بنا دیا۔ یہ تماشا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ زبان میں تبدیلیاں ایک بڑی دلچسپ بحث ہے۔ آگے چل کر یہی پکھتا لفظ پٹھان اور ان کی مادری زبان پختون یا پشتو کی وجہ تسمیہ بنا۔ مورخین (اور بالخصوص مسلمان مورخین) نے لفظ پٹھان کے بارے میں خوب عقلی گدّے اڑائے۔ بعض نے کہا کہ افغانستان میں بسنے والی قوم پٹھان اس وجہ سے کہلائی کہ وہ سب سے پہلے ہندوستان کے شہر پاٹن یا پٹنہ میں آکر آباد ہوئی۔ "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" کی مثل اس قول پر صادق آتی ہے۔ اوّل تو پٹھان پٹنہ کی طرف بہت ہی حال کے زمانہ میں آئے۔ اور پھر یہ خیال کہ وہ درمیانی مقامات کو چھوڑ کر پٹنہ میں آئے، سراسر لغو ہے۔ کیا افغانستان کے کل پٹھان پٹنہ میں چلے آئے۔ اگر چند ہزار نفوس بھی چلے آئے ہوں تو جو لوگ افغانستان میں رہ گئے وہ پٹھان کیوں کہلائے۔ بعض نے قیاس کیا کہ یہ قوم پٹھان اس وجہ سے کہلائی کہ ان کے مورث اعلیٰ قیس عبدالرشید کا ایک بیٹا پٹن تھا۔ مگر ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ قیس سے پہلے بھی پٹھان یہاں رہتے تھے اور پٹن کی اولاد پٹنی کہلائی جو آج تک دونوں ملکوں کی سرحد کے آس پاس موجود ہے۔ پھر ایک تیسرے گروہ نے یہ گل کھلایا کہ اس قوم کے مورث حضرت خالد بن ولید (مشرف باسلام ۸ھ) اسلام سے مشرف ہونے کے بعد غزوات میں بہادری اور جاں نثاری دکھانے کی وجہ سے حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتّان کا خطاب دیا۔ عربی زبان میں بتّان جہاز کے سب سے نیچے کے پیندے کو کہتے ہیں۔ ہندی کا پیندا، انگریزی کا باٹم اور عربی کا بتّان ایک ہی نسل سے ہیں۔

کیا خوب! ملک پکھتا میں بسنے والے پٹھان تو حضرت رسول خدا (روحی فداہ) سے بہت قبل آباد تھے۔ راقم الحروف کے نزدیک لفظ پٹھان پکھتا سے نکلا ہے اور اس کے یاد رکھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

اب رہا لفظ افغان اس کی وجہ تسمیہ بھی سُن لیجئے۔ اس کے بارہ میں بھی
علم الاقوام کے ماہرین نے بال کی کھال نکالنے کی کوشش کی ہے۔ پوری بحث کے
واسطے ایک دفتر چاہیئے۔ ہم مختصراً عرض کریں گے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ افغانوں
کا مورثِ اعلیٰ ساؤل طالوت یہودی تھا جو نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی
نسل سے تھا۔ اسی یہودا کی اولاد یہودی کہلائی۔ آج سے تخمیناً تین ہزار سال قبل ایشیا
کے ملک بابل کے زبردست اور ظالم بادشاہ نے یہودیوں کا ملک فلسطین فتح کیا۔ اور
وہاں سے یہودیوں کو نکالا۔ انہیں آوارہ وطن لوگوں میں ملک ساؤل طالوت کا پوتا
افغان نامی تھا۔ یہ بدقسمت لوگ بھاگ کر ادھر اُدھر چلے گئے (جیسا کہ آج کل بھی ہو رہا ہے) افغان
یہودی مع اپنے خاندان اور قبیلے کے شام، عراق اور ایران کے ملکوں میں ہوتا ہوا بابل سے دُور
ملک پختونخوا کے اس حصہ میں آکر بسا جہاں کوہ سلیمان ہے۔ اس کی نسل کے افغانی تمام ملک میں
پھیلے اور اس کی وجہ سے بعد میں یہ ملک افغانستان اور قوم افغان کہلائی۔ اس قول کے ماہرین
اپنی تائید میں جو دلیلیں پیش کرتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ یہودیوں اور افغانوں کی شکل شباہت
اور جسمانی ساخت ایک ہے۔ ان کی زبانوں کے بعض الفاظ مشترک مخرجوں سے نکلتے ہیں۔ دونوں
قوموں کی بعض عادتیں اور خصلتیں ملتی جلتی ہیں۔ ایک دوسرا قول سنئے۔ نبی حضرت نوح
علیہ السلام کا ایک بیٹا یا پوتا ارمیہ تھا۔ اسی کا دوسرا نام ساؤل طالوت تھا۔ اسی کی نسل کوہ قاف
کے ملک میں آباد ہوئی اور اس کی وجہ سے دنیا کا یہ حصہ آج تک آرمینیہ کہلاتا ہے۔ اسی نسل کے
کچھ لوگ مردم شماری اور آبادی بڑھنے کی وجہ سے اپنی روزی اور جائے رہائش کی تلاش میں پختونخوا
میں پہونچے۔ اور اس ملک کا نام افغانستان اس وجہ سے پڑا کہ اس قوم کے لوگ اپنے سرداروں کو
اغوانج کہتے تھے جس سے اغوان اور پھر افغان ہوا۔ چنانچہ آج تک ہندوستان میں بعض جگہ اور بعض
لوگ پٹھانوں کو اغوان کہتے ہیں۔ ہندوستان میں رہتے رہتے اور زمانہ گزرتے گزرتے مسلمانوں کی ایک
علیحدہ قوم اغوان بن گئی جو اب زراعت پیشہ ہیں۔ چنانچہ صوبہ ہند کے ضلع مراد آباد میں دریائے
رام گنگا کے قریب ایک موضع اغوان پور آج تک موجود ہے۔ یہ قوم اس ضلع کے
دیگر دیہاتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اب ایک تیسرا قول پیش کیا جاتا ہے۔ یونانی زبان
میں افغان کی نسل اوغان کہلائی۔ اسی نسل کے کچھ لوگ یونان کے ملک البانیہ میں

(جو اب یونان سے علیحدہ مگر اس سے ملحق واقع ہے) جار ہے۔ مورخین کے اس گروہ کا خیال ہے کہ یہ اوغان سکندر اعظم کے ساتھ افغانستان میں آئے اور اس کی واپسی کے بعد ان میں سے کچھ یہیں رہ پڑے۔ ایک چوتھا قول اور بھی ہے جس سے لفظ افغانستان کی وجہ تسمیہ پر تو روشنی نہیں پڑتی البتہ ان کی نسل سے اس کا تعلق ہے یہ گروہ افغانوں کے جد پدری کا نکاس ضحاک کا تازی سے بتاتا ہے جس کو عرب میں قیس کہتے تھے اور جو قبیلہ بنو عامر کا سردار تھا۔ اس کا زمانہ اور نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا زمانہ ایک کہا جاتا ہے۔ اسی سے ایران کے شہر ہمدان کی بنا ڈالنے کو منسوب کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی نسل کے کچھ لوگ اپنے وطن سے مشرق کی طرف کوہ سلیمان کے جوار میں آباد ہوئے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ قیس تھا۔ مگر اس نام کے ساتھ عبدالرشید لگا ہوا ہے۔ نہ معلوم کہ یہ اسلام کے زمانہ کا ہے یا یہودیوں میں بھی یہ نام رائج تھا۔ الغرض "جتنے منہ اتنی باتیں"۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ان اقوال میں اوّل الذکر یعنی اس قوم کا افغان نامی سردار کی اولاد ہونا سیدھا سادھا اور قابل قیاس قول معلوم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر مقامات سردار قبیلہ کے نام سے دنیا میں مشہور ہوتے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً چین، روس، آرمینیہ، شام، قسطنطنیہ وغیرہ۔ یہ بڑی دلیل اس امر کی ہے کہ یہ پہاڑی ملک افغان کی اولاد کی وجہ سے افغانستان کہلایا۔ اور اس اولاد کو پکھتا کی وجہ سے کسی نے پٹھان کہا اور کسی نے افغان ؎

بہر رنگے کہ تو اہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

افغانیوں کا اسلام سے مشرف ہونا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغانی مذہب اسلام سے کب اور کیونکر مشرف ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اوائل اسلام کے مشہور فوجی قائد حضرت خالد بن ولید (جو یہودی النسل سے تھے) مجتب حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے تو انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو ملک غور اور کوہ سلیمان کے جوار سے بلایا۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ قوم ان کے ساتھ غزوات اور لڑائیوں میں شریک رہی۔ اور مسلمان ہونے کے بعد ان کے سردار قیس کا نام عبدالرشید رکھا گیا۔ بعض مورخین کے نزدیک قیس عبدالرشید اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان چھ سو تین پشتوں کا فرق تھا۔ اگر تاریخی اصول کے مطابق ایک پشت تیس سال کی مانی جائے تو دونوں کے درمیان کل اٹھارہ ہزار نوے برس ہوتے ہیں۔ چونکہ اس مدت کے بارے میں کوئی مستند تاریخی مسالہ موجود نہیں ہے اس لئے یہ بیان قیاس آرائی سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ اسلام کو رائج ہوئے قریب پونے چودہ سو برس کے ہوئے اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے قبل یہ قوم یا تو یہودی مذہب رکھتی تھی یا اوروں کی طرح سے بت پرست وغیرہ تھی۔ افغانستان میں آجکل بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو وہاں کے اصلی باشندے نہیں بلکہ ان کے اسلاف باہر کے ملکوں سے آکر بسے۔ مثلاً ترک، تاجیک، قزلباش، سادات وغیرہ۔ ان کے علاوہ اس ملک کے اس حصہ میں جو کافرستان کہلاتا ہے غیر مذہب کے لوگ بھی موجود ہیں۔ چونکہ یہ لوگ افغانستان کے ملک میں رہتے ہیں، افغانی کہلاتے ہیں مگر عموماً پٹھان نہیں کہلاتے۔ اسی فرق سے ظاہر ہے کہ پٹھان پکتھا یا پختونا میں ایک عرصہ سے آباد تھے۔ آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل وہ بدھ مت کے پیرو بھی تھے ہیں جس کے تاریخی ثبوت موجود ہیں۔ القصہ اس قدر تمہید کے بعد اب ہمارے مضمون کا سلسلہ قیس عبدالرشید سے چلتا ہے۔ قیس عبدالرشید کے تین بیٹے ہوئے۔ یعنی

قیس عبدالرشید کی اولاد

(۱) سڑبن عرف ابراہیم (۲) بٹن عرف شیخ بیٹ (۳) غورغشت۔ جملہ قبیلوں کے پٹھانوں کا نکاس انہی تینوں میں سے کسی ایک سے ہے۔ پشتو زبان میں بٹن کے معنی پارسا کے ہیں۔ اسی وجہ سے بٹن کو شیخ بیٹ بھی کہتے ہیں۔

ان اولاد کے قبیلوں کی تعداد ہزاروں تک ہو چکی ہے۔ ہر ایک خیل اپنے مورث

کے نام سے مشہور ہوا۔ ان سب کے حالات ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہیں۔ ہم صرف اس شاخ پر روشنی ڈالیں گے جس سے قبیلہ شروانی نکلا۔ بٹن کی اولاد میں ایک لڑکی بی بی متّو تھی۔ ان کا تعلق علاقہ غور کے ایک ممتاز سید شاہ حسین غوری سے ہو گیا۔ شاہ حسین غوری بن شاہ علی معزالدین بن سلطان بہرام گور بن ملکِ غوری آخرالذکر اور حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا زمانہ ایک بتایا جاتا ہے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ھ) کے زمانہ میں سید شاہ حسین غوری کسی وجہ سے غور سے نکل کر کوہ سلیمان کے جوار میں بٹن ابن قیس عبدالرشید کے یہاں آ رہے تھے۔ اس رہائش سے یہ گل کھلا کہ شاہ حسین غوری اور بی بی متّو سے قبل نکاح ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جو غلزی کہلایا۔ یعنی چور کی اولاد۔ جب یہ راز کھلا تو بٹن کو فکر پیدا ہوئی۔ اس نے سید شاہ حسین غوری کے حسب نسب کے بارے میں تحقیقات کرائی اور بی بی متّو کا نکاح حسین غوری سے کر دیا۔ اس نکاح کے بعد سید حسین غوری اور بی بی متّو کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ یعنی لودی بہ معنی کلاں و سروانی۔ اس حسب نسب کے بارہ میں مورخین میں جو اختلاف ہے اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ بعض کا قول ہے کہ بٹن نے جس شخص کو شاہ حسین غوری کے خاندان کے متعلق تحقیقات کرنے کے واسطے ملک غور میں بھیجا اس کا نام کاغ دوڑ تھا۔ اس کاغ دوڑ کی ایک بیٹی ہی تھی۔

شروانیوں کے مورثِ اعلیٰ

شاہ حسین غوری نے ہی سے بھی نکاح کر لیا اور اس سے دو بیٹے لودی اور سروانی پیدا ہوئے۔ حافظ رحمت خاں روہیلہ مرحوم نے بھی اپنی کتاب خلاصۃ الانساب میں اس امر پر روشنی ڈالی ہے مگر ہم ان کے بیان کو مخزن افاغنہ کے مصنف خواجہ نعمت اللہ کے بیان پر اس وجہ سے ترجیح نہیں دے سکتے کہ مخزن افاغنہ کتاب خلاصۃ الانساب سے بہت پہلے تصنیف ہوئی۔ اور حافظ رحمت خاں کا زمانہ حال میں تھا۔ حافظ صاحب نے کسی سند کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ امر متفقہ ہے کہ سید حسین غوری لودی اور سروانی کے باپ تھے لودیوں اور سروانیوں کا کاغ دوڑ کی بیٹی ہی کی اولاد

ہونا اس وجہ سے بھی غلط معلوم ہوتا ہے کہ لودی اور سروانی افغانستان میں کہیں کہیں ماتی کہلائے۔ سید شاہ حسین غوری کی اولاد ہونے کے لحاظ سے لودی اور سروانی دونوں سید ہیں مگر مورخین نے ان کا شمار پٹھانوں میں اس وجہ سے کیا کہ دونوں نے بٹن کی اولاد کے ساتھ پٹھان کے گھر میں پرورش پائی اور ان کی ماں یعنی متّو بھی پٹھان کی اولاد سے تھی۔ افغانستان میں ایسے قبیلے آج تک موجود ہیں جن کے باپ دراصل پٹھان نہ تھے مگر ان کا شمار کسی نہ کسی وجہ سے پٹھانوں میں کیا گیا۔ جیسے خٹک، اورک زئی کرانی وغیرہ۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ قیس عبدالرشید اور سید شاہ حسین غوری دونوں کا نسلی سلسلہ ضحاک تازی تک پہونچتا ہے۔ لفظ سَروانی کو بعض مورخین نے دیگر قبیلوں کے نام سے مخلوط کر دیا۔ مثلاً سڑبینی، شیرانی اور سروانیوں کے تاریخی واقعات کو مخلوط کر کے غلط بیانات اپنی کتابوں میں درج کر دیئے۔ بعض نے خیال کیا کہ یہ قوم شیروانی اس وجہ سے کہلائی کہ اس کے اسلاف ملک ایران کے شہر شیروان سے آئے تھے جو کہ مشہور شاعر خاقانی کا وطن تھا۔ بعض نے کہا کہ اس قوم کے مورث سرحدی ریاست ہائے باجوڑ یا سوات کے قریہ شیروان کے رہنے والے تھے۔ یہ دونوں قیاس آرائیاں بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ اس قبیلہ کا نام شیروانی نہیں ہے بلکہ صحیح لفظ اپنے مورث کے نام کی وجہ سے سَروانی ہے کثرت استعمال سے سَروانی ہوگیا۔ شیروانی بعض کی ناواقفیت کی وجہ سے استعمال ہونے لگا۔ صوبہ یو۔ پی کے ضلع فرخ آباد کے قصبہ شمس آباد میں آج تک ایک محلہ (جس میں اس خیل کے لوگ رہتے ہیں) سروانی ٹولہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح ضلع مین پوری کے قصبات رابٹری اور باڑہم میں بھی سروانیوں کے نام سے سروانی ٹولہ محلے تھے۔ بعض تواریخ نے بھی سروانی لکھا ہے نہ کہ شروانی یا شیروانی۔

قوم ٹتّی

القصہ ٹتّی کی اولاد ذکور بہت بڑھی اور ٹتّی کہلائی۔ لوگوں نے اس کو بھی بگاڑ کر بھتّی کر دیا۔ یعنی ہائے مخلوط کا اضافہ کر دیا۔ اس خیل کے لوگ علاقہ وزیرستان میں آج تک آباد ہیں۔ آئے دن لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔

خال خال ہندوستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ضلع ایٹہ کے قصبہ سہاور کے پٹھان بٹنی ہیں۔ نگران سے اور اضلاع علی گڑھ اور ایٹہ کے شروانیوں سے شادی بیاہ کے تعلقات ہیں۔ اس شجرہ کے لحاظ سے بٹنی شروانیوں کے ماموں ہوئے۔ لودی کی اولاد میں سوری، نیازی اور لوحانی بھی ہوئے۔ لودی اور سروانی کی اولاد میں ان خیلوں کے افراد نے آگے چل کر ہندوستان کی تاریخ پر بڑا اثر ڈالا (جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے) لودی کی اولاد میں بہت سے خیل مشہور ہوئے۔

قبیلہ سڑانی کے خیل

برخلاف اس کے سروانی کی اولاد کے خیل غیر معروف رہے بلکہ سب زیادہ تر سروانی ہی کے نام سے پکارے گئے۔ یہاں بھی حافظ رحمت خاں مرحوم روہیلہ نے دیگر مورخین کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ بقول حافظ صاحب کے سروانیوں میں کوئی اور خیل نہ تھے۔ یہ رائے بھی غلط ہے۔ خود سڑانی قوم کے اکبری عہد کے مورخ اور راقم الحروف کے ہم نام عباس سروانی نے (جو شیر شاہ کی تاریخ شیر شاہی عرف تحفہ اکبر شاہی کا مصنف تھا) بتایا ہے کہ سروانیوں میں دو خیل بہت مشہور ہوئے یعنی گگبور اور اجا خیل۔ اس کی تائید بعد کے مورخ خواجہ نعمت اللہ (مخزن افاغنہ) سے اور دیگر مورخین سے بھی ہوتی ہے۔ گگبور نامی پٹھان کا شجرہ یہ ہے کہ گگبور بن سوری بن سڑپال بن سڑانی اور اجا خیل کا شجرہ یہ ہے: اجا خیل بن یوسف بن یونس بن ابو الفرح بن سانی بن سڑانی۔ گگبور کی اولاد میں کئی ایک اولیاء کرام گزرے ہیں۔ مثلاً: شیخ ملیح قتال بن سلیمان دانا بن شیخ جوان مرد۔ شیخ احمد زندہ پیر بھی حضرت شیخ ملیح قتال کی اولاد میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بقول مخزن افاغنہ کے سروانیوں میں ۱۰۵ خیل تھے۔ تاریخ خورشید جہاں نے ان کے ۵۲ خیل بتائے ہیں۔ حافظ رحمت خاں مرحوم کے قول کی بنا یہ معلوم ہوتی ہے کہ سروانیوں کے مشہور سرداروں نے اپنے ناموں کے ساتھ لفظ سروانی یا وہ خیل نہ لکھا جو سڑانی کی اولاد میں سے ان سے تعلق رکھتا تھا۔ جو بمقابلہ دیگر خاندانوں کے

میاں خیل، لوحانیوں اور بختیاریوں نے کسی بات پر ناراض ہو کر سروانیوں پر حملہ کر دیا جس میں بہت سے سروانی کام آئے اور بیچارے بے بال و پر رہ گئے۔ ان حادثات اور ترک وطن کا یہ نتیجہ ہوا کہ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک سروانی قبیلہ کے لوگ خال خال افغانستان میں رہ گئے۔ کچھ غزنین اور قندھار کے جوار میں جا بسے جہاں وہ اب تک موجود ہیں۔ کچھ ہندوستان کے مختلف حصوں میں آ پڑے۔ البتہ ہندوستان میں ان کی آبادی بڑھ گئی۔ افغانستان میں لودیوں کے ساتھ کہیں کہیں وہ ماتی یعنی بی بی متو کی اولاد کہلائے جانے لگے اور لوگ تگلبور اور اجاخیل سٹرپال وغیرہ کے نام بھول گئے۔ دنیا میں ہمیشہ سے یہی عزل و نصب ہوتا رہا ہے ہمارے ہندوستان میں بھی یہی دل دکھانے والا تماشا دیکھنے میں آ رہا ہے جس کی وجہ سے اعزا ایک دوسرے سے علیحدہ اور منتشر ہو رہے ہیں۔ اور ان کا وطن ہی نہیں چھوٹ رہا بلکہ چھکے چھوٹ رہے ہیں۔ مگر انسان کو خدائے تعالےٰ کی رحمت سے کبھی نا امید نہیں ہونا چاہیئے ؎

زرنج و راحتِ گیتی مشو غمگین مرنجاں دل — کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

ہم کہاں سے کہاں پہونچے۔

شروانی ہندوستان میں کب اور کہاں سے آئے؟

القصہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سروانی ہندوستان میں کب اور کیوں آ کر رہے؟ اس مسئلہ پر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ ہندوستان میں پٹھانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ عام طور پر تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں خلفائے بنو امیہ کے زمانہ میں قاسم ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے ملک سندھ پر حملہ کر کے اس گوشہ میں مسلمانوں کی سب سے پہلی حکومت یہاں قائم کی۔ وہ بلوچستان کے صوبہ جات سیستان اور مکران میں ہو کر آئے تھے۔ اور ان کے قدم جمتے ہی پٹھانوں

کو اس ملک سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس کی زرخیزی اور آب و ہوا کا مزہ چکھنا
شروع کر دیا۔ مگر اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت ہم کو نہیں مل سکا کہ ان پٹھانوں میں کا
کون خیل تھے۔ وہ مستقل طور پر یہاں آکر رہے یا واپس چلے گئے۔ نہ وہ ابھی تک
سندھ سے آگے بڑھے۔

اس زمانہ کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد جب غزنین کے سلطان سبکتگین
اور اس کے مشہور بیٹے محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملے کئے تو وہ اپنی
فوج میں دیگر مسلمان اقوام کے ساتھ پٹھانوں کو بھی لائے اور ان کے لئے
ہندوستان جیسے زرخیز ملک کے راستے کھول دیئے[1]۔ اب افغانستان
کے چٹیل پہاڑوں اور بھیڑ بکریوں کی تجارت پر گزر بسر کرنے کے مقابلہ میں
ہندوستان کی دولت اور نرم آب و ہوا نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ قدیم گندھارا
کے عروج کے بعد اور یہاں سے باہر کے حملہ آوروں کے چلے جانے کے بعد
افغانستان اور ہندوستان کو ایک دوسرے سے کچھ بے خبری ہو گئی تھی وہ
دور ہوئی اور کچھ دن کے لئے ان افغانیوں کے واسطے ہندوستان گھر آنگن
بن گیا۔ تاریخ فرشتہ نے ان پٹھان سرداروں کے نام بتائے ہیں جو غزنوی
فوج کے ساتھ ہندوستان میں آئے اگرچہ ان کے خیل اور قبیلوں کے نام درج
نہیں کئے۔ تاریخ فرشتہ کے انگریزی زبان میں مترجم ڈورن نے انگریزی ترجمہ
کے حاشیہ پر مستشرق اور محقق ونیسی ٹارٹ کے ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے
جو رسالہ ایشیاٹک ریسرچیز ASIATIC RESEARCHES میں شائع ہوا۔ اس مضمون
میں ونیسی ٹارٹ نے بتایا ہے کہ آخر زمانہ میں محمود غزنوی کی فوج میں زیادہ تر پٹھان
ہی ملازم تھے۔ اور محمود غزنوی نے پٹھانوں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے
تھے[2]۔ غزنین سے چل کر شمالی ہندوستان میں پہنچنے کے جو راستے تھے ان پر

---

[1]۔ تاریخ فرشتہ داستان ترکتازان ہند۔ [2]۔ ڈورن ونیسی ٹارٹ

سروانیوں کی بستیاں بھی آجاتی ہیں۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ محمود غزنوی کی فوج میں سروانی افراد بھی شریک رہے ہوں گے۔ غزنوی خاندان کی مستقل حکومت لاہور سے آگے نہیں بڑھی۔ اور اس کے خاتمہ کے بعد کچھ دن کے لئے ہندوستان سے مسلمانوں کا مستقل تعلق جاتا رہا۔ بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں غزنویوں کے جانشین سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری نے سیاسی وجوہ اور ملک کے مفاد کی بنا پر قندھار سے لیکر پنجاب کے شہر ملتان تک پٹھانوں کو بسایا۔[1] شہاب الدین غوری کے جانشین قطب الدین ایبک کے زمانہ میں (یعنی بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں) دو افغان سرداروں کے نام ہم کو تاریخ میں اس کی فوج کے سلسلہ میں ملتے ہیں۔ یعنی جان عالم ماتی اور قادر داد ماتی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے یہ دونوں یا تو لودی تھے یا سروانی کیونکہ صرف ان ہی دو قبیلوں کو ماتی کہا جاتا ہے۔ بقول تاج المآثر[1] اور دیگر[2] تواریخ[3] کے قطب الدین ایبک نے ۱۱۹۴ء میں کول (موجودہ علی گڑھ) کا مضبوط قلعہ (جس میں دولت بھری پڑی تھی) فتح کیا۔ اس زمانہ میں یہاں برن (موجودہ بلند شہر) رشتہ دار اور ڈوررا جپوت راجہ چندرسین کی حکومت تھی۔ اب پٹھانوں نے دوآبہ کا ملک اور راستہ بھی دیکھ لیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط (یعنی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں) کچھ پٹھان اس کی فوج میں ملازم تھے اور کچھ تجارت کے سلسلہ میں ہندوستان میں آتے جاتے تھے۔[4] جنرل کننگ ہم نے اپنی کتاب آرکیولوجیکل سروے رپورٹ کے جلد ۱۱ صفحہ ۲ پر تاریخ فرشتہ کے اس بیان کا حوالہ دیا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ لغایتہ ۶۸۶ھ) کے عہد میں صوبہ بدایوں کا گورنر یا حاکم ملک فیض سروانی تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی آب و ہوا، یہاں کے عیش و عشرت اور حکومت کے نشہ نے مسلمان سرداروں کے دماغ بدل دیئے۔ غیاث الدین بلبن اپنے عدل میں مشہور تھا۔ جب وہ دورہ میں بدایوں پہونچا تو ایک فراش کی بیوہ نے اس کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ گورنر ملک فیض نے شراب سے مخمور ہو کر اس کے خاوند کو قتل کرا دیا۔ اس پر غیاث الدین بلبن نے ملک فیض سے قصاص لیا اور اس کو قتل کرا دیا۔ حکومت میں پٹھانوں کی اس شرکت اور دخل کا سلسلہ تھوڑا

---

[1] تاج المآثر [2] طبقات ناصری [3] خورشید جہاں [4] طبقات ناصری

بہت برابر جاری رہا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں بھی (۷۲۵ھ سے ۷۵۱ھ تک)
میں اس کی طرف سے پٹھان افسر چھوٹے چھوٹے عہدوں پر تعینات تھے۔ اس کے جانشین
سلطان فیروز شاہ تغلق[1] نے اپنے عہد میں (۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک) پٹھان سرداروں کو
بڑھایا۔ ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ان میں خان جہاں لودی، بہرام خاں ماتی، ملک
سروانی اور ملک بیرا افغان مشہور تھے۔

چونکہ مورخ نے لودی اور ماتی میں فرق کیا ہے اس لئے تعجب نہیں بہرام خاں بھی
قبیلے کے ہوں۔ ملک قبول[2] سروانی کے نام سے بدایوں میں آج تک ایک محلہ قبول پورہ ان
یاد دلا رہا ہے۔ اور بدایوں میں آج تک دو چار گھرانے سروانیوں کے ہیں۔ لودی قبیلے کے تو کئی
خاندان موجود ہیں۔ اس زمانہ میں شمالی ہندوستان میں سربرآوردہ پٹھان خاندانوں کی موجودگی
ایک ثبوت تحریری ہم کو اور ملا۔ محمود شاہ تغلق کے عہد میں جبکہ خاندان تغلق کا چراغ ٹمٹما رہا تھا
آخر وقت تھا یعنی جون ۱۳۹۷ء میں داؤد خاں افغان نے پنجاب کے قصبہ روہتک میں ایک
تعمیر کرائی جس پر راقم الحروف نے یہ کتبہ[3] دیکھا "بنا کرد این مسجد خان اعظم بزرگ زیدہ ... خان
داؤد خاں بن .... مرحوم مغفور ملک الشرق علاء الدولہ والدین ملک میاں ....
افغان .... الخامس والعشرین الرمضان سنہ تسع تسعین ۷۹۹ ... کتبہ شکستہ حالت
میں ہے اور کہیں کہیں نام پڑھنے میں نہیں آئے۔ داؤد خاں کے نام کے ساتھ جو درج ہے
ملک الشرق کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدولہ کا تعلق ہندوستان کے مشرقی صوبوں سے
بھی تھا۔ یہ افغان غالباً لودی یا سروانی ہوں گے کیونکہ ان کی آمد و رفت اس زمانہ میں شروع
ہو گئی تھی۔ راقم الحروف کو اسی روہتک میں ایک کتبہ اس کے کچھ زمانہ بعد کا ایسا ملا جس سے
معلوم ہوا کہ سروانی خاندان بھی یہاں آباد تھے۔ اس کا ذکر مناسب موقعہ پر آگے آئے گا۔ تغلق
خاندان کے آخر اور زوال کے زمانہ میں تیمور لنگ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کی فوج میں
لودی اور سروانی سرداران بھی موجود تھے۔ سروانیوں کا سردار ملک[4] یوسف سروانی تھا۔ تاہم

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی [2] تاریخ فرشتہ ... [3] ایپی گرافیا ...
[4] جلد ۲ ص ۱۳۱ مخزن افاغنہ

کے رواج کے خلاف سرداران قبیلہ اپنی اعزا اور برادری کا خیال کرتے تھے ان پہ بھروسا کرتے تھے اور ان کی امداد مدنظر ہوتی تھی۔ سرداران قبیلہ کے ذریعہ سے ہی فوج بھرتی کی جاتی تھی۔ مخزن افاغنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حملہ کے سلسلہ میں سروانیوں نے دوآبہ گنگا جمنا میں کول جلالی تک دھاوا بولا اور اس طریقہ سے ملک کے اس حصہ کے راستے دیکھ لئے جہاں بعد کو سروانی قبیلہ آکر بسا۔ اگرچہ اس موقع پر انہوں نے ان اطراف میں مستقل سکونت اختیار نہیں کی مگر بقول شخصے "فرشتوں نے گھر تو دیکھ لیا"۔ جب تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور شمالی ہندوستان کی سیاسی بساط پہ فلک نے نئی چال چل کر خاندان سادات کے مہروں کو آگے بڑھایا، تو پٹھان پیادوں نے ہاتھ پیر نکالے اور سادات کو شہ مات دیا۔ آگے بڑھ کر ان کے اقبال کا ستارہ بہت بلند ہوا۔ اور بلند ہو کر اس قدر چمکا کہ بدر کامل ہو گیا۔ خاندان سادات کے عہد میں پٹھانوں نے حکومت کے خواب دیکھنا شروع کئے۔ اور ان خوابوں کی تعبیر ان کے حق میں مفید نکلی پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں کچھ تازہ وارد ملک روہ افغانستان سے آکر ملتان میں بسے اور پھر انہوں نے دہلی کی طرف قدم بڑھائے۔

خاندان بہلول لودی کا ہندوستان میں آنا اور عروج

ان پٹھانوں میں ملک بہرام لودی کے بیٹے سلطان شاہ لودی، کالا لودی اور ملک فیروز، ملک محمد اور ملک خواجہ بھی شامل تھے[1] ملک سلطان شاہ لودی نے دہلی کے بادشاہ سید خضر خاں کی ملازمت اختیار کر لی سنہ ۸۲۰ھ میں سرہند (حال ریاست پٹیالہ) کا عامل مقرر ہوا۔ اور بادشاہ دہلی نے اس کو اسلام خاں کا خطاب دیا۔ دولت خاں لودی کو گنگا جمنا کے دوآبہ میں شقدار (حاکم ضلع) مقرر کیا۔ یہ وہ مقامات ہیں جو آئندہ چل کر سروانی خاندانوں کے گھر بنے۔ سرہند ان کی جاگیر میں شامل ہوا۔ لودی سرداروں نے اپنے بنی اعمام سروانیوں کو بھی ان کے وطن سے بلایا اور کاموں پر لگایا۔ روزگار نے سروانیوں کی بھی روزی اتاری۔ سید خضر خاں کے جانشین سید مبارک شاہ کے عہد میں بھی پٹھانوں کا بول بالا رہا۔ ملک کالا لودی کا بیٹا بہلول لودی تھا، جو سلطان شاہ لودی کا داماد تھا یہ وہی بہلول لودی

---

[1] فرشتہ آئین اکبری خلاصۃ التواریخ

ہے جس کی قسمت کا آفتاب شمالی ہندوستان کی افق پر طلوع ہوا۔ اور آفتاب نصف النہار کی طرح
عالم تاب ہوا۔ اس کے ہاتھوں خاندان سادات کا خاتمہ ہوا۔ اور دہلی میں خاندان لودی کی حکومت
کی بنا پڑی۔ یہاں خاندان لودی یا اس کے بعد خاندان سوری کی تاریخ ہمارا مقصد نہیں مگر ان
قبیلوں کا اور سروانیوں کا گہرا تعلق رہا ہے۔ اور دامن چولی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے
ضمناً ان کا ذکر ضروری ہے۔ دہلی کے بادشاہ سید بادشاہ نے بہلول لودی کی خداداد لیاقت
اور بہادری دیکھکر اس کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا۔ اس بادشاہ کے جانشین علاؤ الدین عالم شاہ کی
آرام و عیش طلبی کمزوری اور نالائقی نے خاندان سادات کی نہ محض چولیں ہلا دیں بلکہ ہمیشہ کے
لئے اس کو ختم کر دیا۔ صوبوں کے عاملان قریب قریب خود مختار بن بیٹھے۔ بادشاہ نے دہلی کی
سکونت چھوڑکر بدایوں میں رہنا اختیار کیا۔ وہیں اس نے انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوا۔ آج
اس کا مزار کس مپرسی کی حالت میں "کل من علیہا فان" کا سبق سنا رہا ہے۔ جو لوگ خدائے تعالیٰ
کی دی ہوئی دولت اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں وہ دولت اور نعمت ان
سے جلد چھین لی جاتی ہے اور دوسروں کو عطا کر دی جاتی ہے۔ اس قانون قدرت سے کوئی
چارہ نہیں ہے۔ جونپور کے صوبہ دار ملک الشرق سدرجہاں نے وہاں خود مختار شرقی سلطنت کی
بنا ڈالی۔ ادھر دہلی کے عامل حمید خاں نے اس راجدھانی پر قبضہ جمایا۔ بہلول لودی بھی دہلی
کی تاک میں لگا ہوا مناسب موقع اور تدبیر کا منتظر تھا۔ زمانہ کی حالت سے فائدہ اٹھا کر بہلول
لودی نے سیاسی چال چلی۔ تقدیر ایک ہاتھ اور تدبیر نے دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر مدد کی
بہلول حمید خاں سے کھلم کھلا طور پر لڑنے اور اس کو بے دخل کرنے کے قابل نہ تھا۔ حمید خاں
کی شامت اعمال ایک روز اسی نے بہلول لودی کو دہلی کے قلعہ میں کھانے کے واسطے مدعو
کیا۔ بہلول نے سوچا کہ موقعہ اچھا ہے ہاتھ سے نہ جانے۔ پٹھان کی قوم زمانہ بکار خویش
ہشیار ہمیشہ رہی ہے۔ بہلول لودی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دیا کہ میں جب قلعہ میں داخل
ہو جاؤں تو تم قلعہ کے دروازہ پر شور مچانا کہ ہم ہیں اور بہلول ہیں کیا فرق ہے جو وہ
اندر بلا لیا گیا۔ اور ہم دروازہ کے باہر پڑے رہ گئے۔ جب تم بھی اندر بلا لئے جاؤ تو عجیب
عجیب اور بدتمیزی کی حرکتیں کرنا اور میرے اشارہ پر چلنا۔ پھر دیکھنا کہ میری تدبیر سے کیا باہم

آتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حمید خاں نے بہلول کے کہنے سے باہر والے پٹھانوں کو بھی اندر بلالیا۔ اور اپنے ہاتھوں اپنے پیر میں کلہاڑی ماری۔ جب عطردان ان بظاہر جاہل مگر بباطن ہوشیار پٹھانوں کے سامنے لایا گیا تو بعض نے عطر پی لیا۔ کچھ نے فرمائش کی کہ یہ خوبصورت قالین ہم کو دیدیا جائے۔ اس کو کاٹ کر ہم اپنے کپڑے بنائیں گے۔ حمید خاں کو اس قسم کی حرکتوں سے اچنبا ہوا اور اس نے بہلول سے دریافت کیا کہ یہ کس قسم کے جنگلی لوگ ہیں جو یہ وحشیانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ بہلول نے جواب دیا کہ سیدھے سادھے بیوقوف ہیں۔ جب حمید خاں ان کی طرف سے مطمئن اور بے خبر ہوا تو بہلول لودی کے اشارے پر آن کی آن میں اس کے چند ساتھیوں نے غافل حمید خاں کو گرفتار کر لیا۔ قلعہ میں کچھ شور و شغب ہوا۔ مگر بہلول اس کے لئے تیار تھا اس کو دبا دیا۔ اور حمید خاں کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ جب بدایوں نواسی سلطان علاءالدین عالم شاہ آخری تاجدار خاندان سادات نے یہ قصہ سنا تو غالباً پٹھانوں سے مرعوب ہو کر اور اپنی بے بسی کا عالم دیکھ کر اس نے بہلول لودی کو لکھا کہ تم میرے باپ کے برابر ہو تم شوق سے دہلی کی حکومت سنبھالو۔ میرے لئے بدایوں اور اس کے ملحقات کافی ہیں۔ اس پیام روح افزا نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔

حکومت بہلول لودی

۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء میں دہلی میں بہلول لودی نے اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ پٹھانوں کی عام طور پر اور خاص کر لودیوں اور سروانیوں کی قسمت جاگ اٹھی۔ دہلی کے قلعہ پر پٹھانوں کا جھنڈا لہرایا۔ دہلی سے لیکر شمالی پنجاب تک اور مغرب میں ملتان تک بہلول نے قدم جمائے اور سرکش و نیم سرکش قوموں کو زیر کرنے کی فکر میں لگا۔ ۸۵۶ھ میں بہلول لودی دیبال پور پنجاب کی مہم میں مشغول تھا۔ اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر جونپور کے سلطان محمود شرقی نے (جو دہلی اور شمالی ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا) دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہلول لودی دہلی کے قلعہ میں اپنے خاندان اور چند وفادار اور بہادر لودی اور سروانی سرداروں کو چھوڑ گیا تھا۔

سکندر خاں سروانی

انھی میں ایک سکندر خاں سروانی[1] ممتاز سردار تھے۔ بہادری ان کی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ بڑے

---

[1] تاریخ داؤدی

قادر تیر چلانے والے تھے۔ یہ توپ و تفنگ کا زمانہ تو تھا نہیں۔ تیر کمان، نیزہ اور تلوار سے کام لیا جاتا تھا۔ سکندر خاں سروانی کا تیر گیارہ مشت کا ہوتا تھا۔ مگر وہ آٹھ سو قدم تک جاتا تھا۔ اور ارجن اور بھیم کی یاد تازہ کرتا تھا۔ اس پر سکندر خاں کا نام لکھا ہوتا تھا۔ اسی طرح قطب خاں لودی بھی تیر اندازی میں کامل تھے۔ ان دونوں نے قلعہ کی فصیلوں سے محمود شرقی کے ہاتھیوں اور محاصرہ کرنے والی فوج کو زخمی کر کے ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور محمود کی فوج کو پانی پہونچانے والے سقوں کی مشکوں کو تیروں سے چھلنی کر دیا۔ محاصرین میں ہل چل مچی اور محاصرہ طول کھینچ۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ بہلول کو خبر پہونچ گئی۔ اور اس نے دہلی کا رخ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ ملک روہ کے پٹھانوں اور اپنے رشتہ داروں کو پیام بھیجا کہ تم غریب اور مفلس ہو اور ہندوستان کا ملک مالدار اور زرخیز ہے۔ مجھے تمہاری امداد کی ضرورت ہے تم جلد یہاں چلے آؤ۔[1] اس پر سروانی اور لودی قبیلہ کے لوگ اور دیگر پٹھان ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑے۔ بہلول تیزی سے دہلی پہونچا۔ اور اس کے آنے کی خبر سنتے ہی محمود شرقی اور اس کی فوج وہاں سے کافور ہو گئی۔ لودیوں سے اور شرقیوں سے ایک عرصہ تک لڑائی جاری رہی۔ جو کچھ کچھ وقفہ کے بعد شروع ہو جاتی تھی۔ اور ٹھنڈی پڑ جاتی تھی۔ اس کی تفصیل ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ افغانستان سے آئے ہوئے تازہ واردوں میں سے کچھ تو بہلول لودی کی ضرورت رفع ہونے کے بعد ہندوستان کی گرم آب و ہوا سے گھبرا کر اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ اور بہت سے یہاں رہ پڑے۔ انہوں نے اپنے اہل و عیال کو بھی بلا لیا ہوں کا سکندر خاں سروانی محمود شرقی کے حملے سے پہلے ہی دہلی میں موجود تھے اس سے ثابت ہے کہ ان کا خاندان شروع ہی سے ہندوستان میں چلا آیا تھا۔ وہ بہلول لودی کے دست راست تھے۔

عمر خاں شروانی اور اُن کا عروج

ان کے بیٹے عمر خاں سروانی نے (جن کا ذکر آگے آئے گا) بڑی ترقی کی۔ اس وقت پٹھان بادشاہ دہلی اور ممتاز پٹھان سرداروں کی زندگی سیدھی سادھی تھی۔ حکومت کے نشہ اور مالداری کے لوازمات سے

---

[1] مخزن افاغنہ شیر شاہی

ان کا دماغ خراب نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہندوستان کی آب و ہوا اور ماحول نے ان کو عیش و عشرت میں لا(جس میں پڑکر آئندہ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کھوئی) ان کو مبتلا کیا تھا۔ بہلول لودی نے پٹھانوں کے ساتھ بھائیوں کا سا برتاؤ کیا۔ حاکم اور محکوم کا فرق نہ تھا۔ بادشاہ اور اس کے سرداران اس کے ساتھ دسترخوان پر کھاتے تھے۔ اپنی دانائی سے حکومت کی جڑ مضبوط کرنے کے لئے پٹھانوں کو جاگیریں عطا کیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ حکم بھی جاری کیا کہ پٹھانوں میں جو خوش حال ہوں وہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرتے رہیں ورنہ ان کی جاگیریں ضبط کرلی جاویں گی۔ ان تدابیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت دہلی کے اندر پٹھانوں کی کثرت ہوئی جن میں سروانی قبیلہ بھی شامل تھا۔ اور غالباً اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ سکندر خاں سروانی کے بیٹے عمر خاں نے اپنی جاگیر میں سے شیر خاں سوری کو اور اس کے باپ کو دیہات دیئے جس کی تفصیل آگے آئے گی اور اس طریق سے خاندان سوری کی حکومت کی بنا ڈالی۔ شروع شروع میں پٹھانوں کی اجنبیت اور ان کے طور و طریق سے لوگ گھبراتے تھے مگر رفتہ رفتہ وہ یہاں کے پہلے سے آئے ہوئے مسلمانوں اور رعایا میں گھل مل گئے۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آیا جس سے پٹھانوں کے حال پر روشنی پڑتی ہے۔ نماز کے موقعہ پر خطبہ کے بعد ملا قاون پیش امام نے پٹھانوں کے بارے میں کہا کہ "نمے دانم این پیش رو دجال اند یا دجال درایشان باشد۔ زبان ایشاں این است: ناور راموور۔ برادر رار ور۔ دابہ راشور۔ سیاہ را تور" گویند"۔ یہ سن کر بادشاہ بہلول لودی ہنس پڑا۔ بادشاہ ابوالمظفر بہلول لودی کے دربار میں ۳۴ بڑے امرا اور صلاح کار تھے۔ ان میں سکندر خاں شروانی کے بیٹے عمر خاں اور ایک دوسرے شروانی سردار میاں احمد خاں شروانی بھی شامل تھے جو بہلول لودی کے ساتھ بزم و رزم میں شریک رہتے تھے۔ عمر خاں شروانی اور بہلول لودی میں رشتہ داری بھی تھی۔ البتہ یہ بتانا مشکل ہے کہ شادی بیاہ کی وجہ سے یہ قرابت ہندوستان میں آنے کے بعد ہوئی یا ملک روہ میں بھی تھی۔ جب پٹھان ہندوستان اہل و عیال کو لائے تھے تو تھوڑی بہت عورتیں تو ضرور افغانستان سے آئی ہوں گی۔ کچھ یہاں پہلے سے موجود ہوں گی۔ اور کچھ تبدیل مذہب کے بعد یہاں کے اصلی باشندگان میں سے مناکحت میں آئی ہوں گی۔ یہ خیال محض قیاس پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ آج کل بھی دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ القصہ بہلول لودی نے تاتار خان لودی سے ناراض ہو کر لاہور کی نظامت[1] سے علیحدہ کیا۔ کیوں کہ تاتار خاں خالصہ کے

---

[1] تاریخ داؤدی

کچھ دیہات اپنی خودسری سے دبالیئے تھے۔ اور اس کی جگہ عمر خاں شروانی کو مقرر کیا۔ اب سروانیوں کا عروج شروع ہوا۔ احمد خاں بھٹی نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی تو عمر خاں سروانی اس کو دبانے کی غرض سے بھیجے گئے۔ اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوئے، اور بادشاہ کے دربار سے خان اعظم کا خطاب پایا۔[۱] ان کے ذاتی مصارف کے واسطے سرہند (حال ریاست پٹیالہ) شاہ آباد[۲] (حال ضلع کرنال پنجاب مشرقی) بھٹنو ر اور پایل پور (حال ریاست پٹیالہ) میں جاگیر عطا کی گئی۔ جاگیریں اس زمانہ میں اور مغلوں کے زمانہ میں بھی مستقل طور سے ایک ہی جاگیردار کے تصرف میں نہیں رہتی تھیں بلکہ فوجی اور انتظامی ضرورتوں کے لحاظ سے بدلتی رہتی تھیں۔ سرہند (جہاں حضرت احمد مجدد الف ثانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے) پیشتر سلطان شاہ لودی کی جاگیر میں رہ چکا تھا۔ اور ایک بڑا مقام سمجھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ سے پنجاب نے سروانیوں کے واسطے قریب قریب ان کے اصلی وطن کی حیثیت اختیار کی۔ مگر پنجاب کی بودوباش میں جو عزل نصب ہوئے اس کے حالات آگے آئیں گے۔ خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ زمانہ کی رفتار سے مجبور ہو کر آج پھر شروانی آپ کی طرف مائل ہیں۔ الغرض کچھ تو بہلول لودی کی ہدایات اور کچھ حمایت اور مروت قومی کا نتیجہ عمر خاں شروانی نے اپنی پرگنہ شاہ آباد کی جاگیر میں سے چند گاؤں حسن خاں سوری کو دے دیئے جو فرید خاں عرف شیر خاں کا باپ تھا۔ اور فرید خاں وہی تھا جو آئندہ چلکر ہندوستان کا عظیم الشان اور مشہور بادشاہ شیر شاہ کے لقب سے بنا۔ اس کی تعلیم کے اخراجات کے واسطے بھی عمر خاں نے ایک موضع اپنی جاگیر میں سے دیا۔ اس طرح سے شروانی خاندان نے سوری خاندان کی حکومت کی بنا ڈالی۔ اسی وجہ سے شیر شاہ نے آگے چلکر احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ اور شروانیوں کے ساتھ بڑے بڑے سلوک کیئے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ طبقات اکبری نے عمر خاں شروانی کے بیٹے ابراہیم خاں کو بھی بہلول لودی کے امرا میں شمار کیا ہے۔ یہ بھی اپنے باپ کے اور بہلول کے بیٹے نظام خاں کے ساتھ (جو بعد کو سکندر لودی کے لقب سے دہلی کا بادشاہ ہوا) ابھو ہیں تاتار خاں لودی کی بغاوت (جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے) فرو کرنے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خاں

---

[۱] فرشتہ [۲] شیر شاہی

شروانی کے بڑے بیٹے وہی تھے محمد خاں ان سے چھوٹے اور ہیبت خاں آخرالذکر سے چھوٹے تھے۔ اسی زمانہ میں سروانیوں کے قدم صوبہ ہذا کے ضلع مین پوری کے قصبہ راپڑی میں آئے جہاں جونپور کے حکمران حسین شاہ شرقی اور بہلول لودی سے جھڑپ ہوئی۔ اس قصبہ میں (جو زبان حال سے اپنی پرانی شوکت اور حال کی ویرانی کی داستان سنا رہا ہے) آج تک ایک محلہ سروانی ٹولہ کے نام سے موجود ہے۔ اگرچہ اب وہاں سروانی موجود نہیں ہیں اور اگر دو چار ہوں گے تو ان کو اپنے اسلاف کے حالات بھی معلوم نہ ہوں گے۔ اور وہ گمنامی کی حالت میں گذر بسر کر رہے ہوں گے۔ ایک پرانے احاطہ میں چند مزارات کی صورت میں ان کی یادگار رہ گئی ہے۔ بہلول لودی کے زمانہ میں ایک بزرگ حضرت صدر جہاں[۱] ابن شیخ احمد زندہ پیر سروانی ملک روہ سے پنجاب میں آنکلے۔

حضرت صدر جہاں مالیری مورث ریاست مالیر کوٹلہ

یہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ متوفی ۶۶۶ھ کے پوتے حضرت رکن عالم ملتانی علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے اور ستلج پار اس خطہ میں قیام کیا جہاں اب ریاست مالیر کوٹلہ کا قصبہ مالیر ہے۔ جب بہلول لودی تک ان کے تقدس کی خبر پہنچی تو وہ ان سے ملاقی ہوا اور اس قدر معتقد ہوا کہ بہلول نے اپنی ایک لڑکی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ اور اس علاقہ میں پانچ بڑے مواضعات اور چھ چھوٹے گاؤں جہیز کے طور پر ان کو دیئے۔ سابق ریاست مالیر کوٹلہ کے نوابین انھی حضرت صدر جہاں سروانی علیہ الرحمۃ کی اولاد میں تھے اور ہیں۔ اور انھی مواضعات سے ریاست مالیر کوٹلہ کی بنا پڑی۔ حضرت صدر جہاں کا انتقال ۱۵۱۵ء میں ہو گیا ان کی اولاد شاہی معافی اور سجادہ نشینی کی گدی پر قائم رہی۔ حضرت صدر جہاں سے چھٹی پشت میں نواب بایزخاں سروانی نے شہر کوٹلہ بسایا جو ریاست کا دارالحکومت کا قرار پایا۔ اس ریاست کا اور اس کے فرمانرواؤں کا مختصر حال راقم الحروف نے اس کتاب کے آخری حصہ میں دیا ہے۔ اس زمانہ میں کول (علیگڑھ) کا شقدار (حاکم ضلع) عیسٰے خاں ترک بچہ تھا۔ جو عمر خاں سروانی کے پوتے عیسٰے خاں سروانی سے جداگانہ تھا۔ ہم نے اس کا ذکر صرف اس وجہ سے کیا کہ ہم نامی کی وجہ سے غلط فہمی نہ ہو جیسا کہ بعض مورخین کو ہوئی ہے۔ اب بہلول لودی کی عمر کا پیمانہ لبریز ہوا۔ وہ جنوبی علاقہ سے دہلی

---

[۱] احمد یادگار مخزن افاغنہ

کو واپس آرہا تھا کہ قصبہ سکیٹ (ضلع ایٹہ صوبہ آگرہ) کے قریب یا اس قصبہ میں پہونچ کر بیمار ہوا اور انتالیس ۳۹ سال کے قریب حکومت کرنے کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ اس کی نعش دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔

سکندر لودی کی تخت نشینی عمر خاں شروانی کے مشورہ کے مطابق

یہاں خبر پہونچتے ہی بہلول لودی کا دوسرا بیٹا جو زیبا سنارن سے پیدا ہوا تھا اگر پڑھا لکھا، عقلمند، ہوشیار اور حسین تھا، اپنی ماں کے مشورہ پر جھپٹا کہ باپ کی نعش کو دہلی لائے اور اپنی حکومت کی فکر کرے۔ اس کا بڑا بیٹا غالباً پنجاب کی طرف اور پایہ تخت سے دور تھا۔ وہ سلطان شاہ کی لڑکی سے پیدا تھا۔ اب پٹھانوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ تخت شاہی پر کس کو بٹھایا جاوے۔ پٹھانوں میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے رائے دی کہ بہلول لودی کا بڑا بیٹا جو سلطان شاہ لودی کی لڑکی سے پیدا ہے تاج و تخت کا مالک ہو۔ یہ اس کا حق ہے۔ دوسرے گروہ نے اصرار کیا کہ بڑے بیٹے میں وہ قابلیت نہیں ہے جو نظام خاں میں ہے اور آخر الذکر حکومت کے لئے زیادہ موزوں ہے اگرچہ وہ زیبا سنارن سے پیدا ہے۔ آخر الذکر گروہ میں عیسیٰ خاں سروانی بھی بعض لودی سرداروں کے ساتھ شریک تھے عیسیٰ خاں با اثر اور ہوشیار سرداروں میں سمجھے جاتے تھے انہوں نے نظام خاں کے حق میں اصرار کے ساتھ رائے دی اور بالآخر اپنی تدبیر میں کامیاب ہوئے غالباً بڑے بیٹے کی عدم موجودگی کا بھی اس انتخاب پر اثر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نظام خاں سکندر لودی کے لقب سے کول کے قصبہ جلالی کے جوار میں کوشک فیروز میں تخت نشین ہوا۔ دہلی سے کول کی طرف روانہ ہونے سے قبل وہ حضرت مخدوم سمار الدین کنبھوی کی خدمت میں ان کی دعا حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو حضرت نے دعا دی کہ تو سکندر وقت ہوگا سکندر اپنا لقب اختیار کیا۔ حضرت مخدوم سمار الدین کے داماد اور مرید حضرت جمالی کنبھوی تھے جو اکبری عہد کے شیخ گدائی کے نانا تھے۔ القصہ بہلول لودی کی نعش دہلی روانہ کی گئی۔ زمانہ کی نیرنگی دیکھئے کہ اس کوشک فیروز کا جو فیروز شاہ تغلق کی یادگار تھا اب پتہ بھی نہیں ہے۔ البتہ کالی ندی اور قصبہ جلالی کے درمیان ایک ٹیلہ موجود ہے۔ غالباً اسی جگہ کوشک فیروز محل تھا۔ یہ قصبہ جلالی وہی ہے جس کو غیاث الدین بلبن بادشاہ دہلی کے عہد میں جلال الدین خلجی نے (جو بعد کو بادشاہ ہوا) ایک پرانے گاؤں نیولی کے پاس جس کا اب وجود بھی نہیں ہے بسایا تھا جیسا کہ جلالی کی جامع مسجد میں ایک کتبہ سے ثابت ہے جو ۶۵۵ھ / ۱۲۵۵ء کا ہے

یقول شاعرے

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیسا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

بہلول لودی کے انتقال اور سکندر لودی کی تخت نشینی کے سال اور تاریخ کے بارے میں مورخین میں کچھ اختلاف ہے۔ خلاصۃ التواریخ نے ۸۹۵ھ لکھا ہے اور اس کی تائید میں یہ تاریخی شعر لکھا ہے۔ ے

بہ ہشت صد و نود و ہشت   رفت از عالم جہاں کشا بہلول

خلاصۃ التواریخ نے اس کو سیر المتاخرین کے حوالہ سے لکھا ہے۔ مگر سیر المتاخرین نے سکندر لودی کی تخت نشینی ۸۹۴ھ میں بتائی ہے اور یہی سن فرشتہ اور دیگر تواریخ نے بھی بتایا ہے۔

شروانیوں کی علی گڑھ میں آبادی

الغرض اس زمانہ میں جلالی میں (جو اب سادات کا مشہور قصبہ ہے) کچھ پٹھان آباد تھے۔ اگرچہ قبیلے اور خیل معلوم نہیں ہو سکے ممکن ہے کہ ان میں لودی اور شروانی شامل ہوں۔ سکندر لودی نے تخت نشین ہونے کے بعد سردارانیوں کو ان کی کارگزاری کے صلہ میں جاگیریں اور بڑے بڑے عہدے دیئے اور انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ کول کے حاکم عیسیٰ خاں ترک بچہ کے بغاوت میں مارے جانے کے بعد عیسیٰ خاں شروانی کو یہاں کا حاکم بنایا۔ اور اس طرح سے موجودہ ضلع علی گڑھ میں شروانیوں کے آنے اور بسنے کی جڑ جمائی۔ اس ضلع کے قصبہ سکندرہ راؤ میں داؤد خاں عرف راؤ خاں شروانی ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کو سکندر لودی نے ضلع ایٹہ کے قصبہ بلرام کے چوہان راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے بھیجا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ سکندرہ راؤ انہیں کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قصبہ اور قصبہ جلالی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ان دونوں مقامات کے پٹھانوں کی آماجگاہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ کول (علی گڑھ) میں اب شروانیوں کا خاصہ جماؤ اور اقتدار ہو گیا تھا۔

عمر خاں شروانی کے خاندان کا شجرہ

بے جا نہ ہوگا اگر ہم یہاں عمر خاں شروانی اور میاں احمد خاں شروانی کے خاندانوں کی چند پشتوں کا شجرہ درج کریں

۱؎۔ ڈسٹرکٹ گزٹیر ایٹہ۔

جو ہم کو معلوم ہو سکا۔ اس زمانہ میں شروانیاں خود تو اہل سیف تھے نہ کہ اہل قلم مورخین نے اختصار سے کام لیا اور بہت سے تاریخی ذخیرے اور خاندانی یادداشتیں ضائع ہوگئیں۔ اس لئے مکمل شجرے تا تاریخ حال ملیں تو کہاں سے ملیں۔ خاص کر بود و باش کے مقامات کی تبدیلیوں نے اس بارے میں اور بھی دقتیں پیدا کر دیں۔ پھر ایک طرفہ تماشا یہ ہے کہ شروانی اور دیگر پٹھان سرداروں کے خطابات کی یکسانی نے مورخین میں غلط فہمی پیدا کر دی۔ اور انہوں نے ایک کے واقعات دوسرے کی تحت میں دکھا دئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خطاب کے ساتھ اصل نام پیش نظر رکھا جاوے۔

عمر خاں شروانی کا شجرہ[۱] یہ ہے:-

سکندر خاں گکبور شروانی متذکرہ بالا

خان اعظم عمر خاں شروانی

ہیبت خاں اعظم ہمایوں اول — محمد خاں — ابراہیم خاں

جلال خاں — مسند عالی عیسیٰ خاں اعظم ہمایوں دوم — اسلام خاں گورنر کڑا مانک پور

جلال خاں: خان اعظم مظفر خاں: دختر زوجہ مورث عباس شروانی مصنف شیر شاہی عہد اکبری

مسند عالی عیسیٰ خاں اعظم ہمایوں دوم: دختر زوجہ سعید خاں شروانی — دختر زوجہ محمود خاں ابن سکندر لودی — اسحاق خاں عرف اختیار خاں — الیاس خاں عرف فتح خاں خطاب مسند عالی خانجہاں اعظم ہمایوں ثالث

الیاس خاں: محمود خاں

محمود خاں سے آگے اور بقیہ حضرات کی اولادوں کے ناموں کا پتہ ہم کو نہیں لگ سکا مگر اس میں شک نہیں کہ ان حضرات میں سے زیادہ تر دہلی اور اس کے ملحقات اور پنجاب میں آباد تھے خان اعظم مظفر خاں اکبر بادشاہ کے ہم عصر تھے اور عیسیٰ خاں بھی اس عہد تک زندہ تھے جیسا کہ ہم آگے دکھائیں گے۔ مخزن افاغنہ نے جو شجرہ اس خاندان کا دیا ہے اس میں محمد خاں ابن عمر خاں شروانی کا نام درج نہیں ہے، مگر ان محمد خاں اور ان کی ولدیت کے بابت شک و شبہ کی گنجائش اس وجہ سے نہیں کہ ان کا ذکر اس کتبہ میں موجود ہے جو کول کے قلعہ کی تعمیر کے سلسلہ میں انگریزوں کے

---

[۱] مخزن افاغنہ

عہد میں برآمد ہوا اور جن کا ذکر آگے آئے گا۔

ضلع علی گڑھ کے بھیکم پور کا خاندان شروانی بھی اپنے آپ کو عمر خاں شروانی کی اولاد میں بتاتا ہے۔ میاں احمد خاں گنگھ پور شروانی لودی اور سوری عہد میں بڑے ممتاز امرا میں تھے۔ ان کا شجرہ متذکرہ بالا مورخ عباس خاں شروانی نے حسب ذیل دیا ہے۔ یہ مورخ انہی کی اولاد میں اور ان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اس لئے اس کی صحت میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

شیخ احمد شروانی
|
شیخ بایزید شروانی
|
شیخ محمد — شیخ علی
|
شیخ عباس شروانی مورخ

لہذا شجرہ بتاتا ہے کہ یہ حضرات اپنے تقدس اور مذہبی غلو کی وجہ سے بھی ممتاز تھے ان شجروں سے واقعات کا تسلسل سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ یہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ سکندر لودی کے عہد کے اوائل میں عمر خاں شروانی کول کے شقدار یا ناظم تھے۔[۵] ان کو ۹۰۰ھ میں بیانہ کے حاکم اشرف جلوانی کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے بھیجا گیا۔ سلطان اشرف نے یہ چال چلی کہ قلعہ کی کنجی ان کو حوالہ کرنے کے بہانہ سے قلعہ کے اندر بلا کر گرفتار کر لیا۔ جب سکندر لودی کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس کو بڑا غصہ آیا۔ خود فوج لیکر بیانہ گیا اور عمر خاں شروانی کو رہائی دلائی۔ بادشاہ کے دہلی واپس پہونچنے کے بعد جونپور کے حسین شاہ شرقی نے پھر سر اٹھایا۔ اور غالباً اسی کے بھڑکانے پر جونپور کے جوار کے ٹھاکروں نے جوگی ٹھاکر کی سرکردگی میں سکندر لودی کے خلاف بغاوت کر دی۔

اس شورش کو دفع کرنے کے واسطے دیگر پٹھان سرداروں کے ساتھ عمر خاں شروانی کو بھی بھیجا گیا۔ اور عقب کے دستہ کی کمان ان کے سپرد کی گئی۔ مگر بعد کو کسی مصلحت سے فوجی ترکیب بدل کر عمر خاں کو مقدمۃ الجیش یعنی سب سے آگے والے دستہ کا افسر مقرر کیا گیا جس سے ان کی ذمہ داری بڑھ گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عمر خاں پر بادشاہ کو کس قدر اعتبار تھا اور وہ کتنے

۵؎ طبقات اکبری، مخزن افاغنہ

زمیندار کہان چند جاٹ نے حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔

عمر خاں شروانی کی شہادت

کول سے عمر خاں شروانی اور سنبھل مراد آباد کا حاکم فوج کے ساتھ اس کے فرو کرنے کے واسطے بھیجے گئے معلوم ہوتا ہے کہ کول میں اس وقت کافی فوج نہ تھی۔ اور باہر سے مدد لینا پڑی۔ یا بادشاہ نے عمر خاں کے بڑھاپے کا خیال کیا۔ بہرحال بغاوت تو فرو ہو گئی۔ اس فوج کے سامنے کہان چند کی کیا چلتی مگر عمر خاں شروانی شہید ہو گئے۔ سن وفات اور ان کے جائے مدفن کے بارے میں تواریخ خاموش ہیں۔ راقم الحروف نے موضع جرتولی سے چند میل کے فاصلہ پر اور موضع ٹپل کی مشہور جھیل کے کنارے سے متصل ایک ٹیلہ پر جھاڑیوں اور درختوں سے چھپے ہوئے چند پختہ مزارات دیکھے۔ جن پر کوئی کتبہ موجود نہیں ہے۔ مگر ان کے پرانے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ پیشکستہ حالت میں ہیں۔ تعجب نہیں کہ یہ مزارات عمر خاں شروانی کے ان ساتھیوں کے ہوں جو اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ عمر خاں شروانی کی بڑی ہستی اور ان کی وقعت اور درجہ کا خیال کرتے ہوئے گمان ہوتا ہے ان کی نعش کول کو لائی گئی ہو گی۔ اور حضرت سلطان العارفین شاہ جمال علیہ الرحمۃ کے جوار میں دفن کی گئی ہو۔ یا دہلی بھیجی گئی ہو جو پٹھانوں کا مستقر تھا۔ ان کے متعلق کوئی کتبہ نہیں ملا۔ اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ کہاں دفن ہوئے۔ ڈاکٹر فیوہرر کی آرکیولوجیکل سروے رپورٹ نے ہم کو ایک عمر خاں کا مزار الہ آباد میں بتایا ہے۔ مگر غالباً یہ کوئی دوسرے عمر خاں ہوں گے۔ بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کول کے علاقہ میں شہید ہونے کے بعد نعش الہ آباد بھیجی جاتی۔

ٹھٹھے کی مہم

اسی زمانہ میں سکندر لودی نے اعظم ہمایوں دوہم شروانی کو جو فتح خاں شروانی کے باپ تھے اور جن سے مراد یقیناً عمر خاں کے پوتے اور ہیبت خاں کے بیٹے عیسیٰ خاں شروانی سے ہے) ٹھٹھہ کی مہم پر بھیجا۔ مگر ان کے بابت بادشاہ کو خبر نہ پہنچی کہ اس مہم کا کیا نتیجہ ہوا۔ اور عیسیٰ خاں کی واپسی میں غیر معمولی دیر ہوئی تو بادشاہ کو فکر پیدا ہوئی اس نے عیسیٰ خاں کی کامیابی کے ساتھ واپسی کے واسطے منت مانی۔ ذرائع خبر رسانی اور آمد و رفت میں آج کل کیسی آسانیاں تو اس وقت تھیں نہیں کہ بجلی کے ذریعہ سے ہزاروں میل کی خبریں آناً فاناً میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جاتی ہیں۔ نہ ریل تھی اور نہ ریڈیو اور تار برقی اپنے کرشمے دکھاتی تھی۔

القصہ بادشاہ کی منت پوری ہوئی اور عیسیٰ خاں کامیابی اور خیریت کے ساتھ واپس آئے تو بڑی خیرات کی گئی۔ سنہ ۹۰۴ھ یا سنہ ۹۰۵ھ میں سکندر لودی نے عارضی طور پر سنبھل (موجودہ ضلع مرادآباد) کو اپنا دار الحکومت قرار دیا اور اپنے امرا اور سرداران کے ساتھ وہاں رہنے لگا۔ بہت سے امراء نے اپنے نام سے اسی قصبہ میں محلے بسائے جن میں ان کے قبیلے کے لوگ اور متعلقین رہتے تھے انہی میں سیف خاں اجاخیل شروانی تھے جن کے نام سے سیف خاں سرائے ایک محلہ سنبھل میں اب تک ان کی یادگار موجود ہے۔ یہ عمر خاں کے خاندان سے نہ تھے اور [illegible] کے بجائے دوسرے خیل کے تھے اگرچہ دونوں ایک جد ہی سے تھے۔ آگے چل کر شیر شاہ سوری کے زمانہ میں انہوں نے بڑے کارنمایاں کئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

شروانی اراکین شاہی میں سے تھے

عمر خاں شروانی اور سیف خاں شروانی کے علاوہ فیروز خاں شروانی بن احمد خاں بن جمال خاں بھی اراکین شاہی میں تھے۔ یہ ان شیخ احمد شروانی سے جدا شخص تھے جن کا ذکر ہم [illegible] بالا میں کیا ہے اور جو اکبری عہد کے مورخ عباس شروانی کے پردادا تھے۔ قصبہ سنبھل کے [illegible] سے چند میل شمال میں مرادآباد سنبھل کی سڑک سے ملحق اور بجانب مغرب ایک [illegible] فیروز پور [illegible] میں ایک پرانا قلعہ اور چند ٹوٹی پھوٹی عمارتیں اس کے اندر اب تک موجود ہیں۔ [illegible] ڈاکٹر فیوہرر (جنہوں نے انگریزی حکومت کی ہدایت کے مطابق شمالی ہندوستان کی قدیم عمارتوں اور یادگاروں کے متعلق تحقیقاتیں کر کے ضخیم کتابیں شائع کیں) [illegible] قلعے کے بابت خاموش ہیں مگر قرائن سے راقم الحروف کی رائے میں یہ انہیں فیروز خاں شروانی بن احمد خاں کی یادگار ہے جو سنبھل میں قیام کے زمانہ میں سکندر لودی کے [illegible] واقعات مشتاقی و طبقات اکبری [illegible] سے سرفراز کئے گئے۔ یہ سنہ ۹۳۲ھ یعنی بابر کے [illegible] پنجاب میں تھا جیسا کہ اس کتبہ سے معلوم ہوتا ہے [illegible] کے صفحہ ۱۴۴ پر دیا ہے۔ کتبہ یہ تھا "[illegible] فیروز خاں بن احمد خاں"

؎ واقعات مشتاقی ؎ اپی گرافیا انڈیکا

بن جمال خاں مرحومین در عہد نیکو حضرت بابر بادشاہ غازی۔ بتاریخ دہم ربیع الآخر تاریخ ثلاثین تسعمائۃ[۹۳۴]" راقم الحروف نے رہتک میں جا کر اس مزار اور کتبہ کو بہت تلاش کیا مگر اس کا پتہ نہ لگ سکا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ کننگ ہم نے غلط لکھ دیا ہو۔ رہتک میں مسلمانوں کے پرانے مزارات بہت ہیں۔ شروانی یہاں یقیناً آباد تھے جیسا کہ ایک دوسرے کتبہ سے معلوم ہوگا جو راقم الحروف کو وہاں ملا اور جس کا ذکر بعد کو آئے گا آج کل یہاں کے بڈھے لوگوں کو بھی معلوم نہیں کہ کونسا مزار کس کا ہے۔ اور اب تو یہاں کی دنیا ہی تقسیم ملک کے بعد بدل گئی۔ ہم کو اسی قصبہ میں ایک مسجد کا کتبہ مسجد سے علیحدہ پڑا ہوا ملا۔ اور ایک نہایت خوشخط طغرا کا کتبہ ایک کوٹھری میں مٹی کے ڈھیر میں پڑا ہوا ملا۔ اللہ رے ہماری ملی بے حسی اور جہالت! جب یہ حالت ہو تو فیروز خاں جیسی ہستی کا مزار اور اس کے کتبہ کا پتہ نہ لگنا تعجب سے نہیں ہے۔ سکندر لودی کے عہد میں دیگر ممتاز شروانیان بھی تھے۔ اعظم خاں[۱] بہار خاں اور امین خاں۔ ان لوگوں کے حالات نہ معلوم ہو سکے بجز اس کے کہ امین خاں حج بیت اللہ شریف کے واسطے گئے مگر جہاز کے تباہی میں آنے کی وجہ سے راستہ میں شہید ہو گئے۔

پولو کے میدان میں جنگ اور شروانیوں کا اخراج

اب نیرنگی زمانہ نے ایک نیا تماشہ دکھایا سنہ ۹۰۴ھ[۱] یا سنہ ۹۰۵ھ میں سنبھل میں شروانی اور لوحانی پٹھانوں میں پولو (چوگان) کے کھیل میں جھگڑا ہو گیا اور آپس میں ڈنڈے چلے اور سر لہو لہان ہوئے۔ بات کا بتنگڑ بنا۔ بھلا پٹھانوں کی ذات، مونچھیں نیچی ہوتیں تو کیسے ہوتیں۔ بادشاہ سکندر لودی بھی اس موقع پر موجود تھا۔ سلیمان خاں لوحانی کا ڈنڈا خدا جانے اتفاقیہ یا بالارادہ دریا خاں سروانی بن احمد خاں بن شیخ منڈک شروانی کے سر میں لگ گیا۔ اتنی تاب کہاں کہ برداشت کر لیتے۔ دونوں طرف سے مارپیٹ کی نوبت آئی۔ سلیمان خاں لوحانی کے بھائی خضر خاں نے ہیبت خاں شروانی کو مارا۔ اس پر بات بڑھی۔ اس وقت تو لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کر دیا مگر اندر رہی اندر آگ سلگتی رہی۔ اور چار روز کے بعد پھر اسی کھیل میں شعلہ بھڑک اٹھا۔ اور لوگوں نے دل کے بخار نکال لیے۔

---

[۱] فرشتہ۔ ... تاریخ داؤدی

ہیبت خاں شروانی پھر مضروب ہوئے اور ان کا رشتہ دار شمس خاں جان سے مارا گیا۔ غالباً بادشاہ کی طرف سے اس میں چشم پوشی کی گئی تو شروانی بگڑ بیٹھے اور بدقسمتی سے آپس میں مشورہ کرکے انہوں نے بادشاہ کے بھائی فتح خاں کو ابھارا کہ وہ بادشاہ سے بغاوت کرکے تخت و تاج کا مالک بنے شروانی اس کا ساتھ دیں گے۔ فتح خاں نے یہ راز افشا کردیا۔ اور سکندر لودی تک خبر پہونچ گئی۔ اب کیا تھا بادشاہ کو غصہ آیا اور بجا طور پر آیا اس نے غالباً اسی میں مصلحت سمجھی کہ فسادی شروانیوں کو خارج البلد کردیا جاوے۔ چنانچہ عمر خاں کے خاندان اور بعض شروانی اراکین کو اپنی حدود سے نکال باہر کیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی کچھ شروانیان جو چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ بادشاہ کی ملازمت میں اور حکومت کے حدود کے اندر باقی رہ گئے۔ جیسا کہ فیروز خاں کے بابت ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے۔ علاوہ اس کے اس خیال کی تائید میں راقم الحروف کو ایک اور بھی ثبوت ملا۔ راقم الحروف نے منشی ضمیر احمد صاحب ساکن محلہ چمن سرائے بلدہ سنبھل کے پاس فارسی زبان کا ایک پرانا اور بوسیدہ فرمان سکندر لودی کا دیکھا۔ یہ فرمان ۹۱۰ھ مطابق ۱۵۹۱ سمت کا یعنی پولو والے جھگڑے سے دو تین برس بعد کا ہے۔ اور وہ حضرت شیخ مبارک بھکاری علیہ الرحمۃ کو جن کا مزار قصبہ سنبھل سے ملحق جانب غرب موضع عماد الملک میں ہے۔ چین سو بیگہ معافی دیئے جانے کے بارے میں ہے۔ اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اس حکم کے اجرا کے وقت سنبھل کے کارکن شقدار اور منصف دونوں شروانی قبیلہ کے تھے۔ اگرچہ فرمان کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کے نام پڑھنے میں نہیں آسکے۔ ہم کو اس فرمان کے متعلق ایک دقت ضرور پیش آئی یعنی سن ہجری اور سمت کی تطبیق۔ ۹۰۱ھ عہد سکندر لودی سن ۱۵۰۱ سمت کے مطابق تھا۔ نہ کہ ۱۵۹۱ سمت کے۔ اگر آخر الذکر صحیح مانا جاوے تو یہ ۹۴۲ھ کے مطابق ہوتا ہے جو شیر شاہ سوری کا زمانہ تھا ہم بہ نسبت سمت کے ہجری سن کو زیادہ قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ اگرچہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں بھی سنبھل شروانیوں کا مرکز تھا۔ علاوہ بریں سکندر لودی کے عدل سے یہ بعید تھا کہ گیہوں کے ساتھ گھن پستا۔ اور بڑے درجہ کے شروانیان کے ساتھ چھوٹے درجہ کے ہم قبیلہ پٹھان پر بھی عتاب آتا اور مصیبت نازل ہوتی۔

عمر خاں کا خاندان مالوہ اور گجرات میں پہونچا

اب ہم پھر نکالے ہوئے شروانیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ وہ کہاں گئے۔

زمانہ میں ملک مالوہ میں محمود خلجی اور ملک گجرات میں مظفر شاہ حکومت کر رہے تھے۔ ان دونوں میں تعلقات کشیدہ تھے۔ اور آئے دن ایک دوسرے کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی تھیں سکندر لودی کے غضب سے بچنے اور مالوہ اور گجرات سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ہیبت خاں شروانی، ان کے بیٹے عیسیٰ خاں[1] اور دریا خاں شروانی کچھ عزیزوں اور طرفداروں کے ساتھ بھاگ کر مالوہ پہونچے اور محمود خلجی کے دربار میں حاضر ہو کر امداد کی درخواست کی۔ اور کچھ شروانی مظفر شاہ کے دربار میں گجرات پہونچے۔ ہیبت خاں وغیرہ نے مالوہ میں پناہ لینا غالباً اس وجہ سے اور بھی مناسب سمجھا ہوگا کہ بقول طبقات اکبری شروانی قبیلہ کے کچھ افراد وہاں پیشتر سے موجود تھے اور شیر خاں شروانی اور فتح جنگ خاں شروانی محمود خلجی کے عہدے داران میں تھے۔ یہ دونوں عہدے داران ۹۱۰ھ تک مالوہ میں رہے۔ اگرچہ زمانہ کی دست برد سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ محمود خلجی کے وزیر میدنی رائے کا بڑا رسوخ تھا۔ کسی وجہ سے ان دونوں شروانیوں کے تعلقات اس سے خراب ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی خیر اسی میں دیکھی کہ مالوہ سے کنارہ کر کے اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے۔ ہم کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کی جاگیریں کہاں تھیں اور بعد کو ان کا کیا حشر ہوا۔ نہ ان کے مزید حالات معلوم ہو سکے۔ عیسیٰ خاں شروانی کے داماد سعید خاں شروانی جو لاہور میں تعینات تھے اور بابو خاں شروانی پر بھی سکندر لودی کا غتاب نازل ہوا اگرچہ یہ دونوں پورے جھگڑے میں شریک نہ تھے۔ سعید خاں کو تو عیسیٰ خاں کے ساتھ ان کی رشتہ داری لے بیٹھی۔ اور بابو خاں خوف سے یا عمر خاں شروانی کے خاندان کے ساتھ تعلقات رکھنے کی وجہ سے فرار ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی جگہ تھے کیونکہ یہ دونوں گوالیار میں راجہ مان کے یہاں پہنچے۔ سکندر لودی دھولپور سے گوالیار کی طرف آ رہا تھا۔ راجہ نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ وہ ان دونوں شروانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دے۔ نہ معلوم ان کی قسمت میں کہاں کا دانہ پانی لکھا تھا غالباً یہ دونوں بھی اپنے رشتہ داروں کے پاس مالوہ یا گجرات چلے گئے ہوں گے۔

الغرض ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شروانی اس زمانہ میں تمام شمالی ہندوستان

---

[1] فرشتہ۔ طبقات اکبری۔ تشیر شاہی

میں پھیلے ہوئے تھے۔ مگر زیادہ عرصہ تک ایک جگہ چین سے نہ بیٹھنے پائے تھے یا خود تلاش معاش میں مارے مارے پھرتے تھے کسی نے کہا ہے ؎

یہ دو دل کو یک جا بٹھاتا نہیں
کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں

اب سکندر لودی کی عمر کا اور حکومت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انتیس ۲۹ سال کے قریب حکومت کرنے کے بعد وہ ۹۲۳ھ میں اس دار فانی سے رحلت کر گیا اور دہلی میں مدفون ہوا۔ اس پٹھان بادشاہ کی حکومت پر تبصرہ ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ اگرچہ ہم صرف اس قدر کہیں گے کہ وہ اپنے مذہب میں پکا، علم دوست، علم نواز اور بہت پڑھا لکھا تھا۔ وہ بزرگان دین سے عقیدت رکھتا تھا۔ بمقابلہ بہلول لودی کے اس کے دربار کی شان و شوکت بڑھ گئی۔ اس کے عہد میں درباری اور عالمی زبان تو فارسی تھی مگر اردو کی بنا پڑ گئی جیسا کہ اس زمانہ کے بعض شعرا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے عہد میں بھی تازہ دم شروانیان اور دیگر پٹھان ملک روہ سے یاغستان، قندھار، کوہ سلیمان آتے جاتے اور شمالی ہندوستان بالخصوص گنگا جمنا کے دوآبہ میں پھیلتے رہے۔ اس کے ابتدائی اور درمیانی عہد میں شروانیوں نے بڑی ترقی کی اور اراکین سلطنت میں رہے مگر ۹۲۰ھ میں پولو والے جھگڑے کے وقت سے اس بادشاہ اور خاندان عمر خان کے شروانیوں سے ان بن ہو گئی جس کی وجہ سے وہ خارج البلد کئے گئے۔

حکومت ابراہیم لودی

سکندر لودی کے انتقال کے بعد ان شروانیوں کے دن پھرے

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جب اس کا بیٹا ابراہیم لودی تخت پر بیٹھا تو وہ علاوہ شکی اور وہمی ہونے کے بہت تند مزاج تھا کہ شتر کی طرح ... بدلتا تھا۔ ان پٹھان امرا سے ناراض جن سے اس کا باپ خوش تھا، اور ان سے خوش جن سے اس کا باپ سکندر خلاف تھا۔ اس طرز عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ پٹھانوں میں دو گروہ ہو گئے۔ کچھ اس کے طرفدار اور کچھ مخالف ہو گئے۔ بالخصوص اس وجہ سے اور بھی کہ ابراہیم کے بھائی بھی دعویدار تخت و تاج تھے۔ بھاگے ہوئے شروانیوں نے اس حالت سے فائدہ اٹھایا اور حبیب خان شروانی

۵؎ خورشید جہاں۔

اوران کے بیٹے عیسیٰ خاں اور دریا خاں ابن احمد خاں شروانی وغیرہ ابراہیم لودی کے
دربار میں واپس آگئے۔[1] مصلحت وقت کے لحاظ سے اس بادشاہ نے ان کو واپس بلالیا
ابراہیم لودی نے اپنے بھائی کی دلجوئی کرنے اور غالباً پایہ تخت سے اور پٹھانوں کی سازشوں
سے دور رکھنے کی غرض سے جونپور کا علاقہ اس کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ خان جہاں لودی اور فتح خاں
ابن عیسیٰ خاں شروانی نے ابراہیم لودی کو مشورہ دیا کہ دوسرے کو سلطنت میں سہیم و شریک
کرنا مناسب نہیں ہے اور آئندہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے اس پر بادشاہ نے اپنے بھائی جلال خاں
سے بدعہدی کی۔ اور اس کو دہلی میں واپس بلالیا۔ مگر نا کیا نہ کرتا۔ جلال خاں نے ابراہیم لودی سے
سرتابی کی، عیسیٰ خاں شروانی اودھ سے واپس آکر ابراہیم لودی کے ملازم ہو گئے۔ بادشاہ نے ان کو
کالنجر (باندہ) کی مہم پر بھیج دیا۔ شاہزادہ جلال خاں نے عیسیٰ خاں شروانی کو لکھا کہ تم میرے باپ کے
برابر ہو میری مدد کرو۔ اور اس کے ساتھ ان کے بیٹے فتح خاں کو کالنجر (باندہ) سے بلا کر اپنا وکیل امور
ریاست[2] بنا لیا۔ عیسیٰ خاں کے باپ ہیبت خاں اس وقت گوالیار میں تھے یا بقول دیگر کالپی کے
محاصرہ میں مصروف تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندیل کھنڈ میں اس کا اقتدار قائم نہیں ہوا تھا
اور شروانیوں کو اس علاقہ کے زیر کرنے کے لئے تعینات کیا گیا۔

ہیبت خاں شروانی کے پوتے فتح خاں نے ابراہیم لودی کا ساتھ چھوڑ کر جلال خاں سے آملے اور
بادشاہ کے صوبیدار اودھ سعید خاں لودی پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ جونپور کے علاوہ اودھ بھی متزلزل
ہے اس کے بغاوت کی جڑ کا ختم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ خود فوج لیکر بھونگانم ضلع مین پوری ہوتا ہوا اس
سے [illegible] قنوج کی طرف بڑھا۔ ہیبت خاں شروانی اور ان کے خاندان نے دیکھا کہ پانسہ
پلٹ گیا۔ اور وہ بادشاہ کے خلاف اپنے منصوبوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور شکست اور [illegible] کا
یقین ہے کہ جلال خاں کا ساتھ چھوڑ دیں۔ چنانچہ یہ شروانی سردار بھونگانم میں بادشاہ سے آملے اور بادشاہ[3]
کی طرف سے جلال خاں سے لڑے۔ جب بادشاہ اس مہم میں کامیاب ہوا۔ تو اس نے ان شروانیوں
کا قصور معاف کر دیا۔ اور [illegible] بادشاہ نے خلعت بخشندہ کا مضمون ہوا۔ ان شروانیوں کو انعامات
دیے۔ [illegible] ہیرے جڑے خنجر اور خلعت سے مالا مال کیا۔ اور عیسیٰ خاں شروانی کو اعظم ہمایوں کا

---

[1] احمد یادگار۔ تاریخ شاہی، تاریخ داؤدی۔ [2] طبقات اکبری

خطاب عطا ہوا۔ اور وہ آگرہ کے عامل بنائے گئے۔ اور پھر یہاں سے تبادلہ کرکے دہلی کا
صوبیدار بنایا۔ عیسیٰ خاں کے بھائی اسلام خاں بدستور کڑا مانک پور کے گورنر رہے۔ محمد خاں
شروانی کی جگہ ان کے جرتولی کی بغاوت فرو کرنے میں شہادت کے بعد ان کے بیٹے محمد خاں کو
کول کا شقدار مقرر کیا۔ اس زمانہ میں اس خطہ میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوت
اور دیگر رعایا سرکش تھی۔ جرتولی علاقہ کول اور بلرام ضلع ایٹہ میں بغاوتیں ہو چکی تھیں۔ اس لئے
کول کے مرکز پر ایک مضبوط فوجی چھاؤنی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہاں شہر کا پرانا قلعہ جس کو
۱۱۹۴ء میں چندرسین ڈور راجپوت راجہ سے لڑکر قطب الدین ایبک نے فتح کیا تھا، شکستہ
ہو گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف شہر کی آبادی تھی۔ وہ فوجی ضرورت کے لحاظ سے قابل مرمت یا
ترمیم اور توسیع کے نہ تھا۔ اس لئے شہر سے باہر شمالی میدان میں یونیورسٹی سے جانب شمال تقریباً
ایک میل کے محمد خاں شروانی نے ایک جدید مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور محمد گڑھ اس کا نام رکھا۔ اس
قلعہ کی تعمیر کے بابت فارسی زبان میں ایک منظوم کتبہ ۱۸۶۷ء میں برآمد ہوا[لہ]۔ اور اس کو یہاں کے
کلکٹر نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں بھیج دیا۔ اور اس انجمن نے اپنے نومبر ۱۸۶۷ء کے
انگریزی رسالہ میں صفحہ ۱۷۲ پر اس کتبہ کا انگریزی ترجمہ اور کتبہ شائع کیا۔ راقم الحروف نے اس
کی ایک نقل منگواکر کتب خانہ حبیب گنج علی گڑھ میں رکھدی ہے۔ کتبہ یہ ہے

نخستیں حمد گفتم مر خدا را — کہ پیدا کرد حضرت مصطفیٰ را
نبشتم چند بیت از پئے حصارے — نماند من بماند یادگارے
حصار استوار اصل محکم — کہ اتمامش شدہ در عہد شاہم
کہ نامش است ابراہیم سکندر — کہ بخشد سائلاں را سیم و زر
بہ شقداری محمد ابن عمر — دبیرست محمد شہاب ابن منور
کہ در باب عمارت رنج بردہ — باندک مدتے اتمام کردہ
ز ہجرت بود نہصد سی و یک سالے (۹۳۱) — کہ حصنے یافتہ زیب کمالے

من بیچارہ کو نام است احمد
بیاید روز محشر صاحب احمد

لہ۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ

یہی وہ قلعہ تھا جس کو مرہٹوں نے اپنے فرانسیسی انجنیروں کے ذریعہ سے مضبوط کیا اور جہاں وہ سنہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی ماتحتی میں انگریزی فوج سے ہار کر شمالی ہندوستان کو خالی کر گئے۔ محمد خاں شروانی کا نام مخزن افاغنہ نے اپنے شجرہ میں چھوڑ دیا ہے۔ مگر اس کتبہ کے دیکھنے سے کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قلعہ کے بنانے والے محمد خاں ابن عمر خاں تھے۔ اس زمانہ میں کول میں نہ کوئی دوسرے عمر خاں تھے اور نہ کوئی دوسرے محمد خاں۔ عمر خاں ترک بچہ حاکم کول کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ محمد خاں کے بارے میں مورخین میں اختلاف ضرور ہے اور وہ اس وجہ سے اس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں کہ محمد خاں نام کے پٹھان سردار اور بھی تھے۔ مگر ان کی ولدیت اور خیل جداگانہ تھے۔ ایک تو محمد خاں ابن بایزید خاں شروانی تھے جن کا ذکر شجرہ مندرجہ بالا میں آیا ہے۔ اور جو اکبر کے عہد کے مورخ عباس شروانی کے چچا تھے۔ یہ محمد خاں شیر شاہ سوری اور بابر کے ہمعصر تھے۔ نہ کہ ابراہیم لودی کے۔ ان کے حالات آگے پیش کیے جائیں گے۔ دوسرے محمد خاں سڑبنی تھے جن کے بیٹے رستم خاں نے رہتک پنجاب میں ایک دروازہ قائم کرایا۔ جس کا کتبہ اپی گریفیا انڈکا نے جلد دوئم کے ص ۱۳۷ پر دیا ہے اور جس کو راقم الحروف نے موقعہ پر جا کر دیکھا۔ کول کے قلعہ کے کتبہ محولہ بالا نے صاف طور پر محمد ابن عمر لکھا ہے۔ شہر والے پرانے قلعہ کے نام سے اس کا ملحقہ محلہ بالائے قلعہ مشہور ہوا۔ اسی پرانے قلعہ میں غیاث الدین بلبن نے بادشاہ ناصر الدین محمود کی یادگار میں سنہ ۱۲۵۳ء میں وہ مینارہ تعمیر کرایا تھا جس کو بدقسمتی سے انگریزی حکام نے سنہ ۱۸۶۲ء میں اس وجہ سے توڑ ڈالا کہ یہاں نواب ثابت خاں حاکم کول کی تعمیر کرائی ہوئی بلند جامع مسجد کی آس پاس کی زمین صاف ہو جائے۔ یہ نواب ثابت خاں ترکمان فرخ سیر اور محمد شاہ کے عہد میں کول کے حاکم اعلیٰ تھے یعنی سنہ ۱۱۲۴ھ اور سنہ ۱۱۶۱ھ کے درمیان انہیں نے یہاں حضرت شاہ اللہ بخش کی یادگار اور مزار تعمیر کرائے۔ جس کا کتبہ سنہ ۱۱۳۰ھ ۱۷۱۷ء کا ہے اور انہیں نے علی گڑھ کی مشہور جامع مسجد بالائے قلعہ میں سنہ ۱۱۳۷ھ سے لیکر سنہ ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۸ء تک تعمیر کرائی جیسا کہ کتبہ سے ثابت ہے۔[1] ان نواب ثابت خاں نے محمد خاں شروانی کے بنائے ہوئے قلعہ کا نام بجائے محمد گڑھ کے ثابت گڑھ رکھا۔ مگر وہ بھی قائم نہ رہا۔ جاٹوں نے رام گڑھ رکھا مگر یہ بھی قائم نہ رہا۔ عہد شاہ عالم ثانی میں نواب

---

[1] ڈاکٹر نیو رہرڈ ڈسٹرکٹ گزیٹر علی گڑھ

پابند تھے۔ اور بادشاہ کو اس کی پروا نہ تھی۔ ورنہ اس قدر سختی نہ کی جاتی۔ وہ اسی حالت میں قیدخانہ میں فوت ہو گئے۔ بقول دیگر بادشاہ نے ان کو زہر دلوا دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
جب اسلام خاں شروانی[1] گورنر کڑا مانک پور کو اپنے باپ کے ساتھ بادشاہ کے اس برتاؤ اور سرداروں کے قتل کئے جانے کی خبر پہونچی تو ان کو بڑا پیچ و تاب آیا اور وہ بادشاہ سے بگڑ بیٹھے۔ اور اپنے باپ کی جاگیر اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ ان کے پاس اس وقت چالیس ہزار فوج تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس تعداد میں شروانیوں کا بڑا حصہ ہوگا۔ بہت سے پٹھان سردار بادشاہ کی حرکتوں پر اس سے ناراض تو تھے ہی۔ وہ بھی اسلام خاں شروانی کے ساتھ ہو گئے۔ بادشاہ نے بھی باغیوں کے زبردست گروہ کے خلاف ایک بڑی فوج بھیجی بانگرمئو (ضلع ہردوئی صوبہ اودھ) کے قریب سخت لڑائی ہوئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے فریقین کے دس ہزار پٹھان کام آئے۔ مگر سلطنت کی بھی چولیں ہل گئیں۔ ایک بزرگ شیخ راجو نے درمیان میں پڑ کر صلح کرانا چاہی۔ باغی پٹھانوں نے یہ شرط پیش کی کہ ہیبت خاں کو قید سے رہا کر دیا جاوے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لڑائی ان کے انتقال سے قبل ہوئی۔ بادشاہ اس شرط پر راضی نہیں ہوا۔ تعجب نہیں کہ اسی وجہ سے ان کو زہر دیا گیا ہو۔

القصہ پھر لڑائی ہوئی۔ اس مرتبہ اسلام خاں اور ان کے ساتھیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اس وقت ہیبت خاں کی کانپور (غالباً بٹھور) والی جاگیر احمد خاں لودی کے قبضہ میں تھی۔ اب اسلام خاں نے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ حکومت سے مقابلہ آسان نہیں ہوتا اور اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔

اب بادشاہ نے اسلام خاں شروانی کے خلاف اور فوجی کمک بھیجی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مرتبہ اسلام خاں لڑائی میں مارے گئے۔ اور ان کے ساتھی منتشر ہو گئے۔ یہاں ہم کو ہیبت خاں شروانی کے دوسرے بیٹے عیسیٰ خاں شروانی کے متعلق ایک دقت پیش آتی ہے۔ اکبری ہو یا کوئی دوسری تاریخ عباس شروانی نے لکھا ہے کہ اسلام خاں کے مارے جانے کے وقت عیسیٰ خاں شروانی مظفر شاہ والی گجرات کے دربار میں گوشہ عافیت میں تھے۔ اور بادشاہ

---

[1] - نسبت اسی تاریخ داؤدی ۔ احمد یادگار

عہد میں علاوہ عمر خاں شروانی کے خاندان کے دیگر شروانیاں بھی ممتاز لوگوں میں تھے چنانچہ خواجہ خضر شروانی اسی زمانہ میں سونپت (جو اب دہلی) کے مقطع (حاکم) تھے۔ اقطاع سرکار یا حال کے ضلع کا ایک حصہ ہوتا تھا جیسے آج کل تحصیل اور اس حصہ ضلع کا افسر ناظم یا مقطع کہلاتا تھا۔ یہ خواجہ خضر ان دریا خاں شروانی کے بیٹے تھے جو سکندر لودی کے زمانہ میں پولو والے جھگڑے کی وجہ سے نکالے گئے تھے۔ ان کو بھی ابراہیم لودی نے واپس بلا لیا تھا۔ سونپت میں ان خواجہ خضر شروانی کے متعلق حسب ذیل کتبہ قابل ملاحظہ ہے۔ "بعون اللہ تبارک و تعالیٰ و بفضلہ عمارت گنبد این حظیرہ بندگی میاں معظم و مکرم میاں خواجہ خضر مرحوم بن دریا خاں بن شیخ المشائخ شیخ احمد بن شیخ مندو کی درویش شروانی مقطع سونپت در عہد ابراہیم شاہ سن ثلاثین تسعمائۃ (۹۳۰ھ)" یہ عمارت سونپت سے آدھے میل جانب شمال واقع ہے اور اسی پر ایک دوسرا کتبہ حسب ذیل اور بھی درج ہے یعنی "مرتب شد عمارت دہلیز حظیرہ میاں خواجہ خضر بن دریا خاں شروانی رحمۃ اللہ علیہ یوم الاثنین، الخامس عشرین شہر شوال من ثمان عشرین تسعمائۃ فی عہد سلطان العادل الباذل بتائید رحمن ابو المظفر ابراہیم شاہ بن اسکندر شاہ بن بہلول"۔

اس حساب سے خواجہ خضر شروانی کا انتقال ۹۲۸ھ میں یا اس سے قبل ہو گیا تھا اور مزار کی عمارت بعد کو مکمل ہوئی تو دوسرا کتبہ لگایا گیا۔ اس زمانہ میں پنجاب اور دوآبہ گنگا جمنا کے علاوہ بندیل کھنڈ کے کالپی اور کالنجر میں بھی شروانیاں بستے ہوتے تھے کیونکہ بقول تزک بابری[۲] سوگند پور متصل کالپی میں بابر بہادر خاں شروانی کے مزار کی عمارت میں ۹۳۴ھ یا ۹۳۵ھ میں بنگال سے واپسی کے بعد ایک شب مقیم رہا۔ یہ بہادر خاں شروانی تھے جن کو ابراہیم لودی نے ہیبت خاں شروانی کی گرفتاری کے واسطے بھیجا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اسی زمانہ میں گرویدہ جاتے یا وہاں سے واپس آتے وقت یا بعد کو ان کا انتقال ہو گیا اور یہاں دفن ہوئے۔

کالنجر سے شروانیوں کا تعلق بعد تک رہا جیسا کہ آگے دکھایا جائے گا۔ تاریخ داؤدی کے

---

[۱] - ایپی گرافیا انڈیکا جلد دوئم ص ۱۳۰ - ۱۳۱ [۲] - تزک بابری

اس سے مغلوں کی جماعت کم۔ مگر منظم اور بابر جیسے قاید کے ماتحت دل و دماغ جوش سے بھرے ہوئے اور ہندوستان پر حکومت کا شوق دامنگیر۔ پانی پت کے مشہور میدان میں جس نے بہت سے ایسے خونی منظر دیکھے تھے بڑے زور کا رن پڑا۔ اس سخت لڑائی کا فیصلہ قضا و قدر نے بابر کے حق میں کیا۔ ابراہیم لودی اور بہت سے پٹھان اپنی جانیں کھو بیٹھے اور جو بچے وہ منتشر ہو گئے۔ پٹھان خود اپنے پیروں میں کلہاڑی مار کر کچھ دن کے واسطے (اور آخر میں ہمیشہ کے لئے) اپنی حکومت کھو بیٹھے۔ آج سے سوا چار سو برس قبل کی اور ابتدائی اردو زبان میں بابر کے درباری شاعر نے لکھا:

نو سے اوپر تھا بتیسا — پانی پت میں بھارت ویسا
اٹھیں رجب بیاں سکروارا — بابر جیتا براہیم ہارا[1]

(یعنی ۸ رجب ۹۳۲ھ روز جمعہ)

یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ اس لڑائی میں پٹھانوں کے کون کون قبیلے شریک تھے۔ مگر گمان غالب ہے کہ [illegible] شامل ہوں گے۔ پانی پت میں تقسیم ہند تک [illegible] دیگر پٹھانوں کے شروانی بھی بستے تھے۔ [illegible] کی ملاقات یہاں کے کچھ شروانیوں سے ہوئی۔ مگر ان [illegible] دیگر مسلمان اقوام [illegible] ملیں [illegible] کرنال اور ریاست پٹیالہ کے علاقہ میں تو شروانی بہت [illegible] کتاب [illegible] شاہ جمال کولوی علیہ الرحمۃ [illegible] خاندان [illegible] پٹھانوں [illegible] پانی پت [illegible] اس کا [illegible] ابراہیم لودی [illegible] پانی پت [illegible] اس حالت میں [illegible]

---

[1] تاریخ داؤدی

افسوس ہے کہ یہاں کے شروانی بھی دستِ بردِ زمانہ سے نہ بچ سکے اور بمقابلہ ضلع علی گڑھ اور ایٹہ کے دیگر شروانی خاندانوں کے انہوں نے اپنی یہ شان اور ثروت بہت جلد کھو دی اور چند افراد کو چھوڑ کر آج اِسنے گنے جو چند باقی ہیں وہ کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ یہ پُرانا قصبہ انہیں راؤ خاں شروانی کی وجہ سے سکندرہ راؤ مشہور ہوا۔

القصہ زمانہ کا رنگ دیکھکر اب شروانیوں نے بابر کی طرف رجوعات شروع کیں۔ بابر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ جب فتح خاں عرف الیاس خاں ابن عدلی خاں ابن ہیبت خاں اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ ان کا بیٹا محمود خاں شروانی بھی تھا۔ محمود خاں کے متعلق مورخین میں ذرا سا اختلاف ہو گیا ہے۔ احمد یادگار نے لکھا ہے کہ محمود خاں کو ابراہیم لودی نے قتل کرا دیا تھا۔ وہ دوسرے محمود خاں ہوں گے۔ مگر تزک بابری میں آپ بیتے اور چشم دید واقعات درج ہیں اس کو غلط باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر جبکہ محمود خاں کی ذات کے متعلق بابر نے ایک اور واقعہ بھی درج کیا ہے۔ علاوہ ان کے شیخ بایزید کا بیٹا شیخ علی[۱] شروانی یعنی اکبری مورخ عباس شروانی کا باپ آگرہ میں بابر کے دربار میں حاضر ہوا۔ تو بابر نے بڑی آؤ بھگت کی اور خزانہ اودھ سے ایک کروڑ تنکہ ان کو انعام دیا۔ یہ بابر کی طرف سے چندیری کی لڑائی میں شریک تھے۔

اس تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھئے ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے کہ کچھ شروانیان بابر کے خلاف تھے۔ ان میں قطب خاں شروانی عامل اٹاوہ ممتاز تھے۔ اور جب انہوں نے اس مغل بادشاہ کے خلاف بغاوت کی تو بابر بادشاہ نے ایک دوسرے شروانی سردار کو یعنی فیروز خاں کے باپ احمد خاں کو مہدی خواجہ کے ساتھ اس بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بھیجا۔

واضح رہے کہ اس زمانہ میں احمد خاں نام کے دو شروانی سردار تھے یعنی ایک جمال خاں کے بیٹے اور فیروز خاں کے باپ جو بابر کے طرفداروں میں تھے اور قطب خاں کے خلاف بھیجے گئے۔ اور دوسرے شیخ منڈو کی شروانی کے بیٹے اور دریا خاں شروانی کے باپ۔ یہ فرق ان کتبوں سے ثابت ہے جو علی الترتیب رہتک اور سون پت کے روضوں کے

---

[۱] ۔ اکبرنامہ ابوالفضل

دریائے گنگا کے کنارے (جہاں ایک پرانا اور شکستہ قلعہ حضرت صوفی علیہ الرحمۃ کے مزار
کے محاذ میں اب بھی موجود ہے) بابر کی فوج سے لڑے تھے۔ مگر جب کامیاب نہیں ہوئے
تو سنبھل کی طرف بھاگے اور آخر کار ۹۳۴ھ میں مغلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

قطب خاں نام کے دو پٹھان سردار اس زمانہ میں اور بھی تھے یعنی قطب خاں لودی
جو بہلول لودی کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور دوسرے قطب خاں سوری۔ مگر بابر نے اپنی تزک
میں صاف طور پر ان باغی قطب خاں کے نام کے ساتھ شروانی لکھا ہے۔ اسی طرح بجلی خاں
شروانی نے حصار پنجاب میں بابر کے خلاف بغاوت کی تھی مگر وہ بھی دبا دی گئی۔ یہ بجلی خاں
شروانی بہار خاں شروانی کا منھ بولا بیٹا تھا۔ اور اس نے لودیوں کے زمانہ میں سکالنجر
(بندیل کھنڈ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور بعد کو بہت سا روپیہ لیکر اس قلعہ کو ریاست پنا
کے راجہ رامچندر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اور پھر اکبری عہد میں اس قلعہ پر مغلوں کا قبضہ
ہو گیا۔ یہاں سے بھاگ کر بجلی خاں حصار میں پہونچا۔ اور وہاں مغل طاقت کی بجلی اس پر
گری جس سے وہ فنا ہو گیا۔ الیاس خاں کے متعلق مورخین نے واقعات میں الٹ پھیر کر دی
ہے۔ ہم نے بتایا ہے کہ ان کا اصلی نام فتح خاں شروانی تھا۔ مگر عرفیت نے لوگوں کو دھوکہ میں
ڈالا۔ اور وہ اس وجہ سے کہ بقول تزک بابری ایک الیاس[1] خاں نے جمادی الآخر ۹۳۳ھ میں ہندستان
کے دوآبہ میں مغلوں سے بغاوت کر کے کول پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے مغل ناظم کپک علی بیگ کو نکال
دیا۔ اس پر بابر نے محمد علی جنگ جنگ اور پلکھنہ (ضلع علی گڑھ) سے شیخ گھورن کو اس کے خلاف
تعینات کیا۔ الیاس خاں گرفتار ہوا۔ تو بابر نے تنبیہ اور عبرت کے خیال سے اس کی کھال
کھنچوا کر قتل کرا دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کونسا الیاس خاں تھا۔ کیا فتح خاں شروانی [illegible]
الیاس خاں سے مراد ہے یا کسی اور دوسرے پٹھان سے۔ بابر نے تزک میں [illegible]
کے نام کے ساتھ خیل نہیں لکھا ہے۔ ۹۳۲ھ کی یہ کول والی بغاوت [illegible] رانا سانگا کی لڑائی
کے بعد ہوئی تھی۔ شیخ خاں عرف الیاس خاں ڈالمؤ میں آکر [illegible]

---

[1] تزک بابری۔

دربار میں حاضر ہوئے تھے اور جاگیر کے علاوہ انعام واکرام پایا تھا۔ اور بابر نے فتح خاں عرف الیاس خاں کی حاضری دربار ۹۳۵ھ کے واقعات کے سلسلہ میں بتائی ہے۔ ایسی حالت میں ۹۳۳ھ میں کول میں بغاوت کرنے والا الیاس خاں یقیناً دوسرا تھا۔ پھر ایک بات اور بھی ہے مخزن افاغنہ نے اسلام شاہ ولد شیر شاہ سوری کے عہد کے (جو ۹۵۲ھ میں شروع ہوا) واقعات کے سلسلہ میں فتح خاں عرف الیاس خاں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ احمد یادگار نے ۹۶۰ھ میں عادل شاہ سوری کے عہد کے واقعات میں فتح خاں کا ذکر کیا ہے۔ ابوالفضل جیسے مورخ نے بھی غلطی کردی کہ تزک بابری میں الیاس خاں کا نام دیکھکر ۹۳۳ھ میں کول کی بغاوت فتح خاں عرف الیاس خاں شروانی سے منسوب کردی۔ کول میں بغاوت کرنے والا الیاس خاں دراصل عیسٰی خاں ترکمان کے خاندان سے تھا جو عہد سادات کے آخر میں کول کا حاکم تھا۔ اور غالباً جس کے نام سے محلہ ترکمان دروازہ کول میں آج تک موجود ہے۔ کتاب اخبار الجمال[1] متذکرہ بالا نے صاف طور پر اس کو الیاس خاں ترکمان لکھا ہے۔

القصہ بابر نے اپنی تدابیر اور دوڑ دھوپ سے پٹھانوں کی شورشوں کا شعلہ فرو کر دیا۔ اگرچہ کچھ دن بعد وہ پھر بھڑک اٹھا اور ایسا بھڑکا کہ تھوڑے دن کے لئے پھر مغلوں کو ہندستان کو خیرباد کہنا پڑا۔ اس اجمال کی تفصیل کے واسطے ہم کو پھر ابراہیم لودی کے حکومت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لودیوں کے خاتمہ اور مغلوں کے عروج کے وقت ہندوستان کی سیاسی بساط پر ایک اور مہرہ برابر آگے بڑھتا چلا آتا تھا اور بالآخر اس نے مغلوں کو ایسی شہ مات دی کہ کچھ دن کے لئے ان کی بازی الٹ گئی۔ آپ سمجھے کہ یہ مہرہ کون تھا۔ وہ فرید خاں عرف شیر خاں الملقب شیر شاہ سوری تھا۔ اس کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ عمر خاں شروانی نے بہلول لودی کے عہد کے اوائل میں پنجاب والی جاگیر میں چند مواضعات فرید خاں کے باپ حسن خاں کو پرورش کے واسطے۔ اور ایک موضع فرید خاں کو تعلیم کے خرچ کے واسطے دیدیا۔ حسن خاں کے باپ ابراہیم خاں سوری کے انتقال کے بعد عمر خاں شروانی نے بادشاہ سے کہہ سن کر نارنول کی جاگیر بھی حسن خاں سوری کو دیدی تھی اور اسی کے ساتھ اس کو چالیس سوار رکھنے

[1] اخبار الجمال۔ قلمی کتاب خانہ حبیب گنج

اجازت مل گئی تھی۔ فرید خاں عرف شیر خاں حسن خاں کی پہلی زوجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اور چھ دیگر بیٹے دوسری زوجہ سے پیدا تھے۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر ہوتا چلا آیا ہے فرید خاں عرف شیر خاں کی سوتیلی ماں اور اس کے بیٹے فرید خاں سے ناراض اور مخالف رہتے تھے۔ اس کی ذہانت خداداد قابلیت علم اور ترقی سے خائف تھے۔ حسن خاں اپنی دوسری بی بی یا زوجہ کے ہاتھ میں تھا اور اسی وجہ سے فرید خاں عرف شیر خاں کے ساتھ بے رخی کا اظہار کرتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر فرید خاں بظاہر تعلیم کی غرض سے جونپور میں جمال خاں سارنگ خانی لودی کے پاس چلا آیا۔ کیونکہ اس کا دادا ایک زمانہ میں ان جمال خاں کا ملازم رہ چکا تھا۔ ہندی مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ بلندی کا ستارہ فرید خاں کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ اس نے جونپور میں جو مرکز علم تھا رہ کر تعلیم و قابلیت میں خاص ترقی کر لی۔ جب حسن خاں جونپور میں آیا تو اس نے اپنے بیٹے کی یہ اچھی حالت دیکھی اور ادھر اس کے عزیزوں نے فرید خاں کی تعریف اور سفارش کی تو حسن خاں نے اپنی صوبہ بہار والی جاگیر جس میں سہسرام ضلع شاہ آباد اور ٹانڈہ شامل تھے۔ انتظام کی غرض سے فرید خاں کے سپرد کر دی۔ اب کیا تھا آں چیز کہ خاطر مے خواست آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدیدار کا مضمون ہوا۔ اور فرید خاں عرف شیر خاں کی جڑ جم گئی۔ فرید خاں نے اپنی تدبیر اور قابلیت سے اس علاقہ کو ایسا سنبھالا کہ وہ پھر سرسبز ہو گیا۔ اور اس میں چار چاند لگ گئے۔ مگر فلک کج رفتار نے فرید خاں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ایک نیا تماشا دکھایا۔ فرید خاں کی سوتیلی ماں اور بھائی یہ ترقی دیکھ کر رشک و حسد کی آگ سے جلنے لگے مثل مشہور ہے کہ زر زمین زن فتنہ و فساد کی جڑ ہیں۔ فرید خاں کی سوتیلی ماں اور بھائیوں نے حسن خاں کو مجبور کیا۔ اور تیار مال کی ہوس میں سہسرام وغیرہ دیہات کو فرید خاں کے انتظام سے نکلوا لیا۔ اور اس کے سوتیلے بھائی سلیمان خاں اور احمد خاں سور اس علاقہ کے شقداران مقرر کئے گئے۔ بادشاہ ابراہیم لودی کے آخری زمانہ میں اس کی کمزوری اور روز روز کے آئے دن کی سازشوں سے فائدہ اٹھا کر لوحانی پٹھانوں نے صوبہ بہار پر اپنا قبضہ جما رکھا تھا۔ فرید خاں اپنے باپ اور سوتیلے بھائیوں کی حرکتوں اور نیز برے برتاؤ کے خلاف اپیل کرنے کی غرض سے اور شاہی دربار سے فریاد رسی کرنے کے واسطے آگرہ کو روانہ ہوا۔

راستہ میں عمر خاں سشروانی کے خاندان کے پاس بہٹور ضلع کانپور میں جہاں ان کی جاگیر تھی
چند روز مہمان رہا۔ اس زمانہ میں دولت خاں ولد بدھو خاں لودی ابراہیم لودی کے دربار
میں بڑے امرا میں تھا اور بادشاہ پر اس کا اثر تھا۔ اس نے بہٹور میں سشروانیوں کے
یہاں پرورش پائی تھی معلوم ہوتا ہے کہ فرید خاں نے اس بات سے فائدہ اٹھایا اور غالباً
دولت خاں تک سفارش پہونچوائی۔ دولت خاں نے بادشاہ سے فرید خاں کی سفارش کی
تو بادشاہ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جو بیٹا اپنے باپ کے خلاف ہو وہ امداد کے قابل نہیں ہے
فرید خاں ناامید ہو کر بے نیل مرام واپس ہوا۔ اور اس نے سوچا ہوگا کہ اپنے بل بوتے
پر کھڑا ہونا چاہئے۔ تقدیر کی لکیر کو کوئی نہیں مٹا سکتا جس کو خدا تعالیٰ نے آگے بڑھانا ہے بھلا اس
کو کون روک سکتا ہے۔ اسی زمانہ میں حسن خاں فوت ہو گیا اور سہسرام میں مدفون ہوا۔ اس کے
انتقال کے بعد دولت خاں لودی کو پھر موقع ملا اور اس نے پھر بادشاہ سے فرید خاں کے حق
میں سفارش کی جو کارگر ہوئی اور بادشاہ نے صوبہ بہار کی جاگیر کے عطا کرنے کا فرمان فرید خاں
کے نام اور اس کے حق میں جاری کر دیا۔ فرید خاں کے بھائیوں نے اس کے خلاف طرح طرح
کی کوششیں کیں مگر ان کی ایک بھی نہ چلی۔ اس کے بعد جب ابراہیم لودی بادشاہ پانی پت کی
لڑائی میں مغلوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ تو میدان صاف دیکھ کر صوبہ بہار میں بہار خاں ولد دریا خاں
لوحانی نے سلطان محمد خاں کے لقب سے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ قسمت کے دھنی فرید خاں
سور نے سلطان محمد خاں کی ملازمت کر لی۔ اور بڑھتے بڑھتے [illegible] سلطان محمد خاں کے
یہاں بڑا رتبہ حاصل کر لیا۔ ایک روز فرید خاں نے شکار کے وقت سلطان محمد خاں کے ساتھ شیر
مارا تو اس کو شیر خاں کا خطاب ملا۔ اور محمد خاں کے بیٹے جلال خاں کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ ہم کو
یہ سب کہانی اس وجہ سے دہرانی پڑی کہ شیر خاں سور اور سشروانیوں کی [illegible] معرفت سے
اس خاندان کی ہوئی ہے کہ دونوں بہلول کے زمانہ سے [illegible] میں نہیں
آ سکتے۔ اب ایک واقعہ پیش آیا [illegible] شیر خاں
کے سوتیلے بھائیوں کی اختلاف [illegible] عمر خاں لوحانی [illegible]

سلہ۔ شیر شاہی۔ مخزن افاغنہ

سے برگشتہ اور ناراض کرادیا۔ شیرخاں اس کے دربار سے بھاگ کر اپنے مستقر سہسرام میں آیا۔ اور پھر آگرہ کو اس غرض سے روانہ ہوا کہ بابر کے جنرل اور باا شر امیر جنید برلاس سے اپنے حق میں اس مغل بادشاہ سے اپنی سفارش کرائے اور سلطان محمد خاں سے بدلہ لے دریا خاں عرف میاں حسنو شروانی کو جس سے شیرخاں کی رشتہ داری تھی اپنے ساتھ لیا۔ آگرہ پہونچنے کے بعد بابر کے دربار میں ایک عجیب قصہ پیش آیا گویا[۱] قدرت نے اس کو مغلوں سے بچایا۔ بادشاہ کے کھانے کے وقت مسلم مچھلی دسترخوان پر شیرخاں کے سامنے رکھی گئی تو اس نے اپنا پیش قبض نکال کر مچھلی کے ٹکڑے کئے اور کھایا۔ بابر بادشاہ نے شیرخاں کی ذہانت دیکھ کر اپنے درباری امراء سے سرگوشیاں کیں۔ شیرخاں تاڑ گیا کہ دال میں کالا ہے۔ یہاں قیام ٹھیک نہیں سفارش تو الگ رہی گردن کہیں نہ چلی جائے۔ چنانچہ شیرخاں اور میاں حسنو شروانی رات کے وقت پوشیدہ طور پر آگرہ سے نکل بھاگے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا زمانہ تھا۔ شیرخاں بھی بڑا چلتا پرزہ تھا۔ ہمت اور حوصلہ اس میں قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ اس نے چوندہ سے محمد خاں سور کو نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنی طاقت کو بڑھانے کے لئے بہت سے پٹھانوں کو جو ادھر ادھر بھاگے ہوئے تھے اپنے پاس بلا لیا۔ سلطان محمد خاں لوحانی والیٔ بہار کا انتقال ہو گیا۔ اور جلال خاں جس کا اتالیق شیرخاں ہو چکا تھا گدی پر بیٹھا۔ شیرخاں نے جلال خاں کے ساتھ تعلقات پھر قائم کئے۔ پٹھانوں کی سرشت ہے کہ ان کو دوسروں کی محکومی پسند نہیں اور آزادی میں ان کو لطف آتا ہے۔ جلال خاں کے گدی پر بیٹھنے کے بعد اس کے رفیقوں میں بھی دو گروہ ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک نے جلال خاں کو شیرخاں سے ناراض اور اس کے خلاف کرا دیا۔ مگر میاں حسنو خاں شروانی نے جس کو شیرخاں کی بہن بیاہی تھی شیرخاں کے ساتھ ملکر ایسی ترکیب چلی اور جلال خاں کو اس قدر ڈرایا کہ وہ صوبہ بہار چھوڑ کر بنگال کے سلطان کے پاس چلا گیا۔ اور وہاں سے فوجی کمک حاصل کر کے شیرخاں اور اس کے ساتھیوں سے دو چار ہوا۔ اس قسمت آزمائی میں شیرخاں کامیاب ہوا۔ اور جلال خاں کی بڑی دولت اور ساز و سامان اس کے ہاتھ لگے۔ اسی زمانہ میں شیرخاں کی قسمت نے ایک اور رنگ دکھایا۔

---

[۱] مخزن افاغنہ۔ شیرشاہی۔ خلاصۃ التواریخ۔ تاریخ منتخب۔

یعنی شیر خاں نے چنار ضلع مرزاپور میں تاج خاں سارنگ خانی لودی کی بیوہ سے نکاح
کر لیا۔ یہ بڑی مالدار عورت تھی گویا سونے کی چڑیا تھی۔ کئی من سونا اور بہت سے جواہرات
شیر خاں کے ہاتھ لگے۔ اس زمانہ میں شروانی ملک بھر میں منتشر تھے۔ کچھ پنجاب میں تھے
کچھ گجرات میں گذر بسر کر رہے تھے۔ اور کچھ مالوہ میں روزی کما رہے تھے اور کچھ کانپور کے
علاقہ میں تھے اور کچھ صوبہ بہار میں اور کچھ صوبہ بنگال میں اور کچھ شیر خاں کے ساتھ۔ اب ان شروانیوں
نے شیر خاں کی بڑھتی ہوئی حالت دیکھ کر اس کی طرف رجوعات شروع کیں۔

عہد ہمایوں بادشاہ

جمادی الاول ۹۳۷ھ (دسمبر ۱۵۳۰ء) میں بابر بادشاہ دار فانی سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا دہلی میں جانشین ہوا۔ بہ نسبت بابر کے ہمایوں
سے پٹھانوں کے تعلقات زیادہ خراب تھے۔ اور یہ خرابی آخر میں رنگ لائی۔ ہمایوں اور پٹھان ایک
دوسرے کو ملک سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے اور شیر خاں اپنی حکومت کے خواب
دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی تدابیر میں لگا ہوا تھا۔ شروانیوں کی طرف سے ہمایوں کے دل میں قدرتی
طور پر کھٹک تھی۔ کیونکہ ان میں سے کچھ تو پہلے ہی سے شیر خاں کے طرفدار اور رفیق تھے۔ جب بابر
کے عہد میں صوبہ بہار میں جب محمود خاں ابن سکندر لودی نے بابر سے بغاوت کی تھی تو شروانیوں
نے محمود خاں لودی کا ساتھ دیا تھا۔ اس کو عیسیٰ خاں شروانی کی بیٹی بیاہی تھی جیسا کہ شجرہ مندرجہ
بالا میں دکھایا گیا ہے مگر چند شروانیوں نے ہمایوں کا ساتھ دیا اگرچہ ان کی تعداد انگلیوں پر
گنی جا سکتی ہے۔ یوسف خاں بن مبارز خاں شروانی محمود خاں لودی کے ساتھی [illegible]
ان کے فتح خاں عرف الیاس خاں شروانی اور ان کے بیٹے محمود خاں شروانی جب اودھ
میں ڈالمؤ ضلع رائے بریلی میں ہمایوں سے آ کر ملے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے تو ہمایوں نے
ان کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو [illegible] بلکہ
ان کی قسمت کا فیصلہ اپنے باپ بابر بادشاہ پر چھوڑ دیا۔ مگر [illegible] خیر ہو سکتی
ہے۔ ہمایوں عام طور پر پٹھانوں اور شروانیوں سے خاص طور پر شکی تھا۔ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں ہمایوں
نے مانڈو مالوہ کو خلجی خاندان سے نکالا۔ یہاں بھی شروانی موجود تھے ان کو بھی [illegible]۔ اسی طرح
جب ہمایوں نے گجرات کا رخ کیا تو وہاں کا حکمران سلطان بہادر سورت کی طرف بھاگا۔ عیسیٰ خاں

سشروانی اور ان کے خاندان کو اپنے لالے پڑے اور وہ بھاگ کر سہسرام میں شیر خاں کے پاس پہونچے۔ یہاں پہونچ کر عیسیٰ خاں سشروانی اور دیگر پٹھان سرداروں نے شیر خاں کو ابھارا کہ وہ پٹنہ میں سشروانیوں کے رشتہ دار محمود خاں ابن سکندر لودی کا ساتھ دے مگر شیر خاں کو تو اپنی فکر لگی ہوئی تھی وہ سمجھتا تھا کہ یہ مشورہ خطرناک ہے اس نے بہت کچھ بغلیں جھانکیں مگر پٹھانوں کی بڑی جماعت کے مقابلہ میں کچھ بس نہ چلا۔ جب محمود خاں ابن سکندر لودی نے بڑھ کر جونپور پر قبضہ کیا تو مغل فوج نے اس کو اور اس کے رفقاء کو وہاں سے مار بھگایا۔
اس لڑائی کے موقعہ پر شیر خاں اپنی مصلحت سے طرح دیکر اور مغلوں سے لڑے بغیر میدان جنگ سے بچ کر سہسرام پہونچ گیا۔ اس جونپور والے معرکہ کے سال کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے جس پر تفصیلی تنقید ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ ہمایوں کے خلاف پٹھانوں کی اس دوسری بغاوت کے بعد محمود خاں لودی یہ کہہ کر کہ اس راہ میں خار مغیلاں بہت ہیں اس کو حکومت نہیں چاہیئے تھک کر بیٹھ رہا۔
عیسیٰ خاں سشروانی نے دیکھا کہ وہ اپنی تدبیریں کامیاب نہ ہوسکے۔ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن کا مضمون پیش آیا۔ سوائے اس کے کوئی اور چارہ نہ رہا کہ وہ پھر سہسرام میں اپنی جماعت کے ساتھ شیر خاں کے پاس چلے آئیں۔ شیر خاں اس وجہ سے شروانیوں کا لحاظ کرتا تھا کہ اوّل تو عیسیٰ خاں سشروانی کے مورث عمر خاں سشروانی نے اس کی اور اس کے خاندان کی جڑ جمائی تھی۔ جیسا کہ سطور بالا میں دکھایا گیا ہے پھر شیر خاں اپنی جماعت کو بڑھانے اور بادشاہت کی فکر میں لگا ہوا تھا جس پر پٹھان اس کا مذاق اڑاتے تھے مگر قادر مطلق حاکم الحاکمین ملک ایک سے نکال لیتا ہے اور دوسرے کو دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے۔ شیر خاں کے پاس[ا] اس وقت نوے ہزار پٹھانوں کی جماعت ہوگئی جس میں سوریوں کے بعد سشروانی پیش پیش تھے۔ پٹھانوں کی یہ حالت تھی کہ ؎

ہم سوختہ جانوں کا نشیمن بھی بلا ہے سرسبز ہے سو بار تو سو بار جلا ہے

[ا] ۔ احمد یادگار۔

بہادر اور حوصلہ مند ہونے کے علاوہ شیر خاں مدبر بھی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی طاقت
کو بڑھانے کے لئے پھر تدبیر سے کام لیا۔ اس زمانہ میں رہتاس گڑھی کا پہاڑی اور مضبوط قلعہ
جو سہسرام سے کچھ فاصلہ پر اور بنگال کے راستہ کی کنجی تھا اس نے بغیر لڑے ہوئے فتح کیا۔
اس کی تفصیل یوں ہے کہ وہاں کے راجہ سے تعلقات پیدا کرنے کے بعد [illegible] ڈولیوں میں
اپنے چیدہ چیدہ نوجوان سپاہیوں کو بٹھایا اور قلعہ میں بھیجا۔ جب راجہ کے اہالی موالیوں نے
ان ڈولیوں کو اندر جانے سے منع کیا تو کہا کہ اس میں عورتیں ہیں جو راجہ کی عورتوں کی مہمانوں
کے طور پر قلعہ میں جاویں گی۔ اس تدبیر سے جب کچھ فوج قلعہ میں داخل ہو گئی تو راجہ اور اس کے
ملازمین اور رفیقوں کو بیدخل کر دیا۔ اب اس کو خواہ فریب اور دغا کہئے خواہ تدبیر سیاسی دنیا
میں آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ اور ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اس تدبیر میں اور اس پر عمل کرنے
میں ہیبت خاں شروانی کے پوتے مظفر خاں اور اکبری مورخ عباس شروانی کے چچا محمد خاں ولد
خاں شروانی بھی شریک تھے۔ چنار ضلع مرزاپور کا مضبوط پہاڑی قلعہ شیر خاں کی طرف سے سیف خاں
اجا خیل شروانی (جس نے سکندر لودی کے زمانہ میں محلہ سیف خاں سرائے بلدہ سنبھل ضلع مرادآباد
بسایا تھا) اور غازی خاں سور کے سپرد تھا۔ یہ دونوں پہاڑی قلعے اس زمانہ میں چوٹی کے ناکے
سمجھے جاتے تھے جو ان پر قابض ہو وہی ملک بہار پر حکومت کر سکتا تھا۔ اور بنگال کی طرف
بڑھ سکتا تھا۔ قلعہ رہتاس گڑھی پر شیر خاں کے قبضہ کے بعد ہمایوں نے سوچا اور دیکھا کہ پٹھان
اب پھر ہاتھ پیر نکال رہے ہیں۔ اور مغلوں کی حکومت پر کاری ضرب لگنے کا اندیشہ ہے چنانچہ
وہ بڑی جرار فوج لیکر شیر خاں کو دبانے کی غرض سے چنار کی طرف بڑھا۔ سیف خاں شروانی اور
غازی خاں سور نے ہمایوں سے مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور قلعہ کو خالی کر کے شیر خاں کے
پاس سہسرام میں چلے آئے۔ شیر خاں نے اپنی مصلحت سے ہمایوں کو صلح کا پیام دیا تو یہ شرط ٹھہری کہ
شیر خاں سور اپنے بیٹے جلال خاں کو (جو بعد کو اسلام شاہ کے لقب سے شمالی ہندوستان اور
وغیرہ کا بادشاہ ہوا) ہمایوں کی نگرانی میں دیدے تو ہمایوں چنار سے اپنی فوج ہٹا لے گا۔
شیر خاں نے پھر ترکیب چلی۔ جلال خاں کو ہمایوں کے پاس بھیج دیا۔ مگر اس کے ساتھ عیسیٰ خاں

۱؎ شیر شاہی

سروانی جیسے تجربہ کار اور ہوشیار شخص کو لگایا اور سمجھا دیا کہ آنکھ بچا کر مناسب موقعہ پر نکل آئیں۔[1] چنانچہ یہ دونوں ہمایوں کے چنگل سے نکل کر گجرات کی طرف بھاگ گئے۔ اور چکر کاٹ کر پھر شیر خاں کے پاس آ گئے۔ ہمایوں کو ان کی حرکت پر بڑا تاؤ آیا اور اس نے سوچا کہ اب بغیر کھلم کھلا لڑے ہوئے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس کو طرح طرح کی دقتوں کا سامنا تھا۔ بنارس اور کمباب، تھا۔ ہمایوں نے بایزید خاں سروانی کو (جو بادشاہ کے طرفداروں میں تھا) بنارس (فراہی) کے لئے تعینات کیا۔ وہ اپنی حسن تدبیر سے اس کام میں کامیاب ہوئے تو ہمایوں نے ان کو شیخ جنگ کا خطاب دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کے رفقا میں دو چار سروانیاں ضرور ہوں گے۔ الغرض ۹۴۵ھ یا ۹۴۶ھ اور بقول الفنسٹن[2] ۹۴۳ھ میں ہمایوں نے چنار پر قبضہ کر کے اور اس طرح اپنے عقب، کو مضبوط کر کے شیر خاں کے خلاف پیش قدمی کی۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ قصہ پیش آیا کہ گوڑ بنگالہ کے حکمران سلطان محمود نے جس کو ایک مرتبہ اس سے قبل شیر خاں زک دے چکے تھے۔ ہمایوں کو بنگال میں آنے کی دعوت دی۔ سہسرام فوجی نقطۂ خیال سے محفوظ جگہ نہ تھی۔ شیر خاں کو تشویش پیدا ہوئی۔ اور اس نے اپنے اہل و عیال کو رہتاس گڑھی کے قلعہ میں پہونچا کر سہسرام خالی کر دیا۔ ایسے نازک وقت میں سروانی اعیان اور ان کے قبیلہ کے لوگ زیادہ تر شیر خاں کے کام آئے۔ یوسف خاں سروانی نے جن کے پاس اس وقت صرف تین سو چیدہ سروانی سوار رہ گئے تھے۔ شیر خاں کو مشورہ دیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ قلعہ اور تمہارے اہل و عیال کی حفاظت ہم کریں گے۔ مظفر خاں سروانی اور محمد خاں ابن بایزید خاں سروانی بھی اس مشورہ میں شریک تھے۔ گویا بیٹا تو شیر خاں کے اور باپ ہمایوں کے ساتھ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بایزید خاں سروانی اور ان کے بیٹے محمد خاں نے دونوں پہلو دبا رکھے تھے۔ خواہ کسی کل اونٹ بیٹھے۔ ان میں سے ایک نہ ایک دوسرے کو سنبھال لے گا۔ شیر خاں نے ان سروانی سرداروں کے مشورہ کی اس بنا پر مخالفت کی کہ ان کی مٹھی بھر جماعت ہمایوں کے ٹڈی دل کو کیسے روک سکے گی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعہ پر ہمایوں سے مڈبھیڑ کرنا اس کی مصلحت کے خلاف تھا۔ اگرچہ اس کے پاس نوے ہزار پٹھان تھے۔ وہ غالباً اس کو بہتر سمجھتا تھا کہ ہمایوں کو اچھی طرح سے بھڑوں کے چھتہ کے اندر داخل ہونے دیا جاوے۔

---

[1] تحفۂ یادگار۔ [2] "تاریخ ہندوستان"

بالآخر شیر خاں ان شروانی سرداروں اور ان کے چند رفقا کی نگرانی میں اپنے اہل و عیال کو رہتاس گڈھی میں چھوڑ کر اور فوج کا بڑا حصہ ساتھ لیکر جھاڑ کنڈ بنگال کی طرف صاف نکل گیا۔ ہمایوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا جس نے طول کھینچا اور شیر خاں کو اور بھی موقعہ مل گیا۔ جلال خاں ابن شیر خاں سور سیف خاں شروانی، بہار خاں شروانی اس قلعہ پر ہمایوں کے خلاف اس بہادری سے لڑے کہ اس بادشاہ کے دانت کھٹے کر دیئے[1]۔ بالآخر اکثریت اقلیت پر غالب آئی اور قلعہ پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا۔ مگر ہمایوں نے اس موقعہ پر بڑی فیاضی اور دریا دلی کا اظہار کیا۔ سیف خاں شروانی کو ان کی بہادری پر مبارکباد دی۔ اور شیر خاں کے خاندان اور سیف خاں کے باقی ماندہ ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ یہ لوگ شیر خاں کے پاس چلے آئے۔ غالباً ہمایوں نے سوچا کہ پٹھان اس کے چنگل سے نکل کر کہاں جائیں گے۔ یہ مختتم لڑائی نہ تھی۔ شیر خاں کے پاس بھی جماعت کافی تھی اور دونوں کو بغیر اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ فیصلہ کن معرکہ ہو۔ اس وقت عیسیٰ خاں شروانی شیر خاں کے دست راست اور خاص مشیروں میں تھے۔ شیر خاں نے اس ترکیب سے نقل و حرکت کی کہ جا نبین دریائے چونسہ پر ایک دوسرے کے سامنے آپڑے۔ اس لڑائی کی پوری تفصیل ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے ہم صرف اس قدر مجملاً عرض کریں گے کہ ہمایوں کے مشیروں میں فوجی ترتیب اور میدان جنگ کا نقشہ جمانے میں اختلاف تھا۔ ہمایوں خود غافل اور آرام طلب تھا۔ بخلاف اس کے شیر خاں خود ستشیر کی طرح دبنگ اور تاک میں لگا ہوا اس کے ساتھی وفادار ایک دل اور مستعد۔ ایک دن شیر خاں نے ہمایوں کو غافل پا کر بکایک تیزی کے ساتھ ہمایوں اور اس کی فوج پر حملہ کر دیا مغلوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ ان میں بھگدڑ پڑی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسی حالت میں ہونا چاہئے تھا۔ یعنی فتح نے شیر خاں کے قدم چومے اور شکست نے ہمایوں کا دامن پکڑا۔ ہمایوں کو کاری ضرب لگی اور شیر خاں کو فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی۔ ہمایوں بھاگ کر دریا میں کود پڑا۔ اس کو جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ ایک سقہ نے اپنی مشک کی مدد سے اس کی جان بچائی۔ اور وہ افتاں و خیزاں آگرہ پہونچا[2]۔ قدرتی طور پر شروانیوں کے ساتھ اس کی ناراضی اور نفرت میں اضافہ ہوا۔ اب عیسیٰ خاں شروانی نے شیر خاں کو مشورہ دیا کہ یہی موقعہ ہے اپنی بادشاہت کا اعلان

---

[1] شیر شاہی۔ [2] مخزن افاغنہ۔ تاریخ داؤدی۔ فرشتہ

کرد یجئے۔ شیر خاں نے اس سے انکار کیا خواہ ظاہری طور پر اور مصالح کی بنا پر یا دل سے، دل کا حال تو خدا جانے۔ بہر حال پٹھانوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ عیسیٰ خاں شروانی حضرت شیخ ملیح قتال رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں ان کی بات رد نہیں کرنا چاہئے۔

حکومت شیر شاہ سوری

چنانچہ شیر شاہ نے ۹۴۷ھ میں اپنی حکومت کا اعلان کیا اور اس کا خطبہ پڑھا گیا اور جیسا کہ قصبہ سکیٹ (ضلع ایٹہ و صوبہ آگرہ) کی مسجد کے کتبہ سے ثابت ہے۔ فرید الدنیا والدین ابو المظفر شیر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس میں دونوں نام آگئے۔ یہ کتبہ شعبان ۹۴۷ھ یعنی دسمبر ۱۵۴۰ء کا ہے[۱]۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ بادشاہت کا اعلان شعبان ۹۴۷ھ سے قبل کیا گیا۔ بقول تاریخ داؤدی بہلول لودی نے مرنے سے قبل اپنی اولاد کے واسطے دو وصیتیں چھوڑی تھیں۔ ایک تو یہ کہ سوریوں میں سے کسی کو امیر اور خان نہ بنایا جائے۔ کیونکہ ان کا دماغ بادشاہت کے لئے موزوں ہے اور نیازیوں میں سے کسی کو ملازم نہ رکھا جاوے کیونکہ وہ مردِ بے ملاحظہ ہیں۔ یہ دونوں خیال بعد کو صحیح ثابت ہوئے[۲]۔

القصہ شیر شاہ کے بادشاہت کے اعلان کے بعد عیسیٰ خاں شروانی نے ملک بھر میں پھیلے ہوئے پٹھانوں کو مبارکباد کے خطوط بھیجے اور شیر شاہ کے اعلان کا نشر کیا۔ اور ہمایوں نے آگرہ پہونچکر شکست کے کلنک کے ٹیکہ کو مٹانے اور پٹھانوں سے بدلہ لینے اور ان کو نکال دینے کی تیاری شروع کر دی۔ کچھ دن بعد مغلوں کی تازہ دم اور بڑی فوج لیکر آگرہ سے قنوج پر بڑھا۔ یہ قصبہ دریائے گنگا پر واقعہ ہے اور اس زمانہ میں دریا قصبہ کے نیچے ہی جانب شمال بہتا تھا۔ یہیں آکر کالی ندی اس میں ملتی ہے۔ غالباً ہمایوں اس کو عبور کرکے اودھ کے راستہ سے چل کر شیر شاہ سے دوبارہ مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر شیر شاہ نے اس کو اس قدر موقعہ نہ دیا۔ بلکہ وہ ہوشیار تھا۔ اس نے عیسیٰ خاں شروانی کو مالوہ کی طرف اس غرض سے بھیجا کہ جب ہمایوں آگرہ سے چل کر پیش قدمی کرے تو عیسیٰ خاں شروانی عقب سے آگرہ پر حملہ کر دیں۔ کیونکہ وہ مالوہ کے اطراف سے واقف تھے۔ عیسیٰ خاں اس فوجی تدبیر میں تو کسی وجہ سے کامیاب نہ ہوئے مگر وہ اپنے ساتھ گجرات سے بلا کر اور مالوہ سے لیکر پٹھانوں کی بڑی جماعت کو جو افلاس میں گذر بسر کرتے تھے

---

[۱]۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ۔ [۲]۔ تاریخ داؤدی۔

اور تلاش معاش میں سرگردان تھے لیکر شیر شاہ کے پاس ہمایوں سے بچکر پہونچ گئے۔ قنوج پہونچنے کے بعد ہمایوں کی طرف سے پھر لیت ولعل کا اظہار ہوا۔ اور لڑائی کے واسطے فوجی ترتیب کا جو موقعہ اختیار کیا وہ دریاؤں کی وجہ سے فوجی نقطہ خیال کے مطابق مناسب نہ تھا۔ شیر شاہ تیزی کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے ہمایوں کے محاذ میں پہونچ گیا اور اپنی فوج کے واسطے ایک بلند اور اچھی جگہ تجویز کرکے پڑا جمایا۔ مغلوں اور پٹھانوں میں پھر گھمسان کا رن پڑا۔ اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ قضا و قدر نے پھر شیر شاہ کا ساتھ دیا۔ اور ہمایوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ کچھ دن کے واسطے ہندوستان سے مغلوں کی حکومت اٹھ گئی اور پٹھانوں کے گھر پہونچی۔ اس فیصلہ کن لڑائی میں علاوہ عیسیٰ خاں شروانی کے کئی ایک چوٹی کے شروانی سرداران اور بھی شریک تھے اور انہوں نے ہتھیلی پہ جان رکھ کر داد بہادری دی۔ یہ سرداران مظفر خاں شروانی سیف خاں شروانی کبلی خاں شروانی اور ایوب خاں شروانی تھے یہ جلال خاں ابن شیر شاہ کے دستے کے ساتھ تھے۔ جب شیر شاہ کو اس سے اطمینان ہوا تو انعام اکرام کی تقسیم کا وقت آیا۔ عیسیٰ خاں شروانی کو ان کی کارگزاری کا صلہ ملا اور ان کی ترقی اور منصب میں چار چاند لگے وہ شیر شاہ کے حاجب خاص تو پہلے ہی سے تھے یہ قریب قریب وہی عہدہ ہے جس کو انگلستان میں کورٹ چیمبرلین اور ترکوں میں تشریفاتچی باشی کہتے ہیں۔ ان کو مہتزک کے عہدہ پہ بھی مقرر کیا گیا اس کے علاوہ علاقہ سنبھل (ضلع مراد آباد) کے حاکم اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ اس علاقہ کی حالت رعایا کی سرکشی سے اکثر خراب رہتی تھی۔ فیروز شاہ تغلق نے تو اپنے عہد میں سنبھل کو اور آنولہ کے آس پاس کو سات برس تک ویران رکھا تھا۔ یہ حالت کبھی سنبھلی اور کبھی کچھ دن کے لئے خراب ہو گئی۔ آئے دن یہ تماشہ رہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیر شاہ کے قبضہ دہلی کے زمانہ میں بھی علاقہ بہت زیادہ توجہ کے قابل تھا۔ اب عیسیٰ خاں شروانی کے انتظام پہ روشنی ڈالنے سے قبل اس لڑائی کے سلسلہ میں ایک اور دلچسپ واقعہ کا جس سے عیسیٰ خاں کی خصلت پر روشنی پڑتی ہے بیان کرنا ضروری ہے۔ اس لڑائی کے بعد ہمایوں کو اس کے بھائیوں کی خانہ جنگی نے اور بھی پریشان کیا۔ اور اس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ نیم دیاسں کی

حالت میں وہ ہندوستان چھوڑ کر سندھ اور گجرات کے راستہ سے ایران کی طرف بھاگا۔ دریائے گنگا کی لڑائی میں جب مغلوں کو شکست ہوئی تو ہمایوں کا مشہور فوجی سردار بیرم خاں جو بعد کو شہنشاہ اکبر کا اتالیق مقرر ہوا اور خانخاناں کے خطاب سے سلطنت کے کل امور کا حاکم اور مالک ہوا اپنی جان بچا کر قنوج سے سنبھل میں پہونچا۔ اور میاں عبدالوہاب ابن میاں عزیزاللہ دانشمند سنبھلی کے یہاں اس نے پناہ لی۔ میاں عبدالوہاب نے شیرشاہ کے خوف سے بیرم خاں کو لکھنور (حال ریاست رامپور) کے راجہ مترسین کے پاس بھیجدیا۔ اس وقت نصیر خاں عیسیٰ خاں کی ماتحتی میں سنبھل کا حاکم تھا اس نے بیرم خاں کو راجہ مترسین کے یہاں سے سنبھل میں پکڑ بلایا۔ اور اس کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ جب عیسیٰ خاں شروانی کو جو ایک شریف دشمن تھے نصیر خاں کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو انہوں نے بیرم خاں کو اپنے پاس بلا لیا۔ بہت تسلی تشفی دی اور عزت آبرو کے ساتھ بیرم خاں کو شیرشاہ کے پاس پہونچا دیا جو اس وقت اجین (حال ریاست گوالیار) میں تھا۔ جب شیرشاہ کو معلوم ہوا کہ وہ سنبھل میں حضرت شیخ قتال رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کی پناہ میں رہا تو اس کو ایک گھوڑا اور خلعت عطا کیا۔ مگر یہ سب خاطر تواضع بیکار گئی۔ بیرم خاں موقعہ کا منتظر خود مغل اور مغل بادشاہوں کا قدیم نمک خوار تھا۔ وہ شیرشاہی نگرانی سے نکل بھاگا اور شیخ گدائی کنبوہ کی مدد سے گجرات میں پہونچکر ہمایوں سے جا ملا۔ جان بچی لاکھوں پائے کا مضمون ہوا۔ بیرم خان نے اکبری عہد کے اوائل میں عیسیٰ خاں شروانی کو اس احسان کا بدلہ دینا چاہا۔ جس کا حال آگے آئے گا۔ شیرشاہ ہمایوں کی گرفتاری کی دھن میں لگا ہوا تھا۔ اور اس کام کے لئے عیسیٰ خاں شروانی کو بھی تعینات کیا تھا۔ مگر خدائے عالم الغیب والشہادہ کو ایک مرتبہ پھر مغلوں کو ہندوستان پر مسلط کرنا تھا۔ شیرشاہ ہمایوں کو گرفتار نہ کر سکا۔ اور آخر الذکر نے شاہ ایران کے پاس پناہ لی۔ اسی زمانہ میں خضر خاں شروانی شیرشاہ کی طرف سے بنگال کا ناظم اعلیٰ تھا۔ اس نے سلطان محمود خاں لودی کی لڑکی سے نکاح کر لیا۔ یہ کمینہ دوست ثابت ہوا۔ اس کے دماغ میں بادشاہی کی بو سمائی اور اس نے خودمختاری کی حرکتیں کرنا شروع کر دیں۔ گویا میٹھا۔ کی کو بھی نہ کام ہوا۔

سلطہ۔ تاریخ خورشید جہاں۔

جب شیر شاہ کو خضر خاں شروانی کی نمک حرامی اور ان بیجا حرکتوں کا حال معلوم ہوا تو اس کو گرفتار کرا کے دس ضرب بید لگوا کر قید خانہ میں ڈال دیا اور اس کا دماغ ٹھیک ہو گیا۔ یہی غنیمت ہوا کہ وہ قتل نہ کیا گیا۔ شیر شاہ نے شروانیوں کی خدمت گذاری کا لحاظ کر کے خضر خاں کو نرم سزا دی۔ تاریخ میں صرف یہی ایک مثال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شروانی نے بھی بادشاہت کی ہوس کی اور اس کا مزہ چکھا۔ جب ہمایوں کے ملک سے نکل جانے کے بعد شیر شاہ کو اطمینان حاصل ہوا تو پٹھانوں کو جاگیروں اور انعامات سے مالا مال کیا۔ سنبھل صوبہ کٹھیر (موجودہ روہیلکھنڈ) کا اس زمانہ میں مستقر تھا۔ اور عیسیٰ خاں شروانی اس پورے صوبہ کے ناظم اعلیٰ مقرر کیے گئے۔ ان کے تقرر کا قصہ یوں ہے کہ ادھر تو اس علاقہ کے ٹھاکروں نے سر اٹھا رکھا تھا اور ادھر نصیر خاں کے ظلم و ستم سے رعایا پریشان تھی۔ تعجب نہیں کہ رعایا کی سرکشی نصیر خاں کے ظلم و ستم ہی کا نتیجہ ہو۔ کیونکہ مرتا کیا نہ کرتا۔ جب شیر شاہ نے اپنے امرا سے مشورہ کیا کہ یہ مشکل علاقہ کس کے انتظام میں دیا جائے تو قطب خاں لودی اور دیگر ارکین نے بالاتفاق عیسیٰ خاں شروانی کا نام لیا۔ نصیر خاں کو ان کا ماتحت کیا تاکہ وہ اس کی ناموزوں حرکتوں پر بریک لگاتے رہیں۔ عیسیٰ خاں شروانی نے اپنی قابلیت اور کوشش سے اس علاقہ کا بہت اچھا انتظام کیا۔ جنگلوں کو صاف کرا کے سرکشوں کی پناہ لینے کی مقامات کو نیست و نابود کیا اور تھوڑے دن میں حالت سنبھال دی۔ علاقہ پھر سرسبز و شاداب ہوا۔ زراعت کے بڑھنے سے رعایا اور حکومت دونوں کی آمدنی اور خوشحالی میں اضافہ ہوا۔ اور شاہی مالگذاری آسانی سے وصول ہونے لگی۔ راقم الحروف نے اپنی تعیناتی کے زمانہ میں سنبھل کے اس علاقہ کا ایک حصہ دیکھا ہے۔ کہیں کہیں اب بھی ڈھاک کے جنگل اور ندی نالے موجود ہیں۔ راستے دشوار گذار ہیں اور بعض مقامات راہزنوں کی آماجگاہ ہیں۔ سنبھل کی تحصیل میں مواضعات شیر پور اور عیسیٰ پور آج بھی موجود ہیں۔ تعجب نہیں کہ یہ شیر شاہ اور عیسیٰ خاں کی یادگار ہوں۔ شیر شاہ نے عیسیٰ خاں شروانی کی اس خوش انتظامی اور کارگزاری سے خوش ہو کر کانٹ و گولہ (تلہر تعلقہ ضلع شاہجہاں پور) بھی بطور ذاتی جاگیر کے عیسیٰ خاں شروانی کو عطا کئے۔ شیر شاہ کہا کرتا تھا[1]

---

[1] شیر شاہی

کہ اگر اس کے پاس اور بھی ایسے ناظمان اور افسران موجود ہوں جیسے سنبھل میں عیسیٰ خاں
شروانی اور دہلی میں میاں احمد خاں شروانی تو ہندوستان کا انتظام بہت بہتر ہو جاتا۔ انہی
میاں احمد خاں شروانی کو شیر شاہ نے چتوڑ گڑھ کا مضبوط قلعہ فتح کرنے کے واسطے بھیجا تھا اور
پھر بعد کو صوبہ دہلی کا عامل مقرر کیا تھا جہاں وہ اپنی حسن تدبیر سے بہت کامیاب رہے۔ احمد خاں
نام کے شروانی امراء اس زمانہ میں اور بھی تھے یعنی ایک تو جمال خاں کے بیٹے اور ان فیروز خاں
کے باپ تھے جن کے بارے میں ۹۳۲ھ کا رہتک کا کتبہ مذکورہ بالا ہے۔ اگر شیر شاہی احمد خاں
عامل دہلی انہیں رہتک والے فیروز خاں کے باپ تھے تو کتبے کے سن کا لحاظ کرتے ہوئے
ظاہر ہے کہ فیروز خاں کا انتقال اپنے باپ کی حیات میں ہو گیا تھا۔ طبقات اکبری، اکبر نامہ اور
تزک بابری نے لکھا ہے کہ بابر نے احمد خاں شروانی کو مہدی خواجہ کے ساتھ قطب خاں شروانی
کی بغاوت فرو کرنے کے لئے تعینات کیا تھا جس کا حال اوپر آچکا ہے۔ چونکہ بابر کے عہد اور
شیر شاہ کے اوائل حکومت کے زمانہ میں زیادہ بُعد نہیں ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ غالباً
یہ بابری اور شیر شاہی احمد خاں جو دہلی کے عامل مقرر ہوئے ایک ہی تھے۔ دوسرے احمد خاں
شروانی وہ تھے جو ملک المشائخ منڈو کی کے بیٹے اور دریا خاں شروانی کے باپ تھے سونپت
کے تذکرہ بالا کتبے کے مطابق خواجہ خضر ابن احمد خاں ابن شیخ منڈو کی کی اولاد میں تھے۔ یہ احمد خاں
ایک درویش صفت آدمی تھے۔ اس لئے یہ بات قیاس اور عقل کے خلاف ہے کہ شیر شاہ نے
ان کو دہلی کا عامل بنا کر دنیا کے جھگڑوں میں ڈالا۔ علاوہ ازیں جیسا کہ سونپت کے کتبہ مذکورہ بالا
سے ثابت ہے یہ شیخ احمد شیر شاہ سے بہت قبل انتقال کر چکے تھے۔ بقول واقعات مشتاقی[۲]
ایک احمد خاں سارنگ خانی لودی تھے۔ اور بقول احمد یادگار[۳] ایک احمد خاں سور تھے۔ ان
دونوں کے حالات ہمارے موضوع سے باہر ہیں۔ ان ناموں کی یکسانیت سے بعض مورخین نے
واقعات کے بیان میں غلط فہمی اور الٹ پھیر پیدا کر دی ہے۔ القصہ شیر شاہ کے عہد میں حصار
دیپالپور میں بھی شروانیاں آباد تھے۔ دیپالپور کی ایک مسجد ایک شروانی کی تعمیر کرائی ہوئی ہے

۱؎ ۔ [illegible] ص ۔ ۲؎ واقعات مشتاقی ص ۔ ۳؎ احمد یادگار

کی یکسانیت کی وجہ سے جس طرح احمد خاں، ہیبت خاں وغیرہ کے ناموں اور واقعات کے متعلق مورخین میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اسی طرح دریا خاں کے بابت بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اس نام کے اور بھی پٹھان تھے یعنی دریا خاں شروانی جو ابراہیم لودی کے عہد میں خواجہ خضر مقطع سون پت (مندرجہ کتبہ متذکرۂ بالا) کے باپ تھے۔ ایک تیسرے دریا خاں اور بھی تھے ان کا تعین معلوم نہیں ہے۔ یہ بقول احمد یادگار اسلام شاہ سور کے امرا میں تھے۔ تعجب نہیں کہ شیر شاہ سوری کے بہنوئی دریا خاں شروانی اور اسلام شاہ سوری کے درباری دریا خاں ایک ہی ہوں۔ کیونکہ اسلام شاہ شیر شاہ سوری کا جانشین تھا۔ مگر اس قیاس میں ہم کو یہ دقت پیش آتی ہے کہ میاں حسن عرف دریا خاں شروانی کا انتقال ۹۵۲ھ میں کالنجر کے محاصرہ کے موقعہ پر آگ سے جلکر شیر شاہ کے ساتھ ہو چکا تھا تو وہ اسلام شاہ کی حکومت میں کہاں سے زندہ رہے۔ بہر حال ہم گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہیں۔ واللہ واعلم بالصواب۔ دریا خاں نام کے اور بھی پٹھان عہد جہانگیر بادشاہ اور شاہجہاں بادشاہ میں موجود تھے مگر وہ شروانی نہ تھے۔ اس لئے ہم ان کے حالات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ الغرض شیر شاہ سوری نے راجہ سلہدی اور راجہ رام دیو کے خلاف لڑائیوں میں شروانیوں سے بہت کام لیا۔ ان میں عیسی خاں شروانی، نصیب خاں شروانی اور محمد خاں ولد بایزید شروانی نے بڑی کارگذاری دکھائی۔ اسی طرح ۹۵۰ھ میں رائے سین کے راجہ پورن مل اور شیر شاہ سوری میں مقابلہ ہوا۔ تو اس میں کامیابی کا سہرا زیادہ تر اعظم ہمایوں عیسی خاں شروانی کے سر رہا۔ اور انہوں نے پورن مل کو گرفتار کیا۔ اس معرکہ کے بعد رائے سین کا حاکم شہباز خاں شروانی کو مقرر کیا گیا جو یوسف خاں شروانی کا بیٹا اور سیف خاں اجابحیل شروانی متذکرۂ بالا کا بھتیجا تھا۔ ان شہباز خاں نے ان خاندانی روایتوں کو قائم رکھا جو اس کے چچا سے عمل میں آئی تھیں۔ اسی زمانہ میں ہم کو اللہ داد خاں شروانی کا نام تاریخ میں ملتا ہے جب شیر شاہ نے گوالیار فتح کرنے کے بعد مالوہ پر حملہ کیا تو ملو خاں قادر شاہ نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ وہ شیر شاہ کی اطاعت قبول کرے۔ اگرچہ اس کا یہ فعل دل سے نہ تھا۔ شیر شاہ نے اس کی عزت اور آبرو کے ساتھ اپنے کیمپ میں رکھا۔ بادشاہ کے دل میں بھی اس کی

[illegible]

طرف سے کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اللہ داد خاں شروانی اور ہیبت خاں نیازی کو اس کی نگرانی کے واسطے تعینات کیا۔ ملو خاں موقعہ کا منتظر تھا۔ ایک دن نگرانی سے نکل بھاگا۔ اس پر شیر شاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ "دیدی با من چہ کرد ملو گیدی" درباری شاعر شیخ عبدالحی حیاتی نے جو حضرت مخدوم جمالی کنبوہی کے بیٹے اور اکبری عہد کے شیخ گدائی کے بھائی تھے فی البدیہ دوسرا مصرعہ چست کیا یعنی قول رسول مصطفےٰ لا خیر فی عبید گیدی[1] یعنی غلام سے بھلائی کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ اب شیر شاہ کے آفتاب کے ڈوبنے کا وقت قریب آیا۔ اور وہ نصف النہار سے مغرب تک پہونچا۔ سنہ ۹۵۲ھ ۱۵۴۵/۴۶ء میں شیر شاہ نے کالنجر (بندیلکھنڈ) کے مضبوط قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اس سے قبل یہاں کے راجہ نے ہمایوں کی اطاعت کر لی تھی۔ اور وہ مغلوں کے طرفداروں میں تھا۔ پٹھان اس بات کو کیوں گوارا کرنے لگے۔ اس محاصرہ میں کئی ایک ممتاز شروانی شیر شاہ کے ساتھ شریک تھے۔ عیسیٰ خاں شروانی اور ان کے دونوں بیٹے الیاس خاں عرف فتح خاں شروانی اور اسحاق خاں الملقب بہ اختیار خاں۔ محمد خاں ولد بایزید خاں شروانی۔ سعید خاں شروانی میاں حسنو شروانی۔ اور اللہ داد خاں وغیرہ اس معرکے میں داد مردانگی دے رہے تھے۔ تاگاہ شعبدہ باز نے دوران معرکہ میں ایک رات یہ شعبدہ دکھایا کہ اتفاقیہ ایک آتشین گولہ میں آگ لگ گئی شیر شاہ اور اس کے چند رفقا گولے کے قریب تھے وہ بری طرح زخمی ہوئے۔ جب شیر شاہ نے دیکھا کہ اس کا وقت آگیا ہے اور موت کا فرشتہ اس کے سر پر کھڑا ہے تو اس نے عیسیٰ خاں شروانی اور ان کے داماد سعید خاں شروانی کو اپنے پاس بلا لیا اور کہا کہ میرا علاج یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ قلعہ کالنجر فتح ہو جائے اور ہاتھ سے نہ جائے اور میں اپنے ساتھ اس کی حسرت قبر میں نہ لے جاؤں۔ ان اور دیگر پٹھان سرداروں نے جان توڑ کر کوشش کی اپنا خون پسینہ ایک کر دیا اور دوسرے دن قلعہ فتح ہو گیا۔ اور وہاں کا چندیل راجہ کیرت سنگھ گرفتار ہوا۔ شیر شاہ کو جب اس فتح کی خبر ملی تو شادی مرگ سے اس کی روح پرواز کر گئی۔ تیس سال اور کچھ ماہ کی امارت اور پانچ سال دو ماہ کی بادشاہت ختم تاریخ پر چھوڑ گیا۔ اس کا ملکی نظم و نسق کا رہائے عامہ مالی بندوبست قواعد و ضوابط سے مغلوں نے اور مغلوں سے انگریزوں نے ہندوستان پر حکومت

---

[1] طبقات اکبری، فرشتہ بدایونی، احمد یادگار

کرنے میں بعد کو بہت کچھ سبق حاصل کیا۔ کئی ایک شعراء نے اس کی وفات پر تاریخیں لکھیں جن میں مشہور یہ ہے ۔ [۵۰]

شیرشاہ آنکہ از مہابت او ۔۔۔ شیر و بز آب را بہم مے خورد
چونکہ رفت از جہان بدار بقا ۔۔۔ یافت تاریخ او ز آتش مرد [۵۱]

میاں حسنو عرف دریا خاں شروانی نے اس موقعہ پر بھی شیرشاہ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ بھی اسی گولہ کی آگ سے جلکر فوت ہوئے۔ شیرشاہ کی نعش سہسرام لائی گئی۔ جہاں اس کے باپ کا مزار ہے۔ اس کے مزار کی عمارت بڑی خوبصورت اور ہشت پہل ایک تالاب کے درمیان میں واقع ہے۔ اور اس کا گنبد روضہ ممتاز محل (تاج محل) آگرہ کے بعد ہندوستان میں سب سے بڑا گنبد ہے۔ شیرشاہ پر تفصیلی تبصرہ ہمارے مضمون سے باہر ہے۔ مگر چونکہ اس کی ذات نے اوروں کے لئے بڑے بڑے سبق چھوڑے اور وہ بہت سے انسانوں کے واسطے ایک نمونہ تھا۔ اس لئے ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ وہ خود ساختہ پرداختہ تھا۔ اس کی ترقی کا راز اس کے حوصلہ، ہمت، محنت مشقت، ذہانت اور قابلیت پر مبنی تھا۔ اس نے بڑے بچپن میں تمیز کی اور موقعہ اور وقت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس کی اچھی ابتدائی تعلیم اس کے بہت کام آئی۔ تقدیر کا قائل مگر تدبیر سے غافل نہ تھا۔ بہادری، پھرتی، چالاکی اس کے لونڈی غلام تھے۔ داد و دہش، فیاضی اس کا شیوہ تھا۔ عدل وانصاف اس کا مشہور تھا۔ خود اس کی زندگی سیدھی سادھی تھی۔ ساتھیوں کا خیال رکھتا تھا۔ اکبر جیسے جلیل القدر بادشاہ نے اس کی ترکیبوں سے فائدہ اٹھایا۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے تاریخ اور ملک پر احسان کیا کہ شیرشاہ کے سوانح حیات اردو میں صولت شیرشاہی کے نام سے شائع کر کے دوسروں کو اس کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کا موقعہ دیا۔ خیر یہ تو معترضہ جملے تھے۔ اب ہم پھر اپنی اصلی داستان کی طرف آتے ہیں۔ شیرشاہ کا انتقال ہوتے ہی پٹھانوں کی حکومت میں زوال کے آثار نمودار ہو گئے حسب معمول پٹھانوں میں پھوٹ پڑی کہ بادشاہت کے لئے کون موزوں ہے اور کون اس کام میں اس کا جانشین ہو۔ عمر خاں شروانی کی طرح اب عیسیٰ خاں شروانی پیش پیش ہوئے اور انہوں نے مشورہ دیا کہ شیرشاہ کا ہمیشہ سے یہ منشا تھا کہ اس کا بڑا بیٹا عادل شاہ

---

[۵۰] فرشتہ۔ خلاصۃ التواریخ۔ تاریخ مظفری۔

یہ عہدہ صرف اسی شخص کو دیا جاتا تھا جس پر پورا بھروسا ہو۔ خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھیے۔
بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا کا مضمون ہوا۔ حکومت، دولت و ثروت اور ماحول انسان
کے تمدن، معاشرت اور عادات پر کیا اثر ڈالتے ہیں۔ یا تو افغانستان کے بسنے والوں کی سیدھی
سادی اور بعض مرتبہ وحشیانہ زندگی اور کہاں اب ہندوستان میں بغیر حاجب، میر تزک اور
تنبول دار کے ان کا گذر نہیں۔ بقول شخصے کہ "خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے"۔
الغرض عیسیٰ خاں شروانی نے سونے چاندی کا بنا ہوا پانوں کا ڈبہ اسلام شاہ کے سامنے رکھ کر
عرض کیا کہ اس عہدے سے مجھے معافی دی جائے اور محمد خاں یا خضر خاں کے سپرد کر دیا جائے
مورخین نے اس استعفا کے وجوہ نہیں بتائے مگر قرین قیاس یہ ہے کہ عیسیٰ خاں شروانی ایک
تجربہ کار اور زمانہ کا گرم و سرد چکھے ہوئے شخص تھے وہ جانتے تھے کہ ایک نہ ایک دن اسلام شاہ
اور اس کے بڑے بھائی عادل خاں میں چلے گی۔ ان دونوں کی کشمکش سے پہلے ہی کنارہ کر لیا
جائے تو بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شاہ پہلے ہی سے عیسیٰ خاں کی طرف سے مشکوک
تھا مگر پٹھانوں پر ان کے اثر اور ان کے تدبر سے مجبور تھا۔ اس لئے اس نے عیسیٰ خاں کی
درخواست کو منظور نہیں کیا۔ بلکہ منصب اور جاگیر میں اضافہ کر کے ان کو پھر ایک مشورہ میں پیش پیش
رکھا۔ آخر کار وہی ہوا جس کا اندیشہ عیسیٰ خاں شروانی کو لگا ہوا تھا۔ عادل خاں نے اپنے
بھائی جلال خاں کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر کے اپنا معاملہ پٹھانوں کے سامنے
پیش کیا۔ اب دونوں بھائیوں میں کھلم کھلا بگڑ گئی۔ بادشاہ اسلام شاہ نے خیال ظاہر کیا کہ وہ خود
تو رہتاس گڑھی کے قلعہ میں چلا جائے اور قطب خاں اور چند دیگر امرا کو عادل خاں کے
پاس اس غرض سے بھیجا جائے کہ اس کو بادشاہ کی طرف سے ہموار کر کے راہ راست پر لائیں
عیسیٰ خاں شروانی جانتے تھے کہ پٹھان امرا بھائی کے بیگن ہیں کبھی ادھر کبھی اُدھر اس لئے
انہوں نے بادشاہ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ اور کہا کہ ممکن ہے کہ یہ ایلچی امرا بھی عادل
خاں کے ساتھ ہو جائیں۔ آپ کے پاس اس وقت پانچ ہزار نمک خوار ان قدیم موجود ہیں ان
کی مدد سے میدان جنگ میں بہادری دکھائیے اور اس قصہ کو ختم کیجیے۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ شروانیوں

---

[1] احمد یادگار۔ تاریخ داؤدی۔

کی طرف چلے گئے۔ خواجہ ویس شروانی نے تعاقب کیا پھر دونوں میں لڑائی ہوئی۔ مگر اس مرتبہ نیازی کامیاب ہوئے۔ اور خواجہ ویس شروانی بچ کر سرہند کی طرف بھاگ گئے۔ اس عرصہ میں شاہی فوج کی کمک آگئی تو خواجہ ویس نے پھر نیازیوں پر تیسری مرتبہ حملہ کیا۔ اور ان کو ہرایا۔ اس مرتبہ نیازیوں کے سرداروں کو گرفتار کرکے بادشاہ کے دربار میں بھیج دیا۔

اسی عہد میں ۹۵۵ھ میں ایک قصہ یہ پیش آیا کہ ایک عالم شیخ علائی کو سوجھی[1] کہ وہ مہدی آخرالزماں ہیں یہ آدمی تھے پڑھے لکھے اور جوشیلے۔ ان کے اعلان پر آگ اس قدر بھڑکی کہ بہت سے لوگ ان کے مرید ہوگئے۔ نئی بات میں لوگوں کو مزہ آتا ہے شیخ علائی کا جادو بہار خاں شروانی پر چل گیا وہ اس وقت صوبہ مالوہ میں نربدا دریا کے قریب ہنڈیا کا ناظم تھا۔ جب بہار خاں نے بھی مہدوی عقیدہ اختیار کیا تو شیخ علائی دکن کی طرف جاتے ہوئے اس کے مہمان رہے۔ بادشاہ تک بہار خاں کی شکایت پہونچی۔ مگر ان سے کوئی بازپرس نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اول تو خود علما میں اس عقیدے کے بارے میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ کوئی بات طے نہیں ہوئی اور بادشاہ علما کے فتووں کا محتاج تھا۔ دوسرے یہ کہ بہار خاں شروانی اسلام شاہ کے بڑے امرا میں سے اور باا ثر تھے[2]۔ بادشاہ کو نیازیوں سے ڈر لگا ہوا تھا بادشاہ نے اس کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھ کر طرح دیدی۔ غالباً اسی زمانہ سے دکن میں مہدویت کا زور ہوا اور آجکل بھی حیدرآباد دکن میں بعض پٹھان مہدوی کہلاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں صوبہ مالوہ میں اُجین میں اللہ داد خاں شروانی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے عامل کے عہدے پر تعینات تھے اسلام شاہ سور کی حکومت میں شروانی قبیلہ بہت دخیل تھا اور اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اوروں کی طرح یہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانے کی عادی نہ تھے بلکہ زیادہ تر حکومت کا ساتھ دیتے تھے خواہ وہ اچھی ہو یا بری مضبوط ہو یا کمزور آخری عہد میں اسلام شاہ سور کا بھی وہی رنگ ہو گیا جو ابراہیم لودی کا تھا۔ یعنی پٹھانوں کی آئے دن کی سازشیں اور شورشیں دباتے دباتے بالآخر اس کا برتاؤ ان کے ساتھ سخت ہوگیا۔ تین سال تک پٹھان امرا اور فوج کو تنخواہ نہیں ملی ان کی جاگیروں میں بڑا تغیر تبدل کیا۔ پٹھانوں میں اور بھی بددلی پیدا ہوئی۔ اور سلطنت کی جڑ ہل گئی[3]۔

لہ - بدایونی، مخزن افاغنہ ۱۳۵ - تاریخ داؤدی ۱۸۵ - تاریخ داؤدی

آپس کے تفرقوں میں زیادتی اور حکومت میں تنزل ہوا۔ ہر ایک نے خودسری اختیار کی اور افغانوں میں بادشاہت کا مزہ چکھنے کی ہوس پیدا ہوئی۔ لیکن تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ شیروانی جماعت اس خودسری سے الگ تھلگ رہی۔ اول تو ان کی جماعت دوسرے قبیلوں سے تعداد میں کم تھی۔ پھر ان کی خوش قسمتی سے شیروانی قبیلہ میں ایسے سردار موجود تھے جو اس خیال خام سے دور رہ کر باوجود رسوخ اور طاقت کے عزت اور وفاشعاری کو پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ زمانہ کی حالت دیکھ کر اپنی پگڑی سنبھالے رہے۔ عیسیٰ خاں شیروانی نے بھی نازک حالت اور اسلام شاہ کا رنگ دیکھ کر فوجی اور سیاسی امور سے زیادہ تر دست کشی کر لی۔ گوشہ عافیت کو ترجیح دی اور ایک نہ ایک دن آنے والی موت کا خیال کر کے اور موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اسی زمانہ میں اور اپنی حیات میں یعنی ۹۵۴ھ میں دہلی میں اپنے مقبرہ کی جس کا حال آگے آئے گا تعمیر شروع کرا دی۔ آخر کار ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے

اسلام شاہ کی آخری گھڑی آگئی اور ۹۶۰ھ / ۱۵۵۲ء میں جد و جہد اور بے اطمینانی کے ساتھ آٹھ سال اور چند ماہ حکومت کر کے وہ بھی دنیائے دوں سے چل بسا۔ اس کی نعش سہسرام بھیجی گئی اور وہ اپنے باپ کے قریب دفن ہوا۔

نابالغ پسر اسلام شاہ

اسلام شاہ کا نابالغ لڑکا گدی پر بٹھا دیا گیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس کی موت کا پیام آیا۔ بیچارہ چند روز بھی چین سے نہ بیٹھنے پایا تھا کہ اس کے ماموں مبارز خاں عرف ممریز خاں نے باوجود اپنی بہن کی منت اور سماجت کے بیدردی سے اس کو قتل کر دیا۔ اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اسلام شاہ کے بیٹے پر یہ شعر صادق آیا ؎

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

حکومت عادل شاہ سور

مبارز خاں نے بادشاہت غصب کر کے عادل شاہ لقب اختیار کیا۔ واہ! برعکس نہند نام زنگی کافور کی مثل کر دکھائی۔ مگر اس کی اس ظالمانہ حرکت پر لوگ نفرت سے اس کو اندھلی شاہ کہنے لگے۔ کسی ایک پٹھان

امراجن میں شروانی نہ تھے دعویدار تخت وتاج بن بیٹھے" ہرکس بخیالِ خویش خبطے دارد" کا مضمون ہوا۔ عادل شاہ عرف عدلی شاہ کے بہنوئی ابراہیم خاں سور نے بغاوت کرکے بیانہ اعمال ریاست بھرتپور) پر حملہ کیا۔ عادل شاہ نے عیسیٰ خاں شروانی جو الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے آمادہ کرکے ابراہیم خاں سور کی شورش رفع کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر یہ کمزور اور بڈھے ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ پیشتر کی طرح شروانیوں کی بڑی جماعت نہ تھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بادل ناخواستہ گئے تھے۔ ابراہیم خاں سے جب مقابلہ ہوا تو عیسیٰ خاں شروانی ہار گئے۔ یہاں مورخین میں اختلاف ہے کہ یہ کون سے عیسیٰ خاں تھے۔ احمد یادگار نے لکھا ہے کہ وہ عیسیٰ خاں سوری تھے نہ کہ عیسیٰ خاں شروانی۔ بقول مخزن افاغنہ وہ عیسیٰ خاں لوحانی تھے مگر یہ لحاظ کرتے ہوئے تاریخ سے ان دونوں غیر شروانی پٹھانوں کی شہرت کا پتہ نہیں چلتا اور نہ اس سے قبل کسی مہم کے سلسلہ میں ان کا ذکر آیا اور اکبر کے مقابلہ میں عیسیٰ خاں شروانی کے بیٹے الیاس خاں عرف اختیار خاں بھی لڑے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم خاں سور کے مقابلہ میں عیسیٰ خاں شروانی ہی بھیجے گئے ہوں گے اور یہ کہ اس خاندان کا اب بھی وقار اور اثر باقی تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال بعد طوائف الملوکی کے زمانہ میں جو پٹھان سرزا جہاں تھا اس نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائی۔ آگرہ میں عادل شاہ عرف عدلی شاہ سوری۔ پنجاب میں ابراہیم خاں سوری بنگال میں عادل شاہ کے بھائی احمد خاں سوری نے سکندر شاہ کے لقب سے اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں شروانی قبیلہ کے پٹھان بھی کچھ نہ کچھ بٹے ہوں گے اگرچہ عیسیٰ خاں شروانی کیوجہ سے زیادہ تر عادل شاہ سوری کے ساتھ رہے ہوں گے۔ جب عادل شاہ اور ابراہیم شاہ میں زیادہ چلی تو صلح کی بات چیت اور پنچایت میں معاملہ پیش کرنا قرار پایا۔ ۹۶۲ھ میں عادل شاہ نے اس کام کے واسطے اپنی طرف سے بہار خاں شروانی کو جن کا ذکر اوپر آچکا نامزد کرکے بھیجا۔ مگر کسی مصلحت سے یہ بھی ابراہیم خاں سور سے جا ملے اور عادل شاہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقول تاریخ منتخب اللباب[۱] کے بمقابلہ عادل شاہ سوری کے ابراہیم خاں کا برتاؤ

۱۔ منتخب اللباب۔ خافی خان

پٹھانوں کے ساتھ زیادہ اچھا تھا۔ اور آخر الذکر زیادہ سے زیادہ پٹھانوں کو اپنی طرف
مائل کر کے اپنی جماعت بڑھانا چاہتا تھا یہی قصہ اللہ داد خاں شروانی متذکرہ بالا کے
ساتھ پیش آیا۔ عادل شاہ نے ان کو گوالیار سے بلا کر ابراہیم خاں کے خلاف یا اس کو
سمجھانے کے واسطے بھیجا مگر وہ ابراہیم خاں کے طرفدار ہو گئے۔ اگرچہ وہ عادل شاہ
کے تخت نشینی کے وقت اس کے گروہ میں تھے۔ اب ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد کی
مثل صادق آئی۔ جب ابراہیم خاں کے ساتھ پٹھانوں کی کافی جماعت ہو گئی۔ تو اس نے دہلی
میں سلطان محمد خاں کے لقب سے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ علاوہ آپس کی مخالفت کے غیروں
نے بھی عادل شاہ کو چین نہ لینے دیا۔ مصیبت تنہا نہیں آتی۔ پٹھانوں کی اس خانہ جنگی سے فایدہ
اٹھا کر راجہ اندرون نے عادل شاہ سے سرکشی کی تو الیاس خاں عرف فتح خاں شروانی
ابن عیسیٰ خاں شروانی اس کے دبانے کے لئے بھیجے گئے۔ الیاس خاں کے قدم اکھڑ چلے تھے
کہ قدرت نے ان کی مدد کی۔ راجہ کے جسم پر ایک گولہ لگا جس سے وہ سخت زخمی ہوا اور زمین پر آرہا
اس کی فوج نے سمجھا کہ راجہ مارا گیا اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور یوں الیاس خاں کے
سر فتح کا سہرا رہا۔ اس لڑائی میں بھی بہت سے پٹھان کام آئے۔ اور شروانیوں کی جماعت
جو پہلے سے منتشر اور کم ہو چلی تھی اب اور بھی کم ہو گئی۔ عمر خاں شروانی کے خاندان کا ہمیشہ سے
اصول رہا کہ جو پہلے تخت پر بیٹھا اس کا ساتھ دیا۔ ان کے خاندان کے دیکھا دیکھی اور بھی شروانی
زیادہ تر یہی طرز عمل رکھتے تھے۔ چنانچہ عادل شاہ اور ابراہیم خاں کے قصہ میں ہم اوپر
دکھا چکے ہیں کہ پے در پے شروانی سرداران آخر الذکر کے خلاف بھیجے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے
کہ عیسیٰ خاں شروانی کے بھتیجے مظفر خاں ابن جلال خاں بھی عادل شاہ کے ساتھ تھے اور ان
کے بارسوخ امرا میں تھے۔ شروع حکومت میں نصیب خاں شروانی بھی عادل شاہ کے ساتھ تھے
مگر حکومت کے دو سال بعد جب اس نے بھی کئی ایک امرا کو قتل کرایا تو اسی زمانہ میں نصیب خاں
سے کسی بات پر ناراض ہو کر ان کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ مرتا کیا نہ کرتا جب اس کے امرا کی تعداد کم
ہو گئی اور منصوبوں پر عمل کرنے اور ان میں کامیابی حاصل کرنے میں دقت پیش آنے لگی تو

۵؎ احمد یادگار واقعات مشتاقی

نصیب خاں سشروانی کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا۔ ان کو جیل خانہ سے نکال کر خوشامد درآمد کرکے ابراہیم خاں کے خلاف جانے پر راضی کیا۔ اسی ہزار روپیہ نقد اور خلعت اور ہاتھی عطا کئے مگر وہ اپنی قید کو نہ بھولے تھے۔ عادل شاہ سے یوں بدلہ لیا کہ بہار خاں سشروانی اور اللہ داد خاں سشروانی کی طرح وہ بھی ابراہیم خاں سے جا ملے۔ جان بھی بچی اور ساتھ ہی ساتھ لاکھوں پا گئے۔ جس پر عادل شاہ بہت بددل ہوا۔ سشروانیوں میں ایک بھورے خاں سشروانی آخر دم تک عادل شاہ کے ساتھ رہے۔ ان کے حالات ہم کو نہ معلوم ہو سکے بجز اس کے کہ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب موضع مبارکپور کوٹلہ میں ایک بھورے خاں کا مزار ہے جو بھورے خاں کا گنبد اور گوا سی خاں کا گنبد کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کون سے بھورے خاں تھے۔ اس کا ذکر مولوی محمد اشرف حسین ایم۔اے نے اپنی آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ میں صفحہ ۶ پر کیا ہے، مگر بھورے خاں کا قبیلہ وہ بھی نہیں بتا سکے۔ اسی زمانہ میں یعنی سنہ ۹۶۱ھ میں ایک نئی مصیبت اور نازل ہوئی اور خدائے تعالےٰ کی طرف سے اس بادشاہ کو اور اسی کے ساتھ رعایا کو یہ سزا ملی کہ بیانہ اور آگرہ میں سخت قحط پڑا۔ جس سے بہت سی مخلوق تباہ ہو گئی۔ پٹھانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ عادل شاہ کا وزیر ہیمون بقال ان کو گالیاں دیتا تھا اور وہ خاموشی سے سنتے تھے[1]۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اب ہم عادل شاہ اور اس کے عزیزوں عہدیداران کے قصے کہاں تک سنائیں ہم کو تو اپنی کہانی سے سروکار ہے۔ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم" (یعنی خدا تعالےٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے) پھر کفران نعمت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کفران کرنے والے سے چھین کر وہ نعمت دوسروں کو دے دیا کرتا ہے۔ اب مستقل طور پر پٹھانوں کی حکومت کے خاتمہ کا وقت آیا۔

ہمایوں کی دوبارہ حکومت | ہمایوں ایران سے واپس ہو کر کابل میں آ گیا تھا۔ اور دوبارہ ہندوستان جیسے زرخیز ملک پر حکومت کرنے کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ وہ پٹھانوں کی آپس کی پھوٹ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اور اسی پھوٹ کا مزہ ان کو چکھانا چاہتا تھا۔ ہمایوں نے نیازی کے بعد دوبارہ سنہ ۹۶۲ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا اور

---

[1] بدایونی۔ [2] واقعات مشتاقی

پانی پت کے میدان میں پھر جنگ کا نقشہ جما معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی سے قبل اللہ داد خاں
شروانی پھر عادل شاہ کی طرف چلے آئے تھے۔ وہ بہادری میں ممتاز تھے۔ عادل شاہ کے وزیر
ہیموں بقال نے مجبور ہو کر ان کو بلا بھیجا۔ ان اور عیسیٰ خاں شروانی کے بیٹے اسحاق خاں شروانی
عرف اختیار خاں کو اپنے ساتھ لیکر پانی پت کے میدان میں ہمایوں سے مقابلہ کیا۔ مغلوں نے
اللہ داد خاں شروانی پر اتنے تیر برسائے کہ وہ بے حد زخمی ہوئے۔ پہلی ضرب میں تو مغلوں
کے پیر اکھڑ چلے تھے مگر بالآخر وہ کامیاب ہوئے۔ ہیموں اور عادل شاہ کو شکست فاش
ہوئی جس کی وجہ سے پٹھانوں کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو گیا۔ اور مغلوں کی
حکومت دوبارہ قائم ہو گئی۔ اگرچہ پٹھان اکبر کے زمانہ تک ہاتھ پیر مارتے رہے مگر[۵]

کسی کا آستھان رہا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اب تھوڑی دیر کے لئے اپنی داستان کو آگے بڑھانے سے قبل ہم ان اختیار
خاں شروانی کے متعلق کچھ عرض کریں گے۔ یہ ۹۶۴ھ میں اکبری عہد کے شروع تک
زندہ تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی پت سے بچکر نکل گئے تھے۔ ایک اختیار خاں
کا مزار موضع چین پور میں ہے جو کہ سہسرام ضلع شاہ آباد صوبہ بہار کے قریب ہے جہاں
شیر شاہ کا مدفن ہے۔ مقامی روایت یہ ہے کہ یہ اختیار خاں فتح خاں کے بیٹے تھے مگر یہ
روایت غلط ہے کیونکہ اختیار خاں شروانی فتح خاں کے بھائی تھے نہ کہ بیٹے۔ اسی جگہ ایک
داؤد خاں کا بھی مزار ہے شاید یہ داؤد خاں کرانی ہوں جن کو اکبری فوج نے بنگال میں
شکست دی تھی۔ القصہ۔ پانی پت میں مغلوں کی دوبارہ کامیابی نے شروانیوں کو اور بھی
منتشر کر دیا۔ عیسیٰ خاں شروانی کے بھتیجے خان اعظم ظفر خاں ابن جلال خاں حاجی خاں
کے پاس اجمیر میں چلے گئے اور ان کے وکیل مقرر ہوئے۔ یہ حاجی خاں وہی تھے جو
شیر شاہ کے امراء میں سے تھے اور اس کے انتقال کے بعد انہوں نے بغاوت کی اور پھر اجمیر پر
حملہ کر کے وہاں کے راجہ کو بیدخل کر کے اجمیر پر قابض ہو گئے تھے۔ اب عمر خاں شروانی

۵۔ آرکیولوجیکل سروے رپورٹ کننگھم جلد ۱۱ ص ۱۳۹

کا خاندان اور دیگر شروانیاں ادھر ادھر کنارہ کر گئے۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل کی حالت پیش آئی۔ پٹھانوں کی حکومت بدل جانے سے ان کے رزق کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر وہ سمجھتے تھے کہ ہمایوں تو ان سے خار کھائے بیٹھا ہے۔ بار بار اس کے مقابلہ پر آئے اس لئے وہ ان سے گن گن کر بدلے لیگا۔ کاغذ کی ناؤ کب تک چلتی۔ عادل شاہ سوری کے ساتھ ابراہیم خاں سوری اور محمد خاں سوری کا بھی خاتمہ ہوا جیسا کہ آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروانیوں کی جماعت نے زیادہ تر پنجاب میں رہنا پسند کیا۔ سب سے پہلے وہ یہیں آکر بسے تھے۔ مگر جنوبی ہند کو چھوڑ کر پنجاب کے علاوہ شمال مغربی ہندوستان۔ گجرات۔ مالوہ۔ دوآبہ ہندوستان۔ روہیلکھنڈ۔ اودھ بہار بنگال میں بھی وہ رہنے لگے۔ کہیں کم کہیں زیادہ اب بجائے سپاہ گری کے جو ان کا آبائی پیشہ تھا اور حکومت کی ملازمتوں کے زیادہ تر تجارت اور زراعت پر ان کی گذر بسر ہونے لگی۔ خاصکر گھوڑوں کی تجارت سے پیٹ پالنے لگے۔ ان کی جاگیریں ہاتھ سے نکل گئیں کسی نہ کسی طرح پیٹ پالنے لگے۔ ہمایوں کو شروانیوں سے زیادہ بدلہ لینے کا موقعہ اس وجہ سے نہیں ملا کہ کچھ دن کی حکومت کے بعد اسی سال یعنی ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں اس کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ اور وہ بھی اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا اکبر تخت و تاج کا مالک ہوا۔

حکومت اکبر اعظم

پٹھانوں میں زیادہ تر صوبہ بہار کے کررانیوں نے اکبر سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ بھلا وہ کب چین سے بیٹھنے والے تھے نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی۔ ان کی بغاوتوں کا مختصر حال تو آگے آئے گا۔ اب پھر عیسیٰ خاں شروانی کا قصہ سنیئے۔ اب وہ ضعیف ہو چکے تھے۔ عمر طبیعی کو پہنچ چکے تھے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ قنوج میں ہمایوں اور شیر شاہ کی لڑائی کے بعد عیسیٰ خاں شروانی نے بیرم خاں کی جان بچائی تھی۔ اکبر بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد بیرم خاں کا طوطی بولنے لگا۔ وہ اکبر کا اتالیق مقرر ہوا۔ اور خان خاناں کے خطاب سے سرفراز ہو کر امور سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا۔ بیرم خاں نے عیسیٰ خاں شروانی کو یاد رکھا۔ اس کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ خاندان

کی قبر کے ایک بڑی اور چار چھوٹی قبریں ہیں اور مقبرہ سے باہر اس کے صحن میں چار چھوٹی قبریں ہیں، مگر ہماری بدقسمتی سے ان پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ بجز ایک کتبہ کے جو عیسیٰ خاں کے مزار کے متعلق ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ دیگر قبور انہی کے خاندان کی ہوں گی۔ ورنہ غیر لوگ اس خاندانی مقبرہ میں کیوں دفن کئے جاتے۔ اس مقبرہ کے مغربی بند دروازہ پر حسب ذیل کتبہ ہے جس کے الفاظ کہیں کہیں سے ٹوٹ گئے ہیں:

"بنا کرد این روضۂ جنت .... در عہد دولت اسلام شاہ
ابن شیر شاہ خلّد ملکہ و سلطانہ مسند عالی عیسیٰ خاں ابن میاں ....
اغوان حجاب خاص بتاریخ نہصد و پنجاہ و چہار ہجری" (یعنی ۹۵۴ھ)

سر سید احمد خاں مرحوم نے اس کتبہ کی نقل اپنی کتاب آثار الصنادید میں درج کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ مقبرہ عیسیٰ خاں حجاب کا ہے جو شیر شاہ کے امرا میں تھا۔ کتاب آرکیولوجیکل سروے رپورٹ ۲۲ء اور ص ۱۹ پر مولوی محمد اشرف حسین ایم اے نے اس عمارت کو عیسیٰ خاں ابن نیاز اغوان کا بتایا ہے۔ یہ قابل مصنف کی غلطی ہے کہ انہوں نے لفظ "میاں" کو نیاز پڑھ لیا۔ علاوہ ازیں۔ اس کتبہ کے متعلق چند شکوک کا ازالہ ضروری ہے۔ عیسیٰ خاں کے نام کے ساتھ خیل درج نہیں ہے۔ ممکن ہے لفظ "میاں" کے بعد ہیبت خاں کا نام ہو اور خیل ہو۔ یہ حصہ شکست ہو گیا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا ....

....

ممکن ہے کہ لفظ "میاں" "ہیبتخان" کی خرابی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مقبرہ عیسیٰ خاں شروانی کا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت تاریخی تو یہی ہے کہ عیسیٰ خاں شروانی نے اپنی حیات میں مقبرہ تعمیر کرانا شروع کر دیا تھا جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ پھر بجز عیسیٰ خاں شروانی کے دوسرے عیسیٰ خاں سوریا عیسیٰ خاں لوحانی شیر شاہ اور اسلام شاہ کے حاجب خاص نہ تھے۔ اور نہ وہ اس قدر ممتاز تھے۔ کتبہ میں جو سن درج ہے وہ تعمیر کا سن ہے نہ کہ عیسیٰ خاں کے انتقال کا۔
القصہ یہ عیسیٰ خاں شروانی ایک نام چھوڑ گئے ؎

مرے ذوقِ فنا میں اک حیاتِ تازہ مضمر ہے   مجھے اے خضر ارمانِ حیاتِ جاوداں کیوں ہو

عیسیٰ خاں شروانی کے خاندان کے لوگ عہدِ اکبری میں دہلی اور پنجاب میں بستے تھے
ان کے بھتیجے مظفر خاں ۹۷۵ھ میں زندہ تھے۔ کیونکہ بقول اکبری مورخ عباس شروانی کے جب شیر شاہی
عہد کی بی بی فتح ملکہ کی بیٹی مہر عادل اودھ سے سندھ کو چلی تو اس نے اسی زمانہ میں مظفر خاں شروانی
کے یہاں چند روز پنجاب میں قیام کیا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مظفر خاں شروانی پنجاب میں کس مقام پر بستے
تھے۔ قیاس یہ ہے کہ غالباً علاقہ سرہند، کرنال وغیرہ میں شروانیوں کی بستیاں ہوں گی، کیونکہ وہ
ابتدا میں یہیں آکر بسے تھے، اور حال میں تقسیم ہند سے قبل تک کہیں کہیں شروانی قبیلہ کے لوگ
اس جوار میں موجود تھے۔ یہ بھی ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ فتح خاں شروانی پانی پت میں بستے تھے
اکبری عہد میں ایک تازہ وارد شروانی کا ستارہ کچھ دن کے لئے ہندوستان کی فضا پر چمکا
ان کا تعلق عمر خاں کے خاندان سے نہ تھا اور نہ دیگر شروانی لودی اور سوری خاندانوں سے (جو
ہندوستان میں موجود تھے) ان کا رشتہ ناطہ تھا۔ ان کا نام ملا پیر محمد خاں شروانی تھا۔ یہ پڑھے لکھے اور
ہوشیار اور ذہین آدمی تھے۔ جب بیرم خاں خانخاناں قندھار میں پہونچے تو ملا پیر محمد اس کی خدمت
میں باریاب ہوئے۔ بیرم خاں نے ان کی قابلیت کا اندازہ کرکے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا اور
اپنا نائب بنا کر ان کو اکبر کے دربار میں بھیجا۔ جنگ پانی پت سے پہلے ہی یہ آگئے تھے
کیونکہ اس لڑائی میں وہ اکبر کی طرف سے ہیمون بقال کے خلاف لڑے اور پھر ہیمون کے
تعاقب میں پیچھے گئے۔ انہوں نے بھگوڑے ہیمون کے مال و اسباب پر قبضہ کرکے اس کو
شاہی حق میں ضبط کر لیا۔ اکبری جلوس کے پہلے سال میں بعض ناعاقبت اندیش پٹھانوں نے پنجاب
میں اکبر سے سرکشی کی تو ملا پیر محمد شروانی ان کی سرکوبی کے واسطے تعینات کئے گئے اور وہ اس
مہم میں کامیاب ہوئے۔ بقول اکبرنامہ[1] وہ مان کوٹ کی فتح میں بھی شریک تھے۔ اکبر نے ان
کی کارگذاری دیکھکر ناصر الملک کا خطاب دیا اور پنج ہزاری منصب تک پہونچایا۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ترقی تیز تھی اور وہ غیر معمولی قابلیت کے آدمی تھے۔ منتخب اللباب[2] نے
لکھا ہے کہ بلا قید مراتب اور منصب کے وہ امرائے کبار اور مقربان گستاخ میں سے تھے۔
بقول مآثر الامراء ان کی اور شمس الدین اتکہ کی سفارش سے اکبر نے سکندر خاں سوری کا قصور

۱۔ اکبرنامہ ۲۔ منتخب اللباب

معاف کر دیا۔ ملا پیر محمد شروانی بڑے آن بان کے آدمی تھے ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان کے بارے میں ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے جس سے ان کی شان اور طرز معاشرت پر روشنی پڑتی ہے اور جس سے معلوم ہوگا کہ قندھار کی فضا کو چھوڑنے کے بعد ہندوستان کی آب و ہوا نے کیا رنگ نکھارا۔ ایک مرتبہ ملا پیر محمد شروانی اور بیرم خاں شکار کھیلتے ہوئے دہلی سے آگرہ کو آرہے تھے۔ راستہ میں خانخاناں نے اپنے رکابداران سے کہا کہ بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانا ساتھ میں ہے یا نہیں۔ ملا پیر محمد بولے کہ میرے ساتھ ماحضر موجود ہے۔ اس کو کھائیے۔ جب یہ دونوں اپنے رفقاء کے ساتھ درختوں کے سایہ میں بیٹھے تو ملا پیر محمد کے رکابداران نے ناشتہ سامنے رکھا۔ سات سو رکابی کے بقدر کھانا اور تین سو جام شربت کے پیش کئے۔ اس پر خانخاناں کی آنکھیں کھلیں اور اس کو بڑا اچنبا ہوا۔ بھلا آجکل کے تین چھٹانک فی کس کے گراں راشن کا مقابلہ ملا پیر محمد کے دسترخوان سے کیجئے۔ اور سوچئے کہ زمانہ کی رفتار کہاں سے کہاں پہونچی۔ ملا پیر محمد یہ آن بان رکھتے ہوئے سخت مزاج بھی تھے۔ ان کو شوق تھا کہ معاملات کو بیرم خاں سے رجوع کرنے کے بجائے بہ حیثیت نائب وکیل السلطنت کے خود طے کردیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان سے جلنے لگے اور بیرم خاں سے ان کی شکایت کی۔ آگرہ پہونچنے کے بعد ملا پیر محمد ایک دن بیمار پڑے تو بیرم خاں ان کو دیکھنے گئے۔ ملا پیر محمد کے دربانوں نے بیرم خاں کو روکا اور کہا کہ ہم اطلاع کردیں تو آپ اندر جائیں۔ یہ بات بیرم خاں کو بہت ناگوار گزری۔ اور بغیر ملے ہوئے واپس چلے آئے اور کہا کہ ملا کا اب یہ دماغ ہوگیا ہے؟! ملا پیر محمد شروانی کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو خانخاناں سے بہت کچھ معافی مانگی اور اپنی لاعلمی کا اظہار کیا مگر بیرم خاں کے دل سے یہ بات محو نہ ہوئی اور وہ ان سے کھٹکنے لگا۔ اسی زمانہ میں زمانہ کا رنگ دیکھکر صدر الصدور شیخ گدائی پٹھانوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ ایک زمانہ میں شیخ کے مورثان پٹھانوں کی حکومت میں صدر الصدور رہ چکے تھے اور وہ خود بقول مجمع النفائس مصنفہ خان آرزو (لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور) ابراہیم لودی کے صدر الصدور رہ چکے تھے۔ شیخ گدائی نے بھی بیرم خاں سے ملا پیر محمد کی شکایت کی۔ اس پر بیرم خاں نے اول ملا کا تنزل کیا اور پھر بیانہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ مگر ان کی درخواست پہ بعد کو حج بیت اللہ شریف کو جانے کی اجازت دے دی مگر

ساتھ ہی ساتھ یہ چال چلی کہ ان کو راستہ میں پکڑوا لیا جائے۔ وہ گجرات تک پہونچ چکے تھے
جب اکبر کو یہ سب حال معلوم ہوا تو اس نے ملا پیر محمد کو بیرم خاں کے چنگل سے رہائی دلائی
اور بجائے ادھم خاں کے مالوہ کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ باندہ اور اجین بھی ان کے سپرد کیا۔
۹۶۸ھ میں ملا پیر محمد شروانی ادھم خاں کے ساتھ مالوہ میں باز بہادر ولد شجاعت خاں سوری
کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے تعینات کئے گئے۔ قسمت نے باز بہادر کی یاوری کی۔ ملا پیر محمد
نے دیکھا کہ ان کی گرفتاری کا خطرہ ہے تو جان بچا کر نکل بھاگنے کی کوشش میں دریائے نربدا
میں کود پڑے اور ڈوب کر مر گئے۔ آن بان دولت و ثروت کچھ کام نہ آئی بلکہ عمر بھی زیادہ وفا
ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی عادت کے مطابق ان کی بھی برائیاں کی ہیں۔ بعض مورخین کا قول
ہے کہ وہ شیروان (ملک ایران) سے آئے تھے اس لئے شیروانی کہلائے۔ مگر یہ ویسی ہی
غلط فہمی ہے جس کا اظہار ہم نے اس کتاب کے شروع میں لفظ سروانی کی وجہ تسمیہ کے بابت
کیا ہے۔ ملا عبدالقادر نے جو ان کے ہم عصر اور ایک ہی دربار میں تھے ان کو صاف طور سے شروانی
لکھا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ قندھار میں بیرم خاں سے ملے۔ قندھار اور اس کے
نواح میں آج تک شروانی قبیلہ بس رہا ہے۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہے۔ اکبری عہد میں پٹھانوں نے
مغلوں کو چین نہ لینے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں نے ان کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ ڈالنے کی کوشش
کی۔ علاوہ ازیں اکبر نے اپنے باپ دادا کے ساتھ پٹھانوں کی لڑائیوں کے حالات سنے تھے
اس لئے اس کے صبر و سکون کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اکبر کو کئی مرتبہ صوبہ بہار اور بنگال میں پٹھانوں
کی بغاوتیں فرو کرنے کے لئے فوج چیدہ افسروں کی ماتحتی میں بھیجنا پڑی۔ بقول شخصے پٹھانوں
کی رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ ۹۷۲ھ میں اکبر کے ایک امیر علی قلی سیستانی نے اکبر سے بغاوت کی
تو چند بتنی پٹھان جن میں حسن خاں ممتاز تھا، علی قلی کے ساتھ ہو گئے۔ یہ بغاوتیں زیادہ تر کرورانی
اور بتنی پٹھانوں کی تھیں۔ مگر شروانی بھی خال خال ان کے شریک حال تھے۔ راجہ ٹوڈرمل
منعم خاں۔ اور خانجہاں ان کے خلاف بھیجے گئے۔ پٹھان کبھی ہارتے کبھی جیتے مگر اس
سلسلہ نے جب طول کھینچا تو اس قضیے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی غرض سے اکبر کو خود
پڑا۔ اس سلسلہ میں پٹنہ (صوبہ بہار) کے محاصرہ کے وقت اس شہر سے جانب جنوب

کھڑا ہوا اکبر شہر کو دیکھ رہا تھا کہ پٹھانوں نے اس پر فیر کئے اگرچہ اکبر کا بال بیکا نہ ہوا۔ ایسی حالت میں پٹھانوں کی طرف سے اکبر کا اندیشہ اور خوف بیجا نہ تھا۔ تعجب نہیں کہ اکبر نے ہندو راجگان سے جو تعلقات قائم کئے وہ اسی مصلحت پر مبنی ہوں کہ ان راجگان کو رام کیا جاوے اور پٹھانوں کے خلاف ایک بڑی جماعت تیار کی جاوے۔ پٹنہ کی لڑائی میں داؤد خاں کررانی کے ساتھ بہت سے پٹھان شریک تھے اور اس سے قبل داؤد خاں کا باپ سلیمان خاں بھی زور پکڑ چکا تھا۔ اس باغی جماعت میں ہم کو کررانیوں کے علاوہ بٹنی سرداران کے نام بھی ملتے ہیں۔ یعنی حسن خاں بٹنی۔ فتح خاں بٹنی۔ احمد خاں بٹنی۔ یوسف خاں بٹنی۔ القصہ بالآخر اکبر کی فوج کامیاب ہوئی۔ اور داؤد خاں کررانی مارا گیا۔ مورخین نے کیا خوب تاریخ اس واقعہ کی لکھی ہے "ملک سلیمان زداؤد رفت"[1] اکبر نے پٹھانوں کے خلاف عام ہنرن کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اس کے خوف سے بعض پٹھانوں نے اپنے آپ کو پٹھان کہنا چھوڑ دیا۔ اور جان سلامت رکھنے کے لئے شیخ سید بن بیٹھے۔ ایسی حالت میں اب بہار بنگال میں شروانی خاندان کا پتہ لگانا کوہ کندن کاہ برآوردن کے برابر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لڑائیوں کے بعد بچے کچھے پٹھانوں نے پھر پنجاب میں جاکر پناہ لی۔ ان لڑائیوں کے سلسلہ میں ہم کو تاریخ میں دو شروانی سرداروں کے نام ملتے ہیں یعنی اللہ داد خاں شروانی اور سلیمان خاں شروانی۔ یہ اللہ داد خاں شروانی تو غالباً وہی تھے جن کے کارناموں کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ جو پانی پت میں ہیمون بقال کے ساتھ اکبر کے مقابلہ میں سخت زخمی ہوئے تھے اور بچ کر نکل گئے۔ یہ جہانگیر کے عہد تک زندہ رہے کیونکہ تاریخ سلیم شاہی عرف تزک جہانگیری نے لکھا ہے کہ اللہ داد خاں جو افغانوں میں بڑا سمجھا جاتا تھا جہانگیر کے خوف سے بھاگ کر کابل کی طرف بھاگ گیا اور مہابت خاں عامل کابل کو حکم دیا گیا کہ اگر وہ گرفتار ہو جاوے تو شاہی دربار میں بھیج دیا جائے۔ مگر اس تاریخ میں ان کے نام کے ساتھ خیل درج نہیں ہے۔ تعجب نہیں کہ یہ اللہ داد خاں شروانی وہی ہوں جنہوں نے دتاولی کے قریب اللہ داد پور بسایا جس کا ذکر

---

[1] طبقات اکبری

آگے آئے گا۔ ان لڑائیوں میں سلیمان خاں کی شرکت اکبرنامہ میں ابوالفضل نے بتائی ہے۔
یہ نام ہماری اس ناچیز تاریخ کے لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ ہم آگے چل کر
ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی اس روایت پر روشنی ڈالیں گے کہ سلیمان خاں شروانی عہد شاہجہان
میں کول علی گڑھ کی طرف آئے اور ان کا تعلق بھیکم پور (ضلع علی گڑھ) کے مشہور شروانی خاندان
سے تھا۔ ان سلیمان خاں کا شجرہ ہم کو معلوم نہ ہو سکا۔ تو تعجب نہیں کہ ان کا تعلق عمر خاں
شروانی کے خاندان سے ہو اور انہوں نے مغلوں کے خلاف ہاتھ پاؤں مارنے میں خاندانی
روایت کو قائم رکھا ہو۔ اکبر کے عہد میں اس بغاوت اور شاہجہان کی تخت نشینی میں قریب
۴۵ سال کا فرق ہے جو زیادہ نہیں۔ پھر ایک تاریخی لحاظ سے قابل غور اور بھی ہے۔ ان
بغاوتوں کا سلسلہ اکبر کے انیسویں سال جلوس یعنی ۹۸۱-۹۸۲ھ سے شروع ہو کر بائیسویں
سال تک رہا۔ اور جب ۹۸۶ھ میں اکبر دورہ کرتا ہوا پنجاب میں گیا تو اس نے اپنے وزیر
ٹوڈرمل سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ پنجاب کے بہت سے قصبات اور دیہات میں پٹھان
کثرت سے آباد ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض تجارت کرتے ہیں اور بعض کاشتکاری
کا پیشہ رکھتے ہیں لیکن وہ جابر اور سخت ہیں۔ قریہ والوں کو ستاتے ہیں اور ہم کو ان سے
اندیشہ بھی ہے۔ جتنا زمانہ گذرتا جائے گا ان کے بارے میں شورش بڑھے گی۔ اس لئے ان کو
منتشر کرکے مختلف صوبوں میں بھیج دیا جائے۔ تاکہ وہ آوارہ ہو جائیں اور خلق اللہ کو آرام ملے۔ چنانچہ
بہت سے بیچارے مصیبت زدہ پٹھانوں کو پنجاب چھوڑنا پڑا اور کچھوں کے ساتھ ظلم بھی [illegible]
اکبر نے اس موقع پر پنجاب میں جاگیریں [illegible] خالصہ [illegible] معاش [illegible] میں پڑی
لوٹ پلٹ کی اور پٹھانوں کی جاگیریں ضبط کرلیں۔ [illegible] ہوئے ان
پٹھانوں کے قبیلوں کے نام [illegible] سے متعدد اسماء
کے نام درج کئے [illegible] ظاہر ہے [illegible] بالخصوص ان
پٹھانوں اور سرداروں [illegible] اکبر کے خلاف لڑے [illegible] مختلف صوبوں [illegible]
معلوم نہ ہوسکا کہ یہ پٹھان کن کن مقامات سے [illegible]

۱۔ اکبرنامہ

کہاں کہاں جا کر بسے بجز اس کے کہ ان میں سے چند علی گڑھ ایٹہ کے اطراف میں آ گئے۔ مگر اس زمانہ میں پٹھان پنجاب بھر میں پھیلے ہوئے تھے بالخصوص سرہند۔ پانی پت۔ کرنال۔ لاہور اور رہتک میں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ پانی پت میں عمر خاں شروانی کی اولاد میں سے فتح خاں رہتے تھے۔ محلہ مزنگ لاہور میں ایک بزرگ شروانی کا مزار موجود ہے۔ سون پت۔ رہتک میں شروانیوں کے متعلق کتبہ جات موجود ہیں۔ راولپنڈی کے علاقہ ترچھ میں ریاست کشمیر کے مغربی حصہ میں شروانیاں اب تک موجود ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل پانی پت کرنال میں شروانی خاندان آباد تھے۔ اکبر نامہ میں ابوالفضل نے جو مہربانی پٹھانوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ ان کو بھی پنجاب سے خارج البلد کیا گیا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہار۔ بنگال میں ان کی بغاوتوں کی وجہ سے اکبر کے دل میں پھپھولے پڑے ہوئے تھے۔ اور اس کی رنجیدگی کے زخم تازہ تھے۔ پٹھانوں سے جن میں شروانی بھی شریک تھے اکبر کی ناراضی کا سلسلہ ۹۸۶ھ تک جاری رہا۔ اور ان کی جاگیریں ضبط ہوتی رہیں۔ بقول اکبری عہد کے مورخ عباس شروانی[1] کے یہ بیچارہ بھی اس ناراضی کے زد سے نہ بچ سکا۔ اس کی تاریخ شیر شاہی اسی سن کے لگ بھگ تصنیف ہوئی۔ اور اکبر کے خوش کرنے کے لئے مورخ نے اس کا نام شیر شاہی کے ساتھ ساتھ تحفہ اکبر شاہی بھی رکھا۔ مگر یہ سب خوشامد اس کے کام نہ آئی۔ شیخ گدائی نے حسب عادت بغلی گھونسا مارا کہ اکبر سے شکایت کی کہ صدر الصدور عبد النبی نے (جو حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اولاد میں سے تھے) دو پٹھانوں کو اب بھی بڑی جاگیریں دلا رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مورخ عباس شروانی کی دو ہزار بیگھہ زمین بھٹور ضلع کانپور میں تھی جس کو شیر شاہ نے اس مورخ کے مورث بایزید خاں شروانی کو عطا کی تھی۔ یہ سن کر اکبر نے اس مورخ کا ذرا بھی پاس اور لحاظ نہ کیا اور یہ جاگیر ضبط کر لی۔ بادشاہ اس کے عوض میں اس بیچارہ مورخ کو پانصدی منصب دینا چاہتا تھا۔ مگر شیخ گدائی نے اکبر کو اس سے بھی روک دیا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں مدد معاشوں کے بارے میں شیخ گدائی کی برائی کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ مغرور قسم کے عہدہ دار تھے۔ جو ان کی درباداری نہ کرتا اس سے وہ ناراض رہتے تھے۔ اس مورخ کی جاگیر کی ضبطی کا واقعہ ۹۸۶ھ سے قبل کا

---

[1] شیر شاہی

معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سن میں شیخ گدائی کا انتقال ہوگیا۔ جب مورخ عباس شروانی پر یہ
مصیبت نازل ہوئی اور اس کا حال دگرگوں ہوا تو خانخاناں نے اس پر رحم کھایا کہ میر حامد جاگیردار
گجرات کے یہاں دو سو روپیہ ماہوار پر ملازم رکھوا دیا۔ اس زمانہ میں روپیہ کی قیمت اور نرخ
اجناس کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی غنیمت تھا مگر جب عباس شروانی کو کسی کام سے بجواڑہ جانا پڑا
اور میر حامد کا انتقال ہوگیا تو یہ ماہانہ آمدنی بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔ اور بیچارے اس مورخ کی
روزی کا دروازہ بند ہوگیا۔ وہ پنجاب میں کسی جگہ چلے گئے اور معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا۔ اور
انہوں نے کوئی اولاد چھوڑی یا نہیں۔ ان کی کتاب شیرشاہی کا ایک قلمی نسخہ ریاست رامپور کے
کتاب خانہ میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منصب داران کی اس فہرست میں جو اکبرنامہ میں ابوالفضل
نے دی ہے صرف دو چار لودی اور نیازی پٹھانوں کے نام ملتے ہیں۔ اور وہ بھی ادنیٰ درجہ
کے منصبداران میں تھے۔ یہ سوال بڑا دلچسپ ہے کہ پنجاب سے نکالے جانے کے بعد پٹھان اور
بالخصوص شروانیاں جن سے ہماری اس ناچیز تاریخ کا تعلق ہے کہاں کہاں جا کر بسے۔ ہمعصر
مورخین نے تو اس مضمون پر کوئی روشنی ڈالی نہیں مگر اس قیاس کے واسطے زبردست وجوہ
موجود ہیں کہ شمالی ہند کے جن خطوں میں تھوڑے بہت پٹھان پیشتر سے موجود تھے وہیں یہ
گئے ہوں گے۔ پنجاب سے چل کر بہار اور بنگال کے یا گجرات اور مالوہ کے دور دست مقامات
پر پہونچنے کی اب ان میں سکت باقی نہ تھی۔ اس لئے ان پناہ گزینوں کی نظر قدرتی طور پر انہیں
علاقوں پر پڑی جو قریب تھے جن سے وہ پٹھانوں کی حکومت بلکہ اس سے پیشتر بھی واقف تھے
اور جہاں پٹھانوں کی حکومت کے زمانہ سے یا مغلیہ خاندان کے حکومت قائم ہونے کے وقت
تھوڑے بہت پٹھان رہتے تھے۔ مثلاً علاقہ کول میں سکندرہ راؤ قصبہ جلالی کا خطہ یا علاقہ کول
کا وہ حصہ جہاں اب شروانی بستیاں موجود ہیں۔ پٹیالی [illegible] ضلع ایٹہ کا خطہ یا ریاست۔ اس خیال
کی تائید اس بات سے اور بھی ہوتی ہے کہ اکبر کے وزیر اور مورخ ابوالفضل نے آئین اکبری
میں جو سنہ ۱۰۰۱ھ میں مکمل ہوئی لکھا ہے کہ سرکار کول کے پرگنہ جات [illegible] جلالی سکندرہ راؤ
دستور مارہرہ (حال ضلع ایٹہ) کے محال بلرام میں اور پرگنہ پٹیالی [illegible] میں کاس گنج ضلع ایٹہ
میں پٹھانوں کی آبادی ہے۔ یہ خطہ وہ ہے جہاں اب شروانیوں کی بستیاں ہیں۔ اور بمقابلہ

دیگر قبیلوں کے پٹھان بہت کم بلکہ خال خال آباد ہیں۔ اس سرکار کول اور ان پرگنہ جات کے واسطے بوقت ضرورت فوج بہم پہونچانے کی تعداد مقرر تھی جس کا ابو الفضل نے ذکر کیا ہے علی گڑھ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی روایت ہے کہ عہد شاہجہاں میں ١٠٣٧ھ لغایۃ ١٠٦٨ھ میں یعنی سادات نے پٹھانوں کو قصبہ جلالی سے بیدخل کیا۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ عہد شاہجہاں میں سادات نے بہت زور پکڑا۔ اسی قصبہ سے چار میل جانب شمال کالی ندی کے پار اب سروانیوں کی بستیاں ہیں۔ اس زمانہ میں پٹھانوں کے مرکز قصبہ سہاور ضلع ایٹہ کا تعلق محال بلرام دستور مارہرہ سے تھا۔ راقم الحروف کی رائے میں گمان غالب یہی ہے کہ قصبہ سہاور کے اکثر پٹھان جو آج تک چودھری کہلاتے ہیں اور جن کے رشتہ داری کے تعلقات اب شروانیان سے ہیں اسی اکبری عہد میں پنجاب سے چل کر براہ راست یا درمیان میں ٹھہرتے ہوئے سہاور میں قیام کر لیے یا پہلے سے موجود ہوں گے شروانی خاندانوں کے جو شجرے اس کتاب کے آخر میں درج ہیں اور جو شجرہ خاندان سہاور کا وہاں کے حضرات کے پاس موجود ہے ان کے لحاظ سے بھی ان خاندانوں کے مورثان اعلیٰ کے یہاں آنے کا زمانہ کم و بیش یہی قرار پایا ہے۔ مگر اس مضمون پر ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے۔

جب جمادی الآخر ٩٦٧ھ[1] میں اکبر شکار کے سلسلہ میں سکندرہ راؤ۔ کول۔ خورجہ (ضلع بلند شہر) ہوتا ہوا دہلی گیا تو اس موقعہ پر کسی قابل پٹھان سردار نے اس کی ایسی آؤ بھگت نہیں کی جیسے کہ سکندرہ راؤ میں راؤ خاں شروانی نے اس کے دادا بابر بادشاہ کی کی تھی۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے لالے پڑے ہوئے تھے اور ان میں اتنی تاب و طاقت کہاں تھی۔ جو بادشاہی قدمبوسی حاصل کر کے اکبر کو مہمان رکھتے۔ یہ بھی تعجب نہیں کہ وہ خائف ہوں کہ ان اطراف میں اکبر کی آمد ان بچے کھچے پٹھانوں پر کوئی تازہ مصیبت نہ لائے۔ ١٦٠٥ء میں اکبر کا انتقال ہوا۔

حکومت جہانگیر اور اس کا بیٹا شاہزادہ سلیم[2] نورالدین نام جہانگیر کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ یہ زیادہ تر مرنجان و مرنج قسم کا آدمی تھا مگر اس سے بھی پٹھانوں کی چھیڑ چھاڑ ہو گئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی جہانگیر کے بھائی شاہزادہ خسرو نے اس سے انحراف کیا تو بہت سے پٹھان خسرو کے ساتھ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود زمانہ کے ہاتھوں

سلہ اکبر نامہ۔ سلہ تزک جہانگیری

طمانچہ کھانے اور اس کی دستبرد سے محفوظ رہ۔ بچنے کے پٹھان اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ کب موقعہ ہاتھ آسے اور ہم درمیان میں کود کر اپنی ٹانگ اڑائیں۔ بغاوت تو فرو کر لی گئی مگر اسبا پھر بہت سے پٹھان پنجاب چھوڑ کر گنگا جمنا کے دوآبہ کی طرف چلے آئے۔ تعجب نہیں کہ اسی زمانہ میں اللہ داد خاں شروانی جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور جن کے بابتہ تزک جہانگیری نے قصہ لکھا ہے کہ وہ جہانگیر کے خوف سے بھاگ کر کابل کی طرف چلے گئے۔ وہ کول کے ضلع میں دتاولی کے قریب موضع اللہ داد پور سے بھاگے ہوں۔ یہاں پہلے شروانی بستے تھے اور یہاں عبدالشا بھائی یا بھتیجے میں یوسف خاں راجو کے بیٹے دلیل خاں کی بارات گئی تھی۔ یہاں اب کوئی شروانی خاندان موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ موضع دتاولی کے شروانی خاندان کی زمینداری میں شامل رہا۔ یہ موضع غالباً انہیں اللہ داد خاں شروانی کی یادگار ہے۔ جہانگیر کے عہد میں ابدل خاں شروانی تھے جو شاہی ملازم تھے مگر بعد کو تارک الدنیا ہو کر گنگیری ضلع علی گڑھ میں حضرت مخدوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا اور مدفون ہوئے۔ یہ ابدل خاں خاندان بھیکم پور اور بھموری کے شروانیوں کے مورث اعلیٰ بتائے جاتے ہیں۔ اگرچہ حاجی عنایت اللہ خاں مرحوم رئیس بھیکم پور کی تحریری یادداشت کے مطابق جو کتاب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہے، ابدل خاں کے بابتہ ذرا سا اختلاف یہ ہے کہ موصوف کے علم میں وہ بھموری غربی کے مورث تھے اور خاندان بھیکم پور کا نکاس بھموری شرقی سے ہے موصوف نے مجھلے خاں صاحب حاجی عبدالشکور خاں مرحوم کے سوال کے جواب میں لکھا کہ بھیکم پور کے مورث اعلیٰ عیسیٰ خاں تھے مگر شجرہ مندرجہ کتاب ہذا سے معلوم ہوگا کہ عیسیٰ خاں سے علاوہ بھیکم پور کے بھموری کے کچھ پٹھانوں کا اور شنڈ ولی کا سلسلہ بھی چلا۔ اس لئے یہ اختلاف سطحی ہے۔ اوپر جاکر یقیناً مورث اعلیٰ ایک ہی ہوں گے حضرت مخدوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بابتہ کہا جاتا ہے کہ وہ پٹھانوں کے ساتھ اس طرف تشریف لائے۔ ان کے صاحبزادہ کے پاس ہمایوں کے عہد کا فرمان معافی اراضی کے بابتہ تھا جس کی نقل نواب صدر یار جنگ بہادر کی یادداشتوں میں کتاب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔ القصہ سنہ ۱۰۲۱ھ کے آس پاس جہانگیر نے جو بردبار آدمی تھا بہت سے پٹھانوں کو قصور معاف کردیا اور خانجہاں لودی کے بیٹے دریا خاں کو اودھ کا صوبیدار مقرر کیا۔ اگرچہ پٹھان اب تک شبہ کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے خانجہاں ولد

دولت خان لودی کو اپنے جلوس کے پندرھویں سال میں حکم دیا کہ وہ ایران کے بادشاہ عباس صفوی کے خلاف ملتان سے جہاں خانجہاں اس وقت مقیم تھا ایران جانے کے لئے تیار رہے۔ یہ سن کر بہت سے پٹھان خانجہاں کے پاس ملازمت کی غرض سے جمع ہو گئے مگر خانجہاں لودی نے ان کو بھرتی کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر بادشاہ سن لے گا کہ اس کے پاس کثرت سے پٹھان جمع ہو رہے ہیں، تو خان جہاں کو قتل کرا دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اکبر کی سختی کے اور پٹھانوں کو پنجاب سے نکال لینے کے اس قوم کے بہت سے افراد پھر بھی یہاں رہ گئے تھے۔ غالباً صرف سرغنہ لوگ نکالے گئے۔ مغلوں کا یہ شک و شبہ بے شک صحیح اور جائز تھا جیسا کہ خان جہاں کی بغاوت سے جو اس نے عہد شاہجہاں کے شروع میں کی ثابت ہوتا ہے۔

حکومت شاہجہاں

جب ماہ صفر ۱۰۳۷ھ میں جہانگیر کا انتقال ہو گیا تو تھوڑے نزاع اور خلفشار کے بعد شاہزادہ خورم شہاب الدین شاہجہاں کے لقب سے اس سن کے جمادی الاول میں دہلی کے تخت و تاج کا مالک ہوا۔ اس کی حکومت کے اوائل میں خان جہاں لودی متذکرہ بالا نے جس پر جہانگیر کو اعتبار تھا اور شاہجہاں بھی اس کو اچھی نظروں سے دیکھتا تھا حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور اس زور شور کے ساتھ کہ اس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ خان جہاں لودی نے ہندوستان کی مغربی شمالی سرحد سے بہت سے تازہ دم پٹھانوں کو اپنی امداد کے واسطے بلا لیا اور ہندوستان کے موجودہ پٹھانوں کو بھی اس جدوجہد میں اس غرض سے شرکت کی دعوت دی کہ ان کی کھوئی ہوئی حکومت ان کو واپس مل جائے۔ مگر اس کشت میں فصل بہار جلد کب آنے والی تھی، پٹھانوں کے لئے تو قدرت نے خزاں کا دور بھیج دیا تھا۔ بالآخر بڑے خون خرابے کے بعد خان جہاں قصبہ کالنجر بندیلکھنڈ کے قریب مارا گیا اور اس کا خاندان تباہ ہو گیا۔ اس معرکے میں بہت سے پٹھان کام آئے۔ اس شورش کے سلسلہ میں ہم کو تاریخ میں شروانیوں کے نام نہیں ملے۔ مورخین نے اول تو سب باغی سرداروں کے نام اور ان کے خیل نہیں بتائے، پھر یہ لحاظ کرتے ہوئے کہ شروانی اکبر گردی کے مارے ہوئے تھے۔ ان میں آزمودہ کار سردار زیادہ تر ختم ہو چکے تھے۔ ان کی جماعت تھوڑی رہ گئی تھی اور آوارہ وطن تھی۔ قیاس یہی ہے کہ شروانیوں نے خان جہاں لودی کا ساتھ نہیں دیا۔ اور اگر دیا بھی ہو تو ایسے [illegible]

تک۔ عہد شاہجہاں میں کچھ شروانیاں پنجاب میں ضرور موجود تھے جیسا کہ ذیل کے ایک کتبہ سے جو رہتک میں ایک شروانی کی بنائی ہوئی عمارت کے پاس ہے ثابت ہے۔ راقم الحروف نے بھی موقعہ پر اس کتبہ کو جس کے کچھ الفاظ شکست ہو گئے ہیں دیکھا۔ اور دیکھتے وقت محلے کے بچوں کی ایک فوج اس کے ساتھ رہی۔ یہ کتبہ شہر رہتک کے محلہ وزیر خاں میں دھوبی گیٹ (دروازہ) پر لگا ہوا ہے:

"بعون اللہ تعالےٰ ایں عمارت در عہد دولت ابوالفتح شہاب ....

محمد صاحب قران ثانی شاہ جہاں بادشاہ غازی باہتمام خادم الفقرا ....

پیر خاں ابن .... سر خاں سروانی غرہ محرم ۱۰۴۳ھ باختتام رسید"

یہ وزیر خاں جن کے نام پر محلہ آباد ہے غالباً سروانیوں میں سے تھے۔ اگرچہ اب یہاں ہم کو کوئی سروانی خاندان نہیں ملا۔ خافی خاں نے منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ ایک وزیر خاں شاہجہاں کے انتقال کے بعد عہد اورنگ زیب میں سرکار سرہند (جو ایک زمانہ میں شروانیوں کی جاگیر میں شامل تھا) عامل مقرر ہوئے۔ مرور ایام سے بمقابلہ ہمایوں اور اکبر کے سروانیوں کے ساتھ شاہجہاں کے تعلقات کسی قدر بہتر تھے۔ ہم کو اس عہد میں بقول ملا عبدالحمید لاہوری مصنف بادشاہنامہ کے تین شروانیوں کے نام شاہجہانی منصب داران میں ملتے ہیں یعنی (۱) سعید خاں شروانی جن کا منصب ہفت صدی تھا اور جن کو تین سو سوار رکھنے کا حکم تھا۔ (۲) مظفر خاں شروانی جن کا منصب ہفت صدی تھا۔ اور جن کو سات سو سوار رکھنے کا حکم تھا اور (۳) تاج خاں شروانی جن کا منصب ہفت صدی تھا اور جن کو چار سو سوار رکھنے کا حکم تھا۔ یہ چھوٹے درجے کے منصب ہیں مگر بہر حال یہ تینوں سروانی خاندان کی قائم مقامی ضرور کرتے تھے۔ عمر خاں سروانی کا خاندان تو منتشر ہو چکا تھا۔ مگر یہ اتنا بڑا خاندان تھا کہ ان کے قرابت دار پنجاب میں ضرور باقی رہ گئے ہوں گے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تینوں منصبدار کون سے شروانی تھے۔ آیا یہ وہی سعید خاں اور مظفر خاں تھے جن کے نام و حالات اوپر آ چکے ہیں یا کوئی دوسرے۔ بقول تاریخ متذکرہ بالا سعید خاں کا انتقال شاہجہانی حکومت کے دور دوم کے ساتویں سال یعنی ۱۰۵۳ھ میں ہوا۔ تاج خاں کا انتقال اس عہد کے

دور دوئم کے دوسرے سال یعنی ۱۰۴۹ھ میں ہوا۔ ایک سعید خاں سروانی تو وہ تھے جو اعظم ہمایوں عیسٰی خاں شروانی مذکرہ بالا کے داماد تھے اور جو ۹۵۲ھ میں عیسٰی خاں کے ساتھ کالنجر کی مہم میں شریک تھے۔ ۹۵۲ھ اور ۱۰۵۳ھ میں ایک سو ایک سال کا بعد ہے اس لئے قرین قیاس نہیں ہے کہ دونوں سعید خاں شروانی ایک ہی ہوں۔ اگرچہ اس وقت کے پٹھانوں کی عمروں کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بات ناممکن نہیں ہے۔

مظفر خاں شروانی کے بابت کوئی دقت نہیں ہے کیونکہ ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں ان کے باپ کا نام مبارک خاں لکھا ہے۔ اکبری عہد کے مظفر خاں جو عمر خاں شروانی کے خاندان سے تھے ان کے باپ کا نام جلال خاں تھا۔ صمصام الدولہ کی کتاب مآثر الامرا سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبری عہد سے لیکر شاہجہانی عہد تک کئی ایک ممتاز پٹھان سردار تھے مگر ان کے نام کے ساتھ خیل درج نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان میں شروانیان تھے یا نہیں ہماری بدقسمتی ہے کہ اس زمانہ کے اور بعد کے مورخین کی کوتاہ قلمی کی وجہ سے یہ دقت پیش آرہی ہے۔ تاریخ ہم کو یہ بھی بتاتی ہے کہ اس فوج کی تعداد جو منصبدار کو لازمی طور پر رکھنا پڑتی تھی اس کے ذاتی منصب پر منحصر نہ تھی۔ بلکہ کم یا زیادہ ہوتی تھی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ منصبدار سے کیا مطلب ہے اور اس کے کیا فرائض ہوتے تھے۔ یہ عہدہ امرا[1] کے عہدے سے کم اور معمولی فوجی ملازم کے درجے سے بڑا ہوتا تھا۔ امرا کی طرح منصبدار کے واسطے یہ لازمی نہ تھا کہ وہ بادشاہ کے دربار میں روزانہ یا جلد جلد حاضری دیں۔ یا باری باری سے پایۂ تخت کے قلعہ کی محافظت کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ بلکہ منصبدار کو صرف فوجی مہم یا فوجی ضرورت کے وقت بلایا جاتا تھا۔ منصبدار کی تنخواہ دو طرح کی ہوتی تھی یعنی نقد یا بصورت جاگیر۔ سواروں کی تعداد یک اسپہ اور دو اسپہ ہوتی تھی۔ اسی لحاظ سے ان کی تنخواہ مقرر کی جاتی۔ سوار کی تنخواہ عموماً پچیس تیس روپیہ ہوتی تھی۔ اور اس میں وہ سامان شامل ہے جو سوار کو خود خریدنا اور رکھنا پڑتا تھا۔ آجکل کے روپیہ کی قیمت کے لحاظ سے یہ تنخواہ اس وقت کافی سمجھی جاتی تھی۔ یہ تنزل شروانی منصبداران مذکرہ بالا ثابت کرتے ہیں کہ عہد شاہجہانی میں شاہی فوج سے تھوڑا بہت تعلق شروانیان کا قائم تھا اور یہ مقابلہ ہمایوں اور اکبر اور جہانگیر کے شروانیوں

---

[1] آئین اکبری۔ سفرنامہ برنیر

گئے ان کا مزار ایک احاطہ کے اور بڑی گھنی جھاڑی کے اندر جس کو عوام گھنا کہتے ہیں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندان کے کچھ افراد بھی یہاں مدفون ہیں۔ اور اسی جگہ حضرت مخدوم شتابی علیہ الرحمۃ کے (جو پٹھانوں کے ساتھ ان اطراف میں آئے اور گنگیری میں مدفون ہوئے) صاحبزادی کا مزار بتایا جاتا ہے۔ رحمت خاں کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا ان کے تین بھائی پسران یوسف خان یعنی محمد خاں۔ محمود خاں۔ حسن خاں اور تھے۔ جن کی اولاد بھاموں۔ بلوند۔ کناوہ۔ کنوبی۔ بوڑہ گاؤں حسن پور میں پھیلی۔ جیسا کہ شجروں سے معلوم ہوگا۔ حاجی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم کی یادداشت کے مطابق سلیمان خاں بھوری بزرگ میں آباد ہوئے اور زمینداری حاصل کی۔ یہ وہی سلیمان خاں ہیں جن کا ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے عہد شاہجہانی میں اس طرف آنا بتایا ہے ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے لکھا ہے کہ وہ قصبہ جلالی میں آباد تھے۔ اور پھر ان دونوں حضرات کو عہد شاہجہانی میں سادات نے جلالی سے نکالا اور ان دونوں نے تعلقہ حاصل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم کو تاریخ بتاتی ہے کہ عہد شاہجہانی میں سادات کا بہت زور ہوا۔ تعجب نہیں کہ یوسف خاں سلیمان خاں اول اکبری عہد میں جبکہ اکبر نے پٹھانوں کو پنجاب سے نکالا، پنجاب سے آکر جلالی میں بسے ہوں اور وہاں سے بعد کو ان اطراف میں آئے ہوں، جہاں کہ پہلے سے پٹھان موجود تھے۔ اب یہاں اس سلسلہ میں اس خاندانی روایت کا اظہار بھی ضروری ہے جو نواب صدر یار جنگ، حبیب الرحمن خاں مرحوم نے اپنے بزرگوں سے سن کر مرتب کی۔ مرحوم کے چچا عنایت اللہ خاں مرحوم اور بعض دیگر ہم عصر شروانیان ٹنڈولی۔ بھیوری۔ بلونہ بڑے نساب تھے۔ ان کے حافظے زبردست تھے۔ اگرچہ وہ اہل قلم نہ تھے مگر ان میں علم سینہ بسینہ چلتا تھا۔ ان میں حاجی عنایت اللہ خاں مرحوم نے تو تحریری یادداشتیں چھوڑیں۔ اس روایت کے مطابق عہد سکندر لودی میں (سنہ ۸۹۴ھ لغایۃ سنہ ۹۲۳ھ میں) دو بھائی محمد مغیث خاں اور محمد میر خاں شروانیان تھے۔ یہ اکبری عہد میں ان اطراف میں آئے اور بہادر پور راجچولی میں آکر مقیم ہوئے۔ محمد مغیث خاں کے تین بیٹے ہوئے۔ یعنی سالار الدین خاں، رکن الدین خاں اور بہاؤ الدین خاں۔ محمد میر خاں نے ایک بیٹا چھوڑا جس کا نام نہیں معلوم۔ مغیث خاں اور محمد میر خاں کے مورثان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ان کا تعلق عمر خاں شروانی کے خاندان سے ہو اور وہ محمد خاں شفقداد کول

یا ان کے بھائی اسلام خاں کی نسل سے ہوں جن کا شجرہ مخزنِ افغنہ یا کسی اور تاریخ
میں ہم کو نہیں مل سکا۔ لودیوں اور سوریوں کے حکومت کے زمانہ میں پٹھان برابر ملک بھر
میں نقل و حرکت کرتے رہے ان کی جاگیروں میں رد و بدل ہوتے رہتے اور فوج کے ساتھ
وہ کبھی ملک کے اس گوشہ میں اور کبھی اس گوشہ میں رہتے۔ مگر ان دونوں بھائیوں کے بہادر پور ریہوئی
میں آکر مقیم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق فوج سے نہ تھا اور وہ ان اطراف میں بسنے کے
واسطے ہی آئے تھے۔ اس کی تائید اس تاریخی واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ہم نے پنجاب کے پٹھانوں
پر اکبر کی سختی اور ناروا داری کے بابت درج کی ہے۔ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست
کا مضمون تھا۔ بہادر پور ریہوئی سے کچھ شروانیان ملحقہ موضع غالب پور میں چلے گئے۔ محمد منیر خاں
کی اولاد اس وقت کے پرگنہ اترولی اور حال کے پرگنہ گنگیری کے مواضعات سید دورہ۔ دتاولی
برلہ۔ پھوساولی۔ سہاولی۔ شنبرہ۔ دھنساری اور بروالی میں جا پہنچی اور ان پر قبضہ جمایا۔
سالار الدین خاں ابن منیث خاں کی اولاد ہموری۔ بھیکم پور۔ دادوں۔ کناوہ۔ بوڑھ گاؤں۔ بلونہ حسن پور
کنوبی۔ بھاموں۔ ڈھولنہ اور ٹنڈولی میں بسی۔ رکن الدین خاں ابن مغیث خاں کی اولاد میں ہرا
پھرسولی۔ اٹوا۔ گھنٹونہ۔ طبال پور۔ عاقتی کے شروانی پٹھان ہوئے۔ پھر ان میں آگے چل کر اور بھی
تفریق ہوئی۔ جیسا کہ پٹھانوں میں رواج تھا اور جس کی وجہ سے ان میں ہزاروں خیل بن گئے
سالار الدین خاں کی اولاد سار دولی۔ رکن الدین خاں کی اولاد کینڈی۔ اور رفعت خاں کنوبلی
کی اولاد رفعت خانی کہلائی۔ بہلول لودی کے عہد کے بیٹے خاں شروانی کی اولاد حال تک پالانہ
ضلع کرنال میں رہی۔"

نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی مرتب کردہ اور ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی روایت میں جو تھوڑا
فرق ہے وہ سطحی ہے۔ اور ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے۔ ایک کا یہ کہنا کہ یہ حضرات عہد
اکبری میں آئے۔ اور دوسرے کا یہ کہنا کہ وہ عہد ہمایونی میں آئے۔ دونوں صحیح ہوسکتے ہیں
دونوں زمانوں میں صرف تیس چالیس سال کا فرق ہے جو زیادہ نہیں ہے۔ پھر گمان غالب
یہ ہے کہ عہد اکبری میں بیشتر شروانی پٹھان اپنے وطن کو ترک کر کے اول جلالی میں آباد
رہے اور جب یہاں بھی حالات کو سازگار نہ دیکھا تو انہوں نے بہادر پور ریہوئی کی آب و ہوا
چکھی۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی روایت زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ خاندان بھیکم پور کے مورث

نام سلیمان خاں یوسف خاں بتاتا ہے۔ اس کے ساتھ تسلیم کرتا ہے کہ دتاولی کے خاندان کے مورث اعلیٰ محمد میر خاں عہد اکبری میں آئے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے یوسف خاں ہی ہیں جو راجوئیں آکر بسے، اور عہد شاہجہانی میں بیجو۔ شاہجہاں آباد بسایا۔ سلیمان خاں وہی ہیں جو عہد شاہجہانی میں بھموری بزرگ کے زمیندار ۱۰۳۱ فصلی میں تھے۔ اس روایت سے محمد میر خاں مغیث خاں کی بابت روایت غلط ثابت نہیں ہوتی۔ مضمون میں صرف تھوڑا الٹ پھیر ہے۔ افسوس ہے کہ شجروں کی درمیانی کڑیاں غائب ہیں۔ مگر کسی شخص کی ایک مخصوص زمانہ میں موجودگی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ یا اس کی اولاد ماقبل یا مابعد کے زمانہ میں ترک وطن کر کے کسی دوسری جگہ جا کر نہیں رہی۔ علاوہ بریں ایک اور امر بھی قابل غور اور توجہ ہے جس سے ہمارے ان خیالات کی تائید ہوتی ہے۔ ان شجروں کے دیکھنے سے جو اس کتاب کے آخر میں درج ہیں معلوم ہوگا کہ ہر ایک شجرہ میں کم و بیش چودہ پندرہ پشتیں درج ہیں۔ مثال کے طور پر خاندان ہائے دتاولی، بھیکم پور، بلونہ، کناوہ، بھموری وغیرہ کو لے لیجئے۔ اگر تاریخی اصول کے مطابق ہر ایک پشت کے واسطے بہ لحاظ اوسط تیس سال کی مدت لے لیجئے تو کسی موضع کے مورث اعلیٰ کا زمانہ اکبر یا اس سے چند سال قبل اور کسی کا اکبر سے چند سال بعد قرار پائے گا۔ ان اسناد تاریخی کے لحاظ سے جن کا اوپر ذکر ہے معلوم ہوتا ہے کہ لودی، سوری، مغل عہد میں پٹھان ان اطراف میں آتے جاتے رہے اور کچھ یہاں رہ پڑے۔ کوئی خاندان پہلے آیا، کوئی بعد میں۔ شروانی حضرات نے اس خطہ کو اپنے واسطے اسی وجہ سے پسند کیا کہ وہ خاندان سادات کے آخری زمانہ میں تیمور لنگ کے حملہ کے وقت سے پھر بہلول اور اس کے جانشینان کے وقت سے اس علاقہ سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا اور زرخیزی کا اندازہ ان کو ہو گیا تھا۔ ان کے دو سردار یعنی عمر خاں اور محمد خاں ابن عمر خاں کول کے عامل رہ چکے تھے۔ شروانیوں کے بیانات سے ملحقہ قصبہ سکندرہ راؤ میں بابر کے عہد میں شروانی خاندان موجود تھا۔ قصبہ جلالی میں سکندر لودی کی تخت نشینی میں عمر خاں شروانی کا بڑا حصہ تھا۔ پنجاب سے بنگال اودھ، بہار، بنگال، ان کے لئے دردست مقامات تھے۔ جنوبی ہند تک ان کی پہونچ نہ تھی۔ گجرات، مالوہ، علاوہ

میل دور اس لئے دوآبہ کا یہ قطعہ ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھا۔ اب سوال
کیا جاوے گا کہ جب شروانیان عہد اکبری سے لیکر عہد شاہجہانی تک ان اطراف میں بسے
تو کیا ایک دم اور جلد انہوں نے زمینداری کے بڑے بڑے تعلقات حاصل کر لئے
یا رفتہ رفتہ (جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا) ان کی زمینداریوں کا عروج اور پھر زوال اور پھر عروج
اور تغیر و تبدل آہستہ آہستہ ہوا۔ اور اب موجودہ حکومت میں پھر وہ زوال کی طرف جا رہے
ہیں بیشتر تو وہ بے خانماں، پناہ گزین، تجارت پیشہ لوگوں کی حیثیت سے آئے۔ ہاں تھوڑا
بہت اسباب اور اپنی عورتوں کو اپنے ساتھ لائے۔ کچھ اس اسباب سے اور کچھ دھینگا مشتی
سے زمینداریاں حاصل کیں۔ اور مکانات تعمیر کر لئے اور باغ بیر نکالے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قصبہ سکندرراؤ کے شروانیان کا (جو بیشتر سے اس قصبہ میں
آباد تھے) محمد منیر خاں، مغیث خاں، یوسف خاں، سلیمان خاں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ سکندرراؤ
کے شروانیان کا ہم کو پرانا اور مکمل شجرہ نہیں مل سکا۔ اور جو نامکمل شجرہ زمانہ حال کا ملا ہے وہ
اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔ اس بارہ میں تحقیقات اور دریافت حال کے واسطے حاجی
عبدالشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور نے سنہ ۱۲۹۰ھ میں ایک استفساریہ خط احمد نور خاں زمیندار
سکندرراؤ کو جو مسند خاں مندرجہ شجرہ کے پڑپوتے محمد نور خاں کے بیٹے تھے لکھا تو موصوف
نے جواب دیا کہ ان کے مورث سادات سے تھے۔ اور سبزوار سے آئے تھے۔ یہی نوٹ اس
شجرہ میں درج ہے۔ یہ مسلم ہے کہ شروانیان ضلع علی گڑھ و ایٹہ شیخ سید حسین غوری کی اولاد میں
ہیں اور سکندرراؤ کے شجرہ کو بھی یہ بات تسلیم ہے۔ باقی امور نہیں۔ اور اس میں تاریخی غلطیاں
ہیں۔ قصبہ سکندرراؤ کی شادی بیاہ دیگر خیلوں میں بھی ہوتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ
خالص شروانی النسل نہیں رہے۔ اس قسم کی شادی بیاہوں کا رواج اب اس ضلع کے
اور ضلع ایٹہ کے دیگر شروانیوں میں ٹوٹ رہا ہے۔ زمانہ اس پر مجبور کر رہا ہے۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ تحریر کے مقابلہ میں روایت کا درجہ کم ہے مگر روایت کو بالکل ٹھکرایا نہیں
جا سکتا۔ آخر تاریخ ہے کیا چیز۔ روایتوں کا مجموعہ۔ البتہ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کون سی روایت
قابل اعتبار ہے اور کون سی ضعیف۔ اسی تنقید کے واسطے مسلمانوں میں علم اسماء الرجال

قائم کیا گیا۔ القصہ شاہجہاں بادشاہ کا انتقال ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۵ء میں اپنے بیٹے اورنگ زیب کی قید میں ہوا۔

حکومت اورنگ زیب

اپنے بھائیوں کو ختم کرکے اور بہت سے خون خرابہ کے بعد اورنگ زیب عالمگیر دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ سے لیکر اٹھارھویں صدی کے وسط تک شروانیوں کی تاریخ نسبتاً پردۂ تاریکی میں ہے۔ دو ایک واقعات کہیں کہیں قابل ذکر مل جاتے ہیں۔ اس عہد کے آخر میں رشید خاں صوبہ دار اکبرآباد (آگرہ) تھے۔ انہوں نے شمس آباد قائم گنج ضلع ضلع فرخ آباد کے درمیان قصبہ مورشیدآباد آباد کیا۔ تاریخ فرخ آباد قلمی مصنفہ منور علی خاں ۱۲۵۵ھ (جس کا نام لوح تاریخ ہے) معلوم ہوا کہ رشید خاں کی فوج میں ایک رسالہ عین خاں شروانی کا بھی تھا۔ اور اسی میں ملک بنگش سے آکر ملک سارنگ خاں مورث نوابان بنگش فرخ آباد ملازم ہوئے۔ ان عین خاں کے زیادہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔ بہرحال اس سے پتہ چلتا ہے کہ شروانیوں کا موروثی مشغلہ (یعنی فوجی زندگی کا) تھوڑا بہت اب تک چلا جاتا تھا۔ اب اس زمانہ میں ہم کو شروانیوں کے نام نہ فوجی عہدیداران، منصبداران اور جاگیرداروں میں ملتے ہیں نہ ملک کے عمال اور حکام میں وہ حکومت کی دربارداری سے کنارہ کش ہوکر۔ زراعت، تجارت۔ اور زمینداریوں کے بڑھانے میں خاموشی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ نہ پیشتر کی طرح ان میں بڑے درجہ کے سرداران زیادہ تعداد میں موجود تھے۔ اور جو دو چار تھے وہ مقامی حدود کے اندر تھے۔ شروانیوں پر کیا منحصر ہے، اب پرانے آئے ہوئے افغانان یعنی لودی، سوری، لوہانی، نیازی زیادہ تر پس پشت جا پڑے۔ اور تاریخ میں ان کی جگہ نووارد پٹھانوں یعنی روہیلہ، بنگش، یوسف زئی، سدوزئی ترین، خٹک وغیرہ پٹھانوں نے لی۔ انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور سیاسیات میں حصے کر کرتب دکھائے۔

اورنگ زیب کے جانشین

اورنگ زیب کے بعد سیاسی فضا بہت مکدر ہو گئی۔ مرکزی حکومت کمزور، ہر ایک اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا تھا۔ نئی نئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ روہیلوں، بنگشوں، مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے

مغلوں میں رسّا کشی ہونے لگی۔ مگر شروانی زمانہ کا گرم و سرد چکھے ہوئے تھے وہ بہت سے
مصائب اور تکلیف سے دوچار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ جہاں
تک ہو سکے اپنی پگڑی سنبھالے ہوئے گوشہ عافیت میں بیٹھے رہیں۔ اس طرز عمل کا یہ نتیجہ نکلا
کہ شروانیوں نے نہ ان تنازعات میں حصہ لیا اور نہ کسی نے ان کی بات پوچھی۔ وہ اپنے آبائی
فوجی پیشہ سے ایسے دست کش ہوئے کہ انگریزی عملداری میں بھی جبکہ امن و امان تھا فوجوں
میں بھرتی نہ ہوئے۔ اور اب ہمارے خاندان میں نہ کوئی صوبہ دار ہے نہ رسالدار اور نہ کرنل
اور کپتان۔ البتہ پنجاب کے شروانیوں کی ایک شاخ یعنی والیان ریاست مالیر کوٹلہ نے اس
زمانہ میں ترقی کی جن کا حال ہم کتاب کے آخر میں درج کریں گے مگر اس خاندان سے اور
ضلع علی گڑھ و ایٹہ کے شروانی خاندان سے کوئی تعلقات قرابت باہمی جولائی کے ۱۹۰۵ء سے
قبل نہ تھے جبکہ شروانی خاندان دتاولی کی ایک لڑکی کی شادی مالیر کوٹلہ کے فرمانروا کے خاندان
میں ہوئی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ پنجاب تو پھر بھی ان اطراف کے رہنے والے ہم شروانیوں
کا اصلی وطن تھا۔ ہندوستان کے دیگر خطوں میں پھیلے ہوئے خال خال شروانیوں سے ہم سے
کوئی تعلقات باقی نہ رہے۔ اور نہ اب ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بے خبر ہیں۔ عہد
فرخ سیر اور محمد شاہ شاہان دہلی میں یعنی ۱۱۲۴ھ لغایت ۱۱۶۱ھ میں کول کے حکمران عامل
نواب ثابت خاں نے کول میں محمد خاں شروانی کے بنائے ہوئے قلعہ کو مضبوط کیا اور اس کا نام
بجائے محمد گڈھ کے ثابت گڈھ رکھا۔ نواب ثابت خاں نے شروانی خاندان بلوتہ میں اپنی لڑکی کی شادی کرنے
کی ضرور کوشش کی۔ مگر باوجود ان کی دولت اور وجاہت کے ان کی اس خواہش کو محض اس
وجہ سے ٹھکرا دیا گیا کہ وہ غیر کفو تھے۔ ان اطراف کے شروانیان کو اس بات کا بڑا خیال تھا
وہ کیسے ہی امیر ہوں یا غریب اور فاقہ مست ہوں مگر وہ اپنی نسل کو قائم رکھنا چاہتے تھے
اس واقعہ کا قصہ یوں ہے کہ بلوتہ کے شاہ محمد خاں[2] کو نواب ثابت خاں نے پیام دیا کہ
آخر الذکر کی لڑکی کا عقد اول الذکر کے بیٹے دلیل خاں کے ساتھ کر دیا جاوے۔ اور ساتھ ہی

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ
[2] یادداشت قلمی سمیع اللہ خاں مرحوم بلوتوی

بہت کچھ دولت اور مال کے دینے کا وعدہ کیا۔ شاہ محمد خاں نے اس موعودہ دھن و دولت پر لات مار کر اس مجوزہ شادی سے انکار کر دیا۔ نواب ثابت خاں کو اس پر غصہ آیا۔ تو سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ شاہ محمد خاں کو پکڑ لائے۔ بلونہ اس وقت نواب بنگش والی فرخ آباد کی عملداری میں تھا۔ جب سوار بلونہ کے قریب پہنچے اور شاہ محمد خاں کو اس آنے والی مصیبت کی خبر لگی تو وہ ایک تیز گھوڑی پر بیٹھکر وہاں سے بھاگے۔ سواروں نے تعاقب کیا مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔ بلونہ میں چونکہ غیر عملداری تھی سواروں نے دو چار روز گاؤں میں رہ کر اور پٹھانوں کو دق اور پریشان کر کے واپسی کی راہ لی۔

جاٹوں کی شورش

عہد اورنگ زیب میں ہی جاٹوں نے سب سے پہلے ہاتھ پیر نکالے اور علی گڑھ کے پرگنہ جیور اور ساسنی کے جاٹوں نے زور پکڑا۔ مگر اورنگ زیب کی زبردست حکومت نے ان کو دبا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے جاٹوں نے شروانیوں کے دیہات کو تاک رکھا تھا۔ اور ان کا دانت ان دیہات پر تھا کیونکہ جیور، ساسنی، ٹپل کے علاقوں سے شروانیوں کے دیہات کا زیادہ فاصلہ نہ تھا اور پھر خود شروانیوں کے بعض دیہات میں جاٹ آباد تھے جن کا سلسلہ پیام و رسل ضرور پڑوس کے جاٹوں سے ہوگا۔ بقول مورخ خافی خاں[1] (صاحب منتخب اللباب) عہد فرخ سیر میں ۱۱۳۱ھ میں جبکہ نواب ثابت خاں کول کے عامل تھے۔ جاٹوں نے پھر ساسنی کے علاقہ میں شورش کی مگر مغلیہ فوج نے پھر ان کو دبا دیا۔ گویا اندر ہی اندر پھوڑا پک رہا تھا۔ مگر وہ ابھی پھوٹ پڑنے کے قابل نہ تھا۔ نہ اب ایسا کوئی جراح موجود تھا۔ جو اچھی طرح سے شگاف دے کر پورے مواد کو خارج کر دے۔ ایک نیا تماشا اور بھی شروع ہوا یعنی فرخ آباد کے بنگش پٹھانوں اور روہیلکھنڈ کے روہیلہ پٹھانوں میں تنازعہ اور زور آزمائی شروع ہوئی۔ شروانیوں کے دیہات بھی اس تماشاگاہ سے بالکل قریب تھے اور ان پر بھی تھوڑا بہت اثر پڑا۔ شروانی ان لڑائیوں سے تو الگ تھلگ رہے مگر ضلع علی گڑھ کا مشرقی حصہ یعنی پرگنہ گنگیری کچھ حصہ ضلع علی گڑھ میں اور ایٹہ کے پرگنہ جات پچلانہ اور فیض پور بدریہ کے شروانی دیہات محمد خاں، قائم خاں، احمد خاں

---

[1] منتخب اللباب خافی خان

بنگش والیان فرخ آباد کی عملداری میں آ گئے۔ سکندرہ راؤ، سہاور، مارہرہ، بلونہ، گنگیری وغیرہ سب اسی بنگش حکومت کے ماتحت ہوئے۔ کول سے جانب مشرق پندرہ میل[1] سے بنگش عملداری شروع ہو جاتی تھی۔ اسی زمانہ میں نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ اور یہ بھی خم ٹھونک کر کسی ایک نہ ایک فریق کے ساتھ کشتی کے دنگل میں اتر آتے تھے۔ کبھی یہ ہارا اور وہ جیتا، کبھی اس کی پتنگ کٹی اور کبھی اس کی۔ ڈور کے ذریعہ سے شہ پر شہ دی جاتی تھی اور تکل آسمان پر چڑھتا چلا جاتا تھا۔ اور شہر والیان ٹوپی پکڑے ہوئے تماشا دیکھنے میں لگے ہوئے تھے۔ شجاع الدولہ کے زمانہ سے کچھ قبل گنگا جمنا کا دوآبہ نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ وزیر دہلی اور مرہٹوں کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ خلق اللہ پریشان تھی جس کا ساتھ نہ دیا جاوے جس کو رسد آدمی نہ دیئے جائیں وہی جان کا دشمن۔ پھر بھی شرفائی بہت کچھ اپنے دامن کو بچا لے گئے۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں دو چار بااثر سردار جیسے رفعت خاں کھوڑی، شاہ محمد خاں بلونہ اور دوستان بھیکم پور، جھوری اور چتاولی وغیرہ موجود تھے۔ جب کول میں نواب ثابت خاں کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے فتح علی خاں کلاں یہاں کے گورنر بنائے گئے۔ مگر احمد شاہ اور شاہ عالمگیر ثانی کے عہد میں مرکزی حکومت بے حد کمزور اور بے قابو تھی۔ فتح علی خاں جاٹوں سے جا لڑے۔ ان کے بعد مرزا اسد خاں کے سپرد یہاں کی نظامت ہوئی تو جاٹوں نے ان کو مار ڈالا۔

جاٹ کا کول پر قبضہ

۱۷۵۴ء میں یعنی احمد شاہ بادشاہ دہلی کے آخری زمانہ اور عالمگیر ثانی کے تخت نشینی کے وقت مرہٹوں نے اور بھرتپور کے جاٹوں نے بادشاہ کے خلاف سازشیں کیں اور سرکشی کی۔ بھرتپور کے راجہ سورج مل جاٹ نے جو اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا تھا بڑا اودھم مچایا اور بھرتپور سے لیکر کول تک ملک پر قبضہ جما لیا۔ اور کول کے قلعہ محمد گڑھ عرف ثابت گڑھ پر قبضہ کر کے اس کا نام رام گڑھ رکھوا۔ یہاں بہت سی فوج اور خزانہ جمع کر کے کچھ دن کے لئے کول کو اپنی دوسری راجدھانی بنایا۔ نواب صفدر جنگ نواب برہان الملک سعادت خاں مورث شاہان اودھ کا بھانجا اور

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ

داماد تھا۔ دہلی کا بادشاہ اس کی مٹھی میں تھا۔ سورج مل جاٹ صفدر جنگ کا رفیق اور ہمراز تھا۔ احمد شاہ بادشاہ دہلی نے تخت پر ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں بیٹھ کر مملکت کے کل امور کی باگ صفدر جنگ کے ہاتھ میں دے دی جو ۱۱۵۲ھ سے وزیر چلا آتا تھا۔ ہر کمالے را زوالے جب ۱۷۵۳ء میں صفدر جنگ وزارت سے علیحدہ کیا گیا تو مرتا کیا نہ کرتا اس نے سورج مل جاٹ کے ساتھ مل کر بڑی شورش کی۔ شاہی فوج سے لڑتا رہا اور ملک کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کا تماشا ہوا۔ اسی زمانہ میں سورج مل[10] کی شادی ضلع علی گڑھ کے موضع بجولی پرگنہ اترولی میں جو سابق ریاست بھیکم پور میں شامل تھا۔ ارجن سنگھ جاٹ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی۔ ارجن سنگھ ثابت گڑھ یا رام گڑھ کا صوبہ دار بنایا گیا۔ ارجن سنگھ کے لڑکے سانونت سنگھ اور خوشحال سنگھ نے چھرہ اور بھوری میں جہاں شروانی آباد اور زمیندار تھے قلعے بنائے اور شروانیوں کو بےدخل کیا۔

پس منظر اب قبل اس کے کہ ہم اپنے دیہات سے شروانیوں کے اخراج پر روشنی ڈالیں، اس سلسلہ میں مختصراً پس منظر کے دکھانے کی ضرورت ہے ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب المنصور خاں صفدر جنگ کو جو نواب برہان الملک سعادت خاں مورث شاہان اودھ کا بھانجا اور داماد تھا۔ نواب وزیر اودھ مقرر کیا۔ محمد شاہ کے بعد ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں احمد شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا تو اس نے نواب صفدر جنگ کو اپنی کل مملکت کا وزیر کل بنایا۔ سات برس تک دہلی اور اودھ کے اس باثر وزیر کا دور دورہ رہا۔ وہ سیاہ سفید کا مالک تھا اور بادشاہ اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا۔ بھرتپور کا راجہ سورج مل جاٹ صفدر جنگ کا رفیق اور ہمراز تھا۔ بقول تاریخ مظفری[11] صفدر جنگ نے سورج مل جاٹ سے نواب غازی الدین خاں کے خلاف مدد لی۔ ہرنند اور نادر گر گوشائیں سورج مل کے ملازم اور اس کے ساتھ نواب صفدر جنگ کے طرفداروں میں تھے۔ ان گوشائیوں کی نواب کی اور سورج مل کی ملی بھگت تھی گویا یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور ملک کو لوٹتے کھسوٹتے تھے ۱۷۵۳ء

[10] تاریخ قلمی اترولی۔ [11] تاریخ مظفری مصنفہ محمد علی خاں پانی پتی۔

میں صفدر جنگ کی قسمت کا پانسا پلٹا اور وہ وزارت[51] سے علیحدہ کیا گیا۔ تو سورج مل جاٹ اور اس کے ان گوشائیں ملازموں نے بڑی شورش مچائی[52]۔ اب سورج مل نے ہاتھ پیر نکالے اور اس کا دور دورہ شروع ہوا۔ اسی زمانہ کا یعنی سورج مل کے اور اس کے جانشینوں کے دور دورہ کا ہم نے جاٹ گردی نام رکھا ہے۔ اس زمانہ سے قبل اور اس کے شروع میں علی گڑھ کے شروانیان خاموش اور پُرامن زندگی بسر کر رہے تھے۔ صفدر جنگ اور اس کے ساتھی سورج مل اور آخرالذکر کے ملازمین گوشائیوں نے شروانیوں کے دیہات کو تاکا۔ اور صفدر جنگ کے وزارت سے علیحدگی کے بعد اس جاٹ راجہ نے اپنی چیرہ دستی سے کول میں محمد خاں شروانی کے بنائے ہوئے قلعہ محمد گڑھ پر ۱۷۵۳ء میں قبضہ کر لیا۔ بجائے محمد گڑھ کے اس کا نام رام گڑھ رکھا۔ اور یہاں اپنے خسر کو جو شروانیوں کی ریاست بھیکم پور کے موضع بجولی کا رہنے والا تھا فوجدار مقرر کیا۔ ممکن ہے کہ سورج مل کے خسر نے بھی بھیکم پور کے شروانیوں کے خلاف اس جاٹ راجہ کے کان بھرے ہوں۔ بہر حال سورج مل نے ۱۷۵۵ء میں خاندان بھیکم پور کے مورث سرفراز خاں اور ان کے چچا دلیل خاں کو جب کہ خاندان کا قیام اب تک بھوری میں تھا نکال باہر کیا۔ اور ان کے دیہات پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ ان کے ساتھ ہنساری متصل چھرہ کے اور بعض دیگر دیہات کے شروانیان اور پڑہ گاؤں کے نظام خاں بھی نکالے گئے۔ سورج مل کے خسر کے لڑکوں نے (بقول تاریخ اترولی[53]) چھرہ میں اور دھنساری میں قلعے بنائے اور بھوری و بھیکم پور کے حدود میں بھی قلعوں کی بنا ڈالی۔ اگرچہ یہاں وہ مکمل نہیں ہونے پائے۔ سورج مل کی طرف سے [illegible] سنگھ جاٹ اس علاقہ میں عامل تھا۔ اور بھوری پر سورج مل کے خسر [illegible] سنگھ کے لڑکوں نے یعنی ساونت سنگھ خوشحال سنگھ جاٹ نے مکمل دخل جمایا۔ شروانیوں کی سابقہ فوجی جذبات زائل ہو چکے تھے۔ ان میں پہلا سا اتفاق اتحاد نہ تھا۔ حکومت میں کوئی اثر اقتدار نہ تھا اور ہوتا بھی تو مرکزی اور نیم جان حکومت دہلی کیا کر لیتی وہ تو خود سورج مل کے اثر میں تھی۔ اس لئے ان مصیبت کے مارے شروانیوں کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا [illegible]

---

[51] حیات ستایہ محمد اسمٰعیل بلگرامی مصنفہ مولوی [illegible] مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۹ء
[52] قلمی تاریخ اترولی مصنفہ محمد زاہد ابو الوفا [illegible]

ان خارج البلد شروانیوں کے پاس جو تھوڑا بہت اساسہ تھا اس کو لوٹ کھسوٹ کے ڈر سے پوشیدہ کر کے بے بسی کے عالم میں گنگا پار چلے گئے۔ خاندان دتاؤلی کی حالت کسی قدر مختلف ہے۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی خارج البلد کئے گئے یا جاٹوں کی زد سے بچ رہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے خاندان پر بھی مصیبت آئی۔ جیسا کہ ہم خاندان دتاؤلی کے مورث حاجی مراد خاں کے سلسلہ میں آگے دکھائیں گے۔ آخر الذکر نے پردورہ سے نکل کر نواب مرزا نجف خاں کے زمانہ کے شروع یا اس سے کچھ قبل دتاولی سے جاٹوں کو لڑ کر نکالا۔ پردورہ اور دتاولی میں میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔ جیسا کہ ہم آگے دکھائیں گے۔ دتاؤلی کے حاجی مراد خاں کے مورث عمر خاں ۱۸۲۳ء سے نوے سال قبل اپنے وطن سے چلے گئے تھے یعنی ۱۷۳۳ء کے لگ بھگ۔ اس سن میں صفدر جنگ اور سورج مل کا دور دورہ تو شروع ہوا نہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ عمر خاں کے بیٹے شجاعت خاں اور ان کے خاندان کے دیگر افراد پر بھی یہ مصیبت آئی ہو۔ بہر حال حاجی مراد خاں نے تو اپنے بیانات میں (جن کا ذکر آگے آئے گا) یہ بات صاف کی نہیں مگر ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ سے اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بھیکم پور اور دتاؤلی دونوں پر یہ آفت آئی۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی یہ روایت کہ اندر گر گوسائیں نے ان شروانیوں کو نکالا ایک حد تک اس لحاظ سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ (جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے) کہ وہ اور اس کا آقا اور ۱۷۵۴ء کے شروع میں نواب صفدر جنگ ایک ہی تھے سورج مل نے اندر گر گوسائیں سے کام لیا اور آخر الذکر نے اس جاٹ راجہ کا ساتھ دیا۔ اندر گر گوسائیں ۱۷۵۵ء میں کوٹلہ کے مقام پر اس لڑائی میں مارا گیا جو نواب نجیب الدولہ روہیلہ اور نواب صفدر جنگ وزیر کے درمیان ہوئی جیسا کہ تواریخ مظفری[1] و گلستان رحمت[2] سے ثابت ہے۔ اندر گر کا آقا سورج مل بدستور لوٹ کھسوٹ میں لگا رہا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شروانیان کس سن میں اپنے علاقوں سے نکالے گئے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ اور رپورٹ بندوبست علی گڑھ ۱۸۸۲ء نے لکھا ہے کہ یہ ۱۷۵۳ء میں خارج کئے گئے۔ بخلاف اس کے خاندان بھیکم پور کی روایت (بموجب تحریری یادداشت نواب صدر یار جنگ مولوی

---

[1] تاریخ مظفری مصنفہ محمد علی خاں انصاری پانی پتی ص ۵۲۔ [2] گلستان رحمت مصنفہ نواب محبت خاں رہیلہ۔

حاجی حبیب الرحمٰن خاں (موجودہ حبیب گنج لائبریری) یہ ہے کہ یہ شروانیان ۱۷۵۵ء میں نکالے گئے۔ اور یہ کہ وہ اٹھائیس سال تک اپنے وطن سے باہر مارے مارے پھرے۔ ان دونوں سنین میں اول تو زیادہ فرق نہیں ہے صرف تین سال کا فرق ہے۔ دوسری بات دیکھنا یہ ہے کہ یہ اٹھائیس سال کی مدت کب ختم ہوئی۔ اس سے اس مدت کے شروع ہونے کا پتہ لگ جائے گا۔ اگر ہم اٹھائیس سال کی مدت کو ۱۷۵۴ء سے شمار کرتے ہیں تو وہ ۱۷۸۲ء میں یا اس سے چند ماہ قبل ختم ہوتی ہے۔ یہ خانہ بدر شروانیان نواب مرزا نجف خاں گورنر کول وجاگیردار اتردلی وڈبھائی کے عہد میں واپس آئے۔ نواب مرزا نجف خاں نے کول سے جاٹوں کو ۱۷۷۳ء میں نکالا۔ اور وہ ۱۷۸۲ء میں انتقال کر گئے۔ اس اٹھائیس سال کی مدت میں جہاں تک کہ خاندان بھیکم پور کا تعلق ہے وہ مختصر سا زمانہ بھی شامل ہے جس میں اس خاندان کے مورث بعد کو گوسائیوں کے زمانہ میں جیسا کہ ہم آگے دکھائیں گے دوبارہ خارج البلد کئے گئے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ یہ اٹھائیس سال کی مدت ۱۷۵۴ء سے ہی شمار کرنا چاہیے نہ کہ ۱۷۵۵ء سے۔ اس کے علاوہ ایک زبردست دلیل اور بھی ہے۔ نواب صدر یار جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے جو تحریری یادداشت خاندانی حالات کے بابتہ اپنی کتاب خانہ واقعہ حبیب گنج میں چھوڑی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۸۱ء میں بھیکم پور اور چند دیہات کا پٹہ مرہٹہ عمال وقت کی طرف سے بھیکم پور کے مورث بازخاں ابن سرفراز خاں کے نام کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ سرفراز خاں جن کو سورج مل جاٹ اور اندر گر گوسائیں نے نکالا تھا ۱۷۸۱ء سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بیٹے بازخاں اس سن میں یا اس سے قبل واپس آ گئے تھے۔

حکومت عالمگیر ثانی

اب تھوڑی دیر کے واسطے ان شروانیوں کا حال چھوڑ کر ہم مختصراً حکومت دہلی اور اس کے واقعات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ تاریخی واقعات پورے طور پر سمجھ میں آ جائیں۔ ۱۷۵۴ء (مطابق ۱۱۶۷ھ) میں احمد شاہ بادشاہ دہلی کے انتقال پر عالمگیر ثانی اس کا جانشین ہوا۔ جاٹوں اور مرہٹوں کی سازشیں اور لوٹ مار جاری تھی۔ مرکزی حکومت دہلی قریب قریب ختم اور نزع کے عالم میں تھی۔

ہر فرعونے را موسیٰ کا مقولہ مشہور ہے ۔ ۱۷۵۹ء میں مسبب الاسباب خدا تعالیٰ نے جاٹوں اور مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے افغانستان سے احمد شاہ درانی ابدالی کو ہندوستان میں بھیجا۔

احمد شاہ درانی کا حملہ

یہ اپنے عقب کو مضبوط کرتا ہوا بڑی تیزی سے دہلی سے بچ کر جمنا کو عبور کر کے کول میں آ کودا۔ تاکہ پہلے جاٹوں کی خبر لے اور پھر مرہٹوں کی۔ گرمی کا زمانہ احمد شاہ درانی نے کول میں، نواب ثابت خاں گورنر فرخ سیر اور محمد شاہ کے بنائے ہوئے محل ثابت قصر میں جس کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں ہے گزارا۔ اودھ سے صفدر جنگ کا جانشین نواب شجاع الدولہ اور فرخ آباد سے نواب احمد خاں بنگش تھوڑی تھوڑی فوج لیکر کول میں احمد شاہ درانی سے آملے۔ احمد شاہ درانی نے کول سے سورج مل جاٹ کو نکالا۔ اور دونوں میں یہ سمجھوتا ہوا کہ جاٹ مرہٹوں کا ساتھ نہ دیں گے۔

یہاں سے چل کر احمد شاہ درانی کچھ دن انوپ شہر ضلع بلند شہر میں رہا۔ اور پھر گنگا پار کر کے دہلی سے بچ کر پانی پت میں پہونچ گیا۔ پانی پت کے خونی میدان میں (جس نے ایسے بہت سے تماشے دیکھے تھے) احمد شاہ درانی نے مرہٹوں کو شکست دی اور وہ اپنے سروں پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور کچھ قتل ہوئے۔ مگر ان کی قوت پورے طور سے نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ کچھ نامی مرہٹہ سردار بچ کر نکل گئے۔ اس کے بعد احمد شاہ درانی تو افغانستان کو واپس گیا اور سورج مل جاٹ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے پھر ہاتھ پیر نکالے اور کول کو آدبایا۔ مگر اس مرتبہ نواب نجیب الدولہ روہیلہ نے سورج مل جاٹ کی خبر لی اور جب ضلع علی گڑھ کے قصبہ جات جیور اور ٹپل کے درمیان سورج مل کو ہرایا تو یہ حریص جاٹ دہلی کی طرف بھاگا۔ مگر اس کا وقت آچکا تھا۔ نواح دہلی میں گوجروں نے اس کو قتل کر دیا۔ سورج مل کی جگہ اس کے بیٹوں یعنی جواہر سنگھ نول سنگھ نے لی اور کول کے علاقہ میں ان کا دور دورہ شروع ہوا کیونکہ نواب نجیب الدولہ بھی ان اطراف سے چلے گئے۔ ان جاٹوں کی طرف سے روپ سنگھ جاٹ بدستور یہاں کا عامل رہا۔ یہ واقعات ۱۱۷۵ھ مطابق ۱۷۶۲ء کے ہیں جبکہ یہ ان اطراف میں کیا علوت

ـــــــــ

۱۵۔ تاریخ گلستاں نواب مستجاب خاں۔

دہلی کے دیگر علاقوں میں ہر شخص نفسی نفسی پکارتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب احمد شاہ درانی کول میں آیا تو بھاگتے ہوئے شہر والوں نے چارہ جوئی کیوں نہ کی۔ اوّل تو احمد شاہ درانی خود ر دارو ہی میں تھا۔ بھاگتے ہوئے شہر والی گنگا پار بدایوں اور کٹھیر کے علاقوں میں منتشر لوگوں کی نظروں کے سامنے بے اطمینانی کی حالت بدستور قائم ہوگی۔ علاوہ احمد شاہ درانی تک کیسے پہونچتے۔ احمد شاہ درانی کے واپسی کے بعد جاٹوں ہی نہیں بلکہ ان مرہٹہ سرداروں نے جو اس کی زد سے اپنی جان بچا کر بھاگ گئے تھے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ ان کا تو پیشہ یہی تھا۔ اب انہوں نے جاٹوں کے مقبوضہ علاقہ کو تاکا اور جلیسر سے لیکر کول کے قریب تک علاقہ کو روند ڈالا جیسا کہ تواریخ[1] سے ثابت ہے۔ مگر جاٹوں نے ان کو بہت سا روپیہ دے کر اس بلا کو ٹالا۔ ان کے علاوہ ملک گیری کی ہوس میں ایک اور بیرونی گروہ بھی لگا ہوا تھا یعنی انگریزوں کی تجارت پیشہ ایسٹ انڈیا کمپنی جو سوداگری سے ملک گیری پر اتر آئی تھی۔ اگرچہ وہ اب تک کول تک نہ پہونچ پائے تھے مگر ان کے بابت خبریں تو ضرور مشہور ہوں گی۔

حکومت شاہ عالم ثانی

۱۱۷۳ھ یعنی ۱۷۵۹ء میں شاہ عالم ثانی دہلی کے اجڑے ہوئے تخت پر بیٹھا۔ اس کا یہ حال تھا کہ "حکومت شاہ عالم از قلعہ دہلی تا پالم" ہر شخص کی زبان پر تھا۔ (پالم اس زمانہ میں دہلی کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں ابھی حال میں سرکاری ہوائی جہازوں کا اڈا ہے) اب زمانہ نے ایک اور کروٹ بدلی اور ایک دوسرا مہرہ بہ حیثیت وزیر سیاسی شطرنج کی بساط پر آگے بڑھا یعنی شاہ عالم ثانی کا خود مختار وزیر اور سپہ سالار رستم الدولہ رستم جنگ ذو الفقار الدولہ نواب مرزا نجف خاں بہادر اس بہادر نے زور لگایا۔ دہلی کے تن بے جان میں جان آئی

کول پر مرزا نجف خاں کا قبضہ

نواب نجف خاں نے آگرہ۔ متھرا۔ ڈیگ۔ جلیسر ضلع ایٹہ اور کول سے نول سنگھ وغیرہ جاٹوں کو ہمیشہ کے لئے نکال باہر کیا۔ اور یہ بڑی فوج لے کر کول میں داخل ہوا۔ یہ ۱۱۸۷ھ کی بات ہے۔ اب گڑھ

---

[1] تاریخ چہار گلزار شجاعی۔ تاریخ شاہ عالم مصنفہ فرنکلن

عرف رام گڑھ قلعہ کا نام علی گڑھ رکھا گیا جو اب تک قائم ہے۔ اس نازک زمانہ میں آئندہ کا علم خدا تعالیٰ کو ہے کہ کیا رہے گا۔ اتر ولی ڈبائی کے پرگنے نواب مرزا نجف خاں کو ذاتی جاگیر میں دیئے گئے۔ بھاگے ہوئے شروانیوں کی اب جان میں جان آئی۔ مگر مرزا نجف خاں کے اس قبضہ سے شروانیوں کے حق میں ایک ذراسی کسر رہ گئی جیسا کہ اس زمانہ میں دستور تھا۔ ہر شخص اپنے ذاتی دھن دولت کو بچانے کی کوشش کرتا تھا۔

شروانیوں کے دیہات امراؤ گر گوشائیں کے سپرد

نواب مرزا نجف خاں نے شروانیوں کے علاقہ کو فوج کی تنخواہ کے عوض میں اور انتظام کی غرض سے راجہ ہمت بہادر گوشائیں کے چیلہ امراؤ گر کے سپرد کر دیا۔

شروانیوں کی واپسی

جیسا کہ اتر ولی کی قلمی تاریخ مجولہ بالا ۱۸۵۲ء[۱] سے معلوم ہوتا ہے اس پرگنہ کے قانون گو تاج محمد کی سفارش پر امراؤ گر گوشائیں نے بھاگے ہوئے شروانیوں کو واپس بلایا۔ ان میں باز خاں مورث بھیکم پور۔ نظام خاں بوڑھ گاؤں۔ قادر داد خاں شائستہ خاں بھوری وغیرہ شامل تھے۔ اور ان شروانیوں میں سے بعض کو انہیں کے دیہات میں دو دو روپیہ ماہوار پر ضلعدار مقرر کر دیا۔ اور چونکہ ان کا تحصیل وصول لگان کا کام اچھا تھا اس لئے رفتہ رفتہ یہی صاحبان مستاجر اور زمیندار اور ٹھیکہ دار بنائے گئے۔ دو دو روپیہ ماہوار تنخواہ کا خیال کر کے ہم کو یاد آیا کہ ہم اوپر یہ بتانا بھول گئے کہ جب نکالے ہوئے شروانی گنگا پار اور کٹھیر کے علاقہ میں گئے تو وہاں چھوٹی چھوٹی تنخواہوں پر ہندو زمینداروں کی نوکریاں کر کے اپنے پیٹ پالے۔

سرفراز خاں شروانی کا انتقال

ان واپس شدہ شروانیوں میں باز خاں بھیکم پور کے والد سرفراز خاں کا نام ہم نے نہیں لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے جلاوطنی کی حالت میں سرفراز خاں بیمار ہو کر موضع اورنی متصل چھرہ میں آئے اور یہاں آکر ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا جنازہ موروثی وطن بھوری میں دفن کرنے کے واسطے لایا گیا تو عامل روپ سنگھ جاٹ نے دق کیا اور یہاں دفن کی اجازت دینے

---

[۱] قلمی تاریخ اتر ولی مصنفہ محمد زاہد قانون گو ۱۸۵۲ء

سے انکار کر دیا۔ اس پر ملحقہ موضع ٹنڈولی کے ایک ممتاز شروانی صاحب داد خاں نے سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کی خوشامد کی تو بہ مشکل تمام بھوری میں بشارت خاں کے باغ کے ایک گوشہ میں دفن کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان سرفراز خاں شروانی کے پیدائش اور وفات کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں مگر اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سورج مل ۱۷۶۴ء میں مارا گیا، اور کول سے جاٹ ۱۷۷۳ء میں نواب نجف خاں کے ہاتھوں نکالے گئے۔ اس لئے میاں سرفراز خاں کا انتقال ۱۷۶۴ء اور ۱۷۷۳ء کے درمیان کبھی ہوا، اور اسی لحاظ سے ان کی پیدائش ۱۷۰۰ء سے کچھ قبل یا کچھ بعد سمجھ لینی چاہیئے۔ ہمارے مندرجہ بالا اس بیان کی کہ واپس آئے ہوئے شروانیوں میں بعض اول ضلعدار بنائے گئے پھر پٹہ دار یا زمیندار تسلیم کر لئے گئے ایک اور واقعہ سے بھی تائید ہوتی ہے۔

بعض شروانیان کے نام دیہات کے پٹے

نواب صدر یار جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے ایک یادداشت چھوڑی ہے جس سے معلوم ہوا کہ موصوف کو اپنے رشتہ کے ماموں محمد حیات خاں صاحب مرحوم بھوری سے کچھ پرانے کاغذات ملے جن میں ۱۱۹۹ فصلی ۱۷۹۱ء کا ایک پٹہ دس برس کے واسطے باز خاں مورث بھیکم پور مرحوم کے نام منجانب بھیت رائے تحصیلدار اترولی و راؤ گھنا تھ سہائے عامل مرہٹہ تھا۔ یہ پٹہ مواضعات بھوری بزرگ، بھیکن پور، رستم پور، دادوں بردلی، حسین پور، راٹوا، سلگواں، مظفر، شاہجہاں آباد، تجینہ، نہادی، بہادر پور، دھچولی، کسیر، کھولاولی، ٹنڈولی، قاسم پور، ہبو پورہ کے بابت تھا۔ جمع سالانہ سات ہزار پانچسو روپیہ مقرر ہوئی اور پٹہ دس برس کے واسطے لکھا گیا۔ اس میں دوسری اہم بات یہ درج تھی کہ یہ پٹہ ۱۷۸۱ء کے سابقہ پٹہ کی تجدید تھی۔ ان میں سے بعض مواضعات وہ ہیں جو عہد شاہجہانی میں یوسف خاں اور رستم خاں کے نام درج تھے۔ یہ سابقہ پٹہ عہد نواب مرزا نجف خاں کا اور ان کے انتقال سے قبل کا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھیکم پور کا بچا کھچا شروانی خاندان ۱۷۸۰ء سے قبل واپس آ گیا تھا۔ اسی قسم کا پٹہ قطب الدین خاں بن نادر داد خاں

بھوری کے نام کھربری اور گکرالی مواضعات کے بابتہ اور ایسا ہی صرف قادر داد خاں کے نام حسین پور سرولی کے بابتہ سنہ ۱۲۱۳ھ کا اور ایسا ہی موضع سارھولی کے بابتہ قمرالدین خاں کے نام ان کاغذات میں ملے۔ واضح رہے کہ ۱۷۹۱ء میں گوالیار کا مرہٹہ راجہ مادھو راؤ سندھیا حکومت دہلی اور وہاں کے مغل بادشاہ پر حاوی تھا، اور ان اطراف میں اسی کا عمل دخل تھا۔ ۱۷۷۳ء کے بعد نواب مرزا نجف خاں کا دورہ دورہ زیادہ دن تک نہ رہا، اور ان کا ستارہ جلد غروب ہو گیا۔

نواب نجف خاں کا انتقال اور افراسیاب خاں کی جانشینی

جب ۱۷۸۲ء میں خدا تعالیٰ نے نجف خاں کو اس دنیا سے اٹھا لیا تو ان کا موں بولا پرورش کیا ہوا بیٹا افراسیاب خاں کول علی گڑھ پر اور بہار) کے قلعہ پر اور نجف خاں کے اندوختہ دھن دولت پر قابض ہوا۔ یہ وافر دولت تھی۔ لوٹیرے اور حریص مرہٹوں کے مونھ میں پانی بھر آیا۔ یہ چور کے بھائی گنٹھ کٹے تھے۔ جاٹ گئے تو گوسائیں اور مرہٹے سترانیوں کو اور ان اطراف کی رعایا اور زمینداران کو دق کرنے کے لئے آ گئے۔ ۱۷۸۴ء میں یعنی نواب مرزا نجف خاں کے انتقال کے دو سال بعد راجہ مادھو جی سندھیا مرہٹہ نے دولت حاصل کرنے کے لالچ میں کول علی گڑھ میں افراسیاب خاں کو قتل کرا دیا اور دھوکہ سے اس کے بیٹے خادم حسین خاں کو اور مقتول کے بھائی جہانگیر خاں کو گرفتار کرا کے گوالیار بھیج دیا۔ اور سب مال و خزانہ غصب کر لیا۔ اب حالات کو صحیح طور پر سمجھنے کے واسطے ہم کو تھوڑی سی تمہید اور گذشتہ واقعات کے دُہرانے کی ضرورت ہے۔ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ ۱۷۵۴ء میں نواب صفدر جنگ وزیر دہلی کے زمانہ میں اس کے جنرل اور دم ساز انوپ گر گوسائیں کا بڑا زور تھا۔ اس نے ان اطراف کے لوگوں کو صفدر جنگ کی پشت پناہی سے دق کر رکھا تھا۔ اور نواب وزیر اور سورج مل جاٹ اس سے ملے ہوئے تھے۔ ان گوسائیوں کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

گوسائیں اور ان کی لوٹ مار

ان گوسائیوں سے اور ان کی حرکتوں سے ذرا اور گہرا تعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ اسکنر کے سوانح نگار جیمس بیلی فریزر

نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صفدر جنگ کے بعد بھی مرہٹوں کی فوج میں گوشائیں کثرت سے ملازم تھے اور سچ پوچھئے تو ملازم کیا تھے اپنے کو کرتا دھرتا سمجھتے تھے۔ ان کے سرداران اندرگر انوپ گر اور رحمت بہادر تھے جن کو راجہ کا خطاب تھا۔ گوشائیں ابتدا میں اودھ سے چل کر ہندوستان کے ان اطراف میں داخل ہوئے۔ بقول تاریخ مظفری صفدر جنگ نے نواب غازی الدین کے خلاف اندرگر اور اس کے دستے سے مدد لی۔ پھر اندرگر صفدر جنگ کی طرف سے روہیلہ پٹھانوں سے لڑا اور مارا گیا مگر اپنے چیلے انوپ گر اور رحمت بہادر کو چھوڑ گیا۔ گرانٹ ڈف نے اپنی "تاریخ مرہٹہ" میں لکھا ہے کہ جو گوشائیں فوج میں ملازم نہ تھے ان کی عادت تھی کہ ٹولیاں بنا کر بڑی بڑی خیراتیں مانگنے کے واسطے نکلتے اور جو کوئی ان کی فرمائش کے مطابق خیرات دینے سے انکار کرتا تو اس کو ستاتے تھے اور لوٹ مار کرتے مگر کوئی توجہ کرنے والا نہ تھا۔ علاوہ بریں سب سے بڑا قصہ یہ تھا کہ شاہی خزانہ تو خالی تھا بادشاہ کے لئے ہی آمدنی کافی نہ ہوتی تھی پھر مغلیہ ٹھاٹ قائم رکھنے کا شوق۔ فوج کو تنخواہ کہاں سے دی جاتی۔ اس وقت اور مشکل کو رفع کرنے کے لئے ایک ترکیب یہ نکالی گئی کہ آخری زمانہ میں جاگیریں جو جائدادیں کہلانے لگی تھیں[1] فوجی سرداروں کو بتا دی جاتی تھیں کہ ان سے اپنے اور اپنی فوج کے اخراجات پورے کریں۔ وہ ان بدقسمت دیہات کو پامال کرتے تھے جس سے زمینداران اور کاشتکاران کے بدن پر لنگوٹی نہ کھانے کو روٹی۔ پھر مالگذاری ٹوٹے بر جبر و تشدد اوپر سے۔ گوشائیوں اور مرہٹوں نے ایک دوسرے کا یہ طرز عمل دیکھا اور اس پر کاربند ہوئے۔ ۱۷۵۰ء کے آس پاس یہ دونوں منچلے گوشائیں انوپ گر اور رحمت بہادر نواب شجاع الدولہ کی فوج میں ملازم ہو گئے اور ۱۷۷۴ء میں میران پور کٹرہ ضلع شاہجہاں پور کی لڑائی میں جس میں حافظ رحمت خاں روہیلہ مرحوم شہید ہوئے شجاع الدولہ کی طرف سے لڑے۔ اس لڑائی کے بعد روہیلوں کا بجز ایک شاخ یعنی نوابان رامپور کے خاتمہ ہو گیا۔

علی گڑھ ایٹہ کا علاقہ نواب وزیر اودھ کی عملداری میں اور بنگشوں کا خاتمہ

ضلع علی گڑھ کا مشرقی حصہ اور ضلع ایٹہ نواب وزیر اودھ کی عملداری میں آگیا اور فرخ آباد کے بنگش پٹھانوں کی حکومت بھی ختم ہو گئی

[1] تاریخ مظفری

اب ان دونوں گوسائیوں نے کمی تنخواہ کی بنا پر شجاع الدولہ کی نوکری چھوڑ دی اور بھرت پور کے جاٹوں کا دروازہ جھانکا اور ان کے یہاں دخیل ہو گئے۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ شروانی خاندان مصیبت میں گرفتار تھے۔ جب ۱۷۷۳ء میں نواب نجف خاں کی زبردست پھونک سے جاٹوں کا چراغ گل ہوا تو یہ گوسائیں نجف خاں کے ملازم ہو گئے اور ہمت گر گوسائیں کا چیلہ امراؤ گر نواب نجف خاں کی طرف سے پرگنہ اترولی کا ناظم ہوا۔ اس کے سپرد شروانیوں کا اور دیگر لوگوں کا یہ علاقہ فوج اور عملہ کی تنخواہ کے عوض میں سپرد کر دیا گیا جیسا کہ قلمی تاریخ اترولی مصنفہ محمد زاہد قانون گو کا بیان ہے۔ اس قانون گو کے کایستھ باپ دادا اترولی میں نواب ثابت خاں کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ نواب ثابت خاں کی یہ تبلیغی جدوجہد علی گڑھ کے ڈسٹرکٹ گزیٹر کو بھی تسلیم ہے۔ اب ایک سونے پر سہاگا اور ہوا۔ مادھوراؤ سندھیا مرہٹہ مختار کل تھا۔ اور شاہ عالم بادشاہ کو انگلیوں پر نچاتا تھا کیونکہ آخر الذکر محض ایک کٹھ پتلی ہو کر رہ گیا تھا۔ مغلوں میں مادھوراؤ کا مقابلہ کرنے والا اب کوئی نہ رہا۔ اس مرہٹہ راجہ کی وساطت سے راجہ ہمت بہادر گوسائیں بادشاہ کے دربار میں بارسوخ اور گستاخ ہو گیا (جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے)۔

بلند شہر وغیرہ کا علاقہ ہمت بہادر گوسائیں کے قبضہ میں

راقم الحروف نے نئی دہلی کے مرکزی سرکاری کاغذات کے دفتر (امپیریل ریکارڈز آفس) میں شاہ عالم بادشاہ کے فرمان کا انگریزی ترجمہ میں خلاصہ اور حوالہ دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ بھاگیرہ بادشاہ سے گنگا تک کے دوآبہ کا تمام علاقہ جس میں اضلاع بلند شہر، علی گڑھ اور ایٹہ بھی شامل تھے۔ اور جس پر [illegible] افغانوں کے دیہات بھی آ گئے، انتظام کی غرض سے ہمت بہادر گوسائیں کے سپرد کر دیئے۔ غالباً بادشاہ کی آڑ میں مادھوراؤ سندھیا نے لٹیرا اور گوسائیں اور مرہٹہ فوج کے اخراجات پورا کرنے کے واسطے یہ ٹھنگا کھیلا (جیسا کہ تاریخ شاہ عالم مصنفہ فرینکلن سے بھی واضح ہے) یہی نہیں بلکہ متھرا اور بندرابن ملحقہ کول کا علاقہ اس گوسائیں راجہ ہمت بہادر کو بطور جاگیر دے دیا۔ اسی ناگہانی [illegible] غاصب تھے

اب حق دار بن گئے۔ اور ہندی کی یہ مثل پوری ہوئی کہ "بنیاں بنے کتوال اب ڈر کاہے کا"
اب گوشائیوں نے پھر شروانی دیہات (خاصکر تعلقہ بھیکم پور کو) تاخت تاراج کرنا شروع
کیا۔ اس زمانہ میں مالگذاری اور طرح طرح کے ابواب بڑی سختی سے وصول کئے
جاتے تھے۔ ملک اجڑا ہوا اور تباہ حال، زراعت میں کمی، آئے دن کی آفات ارضی
وسماوی اور طوائف الملوکی سے رعایا پریشان حال تھی۔ مالگذاری کہاں سے آتی۔

بازخاں شروانی کا دوبارہ اخراج

اس زمانہ میں بھیکم پور کے تعلقہ دار بازخاں (جو معہ اپنے خاندان کے عہد نواب نجف خاں میں گنگا پار سے واپس آگئے تھے) پھر کچھ دن کے واسطے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔
وہ گنگا پار موضع نیتوا میں چلے گئے اور خوب رام میوا رام کے یہاں لڑکے پڑھانے
کی (یعنی میاں جی گری کی) بہت کم تنخواہ کی نوکری کرلی۔ بازخاں کی شادی ڈوری
میں بھوگی خاں کے یہاں عسرت کی حالت میں ہوئی تھی۔ ان کے نیتوا چلے جانے
پر ان کی والدہ اور ایک خادم ڈوری چلے گئے۔ مگر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک طرف
سے سورج کی کرن بھی دکھائی دی یعنی خاندان دتاولی دوبارہ خارج البلد کئے
جانے سے محفوظ رہا۔ "خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد" کا مضمون ہوا۔ نواب
نجف خاں کے زمانہ میں خاندان بھیکم پور وغیرہ کے ساتھ واپس آکر خاندان دتاولی
(یعنی حاجی مراد خاں اور ان کا خاندان) موروثی وطن پر دوبارہ بس گیا۔

دتاولی پر حاجی مراد خاں کا قبضہ

دتاولی کے برہمن زمینداروں کی مالگذاری ٹوٹی تو حشمت بہادر کے عامل نے حاجی مراد خاں سے روپیہ لے کر دتاولی پر ان کا قبضہ کرا دیا اور برہمنوں کی
زمینداری ختم کر دی۔ پر دوہ میں آج تک خاندان دتاولی کے مورثان کا ایک قبرستان
موجود ہے۔ خاندان دتاولی کے آپس کے ایک مقدمہ کے (جو حق شفع کی بنا پر دائر کیا گیا)
عرضی دعوے میں ایک دادرسی یہ بھی تھی کہ پر دوہ میں مورثان دتاولی کا قبرستان ہے اور
ان کا موروثی موضع اور ہم سمجھتا ہے ہمیں سے پر دوہ خاندان دتاولی میں ہی رہنا چاہیے۔

مگر اس مقدمہ میں مدعی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ القصہ اب ہمت بہادر گوشائیں کے دور دورہ کا زمانہ بھی پورا ہوا۔ اور اس کی لوٹ مار کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ "ہر کمالے را زوالے" ۱۷۹۳ء میں راجہ مادھو راؤ سندھیا مرہٹہ اور ہمت بہادر گوشائیں میں ان بن ہو گئی۔ اور مادھوجی سندھیا نے اس چلتے پرزے گوشائیں کو قید کر دیا۔ مگر آخر تھا وہ چلتا پرزہ سازباز کر کے قید سے نکل بھاگا اور بیک بینی و دو گوش اپنے اصلی وطن اودھ کی طرف چلا گیا۔ سطور مندرجہ بالا سے معلوم ہوگا کہ اول جاٹوں اور پھر گوشائیوں کو اور مرہٹوں کو ان اطراف میں لوٹ مار اور چیرہ دستی کا کتنا موقع ملا اور اٹھائیس[۲۸] سال کی مدت کن کن مصیبتوں سے کٹی۔ (ذوادلی پر مراد خاں کے قبضہ کی بابت ایک اور روایت آگے آئے گی)۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بھیکم پور کے دن پھرے باز خاں واپس آ گئے۔ یہ ۱۷۹۰-۹۱ء کی بات ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے) ان کو ۱۷۹۱ء میں بھیکم پور، دادوں، بھوری اور کئی ایک دیگر دیہات کے پٹے دس سال کے لئے دیئے گئے۔ اب یہاں اس اعادہ کی ضرورت ہے کہ نواب نجف خاں کا انتقال ۱۷۸۲ء میں ہو گیا تھا۔ اور ان کا منہ بولا بیٹا افراسیاب خاں ۱۷۸۴ء میں ختم کر دیا گیا تو کول کا علاقہ پورے طور پر مادھوجی سندھیا اور اس کے کارکن ہمت بہادر کے قبضہ میں آیا۔ بھیکم پور کی خاندانی روایات کے مطابق ان کے دیس نکالے کا زمانہ اٹھائیس[۲۸] سال تھا۔ اس میں دونوں زمانے شامل ہیں یعنی جاٹوں کے ہاتھوں نکالا جانا اور پھر دوبارہ ہمت بہادر گوشائیں کے زمانہ میں برائے چندے نکالا جانا ۱۷۵۷ء سے لیکر ۲۸ سال ۱۷۸۵ء میں ختم ہوتے ہیں۔ ۱۷۸۵ء اور ۱۷۹۱ء کے درمیان باز خاں غالباً واپس آ گئے۔ مسلمانوں کے ساتھ مادھو راؤ سندھیا کا برتاؤ نسبتاً نرم تھا۔ کول میں بعض فرامین کے متعلق اس کی دی ہوئی معافیوں کے پروانے اب تک موجود ہیں۔ گوشائیوں نے ان اطراف کو چھوڑنے سے قبل اپنی کوئی ایک یادگاریں چھوڑیں خواہ وہ جاٹوں کے زمانہ کے بعد مراد گر عامل نجف خاں کے زمانہ کی ہوں یا اس کے گرو ہمت بہادر کے

زمانہ کی۔ قصبہ چھپرہ رفعت پور (سابق چھپرا) میں جاٹوں کے قلعہ سے متصل (جس میں اب شروانی آباد ہیں اور جس کی چند فصیلیں باقی رہ گئی ہیں) گوسائیوں نے ایک مندر بنایا۔ اس کی گنبد کی ڈاٹ کے جڑ میں ایک چھوٹا سا محفوظ چور طاق اس طریقہ سے بنایا کہ وہ باہر سے نظر نہیں آتا تھا۔ یہ روپیہ یا دیگر قیمتی اشیاء رکھنے کے واسطے ایک محفوظ جگہ تھی۔ جب گوسائیں جانے لگے تو اس خفیہ طاق کو توڑ کر اپنا سرمایہ نکال لے گئے تو اس کا پتہ چلا۔ اسی قلعہ میں وہ شروانی اسکول تھا جو اگست ۱۹۰۹ء میں جاری ہوا اور آپس کی پھوٹ کی وجہ سے سنہ ۱۹[illegible]ء میں ختم ہو گیا جس کی بابت ذکر آگے آئے گا۔ خاندان بھیکم پور کے موضع بھوجلی میں (جہاں راجہ سورج مل جاٹ کی شادی ہوئی تھی اور جس کے ایک جزو میں حق مرتہنی کا ٹھیکہ ایک انگریز مرتہن نے بازخاں کو دے دیا تھا) گوسائیوں نے مندر بنایا جو اب تک موجود ہے۔ راقم الحروف کے وطن سرائے برلہ میں ایک چھوٹا شکستہ مندر گوسائیوں کا اب تک موجود تھا اور راقم الحروف نے اپنے لڑکپن میں ایک گوسائیں خاندان کو یہاں رہتے ہوئے اور پوجا پاٹ کرتے دیکھا ہے۔ گوسائیں فقراء ایک مدت تک خیرات مانگنے کے واسطے شروانی دیہات میں آتے رہے۔ جاٹوں اور گوسائیوں کی چیرہ دستی میں اس وجہ سے تھوڑا سا فرق ہے کہ گوسائیں بھیک منگے بھی تھے۔ ضلع علی گڑھ کے خطۂ بھیکم پور اور دتاولی وغیرہ کی طرح ضلع ایٹہ اور اس سے متصل کول کے علاقہ کے شروانی دیہات پر کوئی مصیبت نہیں آئی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ خطہ اول فرخ آباد کے نوابان بنگش کی عملداری میں آ گیا اور پھر نواب اودھ کی حکومت میں رہا۔

بھیکم پور اور دتاولی کے شروانیوں کا عروج

الغرض سنہ ۱۸[illegible]ء کے آس پاس شروانیوں کے ابر مصیبت کے بادل چھٹے اور بھاگے ہوئے شروانی اپنے وطنوں کو واپس آئے اور حالت کے سنبھالنے میں مصروف ہوئے اور اس کی کوشش میں لگ گئے۔ چنانچہ سنہ [illegible]ء میں بازخاں اور دیگر شروانیاں بھموری کو جو بیٹے دیہات کے ملے ان کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ اسی طرح

خاندان دتاولی کے ساتھ پٹہ قبولیت ہوا۔ چھوٹے شروانی زمینداروں کے ساتھ بھی ایسے ہی انتظامات ہوئے ہوں گے مگر ان کے پٹوں کا حال نہیں معلوم ۱۷۷۳ء سے قبل پرگنہ رفعت خاں ساکن کنوبی کا تھا جس کے متعلق کئی ایک شروانی دیہات تھے۔ یہ تعلقہ خاندان بنگش کے زیر نگیں تھا۔ باز خاں ابن سرفراز خاں نے قصبہ دار بھیکن پور نے ۱۷۹۰ء میں بھموری کی سکونت ترک کے علاقہ بھیکم پور میں (جہاں پیشتر سے ایک شروانی کا مویشی رکھنے کا احاطہ موجود تھا اور یہاں جاٹوں کے زمانہ کا قلعہ اور عمارات بنانے کی غرض سے کچھ ملبہ پڑا ہوا تھا) سکونت اختیار کی۔ گڑھی اور کچھ عمارات بنائیں جن میں بعد کو اضافہ ہوتا رہا۔

باز خاں اور دادوں کے اہیروں میں جنگ

اسی زمانہ کے لگ بھگ باز خاں سے اور دادوں کے اہیر اچھلے سے لڑائی ہوئی اچھلے کے ساتھ ممکن ہے کہ علاوہ اہیروں کے کچھ ٹھاکر بھی شریک ہوں۔ باز خاں کے ساتھ شاہدولی کے شروانی پٹھان بھوگی خاں، طالع مند خاں، حسن علی خاں، عبداللہ خاں، سعادت خاں اور بھموری کے کالے خاں زکریا خاں وغیرہ شریک تھے۔ باز خاں خفیف طور پر زخمی ہوئے۔ مگر ان کی پارٹی کامیاب رہی۔ اچھلے کے گروہ کو ناکامیابی ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ یہ لڑائی ۱۷۹۵ء کے لگ بھگ ہوئی جبکہ باز خاں واپس آ چکے تھے اور بھموری سے بھیکم پور میں آ بسے تھے۔ اس سے اہیر ہمیشہ کے لئے قابو میں آ گئے۔ بھموری ٹل کے راجہ نے اپنے فوجی فرانسیسی افسر جنرل ڈی بو این کو ناہ کا علاقہ دے رکھا تھا۔ مگر یہ دولت سمیٹ کر ہندوستان سے اپنے وطن کو جانا چاہتا تھا اور اپنی جاگیریں علیحدہ کر رہا تھا۔

علاقہ ناہ پر باز خاں کا قبضہ

باز خاں نے اپنی فراست سے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ۱۷۹۳ء میں اس نے ناہ کا علاقہ باز خاں مرحوم کو مستاجری پر دے دیا اور اب انگریزوں نے ان کو اس علاقہ کا زمیندار تسلیم کر لیا، تو یہ تعلقہ بھموری ناہ کے نام سے مشہور ہوا۔ کول میں جنرل ڈی بوائن اپنی یادگار ایک وسیع الشان کوٹھی کی صورت میں چھوڑ گیا جس میں اب مسلم یونیورسٹی کا ایک بورڈنگ ہاؤس اور دیگر دارے ہیں۔ باز خاں

رفعت خاں شروانی

اب قبل اس کے کہ ہم شروانیانِ سلفت کے بابتہ اس ناچیز کتاب کے حصہ اول کو ختم کریں ایک ممتاز شروانی کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ کنوبی کے رفعت خاں شروانی تھے جن کا نام ضمناً اوپر آیا ہے۔ جیسے کہ عہد شاہجہانی میں یوسف خاں ساکن راجپورکنا وہ مشہور ہوئے، اسی طرح سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں رفعت خاں با اثر اور عادی تھے۔ یہ نواب فرخ آباد کی طرف سے عالی وار بھی تھے۔ اور موا ضعات حسن پور اور ڈھولنہ کے پٹھانوں کے (جو رفعت خانی کہلاتے ہیں) مورث تھے۔ یہ ۱۲۳۰ھ میں فوت ہو گئے اور اسی وقت سے خاندان میں زوال شروع ہو گیا۔ ان کے وارثان کا ذکر آگے حصہ دوم میں آئے گا۔ اس صدی میں خاندان بھیکم پور دتا ولی کنوبی اپنے بڑے تعلقوں کے وجہ سے چوٹی کے خاندان تھے۔ ان کے بعد بعض اوسط درجہ کے اور بعض غریب شروانیوں کے خاندان بھی تھے۔ مگر اپنی نسل اور اخوت کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھے۔ سماجی معاملات میں امیر غریب کا فرق نہ تھا اور ابھی تک یہ قابل اعتراض رواج نہیں ہوا تھا کہ مالدار شروانیوں کی شادی بیاہ صرف مالدار خاندانوں میں ہوں۔ چنانچہ سرفراز خاں کی شادی دھنساری میں اور باز خاں کی ڈورئی میں اور دتا ولی کی اس شاخ میں جو ریاست میں شریک نہ رہی تھی اور کنوبی کے وزیر خاں کے خاندان میں اور اسی طرح دیگر خاندانوں کے امیروں کی شادی بیاہ دولت میں اپنے سے کم گھرانوں میں ہو چکی تھیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں شروانیان کو اول زوال سے سابقہ پڑا۔ اور پھر انہوں نے عروج دیکھا۔ اور اب بیسویں صدی عیسوی میں زوال اور انحطاط کا ایسا سامنا ہے کہ بظاہر اس سے ابھرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یوں خدائے تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ زوال کو عروج میں بدل دے۔ قصبہ سہاور کے متی چودھری صاحبان کا (جن سے شروانیوں کی رشتہ داری ہے) کتاب کے آخر میں ذکر ہے اور شجرہ درج ہے۔ مگر یہ محض ایک چلتا ہوا ذکر ہے کیونکہ ان کے مکمل حالات راقم الحروف کو نہ مل سکے اور اس کے متعلق راقم الحروف بجز اس کے اور کیا کہے کہ محض سوء اتفاق ہے نہ کہ عمداً کوتاہ قلمی۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں شہروانی کہاں کہاں بستے تھے

یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں بقول حافظ رحمت خاںؒ روہیلہ مرحوم کی کتاب "خلاصۃ الانساب" شہروانیان ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے اور موجود تھے۔ مگر ان کی سب سے زیادہ مردم شماری ضلع علی گڑھ، ایٹہ اور پنجاب میں تھی۔ سرحدی صوبہ میں بھی تھے۔ اور خال خال اس صوبہ کے دوسرے اضلاع میں، نیز بہار، مدراس میں بھی وہ موجود تھے اور اودھ کے بہرائچ اور فرخ آباد کے شمس آباد اور مین پوری کے راجپوری میں ان کے نام کے محلے اب تک موجود ہیں۔ سنبھل میں سیف خاں سرائے ان کی یادگار ہے۔ وہ بدایوں، بریلی اور روہیلکھنڈ میں بھی جا بجا آباد تھے۔ مگر سب ایک دوسرے سے قطعی بے خبر (لہٰذا مرا سرسب اتفاق) ہے۔ واللہ اعلم۔

رجب المرجب ۱۳۷۲ھ
(مارچ ۱۹۵۳ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروانی نامہ

(حصۂ دوم)

انگریزوں کی آمد اور سنہ ۱۸۰۳ء میں کول پر قبضہ

انیسویں صدی عیسوی شروع ہوئی اور ہندوستان کی سیاسی حالت بدلی اور شروانیوں کی قسمت نے پلٹا کھایا اور اُن کے دن پھرے - ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں بنگش خاندان فرخ آباد کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اُن کا علاقہ (جس میں شروانی دیہات بھی تھے) سنہ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آگیا - اس حصۂ ملک میں اب بجائے کالوں کے گوروں کی حکومت ہوئی - جن کی صورت سے لوگ گھبراتے تھے - سنہ ۱۸۰۲ء میں اس حصۂ ملک پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے سے اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور شمالی ہند کی طرف آگے بڑھنے کے واسطے دروازہ کھل گیا - مرہٹے اُن کے راستہ میں حائل تھے اس لئے اس قوم کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ انگریزوں نے کیا اور سنہ ۱۸۰۳ء میں کول کے اس مضبوط قلعہ پر انگریزی فوج نے لارڈ لیک کی ماتحتی میں حملہ کر دیا جو محمد خان شروانی کا بنایا ہوا تھا جس کو ثابت خاں نے مضبوط کیا اور جس میں جاٹوں کا سورج مل رہا کرتا تھا جہاں احمد شاہ ابدالی نے قیام کیا اور پھر نجف خاں کے [illegible] افراسیاب خاں

کو قتل کر کے مرہٹوں نے بہت سی فوج اکٹھی کی اور خزانہ جمع کیا اور جس نے کئی ایک نام بدلے مرہٹوں کے فرانسیسی انجینیروں نے اس کو اور بھی مضبوط کر دیا تھا مرہٹوں کا جنرل ڈی بوائن اپنی جاگیروں کو دوسروں کو ٹھیکہ پر دے کر اور روپیہ وصول کر کے ہندوستان سے جا چکا تھا اس کی جگہ جنرل پیرون فرانسیسی ولندیزی سندھیا مرہٹہ راجہ کی طرف سے یہاں تعینات تھا۔ شمالی ہندوستان کے واسطے یہ قلعہ کنجی تھا جس کے ہاتھ میں وہ ہو اس سے آگے کا دروازہ کھول سکتا تھا۔ ورنہ ملک گیری کی ہوس میں سرشار اور دولت کمانے کی فکر میں گرفتار انگریز آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ یہاں بڑی سخت جنگ ہوئی جانبین کے افسران اور سپاہی مارے گئے مگر انگریزوں کا اقبال زوروں پر تھا وہ جیتے جنرل پیرون بری طرح ہار کر یہاں سے بھاگا اور بعد کو گرفتار رہا۔ انگریزوں کی یہ کامیابی شروانیوں کے لئے ایک برکت اور نعمت ثابت ہوئی جیسا کہ آنے والے واقعات سے ثابت ہو گا۔ ۱۸۰۵ء تک اندور کے مرہٹہ راجہ ہولکر اور بھرت پور کے جاٹ راجہ کو شکست دے کر انگریز آگے بڑھے اور شمالی ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ علی گڑھ اور اس کے مضافات ہاتھرس۔ مرسان میں جاٹ زمینداروں نے سر اٹھایا اور بلند شہر کے ضلع میں دوندے خاں، ناہر خاں وغیرہ لال خانی سرداروں نے شورشیں کیں مگر یہ سب دبا دی گئیں۔ انگریزوں کو جب ذرا سکون ہوا تو وہ ملکی اور مالی انتظام میں مصروف ہوئے ملک کی حالت خراب تھی سابقہ حکومتوں نے ان کے لئے کوئی تحریری مسالہ نہیں چھوڑا۔ ان اطراف سے وہ پورے طور پر واقف نہ تھے۔ پھر اپنے فائدہ کی فکر دامن گیر مگر قوم دانشمند ہے اور ملکوں ملکوں ان کی حکومت تھی بہت جلد حالات پر قابو پا لیا اور شیر شاہ اور اکبر کے بنائے ہوئے قاعدوں کو اپنے قواعد ضوابط کا جامہ پہنا دیا۔ جائدادوں کے بارے میں حقوق ملکیت اور قبضہ کی تحقیقات شروع ہوئی اگرچہ وہ سرسری تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ دیکھا گیا کہ انگریزوں کو اہتمام

کی مالگذاری آسانی سے دینے کے لئے کون کون تیار ہے شروانیوں نے
اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا البتہ اُن میں سے انگریزوں کے خوف سے جو
اُن کے سامنے نہ گیا وہ ٹوٹے میں رہا اور جو سویا وہ کھویا۔ شروانی خاندان
اس موقعہ پر انگریزوں کے خلاف سرکشی سے الگ تھلگ رہا۔ کچھ اس کا
بھی لحاظ انگریزوں کو ہوگا۔ پھر یہ خاندان بہت دھکّے کھا چکا تھا۔ زمانہ کا
سرد و گرم چکھے ہوئے تھا۔ اُس نے پُرامن زندگی بسر کرکے اپنی جائدادوں کو سنبھالنے
کی کوشش کی اور انگریزوں کی حکومت میں ذرا بھی چون و چرا نہ کی۔

شروانیوں کے دیہات کی واپسی اور اوائل حکومت انگریزی میں ان دیہات کی حالت

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ شروانیوں
کے وہ دیہات جن سے وہ بے دخل
کر دیئے گئے تھے اُن کو واپس دلائے
گئے اور اُن کے ساتھ مالگذاری کا
سرسری بندوبست کیا گیا۔ اگرچہ جمع کی مقدار کے لحاظ سے یہ سخت تھا اور اگرچہ
بعض چھوٹے زمینداران شروانی ایسے بھی تھے جو انگریزوں کے خوف اور
مالگذاری کی رقم اور وصول کی سختی کی وجہ سے اپنے حقوق کو پورے طور
پر نہ جتا سکے تو اُن کی جائدادیں مستاجروں کو یا بڑے زمینداروں کے سپرد
کر دی گئیں۔ کئی ایک شروانی خاندان ایسے تھے چنانچہ راقم الحروف کے
موضع بہرلہ کو بھی اسی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا کہ وہ کئی سال تک مستاجر کے
قبضہ میں رہا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ انگریز تجربہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔
مالگذاری کے بندوبست میں کچھ دن تک بڑی جلدی جلدی رد و بدل ہوتا رہا۔
شروع میں چھوٹے زمینداروں کو بڑے زمینداروں کی ضمانت داخل کرانا پڑتی
تھی۔ چھوٹے زمینداروں کو ملک کی ابتر حالت کی وجہ سے مالگذاری وصول
کرنے میں اور وقت پر داخل کرنے میں دقت پیش آتی تھی۔ وہ زمین سے اس قدر
غلہ حاصل نہیں کر سکتے تھے جو ارزاں نرخ اجناس کا لحاظ کرتے ہوئے کافی ہو۔

مالگذاری ٹوٹنے پر چھوٹی زمینداریاں نیلام ہوتیں اور بڑے زمینداران خاص کر
وہ جو اُن کے ضامن ہوتے آدھے پونے خرید کر اپنی جائدادوں کے اضافہ میں
لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ بھیکن پور کے خاندان شروانی نے اضلاع ایٹہ و علی گڑھ
میں ایسی جائدادیں خرید کر اپنے تعلقہ میں بہت اضافہ کیا۔ راے پور کا علاقہ
لال خانیوں سے لیا۔ دتاولی کے شروانی خاندان کے مورث حاجی مراد خاں نے
بڑہاسنی کا علاقہ خریدا جس کے چند دیہات خاندان کی بدقسمتی سے تقسیم ہند کے
بعد اب موجودہ حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ اترولی کے قریب اس خاندان نے
سینڈول کا علاقہ حاصل کیا اگرچہ تھوڑے دن بعد اس کو کانپور کے ارشاد علی یا
اُس کے بیٹے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مراد خاں صاحب کے فرزند عبدالرحمن خاں
نے بلندشہر میں نیل کے تاجران رسل اور ٹامس کلارک سے ملک پور مانگرول بکھر
وغیرہ کا علاقہ خریدا اور نوے ہزار روپیہ اُس کی قیمت ادا کی جس سے اُن کی
سنبھلی ہوئی مالی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ بلندشہر، علی گڑھ، ایٹہ اور متھرا کے
اضلاع میں تحصیلوں اور پرگنوں کی حدود میں بھی بندوبستوں کی طرح سے جلد
جلد تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اُن کی وجہ سے بھی زمینداروں کو کچھ بے اطمینانی اور دقتیں
پیش آئیں۔ مگر لوٹ مار، فساد فتنہ اور غارتگری بند ہو چکی تھی امن و امان قایم
ہو چلا تھا اس لئے یہ بے اطمینانی اور مالگذاری کی سختی برداشت کر لی گئی۔
یہی غنیمت سمجھا گیا کہ کھوئے ہوئے دیہات پھر واپس آ گئے مگر علی گڑھ، بلندشہر
متھرا کے علاقہ میں جو نقصان ہوا اور جو بے اطمینانی گوشتہ میں جاٹوں اور مرہٹوں
کی وجہ سے پیدا ہوئی اس سے ضلع ایٹہ کا وہ علاقہ جو نواب بنگش فرخ آباد کے
حکومت میں شامل تھا محفوظ رہا اور یہ انگریزوں
اور بعد کو نواب وزیر اودھ کے
کے قبضہ میں نسبتاً کچھ پہلے ہی یعنی سنہ ۱۸۰۲ء میں آ گیا تھا۔
مستاجری کی وجہ سے ایک قصہ پیش آیا کہ ہر مستاجر جانتا تھا کہ اُس کا
تھوڑے دن کی ہے۔ اس مقررہ مدت میں وہ جس قدر بھی کاشتکار

سے وصول کر سکتا ہے اُس کو وصول کر کے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ اس سے کاشتکاران کی حالت تباہ اور خراب ہو گئی مگر باوجود ان دقتوں کے انگریزوں کے زبردست ہاتھ فوراً اس قسم کی شورشوں کو دبا دیتے تھے۔ پہلا سرسری بندوبست ۱۸۰۲ء میں صرف ایک سال کے لیے ہوا اور حکم ہوا کہ جو شخص واقعی قابض ہو اُس سے مالگذاری کی ادائگی کا اقرار نامہ لے لیا جاوے۔ بہت سے ابواب اور محصولات معاف یا کم کیے گئے۔ اور کچھ علاقے اُن زمینداران کو مستاجری پر دے دیئے گئے جنہوں نے امن و امان قائم رکھنے کا وعدہ کیا۔ ۱۸۰۳ء و ۱۸۰۴ء میں ضلع علی گڑھ کو اوّل خشک سالی اور پھر ژالہ زدگی نے ستایا۔ تشخیص شدہ مالگذاری پوری مقدار میں وصول نہ ہو سکی۔ ۱۸۰۵ء میں پھر تحقیقات ملکیت ہوئی۔ اور تین سال کے واسطے بندوبست کیا گیا اور تھوڑی بہت مستاجری قائم رہی مگر شروانیوں کی بڑی بڑی ریاستیں اصل زمینداران کو بطور ملکیت دی گئیں اور وہ مستاجری کے قبضہ سے محفوظ رہے اگرچہ شروانیوں میں چھوٹے زمیندار اس سے محفوظ نہ تھے۔

۱۸۰۸ء میں پھر خشک سالی رہی اور ۱۸۰۹-۱۸۰۸ء میں پھر بندوبست کیا گیا مگر صرف سہ سال کے واسطے ۱۸۱۲ء میں پھر بندوبست ہوا جس میں مستاجری بہت کم ہو گئی اور مالک زمینداران کی تعداد چوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی مگر اس بندوبست کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے زمینداران کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ خاص کر اُن پرگنوں اور دیہات میں جو پیشتر مستاجری پر تھے۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ ۱۸۱۲ء کے بعد بعلت بقایا مالگذاری جائدادوں کے نیلام شروع ہو گئے اور اگر کوئی خریدار پیدا نہ ہوتا تھا تو حکومت اپنے انتظام میں لے کر کم جمع پر کسی نہ کسی کے سر تھوپتی تھی۔ اب اسی دوران بندوبست میں حدود دیہات کی تحقیقات کی گئی کیونکہ اراضی کی حدود کے بارے میں ایک گاؤں والے دوسرے پڑوسی گاؤں سے جھگڑا کرتے تھے۔

سنہ ۱۸۳۲ء تک ہر پانچویں سال بند وبست ہوتے رہے اور انگریزی حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہا مگر چونکہ ساتھ ساتھ رقبہ مزروعہ بھی امن وامان کی وجہ سے ترقی کر رہا تھا اس لئے جمع سرکاری کی سختی کم محسوس ہوتی تھی۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں وہ باقاعدہ بند وبست ہوا جو آئین نہم سنہ ۱۸۳۳ء کے ماتحت کیا گیا۔ اس میں کاغذات حقوق تیار ہوئے، رقبوں کی پیمائش کی گئی، اراضی کی قسمیں تجویز کی گئیں اور دیہات کے نقشے تیار کئے گئے مگر اس بند وبست میں جمع کم کر دی گئی۔ سنہ ۱۸۳۷ء اور سنہ ۱۸۳۸ء میں پھر قحط سالی نمودار ہوئی۔ سنہ ۱۸۳۹ء سے سنہ ۱۸۵۲ء تک بہت سی چھوٹی چھوٹی زمینداریاں نیلام ہوئیں۔ کچھ زمینداروں نے خود چھوڑ دیں۔ کچھ قرضوں کی ڈگریوں میں نیلام ہوئیں اور جو قومیں پیشتر زمینداری پیشہ نہ تھیں وہ زمیندار بن گئیں۔

شروانی خاندانوں میں مقدمہ بازی

اس زمانہ میں زمینداروں میں آپس میں حقوق کے تنازعات کی وجہ سے مقدمہ بازی کا سلسلہ چھڑ گیا اور اس سے شروانی خاندان بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ اس قسم کی مقدمہ بازی ریاست دتاولی موضع ڈھولنہ حسن پور اور موضع گھسونہ ضلع ایٹہ میں (جو اس وقت کنوئی ضلع پٹیالی تھا) پیش آئی۔ گھسونہ کے اس مقدمہ بازی سے بڑا خراب اثر آپس کے خاندانی تعلقات پر پڑا اور آئندہ پشتوں میں بھی بدمزگی رہی۔ جائدادوں کے متعلق مقدمہ بازی خود راقم الحروف کے وطن سراسے برلہ اور دیگر دیہات میں بھی رہی۔

اسی زمانہ میں سنہ ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ یا اس سے کچھ قبل دتاولی میں یہ قصہ پیش آیا کہ عبداللہ خاں و مداری خاں نے حاجی مراد خاں کے خلاف نصفی ریاست دتاولی کا دعویٰ دائر کیا (دیکھو شجرہ خاندان جو اس کتاب کے آخر میں ہے) مدعیان کا دعویٰ تھا کہ وہ اور مدعا علیہ حاجی مراد خاں عمر خاں کی اولاد میں اور نصف ریاست کے مستحق ہیں مراد خاں نے پوری ریاست پر قبضہ کر رکھا ہے۔ مراد خاں

کی طرف سے عذرداری کی گئی کہ عبداللہ خاں اور بداری خاں کے مورث دایم خاں (جو عمر خاں کے بیٹے
تھے) اپنے باپ کی حیات میں فوت ہو گئے تھے اور اس طرح دایم خاں کی اولاد محجوب بالارث
ہو گئی۔ علاوہ بریں گوسائیوں اور پھر نواب نجف خاں اور مرہٹوں کے زمانہ سے پچاس برس
تک مراد خاں ہی مالگذاری ادا کرتے رہے کیونکہ عمر خاں نوّے سال پہلے اپنا وطن چھوڑ گئے
تھے۔ اس مقدمہ بازی میں عدالت العالیہ تک حاجی مراد خاں کو کامیابی ہوئی اور انھیں کی
اولاد میں پوری ریاست دتاولی کی زمینداری قایم رہی۔ گھسونہ میں بھی اسی قسم کی مقدمہ بازی
آپس میں ہوئی جس کا آخری فیصلہ سنہ ۱۸۵ء میں ہوا۔ بلونہ میں بھی اسی قسم کی مقدمہ بازی رہی
جس سے دولت کا زیاں اور تعلقات میں خرابی پیدا ہوئی۔ اور وہی بلونہ جو ایک زمانہ میں خطۂ یونان
مشہور ہوا (اور واقعی بنام) اب اسی کا یہ حال ہے کہ ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ — آثار پدید است صنادید عجم را

موضع برلہ سرائے کی مقدمہ بازی اور ان مواضعات کے مورثان

راقم الحروف کے موضع برلہ میں بھی ایسا ہی ناگوار قصہ پیش آیا۔ راقم الحروف کو اپنے پرانے خاندانی کاغذات میں ایک
فارسی کی تجویز عدالت اپیل مورخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۲۹ء مطابق شوال سنہ ۱۲۴۴ھ ملی
جس کو راقم الحروف نے نواب صدر یار جنگ مرحوم مغفور کے کتب خانہ واقع
حبیب گنج میں دے دیا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ راقم الحروف کے پردادا
گل خاں اور ان کے ہمعصر یک جدی عزیزان یعنی ان کے چچا محراب خاں، عبداللہ خاں
محمد خاں، جھبو خاں (مندرجہ شجرہ) نے جو سرائے اور برلہ تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ
کے رہنے والے تھے ذوالفقار خاں، بدھو خاں، امیر خاں، عزت خاں، حسن خاں
جیون خاں وغیرہ ساکنان برلہ کے خلاف ۸ دسمبر سنہ ۱۸۲ء کو ایک نالش دائر
کی کہ سرائے برلہ کے پٹھان ایک ہی مورث صفات خاں کی اولاد میں ہیں نصف
جائداد میں سرائے اور دلالپور کے مالک مدعیان ہیں اور مدعا علیہم بقیہ نصف کے یعنی
لعل پور اور برلہ کے مالکان ہیں نیز یہ کہ انگریزوں کی عملداری شروع ہونے پر
مدعیان میں سے کسی نے اپنے نام کے داخل خارج کی درخواست نہیں دی کیونکہ

وہ خوف کی وجہ سے انگریز عمال کے سامنے نہیں گئے۔ اس لئے مسٹر آر سوداگر
نیل کے ملازم رام دین کی ضمانت سے کلکٹر نے بندوبست مُرلیدھر کے نام
کر دیا۔ اور مبلغ ساٹھ روپیہ سالانہ بطور نانکار کے مسٹر آر کی طرف سے زمین
نے دراصل یہ معاملہ اپنے مفاد کے واسطے کرایا تھا (فریقین کو اس تفصیل کے
ساتھ ملتا تھا کہ نصف شہراب خاں پدر گل خاں مدعی ساکن سرائے اور ان
کے برادران کو اور نصف برلہ کے رہنے والے مدعا علیہم کو۔ یہ کہ سنہ ۱۲۲۵ فصلی
میں بندوبست سرائے کے شہراب خاں اور چھ مدعا علیہم کے ساتھ ہوا۔ یہ کہ
سنہ ۱۲۲۶ فصلی میں شہراب خاں فوت ہوئے اور ان کے لڑکے گل خاں وارث بنے
اس لئے سرائے کے پٹھان نصف زمینداری کے مالک ہیں۔ برلہ کے مدعا علیہم
کی طرف سے عذر پیش کیا گیا کہ کوئی صفات خاں (فریقین کے مورث نہ تھے مدعا علیہم
کی یہ زمینداری موروثی ہے اور ان کے مورثان فاضل خاں، پٹھان خاں، سردار خاں
اور طالعمند خاں سے ان کو ملی ہے رجسٹر خاندانی جو رقم فریق کو دستیاب ہوا
ہے اس میں بدھو خاں اور طالعمند خاں کے نام درج نہیں ہیں اور ان دونوں
پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ یہ کہ جب سنہ ۱۲۱۰ فصلی میں پرگنہ اکبر آباد کا
بندوبست ہوا تو مدعا علیہم کے مورثان کی رضامندی سے ڈاکچند متاجر کا نام
سنہ ۱۲۱۰ لغایت سنہ ۱۲۱۲ فصلی اس وجہ سے درج کر دیا گیا کہ مورثان مدعا علیہم
بے مقدور تھے۔ یہ انتظام سنہ ۱۲۱۵ فصلی تک رہا۔ پھر سنہ ۱۲۱۶ فصلی میں بدھو خاں
حسن خاں، امیر خاں، نعیم خاں پدر چین خاں، پٹھان خاں اور داعزت خاں
اپنی رضامندی سے رام دین کی ضمانت سے مسٹر آر کے گماشتہ مرلیدھر کا
متاجری میں درج کرا دیا اور وہ سنہ ۱۲۱۹ فصلی تک قابض رہا۔ سنہ ۱۲۲۰ فصلی
مدعا علیہم کے مورثان کی بے مقدوری و جبر کی سختی کی وجہ سے گل خاں
ساکن سرائے کے باپ شہراب خاں کا نام متاجری میں پھر درج کرا دیا
اور سنہ ۱۲۲۶ فصلی تک شہراب خاں کو ساتویں حصہ کا منافع ملتا رہا۔ جب ان کا

میں سُہراب خاں فوت ہوئے تو اُن کے بیٹے گل خاں کا نام جن کی عمر انیس (۱۹) سال کی تھی درج ہوا۔ اس مقدمہ کے متعلق ۲۳ اپریل ۱۸۳۳ء میں علی گڑھ کے جج نے فیصلہ دیا کہ فریقین صفات خاں کی اولاد سے ہیں اور مدعیان کے حق میں نصف جائداد کی ڈگری دی اس کا اپیل بریلی میں مسٹر میکنزی حاکم دویم کے یہاں منجانب مدعا علیہم دائر ہوا۔ معلوم ہوا کہ آخر الذکر عدالت نے کیا فیصلہ کیا کیونکہ طومار تجویز کا آخری حصہ ضائع ہو گیا اور راقم الحروف کو دیکھنے کو نہیں ملا۔ البتہ موجودہ طومار کی پشت پر ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۳ء کا روبکار اجلاس مسٹر میکنزی درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرائے کے رہنے والے مدعیان کو عدالت العالیہ میں اپیل دویم کی ضرورت پیش آئی جس کا یہ مطلب ہے کہ علی گڑھ کے جج کا فیصلہ جو مدعیان ساکن سرائے کے حق میں تھا بریلی کی عدالت اپیل سے یا تو ترمیم ہوا یا منسوخ ہوا۔ اب سوا سو برس (۱۲۵) کی بات معلوم نہیں ہو سکا کہ سرائے کے رہنے والے مدعیان نے اپیل دویم دائر کیا یا نہیں یا اگر دائر ہوا تو اُس کا کیا نتیجہ ہوا مگر چونکہ سرائے کے پٹھان پور سے مزرعہ سرائے پر قابض اور مالک اب تک ہیں اور دلال پور میں بھی حصہ دار ہیں اس لئے ثابت ہے کہ مدعیان کا دعویٰ اگر پورا نہیں تو بڑی حد تک صحیح تسلیم کیا گیا اگرچہ آپس کی شادی بیاہوں کی وجہ سے حصص میں تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ اس تجویز سے ہمارے اس بیان کی جو انگریزوں کی شروع عملداری کے وقت متباحی (؟) جمع اور زمینداران کے پریشانی کی بابت ہے تائید ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی مقدمات کے فیصلوں میں کس قدر دیر لگتی تھی۔ اس تجویز میں مواضعات مدا پور اور سنگھ پور کا کوئی ذکر نہیں ہے جن پر موضع سرائے برلہ کے پٹھان ابھی تک قابض تھے۔ غالباً ان کے متعلق پے در پے بندوبستوں میں جو کاروائی ہوئی اُس سے کوئی تنازعہ ان مواضعات کے متعلق پیدا نہیں ہوا۔ ان دونوں مواضعات میں شرکت سے بھی دونوں مقامات کے خاندانوں کا نکاس ایک ہی مورث اعلیٰ سے معلوم ہوتا ہے۔

برلہ کے پٹھان شیروانی ہیں یا دُرّانی

اس تجویز سے ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی
اس غلط روایت پر بھی پوری روشنی
پڑتی ہے جو اُس نے لکھی ہے کہ برلہ کے پٹھان دُرّانی ہیں اور اُن دُرّانی پٹھانوں
کی اولاد میں ہیں جن کو احمد شاہ دُرّانی ابدالی ۱۷۵۹ء میں کول سے انوپ شہر
جاتے وقت یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اوّل تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب احمد شاہ
درانی کو ہندوستان میں مستقل حکومت قایم کرنا منظور نہ تھی تو وہ ان چند رفیقوں کو
جنگ پانی پت سے قبل کول میں کیوں چھوڑ جاتا اور پھر ان رفیقوں کے لئے کیا
برلہ ہی رہ گیا تھا۔ وہ دیگر مواضعات میں جاکر کیوں نہ بسے۔ پھر اگر یہ مان بھی
لیا جائے کہ احمد شاہ کے چند ساتھی کول میں رہ گئے تو اُن کا برلہ میں آکر رہنا
تو یقیناً غلط ہے۔ برلہ کے شجرہ سے (جو اس کتاب کے آخر میں درج ہے) معلوم
ہوگا کہ یہاں کے مورثِ اعلیٰ سے لیکر اب تک بعض گھروں میں گیارہویں اور
بعض میں بارہویں پشت ہے۔ اگر تاریخی اصول کے مطابق فی پشت تیس ۳۰ سال
کا زمانہ رکھا جائے تو یہاں کے مورثِ اعلیٰ کا زمانہ اکبر بادشاہ کا ہم عصر قرار
پاتا ہے جبکہ احمد شاہ درانی کا وجود بھی نہ تھا۔ اسی طرح راقم الحروف کے
شجرہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اُن کے مورثِ اعلیٰ کا زمانہ احمد شاہ دُرانی
سے بہت پہلے کا ہے۔ ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ یہ مورثِ اعلیٰ اس زمانہ میں
یہاں نہ آئے تھے بلکہ افغانستان میں تھے تو اُس کی تردید پورے طور پر اس
واقعہ سے ہوتی ہے کہ برلہ کے شجرے میں الف خاں اور منگو خاں مورثان میں
ہیں اور ان دونوں کے ناموں پر مواضعات الف پور اور منگو پور موجود ہیں لیکن الف پور
بدقسمتی سے غیر اشخاص کی ملکیت میں چلا گیا۔ منگو پور اب تک برلہ سرائے کے
پٹھانوں کی زمینداری میں رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضعات بھی
اکبری عہد کے قریب آباد کیے گئے۔ ہم نواب صدر یار جنگ مرحوم کی چھوڑی
ہوئی تحریری یادداشت کے مطابق (جو خاندانی روایت کے بارے میں ہے)

دکھا چکے ہیں کہ برلہ کے شرفا نیان محمد میر خاں کی اولاد میں ہیں جو سکندر لودی کے ہم عصر تھے مگر اکبری عہد میں ان اطراف میں آ بسے۔ سکندر لودی کے انتقال کے سال یعنی سنہ ۹۲۳ھ میں اور اکبر کی تخت نشینی یعنی سنہ ۹۶۳ھ میں صرف چالیس سال کا فرق ہے جو کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ اب ہم اصل قصہ کی طرف پھر آتے ہیں۔ اوپر دکھایا گیا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے ختم ہونے سے قبل خاندان بھیکم پور کے مورث بازخاں اور دتاولی کے مورث حاجی مراد خاں نے کس طرح اپنی حالت سنبھالی۔

بازخاں کو اور اُن کے بیٹے داؤد خاں کو موضع راجمئو عطا ہوا۔ بازخاں کے حالات

عہد شاہجہانی میں جو دیہات لطیف خاں اور اُن کے بیٹے زبست خاں اور سلیمان خاں اور دیگر پٹھانوں کے نام درج تھے اُن میں سے اوائل عہد انگریزی میں بازخاں رئیس بھیکم پور کی بندوبستی میں درج ہوئے اور سنہ ۱۲۰۳ھ سے قبل انگریزوں نے اُن کو ان کے علاقہ کا زمیندار بجائے مستاجر کے تسلیم کر لیا۔ سنہ ۱۷۹۲ عیسوی میں جبکہ بازخاں کے بیٹے حاجی داؤد خاں کی عمر سات آٹھ سال کی تھی دونوں باپ بیٹے کاسگنج میں فرخ آباد کے بنگش نواب احمد خاں کے جانشین سے یعنی مظفر جنگ سے ملے تو نواب نے داؤد خاں کو موضع راجمئو عطا کیا جو اب تک اس خاندان میں رہا اور جہاں یوسف خاں صاحب سے پہلے آکر رہے تھے۔ فرخ آباد کی حکومت تو اس زمانہ میں ختم ہو گئی تھی مگر بقیہ علاقہ یعنی محمد خاں بنگش کی اولاد کے قبضہ میں تھا جو بعد کو نواب وزیر اودھ نے ضبط کر لیا۔ بازخاں مرحوم اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ سید شاہ عظیم صاحب خادم آستانہ حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو شہزادیوں کے وکیل ہیں بازخاں صاحب کی تحریر محفوظ ہے جس کی رو سے موروثت سے ان سید صاحب کے مورث کو بھیکم پور میں معافی دی تھی جس سے وہ آج تک متمتع ہو رہے ہیں۔ سنہ ۱۲۰۳ھ میں بازخاں صاحب ممدانجیا [illegible]

مرحوم اور خاندان کے دیگر لوگوں کے حج بیت اللہ شریف کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ اُن کے چھوٹے صاحبزادے حاجی غلام محمد خاں بعد رشتہ ریاست داد ول بھی ساتھ تھے۔ اُس زمانہ کا سفر بصورت سفر تھا بذریعہ ... جا کر بازخاں اسی سال کسی شدید مرض میں گرفتار ہو کر اس دنیائے دوں سے رخصت ہو گئے۔ اور خریدکردہ اراضی پیھو ہیں مدفون ہو سکتا ... ارادہ میں ... ہوا۔ اگرچہ رفیقوں نے اُن کی اہلیہ کی ہمت افزائی کی اور حج سے مشرف ہوئیں۔ انتقال کے وقت بازخاں مرحوم کی عمر اسی سال تھی۔ "بازخاں بہ جمال شہ سرفراز" اُن کی مہر کا سجع ہے جس میں اُن کے دو موروثوں کے نام آجاتے ہیں۔

بازخاں کی اولاد

جیسا ہم بتا چکے ہیں کہ بازخاں کی شادی ڈوریہ بھوگی خاں کے یہاں ہوئی تھی۔ بازخاں نے تین بیٹے چھوڑے یعنی داؤد خاں، خانیمان خاں، غلام محمد خاں۔ حاجی داؤد خاں کی پیدائش ۱۷۸۵ء کے قریب قرار پاتی ہے۔ اپنے والد کے انتقال کے وقت وہ پینتالیس سال کے قریب تھے۔ اُن کے سپرد ریاست کا کام ہوا۔ یہ قسمت کے بڑے دھنی تھے موضع حسن پور میں تقریباً پچیس سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی ان شیروانی بزرگ کی سیرت وخصلت، طرز عمل، انتظام ریاست، غربا پروری، مسافر نوازی، اہل خاندان و برادری پر شفقت، مذہبی شغف اور شرعی پابندی کی جس قدر تعریف کی جائے وہ بجا ہوگی۔ ان باتوں کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیے۔

حال ہی میں اُن کے سوانح حیات پر عبدالشکور خاں صاحب بی اے علیگ نے (جو موصوف کی اولاد میں ہیں) اخبار جمہور مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء صدر یار جنگ نمبر میں کافی روشنی ڈالی ہے۔ اُن کو ریاست کا کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ۱۸۳۳ء میں وائسرائے ہند لارڈ ولیم بنٹنک (LORD WILLIAM BANTING) کے زمانہ میں حکام صوبہ کے اصرار پر حاجی داؤد خاں صاحب نے آگرہ میں صدر الصدور کے عہدہ کا کام اپنے ذمہ لیا اور سات سال تک اس کام کو خوبی کے ساتھ انجام

دیتے رہے۔ موصوف سے قبل دتاولی کے حاجی عبدالرحمٰن خاں صاحب کو اس عہدہ پر مقرر کیا گیا تھا مگر جب آنرا الذکر نے تھوڑے دن کام کرنے کے بعد استعفا دے دیا تو حاجی داؤد خاں صاحب کا تقرر ہوا۔ اس سے خاندان شروانی کے اس اثر کا پتہ چلتا ہے جو حکومت انگریزی میں ہوگیا تھا۔ اسی زمانہ میں حاجی داؤد خاں صاحب کے تعلقات ہمارا جہ گوالیار سے رہے ہیں کا مورث ایک زمانہ میں بھیکم پور کے دیہات پر قابض تھا۔ ہمارا جہ موصوف کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس عہدہ کے فرائض انجام دینے کے ساتھ اپنی بڑی ریاست کے کاروبار کی نگرانی بھی رکھتے تھے۔ خاندان بھیکم پور اور دتاولی میں رشتہ داری کے تعلقات ایک عرصہ سے چلے آتے ہیں باز خاں مرحوم کی بہن دتاولی کے حاجی مراد خاں کو بیاہی تھیں۔ حاجی داؤد خاں کی بہن عبدالرحمٰن خاں ابن مراد خاں رئیس دتاولی کی اہلیہ تھیں اور حاجی داؤد خاں کی بیٹی محمد حسین خاں ابن عبدالرحمٰن خاں کی زوجہ تھیں۔ اسی وجہ سے جب ۱۸۳۰ء میں محمد حسین خاں ابن عبدالرحمٰن خاں رئیس دتاولی کا انتقال جوان عمری میں ہوا تو محمد حسین خاں کے بھائی حاجی فیض احمد خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ مگر یہ نابالغ تھے اس لئے ریاست کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آگئی اور حاجی داؤد خاں مرحوم (جو اب تک آگرہ میں صدر الصدور تھے) منیجر مقرر ہوئے مگر اس کام میں اُن کے چھوٹے بھائی حاجی غلام محمد خاں رئیس دادوں اُن کی مدد کرتے تھے۔ ریاست بھیکم پور کے انتظام کا کام کچھ اس وجہ سے ہلکا ہوگیا تھا کہ ۱۸۳۷ء میں حاجی داؤد خاں اور نہال خاں کے علیحدہ ہوکر دادوں کی ریاست تقسیم ہوگئی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کام کی زیادتی سے حاجی داؤد خاں کی صحت پر خراب اثر پڑا ہوگا۔ نتیجہ خرابی صحت کی بنا پر موصوف نے ۱۸۴۰ء میں صدر الصدوری کے ممتاز عہدہ سے استعفا دے دیا۔ حاجی داؤد خاں نے کار ہائے رفاہ عام میں بڑی دریا دلی سے حصہ لیا اور بھیکم پور میں ندی پر مضبوط اور پختہ پل تیار کرایا جسے آر۔ ایس۔ ڈی۔ ڈبلیو۔ ھچیسن نے اپنی کتاب علی گڑھ اسٹیٹسٹکس از ۱۸۴۳ء تا ۱۸۵۴ء میں لکھا ہے کہ بھیکم پور کے شروانی تعلقہ داران

کا انتظام ریاست بہت اچھا تھا اور رعایا کے ساتھ برتاؤ اچھا تھا۔ اس انگریزی
عہدہ دار کے قول کے مطابق جو آج سے قریب سو سال قبل کا ہے ۱۸۵۷ء اور
۱۸۵۸ء کے درمیان انگریزوں کے خلاف شورش کے زمانہ میں یہ شروانی
تعلقہ داران اور دیگر شروانی زمینداران وفادار اور پُرامن رہے۔ اس زمانہ
میں پرگنہ گنگیری، پچلانہ کے دیہات تحصیل اکبرآباد میں شامل تھے۔ بعد کو تحصیل
و پرگنہ اترولی میں شامل کر دیے گئے۔ انکا لگان زیادہ تر بٹائی تھا اور پرگنوں کی حالت
خراب تھی۔ ایسی حالت میں ان تعلقہ داران بھیکم پور اور دتاولی نے جو اپنی ریاستیں
سنبھالیں اور اُن میں اضافہ کیا اور اُسی کے ساتھ کار رفاہ عام بجا لائے
اُس سے اُن کی انتظامی قابلیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی زمانہ میں یعنی ۱۸۳۳ء
کے آس پاس داؤد خاں مرحوم نے موضع کنتولی خریدا جبکہ وہ بعلت بقایا مالگزاری
نیلام ہوا۔ جہاں ابتدائی زمانہ کے شروانیوں کی زندگی سپاہیانہ تھی اُن کے
مقابلہ میں اس زمانہ میں اُن کے نام لیواؤں کی زندگی کچھ کم مجاہدانہ نہ تھی بلحاظ
۱۸۵۱ء میں معہ حاجی غلام احمد خاں، تین بہنوں اور ایک دختر کے حج بیت اللہ شریف
کے واسطے تشریف لے گئے۔ واپسی کے بعد ایک شاعر نے قطعہ کہا جس کا آخری مصرعہ یہ ہے

"داؤد باز گشت سرفراز دو جہاں"

اس میں اُن کے خاندان کے مورثوں کے نام ہیں۔ ممدوح داؤد خاں کے خاندان
میں اُن کی بابت ایک قصہ مشہور ہے جس سے اُن کی دلیری پر روشنی پڑتی ہے۔
کہا جاتا ہے کہ جب علی گڑھ کے کلکٹر نے موصوف کی ملاقات ایک انگریز کرنل سے
کرائی تو دوران گفتگو میں کرنل کی زبان سے نکل گیا کہ میں نے پٹھانوں کی تلواریں
بہت دیکھی ہیں، اُن کی بہادری کی داستانیں مشہور ہیں۔ اس پر حاجی داؤد خاں
صاحب کو غصہ آگیا اور اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا کہ تو نے پٹھانوں کی تلواروں کے
جوہر دیکھے ہوں یا نہ دیکھے ہوں میری تلوار کے جوہر اب دیکھ لے۔ اس پر کلکٹر گھبرا گیا
اور درمیان میں آ کر نہایت معذرت کی تب آپ نے غصہ کو فرو کیا۔

۱۸۵۷ء کی شورش میں داؤد خاں اور اُن کے خاندان کا طرزِ عمل

اب ۱۸۵۷ء کی شورش اور انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی کا زمانہ آگیا۔ اس زمانہ میں حاجی داؤد خاں مرحوم کے اور اُن کے خاندان کے بہت سے کارنامے ہیں جن کی وجہ سے انگریز اُن سے کچھ خوش اور کچھ غیر مطمئن ہوئے جیسا کہ اضلاع علی گڑھ و ایٹہ کے ڈسٹرکٹ گزیٹیروں سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر خاندان میں وہ تحریرات محفوظ ہیں جن کی رو سے انگریزوں پر اس خاندان کی امداد کے حقوق جتائے گئے۔ بلونہ سے جنوب مشرق کی طرف چند فرلانگ پر بمقام کالا جار بڑا اسٹیشن پر داؤد خاں کے ہم عصر رفیق طریق اور مشیر با تدبیر حاجی حسن علی خاں (مورث شاخ کلاں بلونہ) نے بڑی خدمات متعلق انجام دیں۔ جس طرح ابتدائی شروانیوں نے حکومتوں کا ساتھ دیا اسی طرح اس پُرآشوب زمانہ میں حاجی داؤد خاں اور اُن کے خاندان نے انگریزی حکومت کا ساتھ دیا۔ موصوف نے باغیوں کو بہت قابو میں رکھا۔ پولس کے واسطے رنگروٹوں کا انتظام کیا۔ گنگا کے گھاٹوں پر سرکاری عملہ کو مدد دی تاکہ بریلی بدایوں کے بلوائی اس طرف نہ آنے پائیں۔ بریلی کے نیل کے تاجر انگریز ٹانڈی ووتھ کو چند روز کے لئے بھموری میں ایک محفوظ مکان میں اُس وقت تک رکھا جب تک کہ اُن کو دیگر انگریزوں کے ساتھ آگرہ کو بھاگ جانے کا موقعہ نہ ملا۔ جب کاسگنج ضلع ایٹہ میں بدامنی زیادہ ہوئی تو کلکٹر ایٹہ نے ممدوح سے مدد طلب کی۔ ممدوح نے جواب دیا کہ ایسے نازک زمانہ میں اپنے ہی ضلع کا انتظام رکھنا مشکل ہے مختلف تحصیلوں میں میرے آدمی پھیلے ہوئے ہیں تاہم دو ہزار (۲۰۰۰) سواروں کا انتظام کر دیا گیا ہے اور چوبے گھنشام اس تحصیلدار کی سرکردگی میں اُن کو بھیج دیا گیا ہے تاکہ وہ کاسگنج پہنچیں۔ یہ چوبے گھنشام داس بعد کو بلوائیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ موصوف کے خاندان کے اور افراد نے بھی اس امداد میں اُن کا ہاتھ بٹایا۔ پھر بھی ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ نے لکھا کہ ممدوح سے کافی مدد نہیں ملی اور انھوں نے بلند شہر کے دستہ کو رسد نہیں دی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریز اُس وقت گھبرائے

ہوتے تھے۔ جو شخص سیر بھر کی جگہ چار سیر کارگذاری جتاتا، دوسرے بھائیوں کی
بُرائی کرتا وہ خیر خواہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی غنیمت ہے کہ ممدوح اور اُن کے خاندان
کو چند پرواتوں کے علاوہ اور کوئی انعام اور جاگیر نہیں ملی، یہی کچھ علاقہ
تو محفوظ رہا۔ ورنہ اس زمانہ میں اور اُس کے بعد بہت سے امیر غریب ہو گئے
اور بہت سے چالاک غریب امیر بن گئے۔ حاجی داؤد خاں مرحوم اپنے اوقات
کے پابند، ریاست کی اعلیٰ تنظیم اور داد و دہش میں مشہور تھے۔ یاراں اُن
کا تکیہ کلام تھا۔ اُن کی عادت تھی امیر غریب عزیزوں اور اہلِ برادری کے یہاں
پہونچتے اور اُن کی خیریت دریافت کرتے۔

خاندان شروانی میں خلاف شرع رسوم کا ترک کیا جانا

اُن کا سب سے بڑا کارنامہ (جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے) وہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں خاندان شروانی میں شادی غمی
کے موقعہ پر جو خلاف شرع بے جا اور ہندوانی رسوم بہت جاری تھیں مثلاً باجا
رقص و سرود کی محفلیں وغیرہ۔ ایسے موقعوں پر ضروری تھے۔ ہندو اقوام کی
طرح شادی کے موقعہ پر پنڈتوں سے سعد تاریخیں معلوم کرنا، اُن سے مشورہ اور
اُس پر عمل کرنا، اسراف و فضول اور خلاف اسلام معاشرتی رسوم یہ سب کچھ
تھا جن کی وجہ سے خاندان کے لوگ مالی مشکلات میں مبتلا اور پریشان حال رہتے
تھے۔ جب موصوف کے منجھلے بھائی خانِ زمان خاں نے دہلی کے مولانا حضرت
شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان رسوم کی بابت چند سوال قائم کرکے
استفتا بھیجا تو مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھنے کے واسطے اپنے بھائی مولانا شاہ
محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو دیا۔ آخر الذکر نے جابجا حواشی اضافہ کرکے جوابات
بھیج دئے۔ یہ مسائل اربعین کے نام سے مشہور ہوئے۔ جب خانِ زمان خاں صاحب
مرحوم نے ان کو اپنے بڑے بھائی حاجی داؤد خاں مرحوم کو دکھایا تو آخر الذکر نے
فرمایا کہ سرگروہ شروانی پٹھانوں کا جلسہ طلب کر لیا جائے چنانچہ بحکم [illegible] جلسہ کیا گیا اور

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فتوے برادری کے سامنے پیش کئے۔ سب نے اُن سے اتفاق کیا تو حاجی داؤد خاں صاحب نے فرمایا کہ اس پر عمل ہونا چاہئے۔ چنانچہ برادری میں سب سے پہلی شادی اللہ وردی خاں صاحب مرحوم زمیندار چھرہ قلعہ کے یہاں ان مسائل کے موصولی کے بعد تھی۔ اس سے قبل اعلان کیا کہ رقص وسرود آتشبازی وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ اس پر بعض پٹھان بگڑے۔ مگر حاجی داؤد خاں خود اس شادی میں شریک ہوئے اور ممنوع رسموں میں سے ایک بھی نہ ہونے دی۔ اُس وقت سے خاندان شروانی میں یہ رسوم قطعی موقوف ہیں اور ان باتوں سے نجات ملی۔ جب فروری ۱۹۴۳ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ علی گڑھ میں ہوا تو اُس کے شعبۂ اصلاح معاشرت میں نواب صدر یار جنگ مرحوم نے ان مسائل اربعین کے متعلق تقریر فرمائی اور اُس کی تاریخ بیان کی۔ ان مسائل کو بفرمائش مولوی حاجی عبید الرحمٰن خاں صاحب شروانی سابق ایم ایل اے۔ حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے تحفۃ المسلمین ترجمہ مسائل اربعین کے نام سے اپنے شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں ۱۹۴۳ء میں ایک نہایت دل چسپ مقدمہ کے ساتھ بار دویم طبع کرایا اور اس مفید کتاب کو چھاپ کر مسلمانوں پر احسان کیا۔

حاجی داؤد خاں کا انتقال اور اُن کے بھائی خانزماں خاں کے حالات

۱۸۶۶ء
۱۲۸۱ھ میں خدا تعالیٰ نے حاجی داؤد خاں کو اس دنیائے دوں سے اٹھا کر اپنے جوار رحمت میں لیا۔

سید مقبول عالم مارہروی شاعر نے کیا خوب تاریخ وفات کہی ؎

سالِ غم مقبولِ رضواں نے کہا ہو گئے داؤد خاں جنّت مکاں

خانزماں خاں مرحوم حاجی داؤد خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ بھیکم پور میں ۱۷۹۲ء
۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے جبکہ اس خاندان کو نقل مکان وسکونت کئے ہوئے دو سال ہوئے تھے۔ یہ شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کا زمانہ تھا۔ قدرت نے موصوف میں کوٹ کوٹ کر قابلیتیں بھر دی تھیں۔ اُن کے والد مرحوم باز خاں اور بھائی مرحوم حاجی داؤد خاں کی صحبت نے ان کو جلا دے دی۔ حاجی داؤد خاں

کی صدالصدوری اور جج کے زمانہ میں ریاست کا معقول انتظام کیا اور اُن کی واپسی پر پورے طور سے بڑے بھائی کا ہاتھ بٹایا۔ موصوف کو عمارتیں تعمیر کرانے کا شوق تھا بھیکم پور کی گڑھی میں مسجد اور ایک کوٹھی اُن کی یادگار ہیں۔ شرع کی پابندی اور مذہبی اشتغف کا حال اربعین کے تذکرہ سے (جو اوپر آچکا ہے) ثابت ہے۔ یہ بھی اوقات کے بڑے پابند تھے۔ مدبّر، باوفا اور لطیف فراج تھے! دبی ذوق رکھتے تھے۔ دہلی کے شعرا اور اہل قلم سے خط وکتابت رہتی تھی قطب وقت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خانزماں خاں مرحوم دہلی میں کسی بالاخانہ پر تشریف رکھتے تھے۔ آخری تاجدار مغلیہ بہادر شاہ کی سواری اس کے نیچے سے نکلی آنکھیں دوچار ہوئیں۔ یہ سروقد تعظیم کے واسطے کھڑے ہو کر نہایت سلیقہ کے ساتھ آداب شاہانہ بجالائے۔ بادشاہ نے بعد کو معلوم کیا کہ یہ علی گڑھ کے رئیس ہیں۔ اُن کے آداب سلیقہ کو پسند کرکے فرمایش کہلا بھیجی کہ شاہی دربار میں حاضر ہو کر قلمدان وزارت سنبھالیں اور جواب کے واسطے دو دن کی مہلت دی۔ خانزماں خاں مرحوم فوراً بھیکم پور واپس آئے اور اپنے بڑے بھائی کو پوری داستان سنا کر اُن سے رائے طلب کی۔ بڑے بھائی نے اُن سے سوال کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو ایسا جواب دیا کہ جس کا مطلب تھا کہ ڈوبتی ہوئی کشتی میں بیٹھنا تو ڈوبنا ہے۔ اس رائے کو سن کر داؤد خاں صاحب نے فرمایا "یاراں تم نے ٹھیک کہا"۔ اور نہایت شکریہ کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ خانزماں کی صحت خراب ہے وہ بغرض علاج دہلی گئے ہیں فی الحال معافی دی جائے بعد حصولِ صحت آداب شاہی بجالائیں گے۔ مگر قائم ازل نے خانزماں خاں مرحوم کو عمر صرف ۵۶ سال کی دی اور وہ ۱۸۵۵ء میں دنیائے ناپائیدار سے رخصت ہو کر عالم جاودانی کو سدھار گئے (جیسا کہ شجرہ سے واضح ہوگا)۔

حاجی ہدایت اللہ خاں

خانزماں خاں مرحوم نے تین بیٹے چھوڑے یعنی پسر اکبر حاجی ہدایت اللہ خاں مرحوم۔ دوسرے حاجی عبدالشکور خاں عرف منجھلے میاں۔ تیسرے محمد تقی خاں عرف چھوٹے خاں صاحب حاجی ہدایت اللہ خاں

حُسن صورت اور حسنِ سیرت میں مشہور تھے۔ انتظام ریاست خوب کرتے تھے اور سیاق کی باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے۔ ریاست کے ہر بڑے چھوٹے کام پر نظر تھی۔ یہ کفایت شعار حد درجہ کے تھے سادہ زندگی بسر کرنے والے اور ہر فرد خاندان کو اسی کا عملی سبق دیتے تھے اُن کی ریاست کی تحویل ہمیشہ پُر رہی۔ اُن کی کفایت شعاری کی ایک مثال ہے کہ جب وہ حج بیت اللہ شریف کے واسطے گئے اور ریاست کا کام منجھلے میاں مرحوم نے کیا تو آخر الذکر نے سواری کے واسطے ایک فٹن خریدی۔ اور بڑے بھائی کی واپسی کے بعد اُن کے سامنے پیش کیا تو بڑے بھائی نے اعتراض کیا اور اُس کو جلوا دیا اور کہا کہ ان فضول خرچیوں سے ریاست تباہ ہو جاوے گی۔ اُس وقت کا اور اس خیال کا مقابلہ آج کل کی موٹر بازی سے کیا جائے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔

ع ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا۔ دورانِ حج میں حاجی ہدایت اللہ خاں مرحوم کا قافلہ لوٹا گیا۔ مگر موصوف نے بڑے صبر اور استقلال سے کام لیا اور دو سال بعد وطن کو واپس ہوئے۔ اُن کی عمر نے وفا نہ کی جوان عمری میں اس دنیا سے دل کو چھوڑ گئے۔ سنہ ۱۲۴۵ھ میں پیدائش اور سنہ ۱۲۷۱ھ (مئی سنہ ۱۸۶۵ء) میں وفات ہوئی۔ اُن کے ایک بیٹے محمد خاں تھے جو نابالغی میں اپنے باپ کے سامنے انتقال کر گئے تھے۔ موصوف حاجی صاحب کے انتقال کے بعد ریاست کا کام حاجی عبدالشکور خاں صاحب نے سنبھالا۔

حاجی عبدالشکور خاں عرف "منجھلے میاں"

سنہ ۱۲۴۶ھ (سنہ ۱۸۳۰ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ عربی فارسی کی تعلیم گو انتہائی درجہ تک حاصل کی۔ مذہب کے نہایت پابند، خلق اور مروت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ کار خیرا ور غربا پروری نے ریاست کو مقروض رکھا اور ان اخراجات کی وجہ سے اُن کی طبیعت بڑے بھائی مرحوم سے جداگانہ تھی۔ حاجتمندوں کا اُن کے یہاں ہمیشہ ایک مجمع رہتا تھا۔ وہ سائلوں کو پرورش کے خیال سے کئی کئی روز ٹھہراتے تھے اور "ٹھہرو" اُن کا تکیہ کلام تھا۔ غریب طلبا کو وظائف دیتے مگر اپنی قطع وضع اور زندگی

سادہ رکھتے تھے۔ دسترخوان وسیع ہوتا تھا۔ راقم الحروف نے یہ قصے محض سُننے ہی نہیں بلکہ دیکھے ہیں۔ خاص خاص موقعوں اور تقریبات میں بڑا عمامہ اور جبّہ زیب تن رہتا تھا۔ عقائد میں سرسید مرحوم سے اختلاف تھا مگر باوجود اس کے مدرسۃ العلوم کے ٹرسٹی تھے اور ہزاروں روپیہ سے اُس کی مالی امداد کی۔ اُن کے نام نامی کے کتبے اس درسگاہ کی مختلف عمارتوں پر اُن کی فیاضی کی یاد دلاتے ہیں۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ جب کالج میں کسی بڑی ہستی کو سپاسنامہ پیش کیا جاتا تو اُس کا ظرف (کاسکٹ) موصوف ہی کے ہاتھوں سے پیش کرایا جاتا تھا۔ سیر چشم اس قدر تھے کہ برادری کے جن پٹھانوں سے مقدمہ بازی رہتی تھی اُن کو اپنے ہی خلاف مقدمہ بازی کے اخراجات کے لئے روپیہ دیتے اور اپنے دسترخوان پر کھانا کھلاتے تھے۔ اس مخیری اور شاہ خرچی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہاں موصوف کے بڑے بھائی مرحوم نے ریاست کی تحویل میں ہزاروں روپیہ اور ہر قسم کی جنس وافر چھوڑی وہاں منجھلے خاں صاحب مرحوم نے اپنے وفات کے وقت ریاست پر تین لاکھ کا قرضہ چھوڑا۔ چھوٹے بھائی محمد تقی خاں مرحوم اور منجھلے خاں صاحب مرحوم میں جو اتحاد و اتفاق تھا وہ ضرب المثل ہے۔ چھوٹے بھائی نے کبھی منجھلے بھائی کی حیات میں نہ ریاست میں دخل دیا اور نہ اُن کی داد و دہش پر اعتراض کیا۔ اُن کے ایک بیٹے (عبدالستار خاں) کی اولاد محجوب الارث ہو چکی تھی مگر منجھلے خاں صاحب مرحوم نے اُن کو اُن کے باپ کے حصہ کی جائداد بذریعہ وصیت دی۔ حج بیت اللہ شریف کو اپنے پوتے حاجی صالح خاں مرحوم اور ایک قافلہ کے ساتھ گئے۔ واپسی میں جدہ میں ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) میں بعمر پچھتّر سال انتقال کیا اور وہیں حضرت حوّا علیہا السلام کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ جتنا بڑا قرضہ چھوڑا اس سے زیادہ بڑا نام چھوڑ گئے۔

محمد تقی خاں

موصوف کے چھوٹے بھائی محمد تقی خاں مرحوم (یعنی نواب صدر یار جنگ بہادر حاجی مولانا حبیب الرحمٰن خاں مرحوم کے پدر بزرگوار) نے اپنے منجھلے بھائی کی حیات میں ہی بھیکم پور سے متصل موضع کھولاؤلی میں ایک گڑھی اور اس

کے اندر خوبصورت عمارتیں اور کوٹھی تعمیر کرائی۔ سدا بہار پائیں باغ نصب کیا جس
کے قلمی انبہ کی بوقلمونی مشہور ہے۔ خوبصورت بارہ دری بنائی اور اس آبادی کا نام
اپنے بیٹے کے نام پر حبیب گنج رکھا۔ اور مع اہل و عیال کے وہاں سکونت اختیار
کی۔ مگر روزانہ منجھلے بھائی مرحوم کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ محمد تقی خاں صاحب
مرحوم کی پیدائش سنہ ۱۲۵۳ھ میں ہوئی تھی۔ یہ آزاد اور شاہی منش اور مرنج مرنجان
قسم کے بزرگ تھے۔ جوانی میں مردانہ ورزشوں اور بنوٹ وغیرہ سے شوق تھا۔
شکار کا ذوق تھا۔ اردو ادب شعر سخن سے بھی وافر مناسبت تھی۔ اور دہلی کے
آخری زمانہ کے بعض عمائد (مثلاً مفتی صدر الدین خاں مرحوم، مرزا اسد اللہ خاں غالب
مرحوم، حکیم احسن اللہ خاں مرحوم وزیر بادشاہ وغیرہ) اور نواب کلب علی خاں مرحوم
والی ریاست رامپور سے مخلصانہ تعلقات تھے۔ اس صحبت کا اثر خاں صاحب مرحوم
پر آخر دم تک رہا۔ چنانچہ موصوف نے اردو میں ایک کتاب "سراپا معشوق" چھوڑی
جس میں اس کے سر سے پاؤں تک جملہ اعضا کے متعلق اساتذہ کے اشعار تھے۔ اس
کا قلمی نسخہ حبیب گنج لائبریری میں موجود ہے۔ متواضع اور خلیق تھے۔ راقم الحروف نے
موصوف کو دیکھا ہے اور ان کی خدمت میں باریابی سے فائدہ اٹھایا۔ نواب صدر یار جنگ
حبیب الرحمٰن خاں صاحب مرحوم و مغفور کی تعلیم و تربیت ان کے تایا منجھلے خاں صاحب
مرحوم کی نگرانی میں ہوئی اور اس وجہ سے وہ ملک و ملت دونوں میں نام آور اور
صدر نشیں ہوئے۔ محمد تقی خاں مرحوم نے اپنے منجھلے بھائی کی حیات ہی میں سنہ ۱۳۲۳ھ
۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا۔ باوجودیکہ منجھلے بھائی سے صرف ڈھائی برس چھوٹے تھے۔ مگر بھائی
کا ادب مثل باپ کے کرتے تھے۔ بڑے منتظم تھے۔ باوجود بھائی کا دست نگر رہنے
کے اعلیٰ درجہ کی یکسانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وسمہ اور خضاب روزانہ پابندی سے
ہوتا اور تا دم مرگ جوان معلوم ہوتے تھے۔ معاملات سے بے تعلق رہنے کے
باوجود صائب الرائے تھے۔ شعائر دینیہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔

حاجی عبد الشکور خاں کی اولاد | منجھلے خاں صاحب کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ

تک ریاست کا کام نواب صدر یار جنگ مرحوم کے سپرد رہا اور جس خوبی سے اُس کو انجام دیا اُس کا ذکر آگے آئے گا۔ حاجی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم کے پانچ بیٹے تھے عبدالغفور خاں، عبدالجبار خاں، عبدالستار خاں، خلیل الرحمٰن خاں، عبدالجلیل خاں۔ عبدالجبار خاں اور عبدالستار خاں کا انتقال باپ کے سامنے ہو گیا۔ عبدالجبار خاں لاولد رہے۔ عبدالستار خاں کے دو بیٹے عبدالحلیم خاں اور عابد خاں ہوئے۔ عبدالستار خاں حاجی ہوئے۔ عبدالغفور خاں کے بیٹے حاجی صالح خاں مرحوم اور عمر خاں ہوئے۔ خدا تعالیٰ اُن کو عرصہ تک زندہ اور خوش و خرم رکھے۔

مولوی خلیل الرحمٰن خاں

مولوی خلیل الرحمٰن خاں صاحب مرحوم نہایت خلیق اور متواضع تھے اُن کے دم سے بھیکم پور کی گڑھی میں بڑی رونق رہتی تھی منجھلے خاں صاحب مرحوم کی طرح اُن کے یہاں بھی غربا اور سائلان کا جم غفیر رہتا تھا موصوف نے بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح اپنی ریاست کو مقروض چھوڑا۔ حکومت میں با اثر تھے۔ خان بہادری کا خطاب پایا۔ ایک عرصہ تک اعزازی اسسٹنٹ کلکٹر رہے۔ مگر سود کی ڈگری کبھی نہیں دی۔ مذہب کے پابند تھے اور دستر خوان وسیع رکھتے تھے۔ قلمی انبہ کا باغ لگایا۔ شب بیدار اور عابد زاہد تھے۔ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء میں خدا تعالیٰ نے اُن کو اس دنیا سے اُٹھا لیا۔

حاجی صالح خاں

عبدالغفور خاں مرحوم کی دماغی صحت آخر زمانہ میں خراب ہو گئی تھی۔ اُن کے صاحبزادے حاجی صالح خاں مرحوم نے علی گڑھ میں کوٹھی خریدی اور غریب منزل نام رکھا۔ یہ ایک عرصہ تک آنریری مجسٹریٹ رہے۔ علی گڑھ میں سکونت اختیار کی اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر رہے۔ یونیورسٹی کے معاملات میں عملی حصہ لیتے تھے۔ داد و دہش خیرات کرتے ہیں اور لوگوں کو بڑی بڑی دعوتیں کھلاتے ہیں خاندانی روایت کو قایم رکھا۔ بہت سے نادار طلبہ کو وظائف دے کر اور اُن کے اخراجات کی کفالت کر کے تعلیم دلائی۔ اپنے دادا حاجی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم کے ساتھ حج کیا تھا۔ حاجی یعقوب خاں صاحب

رئیس دتاولی کی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی ایک لڑکی ہوئی ماں بیٹی کے انتقال کے بعد دوسری شادی حسن پور میں کی۔ لاولد رہے۔ بزرگانِ دین کے معتقد اور اُن کے اعراس میں حاضر ہوتے تھے۔

محمد عمر خاں عبد الصبور خاں

موصوف کے انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی محمد عمر خاں صاحب نے ریاست کا کام سنبھالا۔ انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ طرح طرح کے کھانے پکانے میں ماہر ہیں۔ طب میں بھی کچھ دخل ہے اور نیم حکیم ہیں۔ ریاست کا کام اپنے صاحبزادے عبد الصبور خاں صاحب بی اے کے سپرد کر دیا ہے مگر موجودہ حکومت نے اس بڑی اور دیگر ریاستوں کو ختم کر دیا۔ عبد الصبور خاں بی اے مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر با وقعت اور منتظم ہیں۔

حافظ عبد الحلیم خاں و عابد خاں

حاجی عبد الستار خاں مرحوم ابن حاجی عبد الشکور خاں کے بڑے بیٹے حافظ عبد الحلیم خاں کا انتقال جوان عمری میں ہو گیا۔ لاولد رہے۔ فارسی زبان میں اچھی استعداد رکھتے تھے خوش خط تھے اور شعر بھی کہتے تھے مگر افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ راقم الحروف کو موصوف کی صحبت کا لطف عمر بھر یاد رہے گا۔ اُن سے چھوٹے بھائی راقم الحروف کے کرم فرما عابد خاں صاحب مرحوم تھے۔ نہایت خوش خوراک خوش پوشاک اور خوش انتظام تھے متواضع تھے۔ احباب کا مجمع رہتا تھا۔ دستر خوان وسیع اور پُر لطف۔ حکام میں با اثر۔ غریبوں کا بہت کام اُن سے چلتا تھا۔ علی گڑھ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر اور صوبہ کی آئین ساز اسمبلی کے ممبر ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر رہے۔ اسمبلی میں وزیر اعظم سے لے کر ممبران تک اُن کی بذلہ سنجی اور صاف گوئی سے لطف اُٹھاتے تھے۔ خاندان کے ارکان میں چند سے تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ لاولد رہے پچپن چھپن سال کی عمر میں جنوری ۱۹۴۱ء میں انتقال کیا ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

غلام احمد خاں و عنایت اللہ خاں

خاندان بھیکم پور میں خانزماں خاں مرحوم کے بڑے بھائی داؤد خاں مرحوم کا ذکر ہم نے

اوپر کیا ہے۔ آخرالذکر کے دو بیٹے تھے یعنی غلام احمد خاں اور عنایت اللہ خاں۔ عنایت اللہ
خاں نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ مگر اپنے حقیقی بھتیجے
نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی تربیت اور تعلیم کی نگرانی عنایت اللہ خاں مرحوم
نے ہی کی۔ علاوہ پابند مذہب ہونے کے یہ بڑے علم دوست اور سر سید مرحوم کے
حامی اور مددگار تھے۔ بڑی بڑی رقمیں مدرستہ العلوم علی گڑھ کو دیں اور تعمیرات کے
اخراجات میں بڑا حصہ لیا جیسا کہ ان کتبہ جات سے ثابت ہے جو مسلم یونیورسٹی کی مختلف
عمارتوں پر ہیں۔ ایک بڑا چاہ پختہ "بیر عنایت" کے نام سے تعمیر کرایا جس پر کتبہ موجود
ہے اور جس کی تاریخ ہے "تحفۂ بیر من عنایت اللہ"۔ سائنٹفک سوسائٹی (حال داخل طبیہ
کالج) کے باغ (سوسائٹی گارڈن) میں ایک خوبصورت فوارہ اپنے صرفہ سے لگوایا جس پر
سر سید مرحوم نے ابھرے ہوئے حروف میں نہایت موزوں ادیبانہ عبارت کندہ کرائی۔
وہ اب نہایت مبتذل حالت میں دفتر انجینیری کے سامنے پڑا ہوا آنسو رو رہا ہے
عنایت اللہ خاں مرحوم کو خاندان شروانی کی تاریخ اور ان کے حالات کی تحقیقات
کرنے کا بھی شوق تھا۔ موصوف کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ نواب بہادر حاجی سر
مزمل اللہ خاں کو اوائل عمری سے مدرستہ العلوم سے دلبستگی اور اس کے ساتھ تعلقات
پیدا ہوئے جو آخر دم تک قائم رہے۔ سنہ ۱۲۳۵ھ میں باز خاں مرحوم مورث خاندان بھیکم پور
کے انتقال کے بعد سنہ ۱۸۳۲ء تک ریاست مشترک رہی۔

تقسیم ریاست بھیکم پور

اس سال باہمی رضامندی سے سب سے اول غلام
محمد خاں مرحوم ابن باز خاں مرحوم مورث خاندان اول
کا ترکہ تقسیم ہو کر علیحدہ ہوا اور ریاست دادوں کی بنا پڑی۔ اس کے چند سال بعد
عنایت اللہ خاں اور ان کے بھائی غلام احمد خاں مرحومین کا حصہ خانزماں خاں
مرحوم سے تقسیم ہو کر علیحدہ ہوا مگر گڑھی کی عمارتیں مشترک رہیں۔
مکانات کی تقسیم کا سلسلہ سنہ ۱۸۹۴ء کے لگ بھگ شروع ہوا اور ایک پنچایت
کے ذریعہ سے طے ہو گیا۔ نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں مرحوم نے

اپنی کتاب ”مقالات شروانی“ کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے کہ باز خاں مرحوم کے انتقال کے
چھ سات سال بعد یعنی سنہ ۱۲۴۱ھ میں مشترکہ ریاست میں کل پینسٹھ ۶۵ مواضعات ہر قسم کی
زمینداری کے تھے۔ جن کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ گیارہ ہزار تھی۔ اس حالت کا
مقابلہ اگر اُس وقت سے کیا جاوے جبکہ خاندان بھیکم پور کو جاٹوں نے خارج البلد کیا
تو معلوم ہوگا کہ باز خاں مرحوم اور اُن کے خاندان نے حالت سنبھال کر کس قدر
ترقی کی تھی۔ اس کی تائید ہمارے اُس بیان سے بھی ہوتی ہے جو ہم نے حکومت
انگریزی کے اوائل میں مستاجری اور ضامنی کی بابتہ اوپر درج کیا ہے۔ اور جس میں
دکھایا ہے کہ اس ریاست میں اضافہ اور ترقی کس طرح ہوئی ہے۔ آر ہچنسن
(HOTCHINSON) بی۔ سی۔ ایس نے اپنی کتاب ”اعداد و شمار متعلقہ علی گڑھ بابتہ
سنہ ۱۸۳۳ لغایت سنہ ۱۸۵۶ء“ میں دکھایا ہے کہ ان سنین کے درمیان تعلقہ بھوری تاہ
ریاست بھیکم پور کی مالگذاری بیالیس ہزار تین سو تیرہ ۴۲۳۱۳ روپیہ تھی۔ یہ تعداد قریب
قریب وہی ہے جو نواب صدر یار جنگ مرحوم نے اپنی کتاب محولہ بالا میں دکھائی ہے۔
خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے اور حسن انتظام سے زمانہ حال میں یہ آمدنی چوگنی
پچگنی ہوگئی مگر موجودہ حکومت کے ہاتھوں منسوخی زمینداری کے سلسلہ میں یہ قریب قریب
سب غائب ہوگئی آیندہ کا علم صرف عالم الغیب والشہادۃ کو ہے۔ ہچنسن مذکورہ بالا
نے اپنی کتاب محولہ بالا میں سنہ ۱۸۳۳ء کی تشخیص شدہ جو مالگذاری دکھائی ہے اُس میں
اور آج کل کی جمع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ویسی ہی حالت شروانی دیہات کی
مردم شماری میں اضافہ کی ہوئی۔ اس کتاب نے دیہات برلہ، شیخوپورہ، قطب پور،
شمشیر پور، مدا پور، پڑیلاتی، بہرام پور، پیپڑورہ، دتاولی، بھیکم پور، رسول پور، چھترپور،
داد وں، سالار پور، دہنساری، سانکرا اور لہرا سلیم پور کی مردم شماری کے اعداد
دیئے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ یا تو جوتنے کے لئے کافی اراضی نہیں ہے اور کسی
کے پاس بہت زیادہ اور کسی کے پاس کم اراضی ہے یا بالکل نہیں۔ نئی تعداد [illegible]
کاشتکاروں کے رقبہ جات میں کمی [illegible]

عزل و نصب ہوئیں کل اونٹ بیٹھے۔

نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں

نواب بہادر سر حاجی مزمل اللہ خاں اور نواب صدر یار جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں مرحومین کے حالات بیان کرنے کے واسطے ایک علیحدہ مبسوط اور ضخیم کتاب چاہئے تفصیلات کے واسطے اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ مگر ان حضرات کے تذکروں کے بغیر یہ کتاب بالکل ہی نامکمل رہے گی۔ ابتدائی زمانہ کے عمر خاں شروانی اور اُن کے رفقائے کار اور حال کے زمانہ کے داؤد خاں مورث خاندان بھیکم پور کی اور ان دونوں حضرات کی اور خاندان دتاولی میں فیض احمد خاں مرحوم کی اور اُن کے بیٹوں کی کاوشیں ایسی ہیں کہ انہوں نے شروانیوں کی تاریخ پر پردہ ڈال ڈالا۔ صرف اس ابتدائی اور آخری جدوجہد کی نوعیت میں فرق ہے۔ ان حضرات کی وجہ سے شروانیوں کے تاریخ پھر روشن ہوئی۔ انہوں نے عمر خاں شروانی کے خاندان کے واقعات کو یاد دلا کر اُجاگر کیا ہم از روئے تیمن نواب بہادر سر حاجی مزمل اللہ خاں اور نواب صدر یار جنگ مولانا حاجی حبیب الرحمٰن خاں مرحومین کے متعلق صرف چیدہ چیدہ واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اول الذکر [illegible] میں اپنے آبائی قلعہ بھیکم پور میں پیدا ہوئے۔ اسی سال کے آخر میں ان کے دادا حاجی داؤد خاں صاحب اس دنیا سے سدھار گئے۔ نواب صاحب مرحوم کی بسم اللہ پانچ سال کی عمر میں ہوئی۔ مولوی [illegible] ساکن [illegible] پوری [illegible] [illegible]

نواب صاحب موصوف نے اپنی خداداد [illegible] ذہانت اور قوی حافظہ کی وجہ سے عربی فارسی میں جلد مہارت کامل حاصل کر لی۔ مگر بڑھ کر انگریزی سیکھی اور عمر میں اس [illegible] زبان میں بلا تکلف تقریر اور تحریر فرماتے تھے۔ آخری زمانہ موصوف کے مشاغل اور انگریزوں اور انگریزی داں اصحاب کی صحبت نے ان میں چلا دی دی۔ اپنی آبائی زبان پشتو [illegible] اپنے دادا مرحوم کی حسرت [illegible]

اور فصیح شہری پشتو بولتے تھے۔ شاعری میں ذوق تھا۔ فارسی زبان میں ایرانی شاعر سنجر اور اُردو میں استاد داغؔ سے تلمذ تھا۔ فارسی کے کلام کے دوران میں کوئی مصرعے عربی میں بھی ضم کر دیتے تھے۔ موصوف کا کلام کلیات کی دیدہ زیب صورت میں اُن کے انتقال کے بعد سنہ ۱۹۴۱ء میں نواب صدر یار جنگ مرحوم نے مولوی مقتدی خاں شروانی کی ترتیب سے شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ سے شائع کرایا۔ کم گو مگر نغز گو شاعر تھے۔ خود ہی فرمایا ہے کہ ؎

ما ہ بیش نیست کہ من شعر گفتہ ام | ہرگز نہ گفتہ مشقم و نے دیر سالیم
حاشا کہ لافِ شعر و بلاغت سزد مرا | فردوسیم نہ سعدیم و نے ہلالیم

شعر گوئی کے ساتھ شیر افگن بھی تھے شکار سے ذوق اور گھوڑے کی سواری سے شوق تھا۔ ممدوح کی عمر قریب ۱۲ سال کی تھی کہ والد ماجد کا سایہ سر پر سے اُٹھ گیا اور اُن کے شفیق چچا عنایت اللہ خاں مرحوم بھی جن کی نگرانی اور تربیت میں نواب صاحب جوان ہوئے اس دُنیا سے اُٹھ گئے۔ اپنے بڑے بھائی احمد سعید خاں مرحوم کی شرکت میں ریاست کا کام سنبھالا۔ آخر الذکر قطع وضع میں ابتدائی پٹھانوں کی شان رکھتے تھے۔ بارُعب اور منتظم زمیندار ہونے کے علاوہ تجارت میں بھی درک و دخل تھا۔ نواب صاحب موصوف کی ذہانت، انتظامی قابلیت اور اپنے کاروبار پر توجہ اس سے ثابت ہے کہ موروثی ترکہ کی تقسیم کے وقت اُن کا منافعہ بروایت ثقہ دو بارہ ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ نہ تھا مگر انتقال کے وقت باوجود کثیر داد و دہش کے زمینداری اور تجارت اور کرایہ جات وغیرہ سے سالانہ منافعہ تین لاکھ روپیہ سے اوپر چھوڑا۔ اُن کا اقبال زوروں پر تھا۔ وہ قسمت کے دھنی تھے مٹی پکڑتے تو اُن کے ہاتھ میں سونا ہو جاتا۔ جو رائے قائم کرتے اُس پر عمل کرتے [illegible] کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے فیضی کا یہ قول موصوف کے حسبِ حال تھا ؎

درد و دریغ کز این خسرو بیگانہ | چیدیم گل [illegible]
از ہم [illegible] | [illegible]

علاوہ حصول زمینداری کے سکنی جائداد میں معتدبہ اضافہ کیا۔ تجارت کی منڈیاں گنج بازار اور روئی کے پریس اور الیکٹرو پلیٹ کے کارخانہ سے تمتع حاصل کیا۔ ۱۹۱۰ء کے لگ بھگ آبائی گڈھی بھیکم پور سے ترک سکونت کر کے اُس کے بالکل متصل جدید قلعہ تعمیر کرایا جس میں عالی شان عمارتیں اور خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ قلمی آمبہ کے باغ لگائے۔ قلعہ جدید کے قریب روشنی اور دیہات میں آبپاشی کے واسطے بجلی کے انجن لگائے جن سے زرخیزی میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کے قریب ایک وسیع احاطہ میں شاندار کوٹھی مزمل منزل کے نام سے تعمیر کرائی۔ وسیع پائیں باغ لگایا اور یہاں بھی خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ علی گڑھ کی نمایش کے بازارگاہ پر اُن کے نام نامی کی یاد موصوف کا تعمیر کرایا ہوا خوبصورت "مزمل گیٹ" ہمیشہ دلاتا رہے گا۔ وسط شہر علی گڑھ میں مزمل گنج نے یہاں کی تجارت کو فروغ دیا۔ راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ باوجود منصرم، کارندگان اور کثیر عملہ رکھنے کے موصوف کی نظر اور توجہ ریاست اور کاروبار کے چھوٹی جزیات اور تفصیلات پر ایسی ہی تھی جیسے کہ بڑے معاملات پر۔ موصوف کی زمینداری کے مواضعات اضلاع علی گڑھ۔ ایٹہ وغیرہ میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے مگر خبر رسانی کا سلسلہ ایسا رکھا تھا کہ ذرا ذرا بات کی اطلاع موصوف تک پہونچتی تھی۔ اور اپنے غیر معمولی حافظہ کی بنا پر اپنی رعایا میں سے ہر کس و ناکس سے واقف تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عید الفطر کے بعد راقم الحروف موصوف کی خدمت میں حاضر تھا۔ ہزاروں کاشتکاران اور متوسلین کا مجمع قلعہ جدید میں عید کی مبارکباد دینے کے واسطے موجود تھا۔ موصوف ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اُس کے اور اُس کے خاندان کی خیریت دریافت کرتے اور بہت سوں کے نام بتاتے جاتے تھے۔ موصوف کی ملی اور ملکی خدمات کی بابت یہ رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ کہاں سے شروع کی جاویں اور کہاں ختم۔ ان خدمات کا جواب زرد سے لکھنے کے قابل ہیں۔ دین اور دنیا دونوں سے تعلق تھا۔ ۳۹-۱۹۳۸ء میں راقم الحروف نے حرم شریف مکہ معظمہ کو روشنی پہونچانے کے واسطے موصوف کا عطا کیا ہوا بجلی کا انجن

خود دیکھا۔ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اور جدّہ کے عرب مرحوم کے مصارف خیرات اور جود و عطا پر رطب اللسان تھے۔ ملک معظم ابن سعود نے موصوف کو بیش قیمت خلعت عطا کیا۔
ہندوستان بھر کے مصارف خیر میں جو موصوف نے بڑا حصہ لیا اُن میں سب سے اوّل نمبر مدرسۃ العلوم اور مسلم یونیورسٹی کا ہے۔ موصوف شروع سے کالج کے ٹرسٹی اور سرسید علیہ الرحمۃ اور اُن کے جانشینان کے دست راست رہے کچھ عرصہ تک وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی اور اُس کے ریکٹر رہے۔ آخری عہدہ کے لئے شرط ہے کہ صرف وہ اصحاب ریکٹر ہو سکتے ہیں جن کے عطیے ایک لاکھ روپیہ سے کم نہ ہوں نواب ممتاز الدولہ سر فیاض علی خاں مرحوم کے بعد نواب صاحب موصوف کچھ عرصہ ٹرسٹیوں کے بورڈ کے صدر رہے جب سرسید مرحوم اور سمیع اللہ خاں مرحوم میں کالج کے معاملات کے بابتہ اختلاف ہوا تو نواب صاحب موصوف نے سرسید کا ساتھ دیا۔
اس کے بعد ۱۹۰۸-۰۹ء میں جب سکرٹری نواب وقار الملک مرحوم اور صوبہ کے گورنر سر جان ہیوٹ اس وقت کے بڑے زوردار لفٹننٹ گورنر میں کچھ بدمزگی ہوئی تو نواب مزمل اللہ خاں مرحوم نے اُس کے سلجھانے میں بہت حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔
موصوف کے عطیہ جات کی مقدار لاکھوں روپیہ تک پہنچتی ہے اور اُس کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ موصوف کے عطیہ کی آمدنی سے مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور حال کی مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کو ایف اے سے لیکر ایم اے تک مخصوص مضامین کے امتحانات میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے پر سنہری تمغہ جات دئے جاتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کی مختلف عمارتوں پر موصوف کے نام نامی کے کتبہ جات اُن کی فیاضی کی یاد دلاتے ہیں۔
مسلم گرلس کالج علی گڑھ اور سٹی مسلم ہائی اسکول موصوف کی مالی امداد کے مرہون منت ہیں۔ ہمارے گھر کا مدرسہ شروانی اسکول چھرہ ضلع علی گڑھ (جو بد قسمتی سے چند ہی روز زندہ رہا) موصوف کی امداد سے محروم نہیں رہا ؎

راستی خاتم فیروزۂ بو اسحاقی
خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

اور اسی مدرسہ کے ایک سالانہ جلسہ میں موصوف نے اپنی فارسی کی بلیغ نظم
سنائی تھی جس میں شروانیوں کا مدوجزر تھا۔ مگر جلد چند وجوہ سے موصوف نے اس
درسگاہ پر توجہ دیگر افراد خاندان کے واسطے چھوڑ دی تھی۔ علی گڑھ ہی پر کیا منحصر
ہے، بیرونجات کے اداروں، مساجد، مدارس اور انجمنوں نے بھی مرحوم کی کشادہ
دل فیاضی سے فائدہ اُٹھایا۔ اُن میں اسلامیہ کالج اٹاوہ کی ایک شاندار دارالاقامت
مرحوم کی یادگار ہے۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مسجد اُن کا صدقہ جاریہ ہے۔ مسلم
میواتی ہائی اسکول گوڑگاؤں (جس کے جلسے میں مرحوم نواب بہادر ایک مرتبہ شریک
ہوئے) اسلامیہ اسکول سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ، مسلم ہوسٹل الہ آباد یونیورسٹی، جامع مسجد
علی گڑھ، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ، کنگ جارج میڈیکل کالج
و مشن کالج لکھنؤ، شفاخانہ امراض چشم رجال گاندھی آئی ہاسپٹل علی گڑھ وغیرہ موصوف
کی مالی امداد سے مستفید ہوئے۔ موصوف صوبہ کی بڑی بڑی سرکاری
کمیٹیوں کے اور حکومت ہند کے کمیٹیوں کے سرگرم رکن رہے۔ علی گڑھ
ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایک عرصہ تک انکے صدر [illegible] ان کے ساتھ
رہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کو بڑی بڑی رقوم اپنے پاس سے عطا
کیں اور سڑکیں بنوائیں۔ باوجود بڑی ریاست کے انتظام
اور عدیم الفرصتی کے ایک عرصہ تک اسپیشل مجسٹریٹ درجہ
اوّل رہے۔ یہ درجہ اوّل کیا تھا بلکہ درجہ خاص [illegible] تھا کیونکہ
موصوف کو کچھ دن تک اعزازی طور پر تحصیل اترولی کے حاکم پرگنہ کی خدمات انجام
دینا پڑیں۔ جو لوگ عدیم الفرصتی کی شکایت کرتے ہیں وہ مرحوم کی زندگی سے سبق
سیکھیں۔ لطف اور حیرت کی بات یہ ہے کہ قلعہ جدید بھیکم پور میں اور موصوف کی کوٹھی
نذیر منزل علی گڑھ میں احباب اور افسران حکومت اور [illegible] رہتے تھے جو دو دو
پارٹیوں، مہمانوں کی بھرمار اور خاصی مہمانداری رہتی تھی۔ مگر مرحوم ہیں کہ خندہ
پیشانی کے ساتھ ان دنیاوی کاموں اور خدا کی عبادت کے لئے وقت نکالتے تھے

یہ سُنی ہوئی باتیں نہیں بلکہ راقم الحروف کا مشاہدہ ہے۔

بالآخر اس دنیا میں بھی گوشۂ آخرت (یعنی حج بیت اللہ شریف کے علاوہ) خدا تعالےٰ نے موصوف کو صلہ دیا۔ اُن کی خدمات قبول ہوئیں ملک اور حکومت نے موصوف کی قدر افزائی کی۔ وقتاً فوقتاً اور درجہ بدرجہ خطابات اور بیش قیمت خلعت اور تلوار سے سرفراز کیا آخری خطابات نواب بہادر (نسلاً بعد نسلٍ نواب) اور سی۔ آئی۔ ای نے ابتدائی خطابات (خان بہادر اور او۔بی۔ای) کو بھلا دیا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ عزت حاصل ہوئی کہ سنہ ۱۹۳۰ء میں حکومت نے موصوف کو صوبہ کی ہوم ممبری (وزیر امور داخلیہ) کے عہدہ پر مقرر کیا اور اپنے نظر انتخاب کی داد لی۔ موصوف نے ایک عرصہ تک اس عہدہ کے بھی فرایض انجام دئے اور اپنی ریاست کی بھی نگرانی رکھی۔ اس زمانہ میں بلا قید ملت و مذہب اور قوم کے بہت سے حاجتمندوں کی حاجت روائی کی۔ اپنے اثر سے کام لیکر سرکاری جیلوں میں محبوس سیاسی قیدیوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرایا۔ موصوف کی سب سے بڑی خدمت یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اپنے خاندان کے اور غیر خاندان کے لوگوں کو جو قرضوں کے جال میں پھنسے ہوئے تھے مہاجنوں کے چنگل سے رہائی دلائی۔ اُن کی جائدادوں کو مراعات کے ساتھ اپنے یہاں رہن رکھا اور اُن سے ٹھیکے لیکر قرضے بلا سودی دئے۔ اور مقروض حضرات اور اُن کی اولاد کے واسطے خورد و نوش کا انتظام کیا۔ اس سیر چشمی کی زندہ مثالیں شروانی ریاست پڑھ گاؤں اور لال قاتی ریاست پہاسو ضلع بلند شہر ہیں۔

بلا آخر اللہ کے معاملہ میں تو بہت بڑا مالی اور قانونی خطرہ اپنے سر لیا اور پھر اُن کو چند سال بعد بڑے گھاٹے کے ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ نواب صاحب مرحوم ہی کا دل گردہ تھا جو ہاتھوں سے ایک پریشان اور ضرورتمند بڑے سیٹھ کو (جس کا فوراً دیوالہ نکلنے والا تھا) اُس کی زبانی درخواست پر اور یہ سمجھتے ہوئے کہ معلوم نہیں آیندہ اُن سے کچھ وصول ہو سکے یا نہ ہو سکے بلا لکھت پڑھت کے ایک لاکھ روپیہ کا چیک سا

دے دیا ہے

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

کا مضمون ہوا۔ دنیا کی زبان تو کسی نے روکی نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نواب صاحب
مرحوم نے اپنے مفاد کے واسطے جائدادوں کو اپنے یہاں رہن یا ٹھیکہ پر رکھا اور
اُن سے مالی فائدہ اٹھایا۔ مگر دماغی توازن قائم رکھنے والے حضرات کو یہ بھی
سوچنا چاہیے کہ اگر ان کارروائیوں میں نواب صاحب مرحوم کا فائدہ تھا تو اُس
سے زیادہ دوسرے فریق کا تھا۔ مگر پھر کسی کی جائداد اپنے ہی گھر میں رہے تو بہتر
ہے یا کسی غیر کے ہاتھوں میں جائے جیسے کہ بہت سے شروانیوں کی جائدادیں غیروں
کے قبضہ میں پہونچیں۔ بے عیب ذات پاک خدا تعالےٰ کی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا
کہ نواب صاحب موصوف سے بعض لوگوں کو شکایت پیدا نہ ہوتی تھی یا نہ ہوئی،
یا موصوف حصول زمینداری و تقسیم منافعہ میں سخت گیر نہ تھے مگر اسی کے ساتھ ایک
ہاتھ سے لیتے تو دوسرے ہاتھ سے اُس سے زیادہ دیتے تھے۔ مرحوم کے اچھے
اوصاف اور نیکیوں کا پلہ بہت بھاری تھا اور خدا تعالےٰ کی بخشش سے اُمید ہے کہ
عاقبت میں بھی بھاری رہے گا۔

نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی اولاد

مرحوم کی کئی چھوٹی بڑی اولاد دنیا
اُن کی زندگی ہی میں اُٹھ گئی
رخصت ہو کر اُن کو داغ مفارقت دے گئیں۔ سب سے بڑے بیٹے اسعد اللہ خاں مرحوم
[illegible] میاں سے [illegible] قائم ہوا۔ بیٹیاں
[illegible] نواب صاحب
برس کی عمر میں نواب صاحب مرحوم کی حیات میں [illegible]
مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی [illegible] شروانیہ ایک عالم فاضل اردو کی
پایہ کی شاعرہ تھیں جو ان کی [illegible] ۔ ان قبل از وقت اور
پُر ملال موتوں سے نواب صاحب موصوف [illegible] کو گہرا صدمہ
کیا۔ نزہت شروانیہ سے خاندان شروانی کا نام روشن تھا۔ ان کا کلام [illegible]

فلسفیانہ اور دل میں اُتر جانے والا تھا۔ مرحومہ نے ایک اپنے اردو فارسی کے کلام کا دیوان "فردوسِ تخیل" کے نام سے چھوڑا ہے۔ نمونہ کے طور پر ہم مرحومہ کے دو چار شعر پیش کرتے ہیں تاکہ اُن کی طبیعت اور کلام کا اندازہ ہو جائے۔ فرماتی ہیں ؎

بینائی سے تھی محروم نظر پردہ میں نہ تھا نور ترا / جب آنکھ سے نکلی گردِ خودی اُس دم نظر آیا نور ترا
سبحانک یا ذالمجد پڑھے غفرانک اللّٰہم کہے / ہر ذرہ سبب لب پہ [illegible] یا رب خداوند ترا

دیگر

بایدا کنوں رونقِ محفل شود تنویرِ ما / باید اکنوں [illegible] شود تعبیرِ ما
ابلہش دانیم اگر ناصح کند آہنگِ پند / جاہلش خوانیم اگر واعظ کند تکفیرِ ما

گرہ شعرِ حافظؒ ؎

ما مریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں
روبسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما

نزہت مرحومہ کی بڑی بہن بھی شاعرہ ہیں نکہت تخلص کرتی ہیں۔ یہ بھی ماشاء اللہ بڑی پڑھی لکھی ہیں۔ مگر اب دماغی عارضہ کی وجہ سے اُن کی صحت اچھی نہیں اور شعرگوئی کا سلسلہ عرصے سے بند ہے اور دیوان اسی خوش دماغی کی نذر ہوا۔ موصوفہ کے دو اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

محو جب دل سے خیالِ ماسوا ہو جائے گا / ہم خدا کے ہوں گے اور اپنا خدا ہو جائے گا
بارِ احسانِ مسیحا سر پہ لے میری بلا / درد جب حد سے بڑھے گا خود دوا ہو جائے گا

موصوفہ کی شادی خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب رئیس پورہ گاؤں کے ساتھ ہوئی اور ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ نعیم اللہ خاں عرف نعمت میاں اور تین شادی شدہ صاحبزادیاں ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب کو خوش و خرم اور [illegible] رکھے۔ نواب صاحب بہادر مرحوم کے ایک صاحبزادے نواب [illegible] اللہ خاں عرف [illegible] میاں ہیں۔ ان کی عمر نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے وقت ۱۳۲۳ھ میں تقریباً دس سال کی تھی۔ اب ماشاء اللہ شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہیں مولوی [illegible]

صاحب رئیس دادوں کی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی۔ حیات میاں موصوف ماشاءاللہ
بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ جوان صالح۔ سنجیدہ۔ متین حلیم الطبع صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ اور خاندانی
روایت کے مطابق (مطالعہ کے ساتھ) شکار کے بھی شائق۔ موصوف سے اس ناچیز
کتاب کی طباعت اور اشاعت میں ہم کو بڑی مدد ملی۔ نواب حیات میاں کی چھوٹی
(خود میاں موصوف سے بڑی) ہمشیرہ کی شادی مسٹر غلام السبطین عرف فضال میاں
ابن مولوی حاجی محمد جان خاں کے ساتھ ہوئی اور وہ بھی ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں
خدا تعالیٰ ان سب کو خوش وخرم اور کامیاب رکھے۔ نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم
نے اس اولاد کے علاوہ سب سے بڑی اولاد اپنا کام اور کام سے نام چھوڑا ہے
جو ابد تک روشن رہے گا انشاءاللہ۔

نواب صدر یار جنگ

نواب صدر یار جنگ حاجی مولانا ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خاں
صاحب مرحوم کے بارہ میں ہمارے لئے کچھ عرض کرنا
چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ خود مرحوم نے اپنی کتاب "مقالات شروانی" (مطبوعہ ۱۹۴۷ء
ترتیب ونگرانی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی بلونوی) میں اپنی زندگی کے کئی ایک
پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر مرحوم کے انتقال پر ملال کے بعد کئی ایک فاضل
اور قابل حضرات نے ان کے سوانح حیات کو اخبار جمہور مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء کے
صدر یار جنگ نمبر میں (جس کو بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس اخبار کے قابل
نگراں مولوی عبدالشاہد خاں شروانی اور ڈپٹی اسسٹنٹ لائبریرین لائبریری مسلم یونیورسٹی
اور مرحوم کے پوتے ریاض الرحمٰن خاں شروانی ایم اے نے مرتب کیا) وضاحت کے
ساتھ قلمبند کیا ہے جس کے سامنے ہمارے اس مختصر سے بیان کی کیا حقیقت ہے۔
مگر اس جذبہ کے ماتحت جس کا اظہار ہم نے اوپر کیا ہے اور اس شفقت بزرگانہ کا جو
مرحوم نے ہمیشہ راقم الحروف کے ساتھ برتی لحاظ کرکے اور نیز شروانیان سلف اور
حال کے متعلق حالات کو یکجا کرنے اور قلمبند کرنے کے بارے میں مرحوم کی تاکید آمیز
ہدایتوں کا خیال کرکے ہم بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے مرحوم کے متعلق کچھ عرض کرنے کا ارادہ

حاصل کرتے ہیں اور افسوس اس امر کا ہے کہ یہ کتاب شروانی نامہ مرحوم کی زندگی میں چند دقّتوں کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی۔

مرحوم ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے اور اگست ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور ۸۴ سال کی عمر پائی۔

موصوف کے مورثوں کے اور موصوف کے زمانہ میں زمین آسمان کا فرق تھا مگر وہ پُرانی تہذیب اور شائستگی اور حال کی سوسائٹی اور طرزِ معاشرت کا ایسا مجموعہ تھے جس سے پتہ لگانا مشکل تھا کہ پُرانی تہذیب کہاں ختم ہوئی اور نئی شائستگی کہاں شروع ہوئی۔ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت میں ایک دوسرے کو فوقیت نہیں دی جا سکتی اوّل الذکر کے متعلق خود مرحوم کا یہ شعر ؎

ہے جھلک حسنِ خود آرا کی تری حیرت میں
رشکِ صد آئینہ حسرت ہے یہ صورت تیری

صادق آتا ہے حسنِ سیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پسِ مردن بھی وہ دُنیا کے محبوب ہیں اور آخرت میں اُن کے جنت نصیب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مرحوم مغفور نے اپنے حالات در بارہ تعلیم خاندان، انتظامِ ریاست اور تقسیمِ ترکہ خود اپنی کتاب "مقالاتِ شروانی" کے صفحات ۲۲ لغایت ۲۹ پر مختصراً قلمبند فرمائے ہیں۔ ہم اُن سے بہتر تحریر نہیں کر سکتے ہم صرف اس قدر اضافہ کریں گے کہ مرحوم نے اپنی بابتہ کسرِ نفسی سے کام لیا ہے در اصل یہ حالات اُن سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے جو کتاب مذکور میں درج ہیں۔ اس خیال سے کہ شاید کتاب مذکور کو راقم الحروف کی اس ناچیز کتاب کے پڑھنے والوں نے نہ دیکھا ہو ہم چیدہ چیدہ حالات موصوف کی قلمبند کی ہوئی یادداشت سے لیکر پیش کرتے ہیں جن کے مستند ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ مولوی سید حسن شاہ رامپوری نے (جو کاملانِ رامپور میں سے تھے) موصوف کو بسم اللہ پڑھائی بعدہٗ میر فرزند علی ساکن مارہرہ نے قرآن شریف پڑھایا اور فارسی کی تعلیم دی اور خطّاطی کی مشق کرائی۔

اس قرآن کی تعلیم کو حکیم سلیم اللہ کولوی نے جاری رکھا۔ مولانا سید اکبر صاحب پشاوری
نے عربی شروع کرائی۔ اور اس کو مولوی غلام محمد صاحب پنجابی نے آگے بڑھایا۔
ادب، منطق، نحو، فقہ، حدیث میں موصوف نے خاصی ترقی کی۔ فاضل اور کامل مولوی
عبدالغنی خان صاحب مرحوم قائم گنجی سے (جو استاذ العلما محقق لطف اللہ رحمہ اللہ کے
ارشد تلامذہ میں تھے اور خود بڑے علما میں شمار کیے جاتے تھے اور مسائل میراث
میں یکتائے فن تھے) موصوف نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد استاذ العلما
مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم کولوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حدیث
کی سماعت اپنے پیر و مرشد مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ گنج مرادآبادی اور
قاری عبدالرحمن صاحب مرحوم پانی پتی سے بھی کی۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں حاضری کے
دوران میں مشہور قرا سے قرأت میں استفادہ حاصل کیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ "من المہد
الی اللحد" اپنے علم و فضل میں اضافہ ہی کرتے رہے جیسا کہ مرحوم کی کثیر تصنیفات اور
ان کی پر مغز تقاریر سے بخوبی ثابت ہے۔

موصوف نے انگریزی تعلیم کا سلسلہ گھر پر شروع کیا تھا پھر سال ڈیڑھ سال ۱۸۸۷ء
لغایت ۱۸۸۸ء میں آگرہ کالج کے اسکول میں رہ کر حق طالبعلمی ادا کیا۔ اور پھر تین چار انگریز
ہیڈ ماسٹروں سے علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر کے اپنی انگریزی میں اس قدر اضافہ کیا کہ مرحوم
انگریزی کتب اور اخباروں کو بے تکلف سمجھتے تھے۔ اور انگریزوں سے ان کی زبان
میں گفتگو کرتے تھے۔ مگر انگریزی تعلیم کو عربی فارسی پر فوقیت اور ترجیح نہیں دی یہی
نہیں بلکہ سیاق اپنے طریقہ سے حساب کتاب کاغذات ریاست بھی سیکھا۔ موصوف کا مشہور
کتاب خانہ واقع حبیب گنج جو ہندوستان میں کیا بلکہ دنیا بھر میں مشہور اور معروف
ہے مرحوم کے لئے ایک درسگاہ تھا۔ خود راقم الحروف نے دیکھا ہے کہ کس ذوق
شوق اور توجہ سے مرحوم اس کتب خانہ میں اپنے مقررہ اوقات میں مصروف
رہتے تھے۔ اس کی فہرست بڑی محنت اور دقت سے کئی مجلدوں میں خود مرحوم نے
مرتب کی۔ راقم الحروف نے یہاں کی جس کتاب کو اٹھایا اس پر مرحوم کے ہاتھ کی

یادداشتیں اور نوٹ درج پائے۔ ہزاروں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کے اس ملاحظہ اور کتب بینی سے مرحوم کی وسعت نظری، ذہنیت، قوت حافظہ اور شوق و شغف کا پتہ چلتا ہے۔

موصوف مرحوم کو لڑکپن ہی سے کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا چنانچہ اُس کی نہایت دلچسپ کیفیت اور کتابوں کی نوعیت اور بیش بہا ہونے پر مرحوم نے اپنی کتاب "مقالات شروانی" میں روشنی ڈالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب خانہ (جو آج علمی جواہر پارہ کا پیٹارہ ہے) کیسے جمع ہوا۔ اُس کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیئے ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ اب اس میں چھ ہزار سے زائد کتابیں ہیں جن میں سے ڈیڑھ دو ہزار کے قریب مخطوطات ہیں اور اُن میں بعض نادر کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔ اگر مرحوم کے ورثا اس کتاب خانہ کو علی گڑھ جیسی مرکزی جگہ میں منتقل کردیں تو علم دوست دنیا پر بڑا احسان ہوگا۔ اگرچہ اُس کے دیکھنے کے شوق میں شائقین حبیب گنج اب بھی پہونچتے ہیں مگر علی گڑھ میں رکھنے سے اُس کا فائدہ دو چند اور سہ چند ہوجائے گا۔ اس کتاب خانہ اور کتابوں کے مطالعہ سے مرحوم کے ذوق کے سلسلہ میں بے جا نہ ہوگا اگر ہم اُن کی تصانیف کے بابت کچھ عرض کریں۔ مرحوم کے تبحر علمی پر تبصرہ ہماری قابلیت سے باہر ہے۔ اُسی کے لحاظ سے مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے مرحوم کو اس ادارہ میں شعبۂ دینیات کا ڈین (یعنی اعلیٰ نگران کار) مقرر کیا تھا اور اسی کی بدولت ریاست حیدرآباد میں صدر الصدوری کے عہدے پر فائز ہوئے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ مرحوم کو فارسی اردو شاعری سے ذوق تھا حضرت امیر مینائی مرحوم لکھنوی سے تلمذ تھا۔ مگر چونکہ بہت سے شعرائے فارسی اردو اور ادیبوں کی صحبت حاصل ہوئی اُن کے کلام کو بغور مطالعہ کیا اس لئے وہ خود اُستاد بن گئے گلستے گاتے آدمی گلاونت ہوتا ہے۔ اگرچہ کم کہتے تھے مگر نغز گو فارسی اردو کا کلام فصیح اور بلیغ ہے۔ کلیات خسرو کی طباعت میں مرحوم کا بڑا حصہ ہے۔ اپنے کتاب خانہ کے بیش قیمت قلمی نسخوں سے مقابلہ میں مدد کی۔ ہر طریقہ سے اس ادبی اور علمی کام میں

امداد بہم پہونچائی۔ حسرت کے تخلص سے ایک دیوان چھوڑا ہے جو مطبوعہ ہے۔ اس
کے علاوہ حسب ذیل کتب کے مصنف تھے جو مطبوعہ ہیں یعنی ذکر الحبیب، ذکر جمیل
شانِ رسالت، رسالۂ عامّہ، شمعِ ہدایت، ذکر شریف، پیغامِ رحمت، آفتابِ رسالت
سیرۃ الصدیق، ذکرِ محبوب، قرۃ العین، تبصرہ (مع فقہ حنفی) علمائے سلف، نابینا علما،
استاذ العلما، تذکرۂ بابر، حالاتِ حزیں، اسلامی اخلاق، نقشِ وفا، سرسید کی یاد،
عرضِ اخلاص، مسلمانوں کی تعلیم قدیم، برقِ تجلی، تعلیم اسلام کا اثر، عمر و صحت، خطبۂ
صدارت اورینٹل کانفرنس وغیرہ ان کے علاوہ کثیر التعداد مضامین اور تقاریر جو
ملک کے مختلف رسالوں اور اخباروں میں اور انجمنوں کی کارروائیوں میں چھپتی
رہتی تھیں (تمام کتب مندرجہ بالا حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب کے شروانی پریس بک ڈپو
علی گڑھ سے ملتی ہیں) ۱۸۹۰ء سے مرحوم کا تعلق مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ سے شروع
ہوا۔ اول اول اس کے لائف ممبر ہوئے ۱۹۱۰ء میں جوائنٹ اور ۱۹۲۱ء میں سکریٹری
مقرر ہوئے اُس وقت سے آخر دم تک مرحوم نے اس ادارے کو چلایا۔ غیر منقسمہ
ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اُس کے جلسے کرائے جس سے مسلمانوں میں تعلیم کے مسئلہ
سے دلچسپی اور تعلیم میں بیشی ہوئی۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے اردو میں بہت سی
مفید کتابیں اور ایک اخبار کانفرنس گزٹ شائع کیا۔ مرحوم کے بیش از بیش علمی
کارنامے ایسے ہیں جنھوں نے دنیا میں داد تحسین حاصل کی اور جو آخرت میں ان
کے نیکیوں کے پلّہ کو بھاری کریں گے۔ قومی کاموں کی پچاس چالیس برس کی کارروائی
کی رپورٹیں مرحوم کے ان کارناموں سے پُر ہیں۔ موصوف مرحوم کو ملک کی سیاسیات
سے دلچسپی نہ تھی وہ اُس سے الگ تھلگ رہتے تھے مگر ان سے باخبر رہتے تھے بجائے
اُس کے ملک اور ملت کی علمی اور تعلیمی تحریکوں میں وقت صرف کرتے تھے وہ [illegible]
کے بعد ہی کالج کے ٹرسٹی منتخب ہو گئے تھے جو مسلم یونیورسٹی کی تحریک میں اور اُس کی
تاسیس میں حصہ لیا اور کورٹ کے ممبر بنائے گئے۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ کمیٹی (ایگزیکیوٹو
کے اور تعلیمی نگران کمیٹی (اکیڈمک [illegible]) اُس کے ممبر ... شعبہ دینیات کے ڈین

یونیورسٹی نے اُن کے علم وفضل اور خدمات کے صلہ میں موصوف کو ڈاکٹر آف تھیالوجی کی ڈگری عطا کی جس کے واسطے وہ ہر طریقہ سے موزوں اور اہل تھے لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ کے رُکن رکین اور مولانا علّامہ شبلی مرحوم مغفور کے دست راست تھے ندوہ نے مرحوم کے صلاح ومشورہ اور مالی امداد سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ اسی طرح دارالمصنفین اعظم گڈھ کے رُکن اور انتظامیہ کمیٹی کے صدر رہے۔ آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے شعبۂ اُردو کے صدر ۱۹۲۸ء میں منتخب ہوئے۔ صوبہ متحدہ کے تاریخی انجمن (ہسٹاریکل سوسائٹی) انجمن حمایت اسلام لاہور۔ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ۔ طبیہ کالج دہلی۔ مسلم گرلس کالج علی گڑھ سے مرحوم کا تعلق رہا۔ الغرض کہ کوئی ایسا قومی اور ملّی ادارہ تھا جس میں مرحوم کا نام نامی نہ آتا ہو اور جو مرحوم کی ذات بابرکات سے مستفید نہ ہوتا ہو۔ اپنے گھر کے مدرسہ شروانی اسکول چھرہ کے بانیوں میں اور اس کے پہلے سکریٹری مرحوم ہی تھے اس تحریک کے سلسلہ میں ۱۳۱۴ھ میں موضع بہرہ ضلع ایٹہ میں برادری میں ایک شادی کے موقعہ پر مرحوم نے ایک پُرجوش اور دل میں اُتر جانے والی تقریر کی جس میں اپنی قوم کا مدوجزر دکھایا[۱] اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگست ۱۸۹۷ء میں شروانی اسکول کا افتتاح ایک چھوٹی سی مگر خوبصورت عمارت میں قصبہ چھرہ رفعت پور میں جاٹوں کے بنائے ہوئے پُرانے قلعہ میں ہوا۔

شروانی اسکول چھرّہ

جس کے ساتھ ایک دارالاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) بھی تھا اور جو شروانی اور غیر شروانی مسلمان اور غیر مسلمان طلبہ کو ابتدائی انگریزی تعلیم مہیا کرتا تھا اور مسلمان طلبہ کے لئے مذہبی تعلیم کا بندوبست کرتا تھا خود موصوف چند سال تک اس کے سکریٹری رہے اور سید سعادت علی خاں ایم اے علیگ ایک عرصہ تک اس کے ہیڈ ماسٹر ہی نہیں بلکہ اکثر افراد خاندان سے زیادہ اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے رہے مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم جیسے جلیل القدر عالم اس کے ہیڈ مولوی تھے۔ اس مدرسہ میں تصدّق احمد خاں شروانی مرحوم بارایٹ لا

---

[۱] مقالات شروانی

جیسے فدائے قوم آلنا کے منجھلے بھائی نثار احمد خاں بی اے ایل ایل بی سابق وزیر زراعت صوبہ متحدہ، صابر علی خاں شروانی ایم اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر خان بہادر عبدالمقیت خاں شروانی چیرمین میونسپل بورڈ علی گڑھ مولوی حاجی عبیدالرحمٰن خاں، چودھری احمد اللہ خاں بہادر وغیرہ نے تعلیم پائی۔ اور دیگر حضرات نے انگریزی کی ابتدائی تعلیم پائی۔ مولوی محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے وہیں عربی شروع کی۔ راقم الحروف نے بھی چھ ماہ تک ۱۹۰۸ء میں اُن کی [illegible] کی خدمت اعزازی طور پر ادا کرنے کی مسرت حاصل کی۔ علی ہذا مولوی حاجی [illegible] صاحب نے بھی کچھ عرصہ ہیڈ ماسٹری کی۔ اس کے جلسوں میں بڑے بڑے حضرات اور علی گڑھ کالج کے ہیڈ پرنسپل اور پروفیسر وغیرہ شریک ہوتے تھے اس کے سالانہ جلسہ میں میلاد شریف میں خود نواب [illegible] مرحوم تقاریر فرماتے تھے۔ مگر شرم اور افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ انتظام مدرسہ کے متعلق آپس کے نزاع کی وجہ سے چند سال یہ مدرسہ زندہ رہ کر اور مفید کام کرکے ختم ہو گیا۔ اب صرف مدرسہ کی عمارت رہ گئی ہے جس میں ایک مکتب اور اردو ہندی کا مدرسہ ہے ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ

آثار پدید است صنادید عجم را

جب تک یہ عمارت قایم رہے گی اس معاملہ میں شروانیوں کی ناعاقبت اندیشی کو یاد دلاتی رہے گی۔ حسرتا واحسرتا ؎

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے

حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

القصہ ان اداروں کے علاوہ دین کا کام ہے [illegible] نے حضرت نواب صدر یار جنگ موصوف مرحوم کو ایک اور کام کے واسطے بھی منتخب کر لیا تھا یعنی ریاست حیدرآباد کی صدر الصدوری کے واسطے حضرت نظام میر عثمان علی خاں

شاہ دکن مدظلہ نے موصوف کو اس عہدہ پر ۱۹۱۸ء میں مقرر کیا۔ اور بارہ سال تک یہ اسلامی خدمت انجام دی۔ اس دوران میں اپنے شعبہ میں بہت سی اصلاحات کیں اور بہت سے حاجتمندوں کی حاجت روائی کی۔ یہاں موصوف کی تقاریر اور طرزِ عمل سبق آموز ہیں ۱۹۱۹ء میں (جبکہ جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ہوا) حضرت شاہ دکن نے موصوف کو اس کا امیر (وائس چانسلر) مقرر کیا اور پھر چند ماہ کے بعد موزوں خطاب صدر یار جنگ سے مفتخر فرمایا ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے اور سلطان ابن مسعود نے جو مشورے ہندوستانی علما سے کئے اُن میں شریک تھے ۱۹۳۰ء تک حیدر آباد کے قیام کی حالت میں موصوف مرحوم کی تنخواہ اُن کے خلق اور تواضع اور مسافر نوازی غربا پروری کی وجہ سے کافی نہ ہوتی تھی اور موصوف اپنی ریاست سے روپیہ منگا کر خرچ کرتے تھے۔ موصوف کی تنخواہ کافی کیا ہوتی حالت یہ تھی ؎

"بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست"

راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ حیدر آباد سے واپسی کے بعد مرحوم کو جو پنشن ملتی تھی وہ سب کارِ خیر، غربا پروری اور حاجتمندوں پر صرف ہوتی تھی۔ احسان فراموشی ہوگی اگر مرحوم کی اُس فیاضی کا ذکر نہ کیا جاوے جس سے راقم الحروف نے بھی ایک مرتبہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں فائدہ اُٹھایا۔ مرحوم مغفور کی زندگی کے کس کس پہلو پر نظر ڈالی جائے اُس کے لئے ایک کتاب چاہیئے۔ مگر اسی کے ساتھ ہم یہ عرض کریں گے کہ اُن کی زندگی اور اُس کے واقعات ہر شخص بچے، جوان، بوڑھے، امیر غریب کے واسطے سبق آموز تھے اس لئے اس مضمون کے چھوڑنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔ وہ اپنی رائے کے مضبوط تھے اور اخلاقی جرأت اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اوقات کے نہایت پابند کوئی وقت دینی اور دنیاوی مشاغل سے خالی نہیں تھا موصوف نے اس حقیقت کو واضح اور ثابت کر دیا کہ مسلمان کی دنیا اور اُس کا دین توام ہیں۔ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے ؎

اس قدر بڑے قرضہ کی بیباقی کے واسطے کبھی کبھی موصوف کو سیاست اور سخت گیری سے کام لینا پڑا اگرچونکہ اُن کی نیت اور طرز عمل عمدہ تھے اس لئے کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور لوگ اُن کے ممنون اور زیربار احسان رہے۔ مرحوم جب سنہ ۱۹۱۸ء میں حیدرآباد تشریف لے گئے تو ریاست کا انتظام اپنے قابل بیٹے حاجی عبیدالرحمٰن خاں کے سپرد کر دیا اور پھر بہت کم دخل دیا۔

نواب صدریار جنگ مرحوم نے اپنی ہی ریاست کا انتظام نہیں کیا بلکہ دوسروں کی ریاست کا بھی انتظام کیا یعنی نواب عظمت علی خاں مرحوم رئیس کرنال کے بڑے وقف کا جو ضلع مظفرنگر میں ہے وہ عرصہ تک اس کمیٹی انتظامیہ کے ناظم رہے۔ اس انتظام کو راقم الحروف نے خود سنّی مرکزی وقف بورڈ لکھنؤ کے سکریٹری رہنے کی حالت میں دیکھا۔ نواب صاحب مرحوم نے میرس روڈ علی گڑھ پر ایک وسیع خوبصورت اور رفیع الشان کوٹھی حبیب منزل تعمیر کرائی اور آخر زمانہ میں قیام زیادہ تر اسی میں رہتا تھا۔ موصوف نے اپنی ریاست کو وقف علی الاولاد والخیر کیا اور اپنے منجھلے بیٹے خان بہادر حاجی عبیدالرحمٰن خاں کو اپنے بعد متولی مقرر کیا۔ موصوف نے حصول و نشر علم میں جو دیرپا کام اپنے خداداد زبردست حافظہ سے لیا آخر میں اُسی نے جواب دیا مگر ملاقاتوں کا سلسلہ مرحوم نے آخر دم تک جاری رکھا۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں تشریف آوری کے موقعہ پر حضور نظام دکن اپنے سابق صدرالصدور نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی حبیب منزل پر بھی تشریف لائے اور موصوف کی نذر قبول فرمائی اور اس ملاقات پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ الغرض سنہ ۱۹۵۰ء میں مرحوم کے مرض نے طول کھینچا اور موصوف نے اگست سنہ ۵۰ء میں حبیب منزل میں مقیم اور بیمار رہ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مسلم یونیورسٹی میں بعد نماز جمعہ ایک کثیر مجمع نے نماز جنازہ ادا کی اور پھر اپنے موروثی گورستان موضع بھیکم پور میں مدفون ہوئے۔ موصوف نے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔

مولوی حاجی عبیدالرحمٰن خاں | اوّل چھوٹے بیٹے عزیزالرحمٰن خاں عرف چھٹو میاں

بچپن میں اور بڑے مولوی محبوب الرحمٰن خاں عرف بڑے میاں جوانی میں موصوف کی حیات میں عالم شباب میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے منجھلے بیٹے خان بہادر حاجی عبید الرحمٰن خاں عرف منجھلے میاں ہیں۔ یہ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۶ء تک مدرسۃ العلوم کے اسکول میں داخل رہے اور ۱۹۱۷ء میں عربک کالج دہلی میں انٹرنس پاس کرنے کے بعد ۱۹۱۸ء میں ایف اے میں علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ مگر اپنے والد بزرگوار کے حیدر آباد چلے جانے کی وجہ سے مدارس میں تعلیم کا سلسلہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور اپنی ریاست کا کام سنبھالا اب موصوف نے اس زمانہ سے درجہ بدرجہ عروج حاصل کیا۔ اور خاندانی روایتوں کو قایم رکھا۔ کئی سال تک آنریری اسپیشل مجسٹریٹ رہے اور آخر میں اختیارات میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں صوبہ کی آئین ساز مجلس کے ممبر منتخب ہوئے اور اس اعزازی خدمت پر حال تک فائز رہے۔ اسی سال مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور یہ سلسلہ اب تک چلا جاتا ہے۔ موصوف کی پبلک خدمات دیکھ کر حکومت نے جنوری ۱۹۲۸ء میں خان بہادری کا خطاب عطا فرمایا۔ مسلم یونیورسٹی مجلس عاملہ کے ۱۹۲۹ء تک رکن رہے اور ۱۹۳۵ء میں اس درسگاہ کے خازن مقرر ہوئے مگر ایثار سے کام لے کر کام محض اعزازی طور پر کیا اور تنخواہ کبھی نہیں لی۔ حال آں کہ اس عہدہ کی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار منظور شدہ تھی۔ چھ سال تک ندوۃ العلما لکھنؤ کی کارکن کمیٹی کے ممبر رہے اور اسی مدت تک اسلامیہ کالج اٹاوہ کی کارکن کمیٹی کے ممبر رہے ۱۹۳۲ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ جب مسلم لیگ کا زور ہوا تو اُس کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ اور ساتھ ہی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر اور خازن رہے ۱۹۲۹ء سے اُس کے سکریٹری اپنے والد بزرگوار کی جگہ منتخب ہوئے۔ صوبہ آگرہ کی زمیندار ایسوسی ایشن نے موصوف کو اپنا نائب صدر بنایا۔ اور علی گڑھ کی زمیندار اسمبلی کے صدر بنائے گئے۔ صوبہ کی حج کمیٹی کے ممبر اور ضلع کی حج کمیٹی کے صدر ہیں۔ صوبہ کے بورڈ آف اکانمک انکوائری

کی پلیننگ کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔ اسلامیہ اوقاف صوبہ کی تحقیقاتی کمیٹی کے ممبر رہے۔ صوبہ کی ہائیڈرو الیکٹرک کمیٹی کے ممبر ہیں اور اس اسکیم میں ضلع علی گڑھ موصوف کی کوشش اور تحریک سے شامل کیا گیا۔ صوبہ کی اسلامیہ ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک سال صدر رہے اور ۱۹۴۶ء میں علی گڑھ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر ہوئے۔ بھوالی سینی ٹوریم ٹرسٹ کے چھ سال تک ممبر رہے۔ اور اسی مدت تک انٹرمیڈیٹ و ہائی اسکول کی تعلیمی بورڈ کے ممبر رہے۔ پانچ سال تک صوبہ کی یونیورسٹیوں کو رقوم امداد کی کمیٹی کے ممبر رہے۔ تین سال تک صوبہ کی مرکزی کورٹ آف وارڈس کمیٹی کے ممبر رہے۔ چار مرتبہ مسلم یونیورسٹی کے قائم مقام وائس چانسلر رہے اور کبھی اس کا موقع نہ دیا کہ یونیورسٹی کے ان اعزازی عہدوں سے اُن کا کوئی عزیز یا ملاقاتی کوئی ناجائز فائدہ اُٹھاتا۔

غرضکہ قومی ملی اور پبلک خدمات میں اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلتے ہیں مختصراً صرف اس قدر عرض کریں گے کہ قابل باپ کے قابل بیٹے ہیں خدا تعالےٰ اُن کو خوش و خورم رکھے۔ موصوف کے دو صاحبزادگان ہیں جن میں بڑے ریاض الرحمٰن خاں ایم اے عرف دلارے میاں ہیں جو اچھے مضمون نگار ہیں اور ابھی سے علمی مشاغل کا رُجحان ہے۔ اُن کے سیاسی خیالات ہندوستان کی موجودہ روش کے مطابق ہیں۔ دوسرے زیر تعلیم ہیں۔ موصوف کی ایک صاحبزادی طویل علالت اور ملک کی تقسیم کے مونہ قیامت نتائج کا خمیازہ اُٹھاکر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ دوسری کی عمر میں خدا تعالےٰ برکت کرے۔

موصوف کے چھوٹے بھائی مسعود الرحمٰن خاں عرف پیارے میاں ایک فقیر منش آدمی ہیں اپنے والد کی حیات میں کچھ چیف شریف رہے۔ اور اب اس کے بعد خانہ نشیں ہیں۔

ایک نیک بی بی ہم خاندان بھیکم پور کی اس مختصر کیفیت کو ختم نہیں کر سکتے

جیسا کہ اس خاندان کی ایک مشہور اور قابل قدر بی بی کو یعنی نواب صدر یار جنگ مرحوم
کی پھوپی صاحبہ کا جو عنایت اللہ خاں مرحوم کی اہلیہ اور نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں
کی چچی تھیں ذکر نہ کریں۔ یہ بی بی صاحبہ جن اور حافظ کلام پاک تھیں۔ عابدہ زاہدہ
تھیں اور اپنے اور نیز دوسرے گھروں کا انتظام کرنے میں ان کو خاص ملکہ حاصل
کی ذات گھر کی مستورات کے واسطے ایک نمونہ تھی۔ یوں تو اس گھرانے کی سب
ہی بی بیاں تھوڑی یا بہت پڑھی لکھی ہیں۔ خدا تعالے اس خاندان کے افراد کو
خوش و خورم رکھے اور اس قابل رکھے کہ باوجود ختم تعلقہ و زمینداری خدمت خلق
جاری رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

خاندان دادوں

حاجی غلام محمد خاں ابن باز خاں

اب ہم بھیکم پور کے بعد شروانی خاندان دادوں کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ یہ اول الذکر
ہی کی شاخ ہے۔ جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا ریاست دادوں کے سب سے
پہلے مورث جو یہاں آکر آباد ہوئے حاجی غلام محمد خاں ابن باز خاں تھے ہم موصوف
کی پیدائش کی صحیح تاریخ تو بتا نہیں سکتے مگر قرین قیاس [illegible] ۱۷۹۲ء کے
بعد جبکہ ان کے بڑے بھائی خان زمان خاں [illegible] اٹھارہویں
صدی عیسوی کے اختتام سے قبل پیدا ہوئے [illegible] غلام محمد خاں نے اپنے آبائی
قلعہ بھیکم پور میں اپنے والد اور بھائی [illegible] داؤد خاں [illegible] ان کی نگرانی اور صحبت
میں تربیت پائی۔ آدمی ہوشیار اور زیرک [illegible] میں ان کی جوان
عمری میں آبائی ریاست میں سے ان کا حصہ علیحدہ تقسیم ہوا تو دادوں اور موہن پور
ضلع ایٹہ کے علاقے ان کے حصہ میں آئے۔ حاجی صاحب موصوف دادوں میں
آکر بسے اور یہاں گڑھی اور عمارات وغیرہ تعمیر کرائیں۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ
راٹھور راجگان قنوج کے زمانہ میں اس کا نام [illegible] تھا اور راجہ گوبند چندر راٹھور

نے مسلمانوں کے ہندوستان میں قدم جمنے سے پچاس برس قبل پٹھان کے موضع پر یہ
موضع ایک مہا برہمن کو پُن کے طور پر دیا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ کب یہ موضع مسلمانوں
کی ملکیت میں آیا۔ البتہ ہم نے اوپر بتایا ہے کہ ۱۸۰۸ء کے اس پٹہ میں شامل تھا
جو منجانب نواب مرزا نجف خاں باز خاں مورث بھیکم پور کے نام کیا گیا۔ حاجی
غلام محمد خاں مرحوم نے اس ریاست کو سنبھالا اور اس میں ترقی دے کر چار چاند
لگا دیئے۔ داؤدں کے علاقہ کے زیادہ تر مواضعات اس زمانہ میں اراضی بھوڑ
کے دیہات تھے یا کھادر گنگا میں تھے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ علاقہ بھیکم پور
کے مقابلہ میں سرسبزی کم ہوگی اور اب تو وہ نہریں نکل جانے کی وجہ سے گلزار
ہے۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ ۱۸۵۱ء میں (یعنی موصوف کے انتقال کے کچھ
دن بعد) ریاست داؤدں کی مالگزاری اس علاقہ کی اٹھائیس ہزار روپیہ سے کچھ زائد
تھی۔ اس کے مقابلہ میں ریاست بھیکم پور کی مالگزاری اس سن میں بیالیس ہزار تین سو
تیرہ روپیہ تھی۔ حاجی غلام محمد خاں مرحوم حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے
اور چونکہ برادری کی اور پہلی زوجہ سے کوئی اولاد نہ تھی ایک نکاح مکہ معظمہ میں
ایک عربی بی بی سے کیا۔

محمد ہادی یار خاں

ان کے بطن سے ایک بیٹے ہادی یار خاں اور دو لڑکیاں
پیدا ہوئیں۔ حاجی غلام محمد خاں نے جب داؤدں میں
انتقال کیا تو ان کے بیٹے ہادی یار خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ راقم الحروف
نے اپنے لڑکپن میں ہادی یار خاں مرحوم کو دیکھا ہے بلکہ کچھ دن ان کی شفقت آمیز
صحبت میں رہا۔ قطع وضع پرانے شرفا پٹھانوں کی رکھتے تھے اور بڑے لطیفہ گو اور آن
بان کے رئیس تھے۔ اور سرکاری حکام میں بہت با اثر تھے۔ موصوف نے مواضعات
بیرونی متصل چھپرہ و کلنو ضلع ایٹہ میں نیل سازی کے کارخانے جاری کئے جس
سے اس زمانہ میں کافی منافع تھا۔ داؤدں سے متصل ایک وسیع باغ میں جدید طرز
کی کوٹھی تعمیر کرائی جس کے ترشادہ کے درخت مشہور تھے اور اس میں جدید طرز کا

فرنیچر رکھا۔ برلہ میں امام خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ شادی ہوئی اور اُس کے
بعد دو نکاح غیر کفو میں اور کئے مگر اولاد صرف زوجہ اولی سے پیدا ہوئی۔ اپنے
موضع لہرہ میں مکان تعمیر کرایا۔ موصوف کے دونوں علاقوں میں شکار کی کثرت
تھی۔ اور وہ شکار کے بڑے شایق تھے۔ گھوڑے کے شہ سوار تھے۔ یہ شکاری
چیتا اور باز جرے بھی رکھتے تھے اور اُن کے یہاں ہاتھی، گھوڑے، سوار، پیادے
غرض کہ ریاست کے سب ہی لوازم تھے۔ موصوف بڑے باہمت تھے اور
بات کے دھنی تھے۔ اُن کی ہمت کا ایک قصہ خاندان اور جوار میں مشہور ہے۔
ایک مرتبہ وہ دادوں سے علی گڑھ تشریف لے جا رہے تھے جب وہ بنگلہ وصافلی
پر پہونچے تو حقہ کے واسطے آگ کی ضرورت ہوئی۔ خادم کو آگ لانے کی غرض سے
گاؤں میں بھیجا تو اُس کو کسی نے آگ نہ دی۔ اس پر آگ بگولا ہو کر گاؤں کے چند
چھپروں میں آگ لگوادی اور علی گڑھ پہونچ کر کلکٹر ضلع سے جو اُن کا ملنے والا تھا اطلاع
خود کر دی۔ کلکٹر بہت سٹ پٹایا مگر موصوف نے کہا کہ اگر ضرورت ہوگی تو وہ اس
معاملہ میں عدالت میں اپنی صفائی پیش کر دیں گے۔ کلکٹر نے معاملہ رفع دفع کر دیا
اور اُن کا بال بیکا نہ ہوا۔ پھر موصوف نے گاؤں والوں کے نقصان کی تلافی کر دی
موصوف کی سیر چشمی اور غیرت طبعی کا بھی ایک قصہ قابل بیان ہے۔ موصوف
ہاتھرس کے ایک ساہوکار کے بڑی رقم کے مقروض تھے۔ ساہوکار کا عزیز ایک
اہم جرم میں ماخوذ ہوا اور اُس کے خلاف مقدمہ عدالت فوجداری میں پہونچا تو
موصوف کی امداد سے وہ بری ہو گیا۔ اس کے شکرانہ میں سیٹھ صاحب نے کچھ
مٹھائی اور اُس کے ساتھ قرضہ کا دستاویز موصوف کی خدمت میں بھیجا اور اُس
پر لکھ دیا کہ قرضہ بے باق سمجھا جائے۔ موصوف کی طبیعت نے اس منت کشی کو
گوارا نہ کیا اور دونوں چیزیں واپس کر دیں۔
موصوف کی شاہ خرچی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب اپریل ۱۹۰۵ء میں اُن کا انتقال ہوا
تو ریاست پر تین لاکھ روپیہ کا قرضہ تھا۔ [illegible] ریاست ہی میں جائداد

کو بوجہ قرضہ کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں دے دیا تھا۔ مگر خاندانی اثر کی وجہ سے اُن کے بڑے صاحبزادے احمد سعید خاں صاحب مرحوم اُس کے منیجر مقرر ہو گئے تھے۔ موصوف نے دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑے۔

احمد سعید خاں

احمد سعید خاں صاحب مرحوم سیدھے سادھے مزاج کے اور مرنج مرنجان قسم کے بزرگ تھے۔ اندازاً اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اُن کی پیدائش ہوئی ہوگی۔ بسہاور ضلع ایٹہ کے بٹنی خاندان میں شادی ہوئی اور ان کی اہلیہ سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ آخر عمر میں ایک نکاح غیر خاندان میں کیا مگر اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ احمد سعید خاں صاحب مرحوم نے بحیثیت منیجر ریاست کا انتظام بہت اچھا کیا۔ رعایا نے یہ محسوس نہ کیا کہ کورٹ آف وارڈس کا انتظام ہے۔ اخراجات پر قابو رکھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے ریاست اس بڑے قرضہ کے بار سے جلد سبکدوش ہو گئی اور کورٹ آف وارڈس سے خلاصی پائی۔ نہر سے آبپاشی اور زراعت اور پیداوار میں بڑی ترقی ہوئی اور ریاست کی آمدنی بڑھ گئی۔ احمد سعید خاں صاحب مرحوم عابد تھے بزرگانِ دین سے عقیدت رکھتے تھے اور حافظ محمد اسلم صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مرحوم اپنے اعزا اور احباب پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور جہاں وہ اُمرا کے ہم صحبت اور ہم جلیس تھے وہاں غربا کی رسائی بھی اُن تک آسانی سے ہوتی تھی۔ کچھ طب میں بھی موصوف کو دخل تھا۔ گھوڑے کے سوار بہت اچھے تھے۔ اور اپنی شکارگاہ سانگرہ میں کرسمس تیوہار کے زمانہ میں انگریز حکام کو مہمان رکھتے تھے۔ مرحوم نے دو بیٹے یعنی نواب ابوبکر خاں مرحوم اور حاجی غلام محمد خاں مرحوم چھوڑ کر اگست ١٩٠٩ء میں انتقال کیا۔

عبدالرؤف خاں

احمد سعید خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی عبدالرؤف خاں مرحوم تھے جو انگریزی حکومت میں نائب تحصیلداری کے عہدہ پر مقرر ہوئے مگر تھوڑے دن کام کرنے کے بعد استعفا دے دیا۔ موصوف کی پہلی

شادی برادری کے خاندان میں کنوبی میں ہوئی اور ان اہلیہ کے بطن سے ایک بیٹے مولوی حاجی محمد جان خاں اور ایک بیٹی چھوڑ کر جوان عمری یعنی ۴۲ سال کی عمر میں جون ۱۸۹۷ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ موصوف کی پہلی اہلیہ کا انتقال اُن کی حیات میں ۱۸۹۴ء میں ہوگیا۔ دوسرا نکاح بھی موضع ڈھولنہ میں پہلی بی بی کی حقیقی بھانجی سے کیا مگر ان سے موصوف کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عبدالرؤف خاں مرحوم بڑے خلیق اور سیدھی سادھی وضع کے آدمی تھے راقم الحروف پر وہ شفقت فرماتے تھے جو ہمیشہ یاد رہے گی۔ احمد سعید خاں صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد ہادی یار خاں صاحب کا ترکہ ورثا میں باہمی مشورہ اور رضامندی سے ایسی خاموشی اور خیر و خوبی کے ساتھ تقسیم ہوگیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ تقسیم کے وقت مشترکہ ریاست کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپیہ سے زائد تھی۔ علی گڑھ ضلع کا علاقہ احمد سعید خاں مرحوم کے بڑے صاحبزادے نواب ابوبکر خاں مرحوم کو ملا۔ معہ مواضعات دادوں اور سانکرہ کے اور موہن پور ضلع ایٹہ کا علاقہ حاجی غلام محمد خاں مرحوم کے حصہ میں آیا۔ اور دونوں اضلاع میں معہ بڑے موضع لہرہ ضلع علی گڑھ کے ترکہ مولوی حاجی محمد جان خاں کو ملا۔ چند مواضعات ہادی یار خاں صاحب مرحوم کی بیٹی کو ملے جن کی شادی برلہ میں حاجی اسحاق خاں نایل مرحوم کے ساتھ ہوئی ہادی یار خاں مرحوم کی دوسری بیوہ کو چند دیہات ملے جو مرحومہ نے معہ شہر علی گڑھ کی سکنی جائداد کے اپنے انتقال سے قبل مدرسہ عربیہ دادوں کے اور خیر کے واسطے وقف فی سبیل اللہ کر دئے۔ اور نواب ابوبکر خاں مرحوم اس کے پہلے متولی مقرر ہوئے۔ ان بی بی کا نام عائشہ خاتون عرف سکھ بدن تھا۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی صاحب کا بیان ہے کہ ان کا ارادہ اس جائداد کو مدرسہ شروانی چھرہ کے نام وقف کرنے کا تھا اور خاتون موصوفہ نے ان سے بارہا مشورہ کیا تھا۔ مگر نواب ابوبکر خاں صاحب مرحوم کے اثر سے گنگا کا رخ ادھر سے ادھر پھر گیا۔

نواب ابوبکر خاں | نواب صاحب مرحوم نے ابتدائی فارسی تعلیم گھر پر اور اس کے ب

انگریزی کی ایم اے او کالجئیٹ اسکول میں درجہ دوم (حال نہم) تک پائی۔ آنریبل ارسین صاحب ان دونوں بھائیوں کو اپنی ایف۔ اے کی انگریزی کلاس میں بھی رکھنے لگے تھے۔ پہلی شادی مولوی حاجی محمد جان خاں کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی مگر بہ جوان عمری میں کوئی اولاد چھوڑے ہوئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ اُس کے بعد موصوف نے دوسری شادی اپنی پھوپی زاد بہن (یعنی حاجی اسحاق خاں بابل برلوی کی بیٹی) کے ساتھ کی جن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ نواب ابوبکر خاں مرحوم صحیح معنی میں نواب تھے۔ اپنے خاندانی روایتوں اور رواج کے مطابق بڑے مخیّر تھے۔ داد و دہش میں مشہور اور اپنے دادا مرحوم کی طرح سے شاہ خرچ۔ اگرچہ اوائل عمر میں کورٹ آف وارڈس کے زمانہ میں بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلیق متواضع عمائدین پیش پیش اور حکام میں بہت با اثر تھے۔ خان بہادر اور آنریری مجسٹریٹ ہوئے۔ شکار کے بڑے شائق تھے۔ اپنی شکارگاہ موضع سانکرہ میں (جو گنگا کے قریب ہے اور جس کا پرانا نام گنگا شنکر پور تھا اور جہاں بدھ کے زمانہ کی پرانی یادگاریں کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں) ایک ٹیلہ پر چھوٹی سی مگر خوبصورت کوٹھی تعمیر کرائی جس کا کتبہ ہمیشہ موصوف کے نام نامی کو یاد دلاتا رہے گا۔ نواب صاحب مرحوم کے زمانہ میں بلکہ اُس کے بعد اب سے چند سال قبل تک حکام اور خاندان کے احباب جو شکار کے شائق تھے اس پُر فضا مقام پر قیام کرتے تھے اور زندگی کا لطف اُٹھاتے۔ راقم الحروف نے بھی یہاں دو چار مرتبہ لطف کے ساتھ وقت گذارا (بالخصوص مولوی حاجی محمد جان خاں کے خلق اور مہربانی کی وجہ سے) نواب ابوبکر خاں مرحوم نے دادوں میں ایک چھم خانہ قائم کیا جس میں خاندان شروانی کے اور دیگر شہسوار گھوڑے کی سواری کی مشق حاصل کرتے اور نیزہ بازی وغیرہ کے کرتب دکھاتے تھے۔ اسی طرح موصوف نے دادوں میں مدرسہ عربیہ کے طالب علموں کے واسطے فٹ بال کلب قائم کیا جس کے اخراجات وہ خود برداشت کرتے تھے اور اس کھیل کے واسطے طلبہ کو باہر بھی بھیجتے تھے۔ موصوف کے

حلقۂ احباب میں مسلمان۔ ہندو۔ عیسائی سب ہی تھے جو اب اُن کے واسطے آٹھ آٹھ
آنسو روتے ہیں۔ سر ولیم میرس اور سر ہارکورٹ بٹلر گورنران صوبہ شکار کے سلسلہ میں
سانکرہ میں نواب صاحب مرحوم کے مہمان رہے۔ سر ولیم میرس ہی نے موصوف کو نواب
کا خطاب عطا کرایا اور اڑیسہ کی گورنری کے زمانہ میں انھیں اپنے یہاں مدعو کیا۔
موصوف نے اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کیا مگر اس میں کافی حصہ عربی کے مدرسہ
حافظیہ سعیدیہ دادوں کے واسطے بھی چھوڑا۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے اوقاف
اپنے ملازمان تک کے واسطے چھوڑے۔ موصوف نے اپنی دوسری اہلیہ سے
ایک صاحبزادی چھوڑیں جن کی شادی مولوی حاجی محمد جان خاں کے بڑے صاحبزادے
احمد رؤف خاں عرف آبا دمیاں کے ساتھ ہوئی۔ احمد رؤف خاں نے اس جائداد
کا معہ سانکرہ و دادوں کے مکانات کے سات برس کے واسطے ٹھیکہ سندھ
پاکستان کے ایک شرنارتھی کو دیا اور تبادلہ میں وہاں جائداد حاصل کی۔ احمد رؤف خاں
معہ نواب بیگم اور اپنی اولاد کے اب حیدرآباد سندھ میں مقیم ہیں۔ نواب صاحب
مرحوم کے بعد وقف مدرسہ دادوں کے متولی اُن کے چھوٹے بھائی حاجی
غلام محمد خاں ہوئے۔ نواب صاحب موصوف نے ایک طویل علالت کے بعد
رمضان ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء میں عین افطار کے وقت قبل نماز مغرب خاندان کو داغ مفارقت دیا۔

حاجی غلام محمد خاں

نواب صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی حاجی غلام محمد خاں مرحوم تھے جن کی تعلیم مثل اپنے بھائی کے تھی جن کا قیام
تقسیم ریاست کے بعد زیادہ تر موہن پور متصل قصبہ سہاور ضلع ایٹہ میں رہتا تھا مگر اکثر
دادوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ موصوف نے موہن پور میں قدیم مکانات کو
سنبھالا اور جدید مکانات تعمیر کرائے۔ اور یہیں سے اپنی صاحبزادی کی شادی
بڑی دھوم دھام کے ساتھ مولوی حاجی محمد جان خاں کے ساتھ کی۔ اس شادی کے
موقع پر ایک بارونق کیمپ میں اعزا برادری اور دیگر حضرات کا بڑا مجمع تھا جن
کو حسب خاطر تواضع رہی۔ ان کے والد نے ان کا نکاح چچا کی بیوہ سے کر دیا تھا۔ ان

بطن سے صرف ایک لڑکی ہوئی۔ چونکہ موہن پور بھی چڑیا کے شکار کے لئے مشہور جگہ ہے اور حاجی صاحب مرحوم خود اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز تھے یہاں بھی حکام اور دیگر احباب کا مجمع رہتا تھا اور وہ حاجی صاحب مرحوم کے خلق سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ مرحوم جوان عمری میں شہ سواری میں مشہور تھے۔ نیزہ بازی، گھوڑ دوڑ، کتّوں کے ذریعہ سے شکار میں اُن کے مقابلہ کے بہت کم لوگ ہوں گے۔

ایک زمانہ میں راقم الحروف نے موصوف کو علی گڑھ کے جم خانہ میں پولو کھیلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ مگر آخر عمر میں علاوہ چڑیا کے شکار کے موصوف کی طبیعت نے صوفیت کے باز کا شکار کیا ؎

چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی
امید ست ناگہ کہ باز افگنی

وہ اپنے والد بزرگوار کی طرح عابد اور حافظ محمد اسلم صاحب رحمت اللہ علیہ خیرآبادی کے مرید تھے۔ اور ایسے مرید ہوئے کہ خیرآبادی کے ہو رہے یہاں ایک بڑا مکان حاصل کیا اور حافظ صاحب مرحوم کے مزار پر سماع خانہ تعمیر کرایا۔ حاجی غلام محمد خاں صاحب مرحوم کو سماع سے بڑا ذوق و شوق تھا اور خود اپنی عمدہ درجہ کے قوالوں کی چوکی ملازم رکھتے تھے اور اُن کی جھولیاں بھرتے تھے۔ بزرگان دین کے اعراس میں (بالخصوص اجمیر شریف میں) پابندی اور خلوص کے ساتھ حاضری دیتے تھے۔ جس زمانہ میں راقم الحروف کے سپرد درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ بہرائچ کی خدمت تھی حاجی صاحب موصوف بھی ایک مرتبہ وہاں عرس میں شریک ہوئے اور اُن کی وجہ سے اُس کا لطف اور رونق دوبالا ہوگئے۔ حاجی صاحب موصوف اُردو فارسی کے بڑے اچھے شاعر تھے۔ اُن کا کلام معرفت اور صوفیت کے حمد و نعت اور منقبت کے نکات سے پُر ہوتا تھا اور دل میں اُتر جانے والا۔ خیرآباد شریف اور باہر بھی جابجا مشاعرے کرائے اور اُن کے گلدستے چھپوائے ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء میں اپنے اُردو کلام کا مجموعہ "بادۂ حافظی" کے نام مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

کے "شروانی پرنٹنگ پریس" میں چھپوایا جس میں مولوی صاحب کا لکھا ہوا ایک بہت پر لطف
مضمون بھی "نظر گزر" کے عنوان سے شامل ہے۔ موصوف کی ملازم چوکی قوالان کی اکثر
اس کلام کو سناتی تھی۔ آنکھ کے علاج کے سلسلہ میں بعض ممالک یورپ (از اں جملہ انگلستان)
کا سفر کیا۔ وہاں بھی قوالوں کی چوکی ساتھی اور جا بجا ان کے فن کا مظاہرہ کراتے تھے۔
انگلستان میں ان کے پرانے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کے دوستوں نے بہت آؤ بھگت
کی۔ حج و زیارت بھی نہایت عقیدتمندانہ شان سے کی۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانہ میں عرب
و عراق میں گھر گئے تھے۔ مگر خدا نے بہت عزت کے ساتھ مخلصی دی۔ مرحوم نے بھی
اپنی جائداد وقف علی الاولاد و علی الخیر کی اور اس کی متولیہ مرحوم کے بعد ان کی صاحبزادی
ہوئیں۔ مدرسہ عربیہ دادوں کا انتظام بڑے شغف سے کیا۔ اس کی مطبوعہ سالانہ
رپورٹیں شائع کراتے تھے۔ مرحوم نے ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں خیر آباد میں انتقال
کیا اور وہیں اپنے پیر و مرشد کے پائیں مدفون ہوئے۔ ہم موصوف کے اور ان کے
بڑے بھائی مرحوم کے بابتہ عرض کریں گے کہ ؎

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والوں میں

مولوی حاجی محمد جان خاں

ہم نے اوپر مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب ابن
عبدالرؤف خاں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی پیدائش
۱۸۹۰ء کے لگ بھگ ہوئی۔ موصوف نے اپنے والد بزرگوار مرحوم کے انتقال کے
بعد اپنے شفیق چچا احمد سعید خاں مرحوم کی نگرانی میں تربیت اور فارسی عربی کی تعلیم
حاصل کی اور پھر مدرستہ العلوم علی گڑھ کے اسکول میں انگریزی تعلیم کے واسطے داخل
ہوئے۔ عربی فارسی کی اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ خود شاعر نہیں ہیں مگر شاعر نواز
سخن شناس اور نکتہ سنج ہیں۔ موصوف کو بھی سماع سے ذوق شوق ہے۔ اور ایک
زمانہ میں یہ بھی اچھے قوالوں کی ایک چوکی ملازم رکھتے تھے۔ بزرگان دین سے
عقیدت رکھتے ہیں اور اکثر ان کے اعراس میں شرکت اور حاضری سے مستفید ہوتے
ہیں۔ حضرت مولانا قاسم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وجہ حضرت کلیم اللہ شاہجہاں

پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے بیعت ہیں۔ شریعت کے ساتھ طریقت کے بھی پابند اور عامل ہیں۔ اپنی عربی تعلیم اور عبادت گزاری کی وجہ سے خاندان اور احباب میں مولوی میاں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں دادوں میں بڑے پیمانہ پر محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محرم کے زمانہ میں مجلس عزا منعقد کرتے تھے دل کھول کر تبرک تقسیم کرتے تھے اور باہر سے آنے والے حضرات کی دعوتیں کرتے تھے۔ دنیادی مشاغل میں جوان عمری میں گھوڑے کی سواری کا شوق تھا اور گھوڑ دوڑ سے ذوق۔ اس زمانہ میں خاندان بھر کیا بلکہ آس پاس موصوف سے بہتر اور زیادہ سواری، دوڑ اور کرتبوں سے شکار کے گھوڑے شاید ہی کوئی رکھتا ہو۔ ایک مرتبہ ملازمت کے زمانہ میں راقم الحروف نے ان کے تیز رفتار گھوڑ دوڑی عربی گھوڑے سے گر کر جسمانی تکلیف اٹھائی جس کا لطف اور موصوف کا مذاق ہمیشہ یاد رہیں گے۔ اسی طرح موصوف نے شکاری کتوں اور عمدہ عمدہ کبوتر رکھنے کا شوق اور ان کا انتظام انتہا تک پہونچا دیا۔ اپنے خاندان کی طرح چڑیا کے شکار کے بڑے شائق ہیں اور تیتر بٹیر، چہا، مرغابی پر نشانہ لگانے اور ان کے شکار میں بھلے بھلے شکاری موصوف کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی شوق کی بدولت موصوف اکثر احباب کے میزبان بنتے ہیں اور طرح طرح کے کھانے کھلاتے ہیں۔ موصوف نے دادوں میں اپنے دادا مرحوم کے زمانہ کے وسیع باغ میں آخر الذکر کی بنائی ہوئی کوٹھی کی جگہ ایک بڑی عالی شان اور خوبصورت دو منزلہ کوٹھی تیار کرائی جس کے ہال کمرہ کی چھت تو آسمان سے باتیں کرتی ہے مگر اب یہ اکثر و بیشتر خالی پڑی رہتی ہے کیونکہ موصوف کا قیام علی گڑھ کی کوٹھی بیت الاکرم میں رہتا ہے۔ موصوف کئی سال تک صوبہ کی آئین ساز مجلس کے رکن رہے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے ممبر ہیں۔ علی گڑھ ایٹہ کے پبلک کارہائے رفاہ عام میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔
اور باوجود منسوخی زمینداری کے اب تک رعایا ان کی ہمدرد ہے اور وہ ہمیشہ رعایا میں ہر دلعزیز اور ان کے مددگار رہے۔ اس کی مثالیں راقم الحروف نے خود دیکھی

ہیں موصوف کو کھانے کھلانے ہیں جو ذوق سلیم رہا اُس کی وجہ سے ان کا دسترخوان اکثر وسیع رہتا ہے۔ گویا ؎

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موصوف کا باورچی حاجی حبیبی (جس کو سابق آقا نواب ابوبکر خاں مرحوم نے طباخی کی تعلیم دلائی) اپنے فن میں کامل ہے اور جواب میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

مولوی حاجی محمد جان خاں کی اولاد

موصوف کے بڑے صاحبزادہ محمود خاں متذکرہ بالا ہیں۔ عربی میں تعلیم یافتہ اور انگریزی سے واقف ہیں یہ بھی بہت اچھے گھوڑے کے سوار اور شکار کے شائق ہیں۔ انتظام زمینداری میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ نواب ابوبکر خاں مرحوم کی اکلوتی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی اور اُن کی جائداد کے اپنی خوشدامن صاحبہ کی طرف سے منتظم رہے۔ اب حیدرآباد سندھ پاکستان میں مع اپنے خاندان کے مقیم ہیں اور وہاں کی جائداد کے انتظام میں مشغول ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی غلام اکرم خاں عرف پیارے میاں مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ اور عربی میں ایم اے ہیں۔ ان کی شادی خان بہادر حبیب المتقیت خاں صاحب رئیس بورہ گاؤں کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی ہے تھوڑے عرصہ کے لئے دوران جنگ میں لکھنؤ میں سرکاری ملازم رہے اور اب یہ بھی حیدرآباد سندھ میں ہیں اور اُس جائداد کے منتظم ہیں جو علی گڑھ کی موروثی جائداد کے تبادلہ میں وہاں حاصل کی گئی۔

یہ دونوں بھائی مولوی میاں کی زوجہ اولیٰ سے پیدا ہیں اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ خدا ان کو خوش و خرم رکھے۔

مولوی محمد جان خاں کے تیسرے صاحبزادے غلام جیلانی خاں عرف اچھے میاں بی اے ہیں جو مولوی میاں کی زوجہ ثانی سے پیدا ہیں۔ ان کے سپرد موہن پور ضلع ایٹہ کے (یعنی اُن کے نانا مرحوم حاجی غلام محمد خاں کی) جائداد کا انتظام رہا

اب آج کل اُن کا قیام علی گڑھ میں ہے اور ہلدوانی ضلع نینی تال میں ایک زراعت کا فارم شروع کیا ہے۔ اُن کی شادی خاں صاحب چودھری احمد اللہ خاں رئیس قصبہ بہادر کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی غلام السبطین عرف افضال میاں بی ایس سی کی شادی نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ ان سے چھوٹے بھائی احمد جان عرف فیاض میاں کا قیام بھی علی گڑھ میں اپنے گھر پر رہتا ہے اُن کی صحت اچھی نہیں ہے فیاض میاں سے چھوٹے بھائی غلام الثقلین خاں عرف عاصم میاں کی شادی شاہجہاں پور میں ایک ممتاز ترین پٹھان خاندان میں حامد خاں مرحوم کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ حامد خاں مرحوم راقم الحروف کے دیرینہ کرم فرما اور مولوی میاں کے ایک عرصہ کے مخلص دوست تھے۔ عاصم میاں سے چھوٹے بھائی غلام الحسنین عرف عارف میاں کی شادی برلہ میں محمد عزیز خاں ابن حاجی عبدالواسع خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ حال میں ہوئی۔ مولوی محمد جان خاں صاحب کی بڑی صاحبزادی کی شادی حسن پور کے سردار بہادر خاں شروانی بی اے کے ساتھ ہوئی جو اب پاکستان میں محکمہ مرکزی کسٹم میں عہدہ دار ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد موصوف نے اپنی خدمات وہاں کو منتقل کرالیں۔

مولوی محمد جان خاں کی دوسری صاحبزادی کی شادی نواب رحمت اللہ خاں عرف حیات میاں ابن نواب سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے ساتھ ہوئی۔ خدا تعالےٰ اس خاندان کو اور اُن کی اولاد و احفاد کو با خیر و برکت خوش و خرم اور عرصہ تک زندہ رکھے۔

قبل اس کے کہ ہم اس خاندان کا یہ مختصر تذکرہ ختم کریں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ریاست ہائے بھیکم پور قلعہ جدید۔ دتاولی کے طرح یہاں بھی ریاست کی طرف سے غربا کے علاج کے واسطے حاذق طبیب ملازم رہے۔ اور یہ سلسلہ داد وہش نواب ابوبکر خاں مرحوم کی حیات تک رہا۔ حالانکہ یہاں ایک سرکاری شفاخانہ بھی موجود ہے

ہیں موصوف کو کھانے کھلانے میں جو ذوق سلیم رہا اُس کی وجہ سے ان کا دسترخوان اکثر وسیع رہتا ہے۔ گویا ؎

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موصوف کا باورچی حاجی جنّی (جس کو سابق آغا نواب ابوبکر خاں مرحوم نے طبّاخی کی تعلیم دلائی) اپنے فن میں کامل ہے اور جواب میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

مولوی حاجی محمد جان خاں کی اولاد

موصوف کے بڑے صاحبزادہ محمد یوسف خاں عرف للّن میاں مذکرہ بالا ہیں۔ عربی میں تعلیم یافتہ اور انگریزی سے واقف ہیں یہ بھی بہت اچھے گھوڑے کے سوار اور شکار کے شائق ہیں۔ انتظام زمینداری میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ نواب ابوبکر خاں مرحوم کی اکلوتی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی اور اُن کی جائداد کے اپنی خوشدامن صاحبہ کی طرف سے منتظم رہے۔ اب حیدرآباد سندھ پاکستان میں مع اپنے خاندان کے مقیم ہیں اور وہاں کی جائداد کے انتظام میں مشغول ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی غلام اکرم خاں عرف پیارے میاں مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ اور عربی میں ایم اے ہیں۔ ان کی شادی خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب رئیس پوڑہ گگاولی کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی یہ تھوڑے عرصہ کے لئے دوران جنگ میں لکھنؤ میں سرکاری ملازم رہے اور اب یہ بھی حیدرآباد سندھ میں ہیں اور اُس جائداد کے منتظم ہیں جو علی گڑھ کی موروثی جائداد کے تبادلہ میں وہاں حاصل کی گئی۔

یہ دونوں بھائی مولوی میاں کی زوجہ اولیٰ سے پیدا ہیں اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ خدا ان کو خوش و خرّم رکھے۔

مولوی محمد جان خاں کے تیسرے صاحبزادے غلام جیلانی خاں عرف اچھے میاں بی اے ہیں جو مولوی میاں کی زوجہ ثانی سے پیدا ہیں۔ ان کے سپرد موہن پور ضلع ایٹہ کی (یعنی اُن کے نانا مرحوم حاجی غلام محمد خاں کی) جائداد کا انتظام رہا

اب آج کل اُن کا قیام علی گڑھ میں ہے اور ہلدوانی ضلع نینی تال میں ایک زراعت کا فارم شروع کیا ہے۔ اُن کی شادی خاں صاحب چودھری احمد اللہ خاں رئیس قصبہ سہاور کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی غلام السبطین عرف افضال میاں بی ایس سی کی شادی نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ ان سے چھوٹے بھائی احمد جان عرف فیاض میاں کا قیام بھی علی گڑھ میں اپنے گھر پر رہتا ہے اُن کی صحت اچھی نہیں ہے فیاض میاں سے چھوٹے بھائی غلام الثقلین خاں عرف عاصم میاں کی شادی شاہجہاں پور میں ایک ممتاز ترین پٹھان خاندان میں حامد خاں مرحوم کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ حامد خاں مرحوم راقم الحروف کے دیرینہ کرم فرما اور مولوی میاں کے ایک عرصہ کے مخلص دوست تھے۔ عاصم میاں سے چھوٹے بھائی غلام الحسنین عرف عارف میاں کی شادی برلہ میں محمد عزیز خاں ابن حاجی عبدالواسع خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ حال میں ہوئی۔ مولوی محمد جان خاں صاحب کی بڑی صاحبزادی کی شادی حسن پور کے سردار بہادر خاں شروانی بی اے کے ساتھ ہوئی جو اب پاکستان میں محکمہ مرکزی کسٹم میں عہدہ دار ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد موصوف نے اپنی خدمات وہاں کو منتقل کرا لیں۔

مولوی محمد جان خاں کی دوسری صاحبزادی کی شادی نواب رحمت اللہ خاں عرف حیات میاں ابن نواب سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے ساتھ ہوئی۔ خدا تعالٰے اس خاندان کو اور اُن کی اولاد و احفاد کو باخیر و برکت خوش و خرم اور عرصہ تک زندہ رکھے۔

قبل اس کے کہ ہم اس خاندان کا یہ مختصر تذکرہ ختم کریں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ریاست ہائے بھیکم پور قلعہ جدید۔ دتاولی کے طرح یہاں بھی ریاست کی طرف سے غربا کے علاج کے واسطے حاذق طبیب ملازم رہتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ دادو ولیعہد نواب ابوبکر خاں مرحوم کی حیات تک رہا۔ حالانکہ یہاں ایک سرکاری شفا خانہ بھی موجود ہے

اس ریاست میں بھی خیرات اور صدقات کا سلسلہ مولوی محمد جان خاں کے دم سے اب تک جاری ہے۔

خاندان ڈناولی

خاندان ڈناولی کی پوری داستان کے واسطے ایک طویل مقالہ چاہیئے۔ ہم مختصراً چیدہ چیدہ واقعات عرض کریں گے۔ جیسا کہ اس خاندان کے شجرہ سے معلوم ہوگا اُس کے مورث صید حسن خاں تھے۔ یہ نہیں معلوم کہ ان میں اور مہر خاں میں (جن کا ذکر اوپر ہے اور جن سے پردرہ ڈناولی وغیرہ کے پٹھانوں کا نکاس ہے) کتنے پشت کا فرق ہے۔ مگر یہ فرق زیادہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اگر تاریخی اصول کے مطابق بہ لحاظ اوسط فی پشت تینتیس سال کی مدت شمار کی جائے تو صید حسن خاں کا زمانہ بھی سلاطین دہلی بہلول لودی اور اُس کے بیٹے سکندر لودی کا ہم عصر قرار پاتا ہے اور جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے محمد مہیر خاں کا زمانہ بھی یہی ہے۔ ڈناولی کے موجودہ شروانیان صید حسن خاں سے سولہویں پشت میں ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ صید حسن خاں کی اولاد ڈناولی میں بہت بعد کو آکر بسی۔ اس خاندان کے شجرہ میں دو نام (یعنی کالے خاں اور گھاسی خاں جو صید حسن خاں سے ساتویں آٹھویں پشت میں تھے) ایسے ہیں جو بالکل ہندوستانی طرز کے ہیں۔ اصول مندرجہ بالا کے مطابق ان دونوں حضرات کا زمانہ شاہ عالم بہادر شاہ اور فرخ سیر بادشاہان کا ہم عصر قرار پاتا ہے۔ یہ خاندان پردرہ میں مغلیہ خاندان یا اُس سے کچھ دن قبل ہی سے آبسا تھا۔ یہاں اب تک اس خاندان کا پرانا قبرستان موجود ہے۔ اگرچہ قبروں پر کوئی کتبے نہیں ہیں۔ زمانہ حال میں اس خاندان کے تاریخی حالات جو معلوم ہوسکے وہ عمر خاں ابن گھاسی خاں ابن کالے خاں سے شروع ہوتے ہیں۔

حاجی مراد خاں عمر خاں کے پوتے حاجی مراد خاں ابن شجاعت خاں تھے۔ مراد خاں ۱۱۶۱ء میں یا اُس کے قریب پیدا ہوئے۔ اور ایک سو بیس ۱۲۰ برس

کی عمر میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔ حاجی مراد خاں کا زمانہ خاندان و ریاست دتاولی کے لئے بڑا اہم تھا۔ حاجی مراد خاں کے نام لیوا پروفیسر حاجی محمد ہارون خاں نے اپنے دادا حاجی فیض احمد خاں کے بارے میں ایک مضمون اخبار جمہور علی گڑھ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں شائع کیا جس میں ضمناً حاجی مراد خاں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ مضمون چند خاندانی یادداشتوں پر مبنی ہے جو پروفیسر صاحب کے والد بزرگوار حاجی موسیٰ خاں مرحوم نے چھوڑیں۔ اس مضمون میں بعض باتیں تصریح طلب ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حاجی مراد خاں مرحوم اور اُن کا خاندان کب اور کیسے پرورہ سے نکل کر دتاولی میں آکر بسا۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی روایت (جس کا حوالہ پروفیسر صاحب موصوف نے بھی دیا ہے) یہ ہے کہ جاٹ گردی کے زمانہ میں حاجی مراد خاں نے پرورہ سے نکل کر دتاولی پر یورش کی اور اس کو جاٹوں سے چھین لیا۔ اس بارے میں ایک دوسری روایت حاجی ہدایت اللہ مرحوم نومسلم نے اپنی تحریری یادداشت میں جس کا نام اُنہوں نے تاریخ شیروانی عرف رحمت یزدانی رکھا اور جو جنوری ۱۹۰۳ء میں اُن کے انتقال سے قبل ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ مرتب ہوئی) دکھایا ہے کہ جب برہمن زمیندار دتاولی کی مالگذاری باقی رہی تو حاجی مراد خاں نے گوشائیوں کو (جن کا دور دورہ جاٹ گردی کے بعد شروع ہوا) یہ روپیہ ادا کیا اور گوشائیوں کے عمال نے حاجی مراد خاں کو دتاولی پر قبضہ دلایا۔ راقم الحروف نے اس تحریری یادداشت کو پروفیسر صاحب موصوف کے بھائی حاجی شبیر خاں صاحب کے پاس دیکھا۔ حاجی ہدایت اللہ نے اپنی یادداشت میں یہ بھی تحریر کیا کہ جب دتاولی پر قبضہ پا لینے کے بعد حاجی مراد خاں نے وہاں گڑھی اور مکانات تعمیر کرائے تو پانچ سو جاٹوں نے گڑھی پر حملہ کیا مگر حاجی مراد خاں دلیری کے ساتھ ان سے لڑے اور جاٹ بری طرح سے شکست کھا کر بھاگے۔ اس آخری واقعہ کا لحاظ کرتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ جاٹوں سے اور حاجی مراد خاں سے جنگ دونوں روایتوں میں مشترک ہے حاجی ہدایت اللہ مرحوم کی روایت غلط معلوم ہوتی ہے اور صحیح یہی روایت

معلوم ہوتی ہے کہ حاجی مراد خاں نے دتاولی پر یورش کرکے جاٹوں کو وہاں سے نکالا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جاٹوں کے چلے جانے کے بعد گوشائیوں نے بھی حاجی مراد خاں مرحوم کو ستایا ہو جیسا کہ انہوں نے بھیکم پور کے خاندان کو ستایا اور حاجی مراد خاں نے ان کی جھولی بھر کر اس مصیبت کو ٹالا ہو جیسا کہ ایک مرتبہ سورجمل جاٹ کے جانشین نول سنگھ نے جلیسر کے علاقہ کی تاخت و تاراج کے بعد مرہٹوں کو ٹالا۔ پھر بھی ہدایت اللہ کی یادداشت بہت بعد کی ہے ڈسٹرکٹ گزیٹر علاوہ خاندانی روایتوں کے سرکاری یادداشتوں پر مبنی ہے۔ اس کے سامنے ۱۸۳۳ء و ۱۸۶۲ء کی بندوبست کی رپورٹیں بھی ہوں گی۔ انیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں حاجی مراد خاں کے زمانہ میں ریاست دتاولی کی ملکیت کے بارے میں بڑی مقدمہ بازی رہی۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ عمر خاں کے دو بیٹے تھے یعنی ایک شجاعت خاں پدر حاجی مراد خاں اور دوسرے دایم خاں پدر بشارت خاں۔ بشارت خاں کے بیٹے مداری خاں اور آخر الذکر کے بھائی مصری خاں کے بیٹے عبداللہ خاں۔ ان مداری خاں اور عبداللہ خاں نے حاجی مراد خاں کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ وہ اور حاجی مراد خاں یک جدی ہیں مگر حاجی مراد خاں نے پوری ریاست دتاولی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس میں سے نصف ان دونوں مدعیان کو دلائی جائے۔ حاجی مراد خاں نے اس میں عذرداری داخل کی کہ مدعیان کے مورث دایم خاں مادر زاد نابینا تھے ان کا ریاست پر کوئی قبضہ نہ تھا اور وہ اپنے باپ عمر خاں کی حیات میں فوت ہو گئے اور اس وجہ سے دایم خاں کی شاخ (جس میں مدعیان تھے) محجوب الارث ہو گئی۔ علاوہ ازیں عمر خاں نوے سال سے ترک وطن کرکے چلے گئے تھے۔ اور مدعا علیہ حاجی مراد خاں ہی پچاس سال سے نواب مرزا نجف خاں گورنر کول کے وقت سے مالگذاری ادا کرتے چلے آتے ہیں مدعیان کی شاخ نے کبھی ادا نہ کی۔ علاوہ اس کے حاجی مراد خاں کے بھائی نظام خاں بھی اپنے والد شجاعت خاں کی حیات میں فوت ہو گئے اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اس لئے تنہا حاجی مراد خاں ریاست

دتاولی کے مالک اور قابض رہے۔ یہ مقدمہ عدالت العالیہ کلکتہ تک گیا اور اس میں آخر تک کامیابی کا سہرا حاجی مراد خاں کے سر رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدعیان متعلقہ کی شاخ معافیات اور کاشت کاری سے گزر بسر کرتی رہے اور اب تک ایک صاحب جو اس شاخ میں باقی رہ گئے ہیں کاشتکاری سے ہی اپنی معاش کماتے ہیں۔ اسی مقدمہ بازی کے دوران میں یعنی ۱۸۲۳ء میں حاجی مراد خاں نے ریاست دتاولی کا ہبہ نامہ عدالت کلکتہ میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن خاں کے حق میں رجسٹری کیا۔ اس ہبہ کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس سے قبل حاجی مراد خاں مفلوج ہو گئے تھے اور چونکہ وہ قوی ہیکل تھے اسی حالت میں ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ اس ہبہ نامہ میں بھی حاجی مراد خاں نے اسی قسم کا بیان لکھا جیسا کہ دیوانی کی عدالت میں اپنے جواب دعوے اور عذرداری مندرجہ بالا میں کیا تھا۔ ان بیانات میں دو باتیں قابل غور ہیں حاجی مراد خاں کا انتقال مارچ ۱۸۳۴ء (شوال ۱۲۴۱ھ) میں ہوا اور ہبہ نامہ ۱۸۲۳ء میں اس سال سے پچاس برس قبل یعنی نواب مرزا نجف خاں گورنر کول محولہ ہبہ نامہ کے زمانہ میں ۱۷۷۳ء یا ۱۷۷۴ء قرار پاتا ہے اور جیسا کہ تواریخ سے ثابت ہے نواب نجف خاں گورنر کول نے اسی زمانہ میں علی گڑھ سے جاٹوں کو نکالا۔ اور اسی میں خاندان بھیکم پور کے بھاگے ہوئے شروانیان واپس آئے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ جب حاجی مراد خاں نے جاٹوں کا چراغ گل ہوتے ہوئے دیکھا اور نواب مرزا نجف خاں کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا تو پردہ سے نکل کر اور اس حالت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے دتاولی سے جاٹوں کو نکالا۔ اس لحاظ سے بھی ڈسٹرکٹ گزیٹر علی گڑھ کی روایت کسوٹی پر کھری قرار پاتی ہے۔ ہبہ نامہ کا دوسرا بیان یہ تھا کہ عمر خاں نوے سال سے تارک الوطن تھے قابل غور ہے۔ اگر ہم ہبہ نامہ کے سن یعنی ۱۸۲۳ء سے نوے سال منہا کریں تو عمر خاں کے وطن چھوڑنے کا زمانہ ۱۷۳۳ء کے لگ بھگ یعنی جاٹ گردی اور گوشائیوں کے دور دورہ سے پہلے کا یعنی حاجی مراد خاں کے عالم شباب کا قرار پاتا ہے۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ عمر خاں اپنے وطن کو کیوں چھوڑ گئے۔ حاجی مراد خاں کی شادی

باز خاں رئیس بھیکم پور کی ہمشیر کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک بیٹے عبدالرحمٰن خاں تھے
اور ایک بیٹی جن کی شادی مداری خاں متذکرہ بالا کے ساتھ ہوئی۔

حاجی مراد خاں نے ریاست دتاولی کو ترقی دی اور اس میں اضافہ کیا
کیونکہ بقول جے۔ آر ہچنسن مصنف "اعداد و شمار علی گڑھ" ۱۸۳۲ء لغایت ۱۸۵۴ء
(یعنی علی گڑھ اسٹیٹکس) ریاست دتاولی کا بندوبست ۱۸۳۳ء
میں تھارن ٹن انگریز نے کیا اور اس وقت اس ریاست کے پچیس تیس مواضعات تھے
جن کی آمدنی تیس ہزار روپیہ سالانہ کے قریب تھی اور مالگذاری بیس ہزار روپیہ سالانہ
کے قریب تشخیص ہوئی۔ دتاولی کے علاوہ ریاست کا بڑا موضع بڈہالسی تھا اس سے
ثابت ہے کہ حاجی مراد خاں کے زمانہ میں ہی انہوں نے اور ان کے بیٹے
عبدالرحمٰن خاں نے بڈہالسی کے علاقہ کو خرید لیا تھا عبدالرحمٰن خاں نے اپنے والد
کے حیات ہی میں ریاست کا کاروبار سنبھال لیا تھا اور کرتا دھرتا وہی تھے۔
مئی ۱۸۳۳ء میں حکومت نے عبدالرحمٰن خاں کو آگرہ میں صدرالصدور کے عہدے پر
تنخواہ چار سو روپیہ ماہوار علاوہ الاؤنس کے مقرر کیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے
تھوڑے دن بعد اس عہدے سے استعفا دے دیا کیونکہ تھوڑے دن بعد موصوف
کا انتقال ہو گیا۔ اس عہدے پر تقرری کی سند موصوف کے خاندان میں انیس الرحمٰن خاں
ابن حاجی مولوی مونس خاں مرحوم کے پاس محفوظ ہے۔ حاجی مراد خاں کے داماد
مداری خاں متذکرہ بالا نے دتاولی کے وسط میں پرانی گڑھی کے قریب ایک مسجد
تعمیر کرائی۔ پرانی گڑھی کا تو اب نام و نشان بھی نہیں مگر مسجد موجود ہے اور اس پر
حسب ذیل کتبہ ہے:

مداری خاں امیر با کرم پور بشارت خاں — بنائے مسجد نو طرز کرد از فضل یزدانی
مطرز شد بطرز نو العجب از سعی قائم خاں — کہ زد طرز بدیعش آب غیرت بر رخ مانی
نصیر از کعبہ گو چوں تاریخش نشاں جستم — بگفتا سال تاریخش بود بیت الحرم ثانی

۱۲۶۲ھ

۱۲۶۲ھ

اسی مسجد کے قریب بشارت خاں مرحوم کی شاخ یعنی احمد رضا خاں مرحوم وغیرہ کے مکانات موجود ہیں حاجی مراد خاں کا انتقال ایک سو بیس برس کی عمر میں ماہ پوس ۱۸۳۴ء میں ہو گیا۔

عبدالرحمٰن خاں

اور اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ ان کی پیدائش ۱۷۶۳ء یا ۱۷۶۴ء میں ہوئی تھی۔ اور باز خاں رئیس بھیکم پور کی بیٹی کے ساتھ اُن کی شادی ہوئی۔ بھیکم پور اور دتاولی کے شروانی خاندانوں میں شادی بیاہ دونوں کے عروج کے زمانہ سے شروع ہو گئے تھے ؎

کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج

کا مقولہ مشہور ہے۔ اس عروج سے پہلے کا حال معلوم نہیں کہ دونوں میں رشتہ داری تھی یا نہیں یہ فضول ہے۔ آنریبل متذکرہ بالا عبدالرحمٰن خاں نے بھی چھوٹی چھوٹی زمینداریاں اُس وقت خریدیں جب وہ بعلت بقایا مالگزاری سرکار نیلام ہوئیں اور اس طرح سے ریاست میں اضافہ کیا۔

اُن کے زمانہ میں ضلع علی گڑھ کے پرگنہ جات کی حدود میں بار بار تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ریاست کے مواضعات کبھی پرگنہ اکبرآباد میں رہے اور کبھی پرگنہ اترولی میں مگر بالآخر اس ریاست کا زیادہ حصہ پرگنہ اترولی میں رکھا گیا۔ اگرچہ اب تک چند دیہات پرگنہ اکبرآباد میں بھی رہے۔ اس ضلع کے دیہات کے علاوہ ضلع بلند شہر کے تحصیل صدر و انوپ شہر کے وہ دیہات علیحدہ رہے جو بعد میں عبدالرحمٰن خاں کے بیٹے حاجی فیض احمد خاں کے زمانہ میں خریدے گئے جس زمانہ میں یہ آگرہ میں صدر الصدور تھے اپنی ریاست کی نگرانی میں بھی اپنے ضعیف والد بزرگوار مرحوم کو مدد دیتے رہے۔

عبدالرحمٰن خاں نے دتاولی میں گڑھی کے اندر ایک خوبصورت بنگلہ تعمیر کرایا اور اپنے بیٹے حاجی فیض احمد خاں کے نام پر فیض آباد اُس کا نام رکھا۔ اس بنگلہ پر حسب ذیل تاریخ کندہ ہے:

عبدالرحمٰن خان عالی مرتبت الاثراد — طرحِ بنگلہ خوشنما فرمود بہرِ جہر د داد
سالِ تاریخ بنایش گو حسین از قلبِ شاد — بنگلہ فیض آباد جائے منعم جواد باد

۱۲۴۱ھ (مطابق ۲۷-۱۸۲۶ء)

عبدالرحمٰن خاں نے ستّر سال کی عمر میں اپنے والد کی حیات میں ہی اور آخرالذکر کے انتقال سے چند ماہ قبل اس دنیا سے رخصت ہو کر اُن کو داغِ مفارقت دیا۔ یہ دونوں بڑے صاحبِ اقبال تھے اور ریاست کو بڑی ترقی دے گئے۔ عبدالرحمٰن خاں نے دو بیٹے چھوڑے یعنی محمد حسین خاں بعمر بیس سال اور حاجی فیض احمد خاں بعمر بارہ سال۔

محمد حسین خاں

محمد حسین خاں ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے تھے۔ حاجی داؤد خاں رئیس بھیکم پور کی صاحبزادی کے ساتھ اُن کی شادی ہوئی تھی مگر ان اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور وہ شباب ہی میں قضا کر گئیں۔ بقول پروفیسر حاجی ہارون خاں کے پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد محمد حسین خاں نے ایک غیر کفو خاندان کی لڑکی کے ساتھ شادی کی اور وہ اُن کو بڈ ہانسی میں رکھتے تھے۔ محمد حسین خاں نے صرف اٹھائیس سال کی عمر پائی اور ۱۸۳۶ء میں انتقال کیا۔ محمد حسین خاں کی وفات کے بعد اُن کی والدہ نے زوجہ ثانی کو اور اُس لڑکی کو جو اُن سے پیدا ہوئی دتاولی میں بلا کر رکھا اور لڑکی کو تعلیم دلائی اس کی شادی اپنے مختار عام مرزا وزیر بیگ کے ساتھ کر دی۔ ان دونوں سے ایک علٰحدہ خاندان چلا اور بہت پھلا پھولا۔ اس جداگانہ خاندان کے حالات ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہیں۔ محمد حسین خاں کے انتقال کے بعد ریاست کے مالک اُن کے بھائی ہوئے۔

حاجی فیض احمد خاں

۱۲۴۱ھ (۲۶-۱۸۲۵ء) میں پیدا ہوئے اور بھائی کے انتقال کے وقت اُن کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ ریاست کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آئی اور حاجی فیض احمد خاں کے ماموں حاجی

داؤد خاں رئیس بھیکم پور ریاست دتاولی کے منیجر مقرر ہوئے۔ حاجی فیض احمد خاں نے کچھ دن تک اپنے دادا اور پھر اپنی والدہ اور ماموں کی نگرانی میں تربیت پائی اور گھر پر فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ یہ شروع ہی سے بہت مذہبی اور فدائے اسلام تھے۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مرحوم دہلوی سے حدیث شریف پڑھی۔ موصوف کے استادوں میں مولوی سرفراز خاں رامپوری مولوی عبدالواحد خاں رامپوری مولف کتاب الایمان تھے۔ یہ دونوں حضرات عالم کامل اور باعمل تھے۔ اسی کے ساتھ فنون سپہ گری اور جسمانی ورزشوں میں مشق بہم پہونچائی۔ موصوف کے خلفا احباب میں مولانا قطب الدین مؤلف مظاہر حق بھی ممتاز تھے۔ موصوف کو حدیث شریف کے مطالعہ سے بہت شغف پیدا ہو گیا۔ جو نسخہ بخاری شریف کا موصوف کے مطالعہ میں تھا وہ اب اُن کے پوتے حاجی پروفیسر ہارون خاں کے پاس موجود ہے۔ اُن کی ایک تصنیف "اوراد ماثورہ" کو موصوف کے بیٹے نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم نے مطبع نورالانوار کانپور میں چھپوایا۔ ایک دوسری تصنیف "مناسک حج" بھی تھی مگر اُس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے ریاست کے انتظام اور ترقی میں توجہ سے کام لیا اور اُن کے زمانہ میں ضلع بلند شہر کا قریب چالیس دیہات کا علاقہ خریدا گیا۔ ضلع علی گڑھ میں بھی جائداد خرید کی گئی اور ریاست کے مواضعات کی تعداد ایک سو دس تک پہونچ گئی۔ موصوف فیاض اور مخیر تھے اُن کی سیرچشمی مشہور تھی۔ بقول موصوف کے پوتے پروفیسر حاجی ہارون خاں کے ایک مثال سے اُن کی ان صفات کا پتہ لگتا ہے۔ جب علی گڑھ کے قریب موضع گوڑ شنکرن کسی ڈگری کے اجرا میں نیلام ہوا تو حاجی صاحب موصوف کی طرف سے کارندوں نے بیس ہزار روپیہ میں خرید لیا۔ جب کاغذات سرکاری میں حاجی صاحب موصوف کے نام کے اندراج اور داخل خارج کی نوبت آئی تو اس موضع کے ہندو مرد عورتیں اور بچے گڑھی کے صدر دروازہ پر پہونچکر واویلا کرنے لگے۔ جب حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے شور و غل سنا تو دریافت کیا کیا معاملہ

سے جواب دیا گیا کہ یہ لوگ دہائی دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا موضع تو حاجی صاحب نے خرید لیا اب وہ کیا کھائیں کیسے گزر بسر کریں۔ یہ سُن کر موصوف آبدیدہ ہوئے اور تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد حکم دیا کہ موضع کا دخل خارج کر دیا جائے۔ فریادی خوش خوش واپس ہو گئے اور حاجی صاحب نے اتنی بڑی رقم اور جائداد پر لات ماردی۔ اللہ رے بے نفسی! موصوف کی اس فیاضی کا موجودہ خانصاحب سے مقابلہ کیا جائے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ حاجی صاحب موصوف نے اپنی زندگی میں کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں چنانچہ دتاولی کی گڑھی میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی جس میں ۱۲۷۰ھ کے کتبہ جات ہیں جو ذیل میں درج ہیں :-

(۱) محمد فیض احمد خانِ ذی جاہ — شدہ چوں مسجدے را او مؤسس
تصیر از بہر تاریخش چنیں گفت — بنائے ثانی بیت المقدس

(۲) اولوالعزم خان فیض احمد نے مسجد — بنائی لکھو کاری و خوش طرازی
پئے سال ہاتف نے دی بانگ عالی — اذاں کہہ کے پڑھ لے نماز نمازی

(۳) چو مسجد فیض احمد خان بنا کرد — کہ تحسین می کند ہر شخص دیدہ
شدہ تاریخ از رشتہ صاحب — جزاہ اللہ فی الدارین خیرا

اس کے علاوہ گڑھی میں موصوف نے بنگلہ فیض آباد میں تعمیر کیا اور بنگلہ کے بڑے دروازہ پر بالا خانے تعمیر کرائے جن پر ۱۲۶۹ھ کے دو منظوم کتبے ہیں یعنی :-

(۱) بنا دہ فیض احمد خان کا بنگلہ — خجل جس سے گلستانِ جناں ہے
تمنا سے یہ محل لکھی یہ تاریخ — نہیں کردہ بہار بے خزاں ہے

(نثار اللہ خان فرخ آبادی)

بدمعاشوں کے ساتھ مل کر برلہ کے ایک مالدار بنیے لالہ موجی رام کو قتل کرادیا۔ یہاں
کے مسلمان زمیندار اور راقم الحروف کے خاندان نے دیگر ملحقہ مواضعات
میں پناہ لی۔ اس زمانہ میں یہاں نیل سازی کے کارخانے اور کوٹھی کا مالک
(Yandy) ٹانڈی کے چلے جانے کے بعد ایک انگریز تاجر یوتھ نامی تھا ان دونوں
کا ذکر ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے کیا ہے۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم سے اس
کے تعلقات تھے۔ یہ انگریز گھبرا کر برلہ سے بھاگا اور اپنا کاروبار سب سامان
چھوڑ گیا۔ اس کا کوئی نگراں نہ تھا تو حاجی صاحب موصوف نے اس کا سامان
اپنے یہاں حفاظت سے رکھا اور اپنے ملازمان کے ذریعہ سے اس انگریز کی
کوٹھی اور کاروبار کی نگرانی کرائی۔ اور ہنگامہ فرو ہونے کے بعد یہ سب اُس
کو واپس دیا۔ یوتھ کو بہت نقصان سے بچا لیا جس کا بڑا گہرا اثر اُس کے دل
پر ہوا۔ گھبرائے ہوئے اور بدلا لینے پر تلے ہوئے انگریز حاجی فیض احمد خاں مرحوم
کی طرف سے مشکوک تھے۔ تحقیقاتیں اور تلاشیاں شروع ہوئیں دتا ولی کی گڑھی
کے دروازوں پر توپیں تو پہلے ہی سے موجود تھیں۔ تلاشی میں ایک رفل بھی
برآمد ہوا اور حاجی صاحب موصوف کو پکڑ لیے گئے اور بلند شہر کی حوالات میں
بند کر دئیے گئے۔ جب برلہ کے انگریز یوتھ کو موصوف کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ
کسی نہ کسی طرح اُن سے ملا اور کہا کہ رفل کے بارے میں موصوف اپنی صفائی
میں کہدیں کہ یوتھ کا دیا ہوا ہے۔ مگر موصوف نے یہ کہہ کر کہ وہ جھوٹ کبھی نہ
بولیں گے اس قسم کا بیان دینے سے انکار کر دیا۔ یوتھ نے یہ تدبیر کی کہ وہ انگریز
حکام سے ملا اور موصوف کی پُرزور سفارش کی اور کہا کہ رفل اُس کا دیا ہوا
ہے اور حاجی صاحب نے اُس کے ساتھ بہ بہ سلوک کئے ہیں۔ بہرحال جب حاجی
صاحب کے خلاف الزامات غلط ثابت ہوئے تو وہ رہا کر دئیے گئے۔ مگر موصوف
ان واقعات سے بہت متاثر ہوئے اور اُن کی خوددار طبیعت نے اُن کو ہندوستان
سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور وہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ موصوف نے مکہ معظمہ کے محلے

حارۃ الشامیہ میں مکانات خرید کئے اور ان میں تعمیر کرا کے ایک رباط (مسافرخانہ) بنا کے
فی سبیل اللہ وقف کئے۔ راقم الحروف نے بھی ان محلے میں ان کے مکانات کا
موقع دیکھا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں عیسائی پادریوں نے انگریزی
حکومت کے بل بوتے پر عیسائیت کی اشاعت اور تبلیغ اور اسلام کی مخالفت
کا ملک بھر میں جال پھیلا رکھا تھا اور مسلمان علماء جان توڑ کر عیسائیت کی اس کوشش
اور مذہب اسلام پر حملوں کے رد کرنے کی سعی میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی
سلسلہ میں مولانا حاجی رحمت اللہ صاحب مرحوم کیرانوی مہاجر مکی نے آگرہ
میں پادری فنڈر کو ایک بڑے مناظرہ میں نیچا دکھا کر اُن کی تحریکات کو روکا
اور اُس کے بعد جب مولانا مرحوم موصوف بھی ہندوستان کی حالت سے بیزار
ہو کر ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں جا بسے اور وہاں ایک مذہبی اور دینی تعلیم کا مدرسہ
صولتیہ کی (جواب مکہ معظمہ میں سب سے بڑی اور مسلمانوں کی امداد کی مستحق درسگاہ
ہے) اپنے رفیق کار مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم مہاجر کی تائید سے بنا
ڈالی تو یہ تعلیم گاہ سب سے پہلے محلہ شامیہ میں حاجی فیض احمد خاں صاحب
مرحوم کے مکان میں قائم ہوئی۔ یہاں بھی حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے ہندوستان
کی طرح مسلمان بچوں کی تعلیم میں اس طرح حصہ لے کر ثواب کمایا۔ حاجی فیض احمد خاں
مرحوم نے طائف میں بھی مسجد اور مکانات تعمیر کرائے اور ایک باغ خریدا یہ
سرزمین ایسی پسند آئی کہ وہیں کے ہو رہے۔ جب ۱۸۷۷ء میں ترکوں میں اور
روس میں جنگ چھڑ گئی تو حاجی صاحب موصوف نے ایک کثیر رقم بطور مالی
امداد کے سلطان ترکی کو نذر کی اور اپنے آپ کو بطور رضاکار پیش کیا۔ جس پہ
سلطان ترکی نے (جن کو اُس زمانہ میں خلیفۃ المسلمین کا درجہ حاصل تھا) خوش ہو کر
ایک سُنہری تمغہ اپنے سکرٹری کے ذریعہ سے حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی خدمت
میں بھیجا اور موصوف کے لئے قلمرو ترکیہ میں آٹھ توپوں کی سلامی مقرر کی۔ مکہ معظمہ
میں حاجی صاحب موصوف کا بڑا رسوخ تھا اور وہ اس قدر ہر دلعزیز تھے کہ

بچہ بچہ اُن سے واقف تھا وہ خواجہ ہندیؒ کے نام سے پکارے جاتے تھے اس
مقدس شہر کے قیام میں موصوف کی اہلیہ اُن کے ساتھ تھیں اور اُن کی زیادہ
اولادیں یہیں پیدا ہوئیں۔ زوجہ ثانی اعانت فاطمہ عرف بہو جی صاحبہ نو سولہ برس
مکہ معظمہ میں رہیں۔ بے تکلف عربی بولتی تھیں اور متعدد حج کئے۔ یہاں کے قیام کے
دوران میں والیِ حجاز اور شریف مکہ سے حاجی صاحب موصوف کے گہرے اور
بے تکلفی کے تعلقات تھے۔ اور وہ حاجی موصوف کے دسترخوان پر اکثر مہمان
رہتے تھے۔ موصوف کی وجہ سے مکہ معظمہ کی ایک پہاڑی کا نام بھی جبل ہندیؒ ہو گیا
اور اسی وجہ سے طائف میں بھی موصوف کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد المسجد الہندیؒ
کہلاتی ہے۔ حاجی صاحب موصوف اہلِ حدیث عقیدے کے تھے۔ اس زمانہ
میں عبدالوہاب نجدی کی تحریک کی وجہ سے مکہ معظمہ میں وہابیوں اور اہلِ حدیث
کے خلاف بڑا جوش تھا۔ چنانچہ شریف مکہ نے حاجی صاحب کے ملنے والے
اہلِ حدیث علما یعنی مولوی محمد احسن اور مولوی امیر الدین وغیرہ مرحومین کے اخراج
کا حکم دیا۔ حاجی موصوف بیعت کر شریف مکہ کے پاس گئے اور کہا کہ میرے اخراج
کا بھی حکم دیجئے۔ شریف نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیوں آپ تو یہاں کے عمائد
میں سے ہیں؟ تو حاجی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ میں بھی اہلِ حدیث ہوں تا
شریف نے سمجھا، چنانچہ موصوف کا غصہ ٹھنڈا کیا اور علما کے اخراج کا حکم واپس
لے لیا۔ حاجی صاحب موصوف کا قیام مکہ معظمہ میں کم و بیش بیس سال رہا اور
اس زمانہ میں دو شریف یہاں کے تھے یعنی شریف عبداللہ بن محمد سنہ ۱۲۷۴ھ سے ۱۲۹۴ھ
تک اور شریف حسین پاشا بن محمد سنہ ۱۲۹۴ھ سے ۱۲۹۷ھ تک۔ حاجی صاحب موصوف
کی عدم موجودگی میں اُن کے بڑے بیٹے نواب حاجی اسماعیل خاں مرحوم ریاست
دتاولی کا کام کرتے تھے۔ حاجی [illegible] احمد خاں مرحوم اس زمانہ میں دو تین مرتبہ
دتاولی آئے۔ نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم نے اپنے پدر بزرگوار کی عدم موجودگی
میں دتاولی کی گڑھی میں ایک عالی شان دو منزلہ کوٹھی بنگلہ شاہجہاں آباد کے اور مسجد

کے سامنے تعمیر کرائی اور اُس کو طرح طرح کے سامان اور جھاڑ فانوس سے آراستہ کیا۔ اور اپنے والد کے کتب خانہ کو وسعت دی۔ عربی فارسی کی کتابیں جمع کیں۔ ایک پائیں باغ لگایا جس کو گلابی باغ کہتے تھے۔ راقم الحروف نے بھی اُس کو آخری زمانہ میں جبکہ اُس پر پژمردگی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے اور بہار خزاں سے بدل رہی تھی دیکھا ہے۔ اُس میں مختلف پھلوں کے درخت لگائے گئے۔ ایک حوض میں مچھلیاں پالی گئیں۔ اس باغ میں غریبوں کا مفت علاج کرنے کے واسطے شفاخانہ قایم کیا۔ آخری زمانہ میں اُس کے ایک ڈاکٹر شمشاد علی نامی باقی رہ گئے تھے جن کو اپنے لڑکپن کے زمانہ میں راقم الحروف نے بھی دیکھا۔ گڑھی میں چڑیا خانہ قایم کیا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اس سب آراستگی اور رونق کو دیکھ کر اُن کے والد بزرگوار خوش ہوں گے مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم سیدھی سادی زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے وہ بھلا ان باتوں کو اور اسراف کو کیا پسند کرتے نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ہجرت کے بعد ایک مرتبہ دتاولی آئے اور یہ سب آرائش اور عیش و عشرت کے سامان دیکھے۔ مصاحبین نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے نے آپ کے آرام کے واسطے یہ کوٹھی تعمیر کرائی ہے۔ لاحول پڑھتے ہوئے اور غصہ میں کھڑے ہوئے اُس کے بڑے کمرہ میں داخل ہوئے اور بہت سے جھاڑ فانوس توڑ کر اپنے تعمیر کرائے ہوئے بنگلہ فیض آباد میں قیام کیا ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

کا مضمون ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ پھر کبھی ہندوستان میں واپس نہیں آئے۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے بہ پابندی شرع کئی ایک نکاح کئے۔ اُن کی پہلی اہلیہ سے جو بھیکم پور کے خاندان کی تھیں ایک بیٹے حاجی یعقوب خاں اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں جو نواب حاجی اسمٰعیل خاں سے چھوٹے تھے۔ دوسری اہلیہ عاشت فاطمہ تھیں جو وزیر خاں صاحب مرحوم کنجپوری کی بیٹی تھیں نواب حاجی اسمٰعیل خاں اور

ان کے علاوہ مکہ معظمہ میں
اُن کے بھائی بہنیں پیدا ہوئیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ان کے علاوہ مکہ معظمہ میں
ایک نکاح والیٔ افغانستان شاہ شجاع کے خاندان کی ایک بیگم سے کیا جن کا
نام نکاح کے بعد عروس بیگم ہوا۔ ان سے بھی تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے
علاوہ مکہ معظمہ میں اور بھی نکاح کئے مگر ان زوجگان اور اُن کی اولاد کا سلسلہ
انتقال ہو گیا۔ بقول ایک تحریری یادداشت کے جو نواب حاجی اسماعیل خاں
مرحوم نے چھوڑی اور جس کو راقم الحروف نے دیکھا ہے حاجی فیض احمد خاں مرحوم
طائف کے قیام میں بیمار ہوئے اور رمضان ۱۲۹۵ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۸ء میں
اُن کا انتقال وہیں ہو گیا۔ بحساب سن ہجری ۵۴ سال اور بحساب سن عیسوی
باون سال کی عمر پائی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار شریف
کے متصل اور مسجد کے پائیں گورستان میں اپنی والدہ مرحومہ کی قبر کے متصل دفن کئے
گئے۔ اُن کے جنازے کی نماز غائبانہ مکہ معظمہ میں بھی ادا کی گئی جس میں شریف مکہ
اور عمائد شریک ہوئے اور حکومت کے دفاتر ایک روز بند رہے۔

زہرہ بیگم عرف بیگم صاحبہ

اب یہاں ایک اور دلچسپ واقعہ کا بیان کرنا
ضروری ہے جس کا تعلق خاندان دتاولی سے
ہے۔ اسکاٹ لینڈ انگلستان کا رہنے والا ایک انگریز (Dr Mackenzie) ڈاکٹر
میکنزی ٹوش تھا جو کہ اپنی زوجہ کے ڈیوٹی پر انگلستان میں آ رہا۔ یہ بی بی تعلیم یافتہ
تھیں مگر وہ اپنے مذہب عیسائیت کی طرف سے بہت مشکوک اور اس کی صداقت
کی بابت شبہات میں مبتلا تھیں۔ بچوں کے ہمراہ دونوں میاں بی بی ۱۸۵۵ء کے
لگ بھگ ہندوستان میں چلے آئے اور دہلی میں مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بی بی کا اصلی نام نہیں معلوم
مگر بعد کو وہ زہرہ بیگم مشہور ہوئیں۔ یہ خاندان حج کی غرض سے مکہ معظمہ پہنچا اور کچھ
دن بعد شوہر اور بچوں کا وہاں انتقال ہو گیا۔ زہرہ بیگم کا سرمایہ ختم ہو گیا اور
وہ طرح طرح کے مصائب اور آلام میں مبتلا ہوئیں مگر بڑی مستقل مزاج اور باہمت

سنئے مذہب اسلام میں پکی اور استقلال کی آزمائش میں پوری ثابت ہوئیں۔ وہ کپڑوں کی سلائی سے تکلیف کے ساتھ گزر بسر کرنے لگیں۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مرحوم دہلوی بھی اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ موصوف نے ان بیگم کو سمجھایا کہ وہ نکاح ثانی کر لیں تاکہ اُن کی تکلیف رفع ہو جائے مگر بیگم نے ایک نہ سنی اور وہ اسی حالت پر قانع رہیں جب مولانا صاحب مرحوم موصوف نے ہندوستان کو واپسی کا ارادہ کیا تو بیگم مرحومہ کی نگرانی مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مرحوم نے اپنے شاگرد حاجی فیض احمد خاں مرحوم شروانی رئیس دتاولی کے سپرد کر دی۔ آخرالذکر کے دوست حکیم ملا نواب مرحوم کو بھی اس کام میں شامل کر دیا۔ یہ حکیم ملا نواب وہی تھے جن کی زوجہ کی بہن عزیز النسا یا نجم النسا عرف عروسہ بیگم صاحبہ مرحومہ سے حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے نکاح کر لیا تھا اور جن کے بطن سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے انتقال کے بعد جب اُن کا خاندان حاجی نواب اسماعیل خاں مرحوم (ابن حاجی فیض احمد خاں) کے ساتھ ہندوستان کو واپس آیا تو یہ انگریز خاتون زہرہ بیگم بھی یہاں چلی آئیں اور دم واپسیں (۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء) تک دتاولی میں مقیم رہیں کبھی علی گڑھ میں نواب حاجی اسماعیل خاں مرحوم کی ڈگی والی کوٹھی (حال نشاط) میں قیام کرتی تھیں راقم الحروف نے لڑکپن کے زمانہ میں مرحومہ کو یہیں دیکھا تھا۔ لوگ اُن کو بیگم صاحبہ کے نام سے پکارتے تھے۔ اُردو بہت صاف بولنے لگی تھیں۔ عربی کرتا پاجامہ پہنتی تھیں۔ ایک انگریز ایچ۔ پی۔ کین مسلمان کا بھیس بدل کر دھوکے فریب سے مکہ گیا تھا۔ کچھ دن وہاں مقیم رہا۔ جب اُس کو ان انگریز خاتون کا وہاں حال معلوم ہوا تو وہ مکہ معظمہ میں اُن سے ملا۔ باتوں ہی باتوں میں اُن کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا اُس نے بیگم مرحومہ کو اپنے وطن میں واپسی کی بہت کچھ ترغیب دی مگر اس میں بھی وہ ناکام رہا۔ یہ بڑی مستقل مزاج تھیں اور اسلام پر ثابت قدم رہیں علی گڑھ میں انگریز کلکٹر فارن آفس لندن کی خاص ہدایت کی بنا پر حکومت کی طرف سے ان کے حالات معلوم کرنے کے واسطے تعینات ہوا اُس کی زوجہ بھی بیگم

مرحومہ سے ملتی رہتی تھیں مگر وہ بھی اس کام میں کامیاب نہیں ہوا۔ بیگم صاحبہ خاندان شیروانی کی مستورات سے گھل مل گئی تھیں۔ بالخصوص حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی زوجہ اعانت فاطمہ مرحومہ اور اُن کے بیٹوں اور دوسرے عزیز قریبوں سے علی قدر حال گہرے اور محبت کے تعلقات تھے۔ چوہتر برس کی عمر پائی اور ۱۹۴۳ء میں دتاولی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئیں۔ مرحومہ کے متعلق حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے پوتے حاجی پروفیسر ہارون خاں صاحب شیروانی نے دو مضامین (اپریل و جولائی ۱۹۵۲ء کے) اخبار جمہور علی گڑھ میں شائع کئے جس میں بیگم مرحومہ اور نکین کی بابتہ پوری تفصیلات درج ہیں اور مرحوم کے حالات کی بابتہ مولانا امان الرحمٰن صاحب مرحوم متذکرہ بالا کی کتاب "ذکر جمیل" اور ایچ۔ پی۔ کین کی کتاب "حجاز میں چھ ماہ" (Six months in Hejaz) کی اسناد پیش کی ہیں۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شیروانی صاحب کے ایک مضمون بعنوان "گورتان یا نگمان" (جمہور ۲ جنوری ۱۹۵۲ء) میں بیگم صاحبہ کے متعلق پہلا مضمون شائع ہوا۔ مولوی صاحب موصوف کے علم سینہ کے مطابق وہ فیض احمد خاں صاحب کے نکاح میں تھیں۔ اور پروفیسر ہارون خاں صاحب کے علم سفینہ کے مطابق نکاح میں نہ تھیں بیگم مرحومہ کے متعلق مزید تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حاجی فیض احمد خاں صاحب نہایت کثیر الاولاد تھے۔ باون سال کی عمر میں باون (۵۲) یا ترپن (۵۳) اولادیں مختلف بطنوں سے ہوئیں۔ سب سے زیادہ اعانت النساء کے بطن سے ہوئیں۔

حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے مزار کو اُن کے بیٹے مولوی حاجی یونس خاں مرحوم اور حاجی عیسیٰ خاں مرحوم اور اُن کے پوتے حاجی شبیت خاں اور آخر الذکر کی ہمشیر راحیلہ خاتون صاحبہ نے دیکھا ہے۔ بی بی راحیلہ خاتون نے طائف کے قیام میں اُس کی مرمت کا انتظام بھی کیا۔ حاجی فیض احمد خاں کی بیماری اور وفات کی خبر پہونچنے پر حاجی اسماعیل خاں مکہ معظمہ گئے۔ اُس وقت حاجی فیض احمد خاں کے آٹھ ورثہ ہندوستان میں اور گیارہ مکہ معظمہ میں تھے۔

فیض احمد خاں کی پہلی شادی خاندان بھیکم پور میں ہوئی مگر ان اہلیہ کے بطن سے کچھ دن تک اولاد نہیں ہوئی تو دوسری شادی موضع کنوبی میں امانت فاطمہ (دختر وزیر خاں) کے ساتھ ہوئی۔ ان دوسری بطن سے سب سے پہلے

اسماعیل خاں جمادی الاوّل سنہ ۱۲۷ھ میں پیدا ہوئے اس کے بعد اسحاق خاں پیدا ہوئے جن کا انتقال جوان عمری میں ہوگیا۔ اسحاق خاں کی شادی نواب فضل اللہ خاں کی بڑی ہمشیر سے ہوئی مگر شادی کے جلد ہی بعد بیوہ ہوجانے کے بعد ان کا عقد ثانی حاجی یوسف خاں سے ہوگیا۔ مگر پھر خود بھی زیادہ زندہ نہ رہیں۔

امانت فاطمہ سے دو بچے (اسماعیل خاں و اسحاق خاں) ہوجانے کے بعد پہلے (بھیکم پور والی) بطن سے دو بچے ہوئے ایک بیٹی امت القیوم عرف بڑی بی اور ان کے بعد حاجی یعقوب خاں سنہ ۱۲۷۳ھ میں۔ ان سے بس یہی دو بچے ہوئے۔ مگر دوسری اہلیہ سے بعد اسمٰعیل خاں و اسحٰق خاں یوسف خاں سنہ ۱۲۸۱ھ میں بمقام مکہ مولوی حاجی یونس خاں سنہ ۱۲۸۳ھ میں بمقام طائف سنہ ۱۲۸۹ھ میں حاجی موسیٰ خاں بمقام مکہ اور پھر حاجی عیسیٰ خاں سنہ ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان حضرات کے علاوہ دو بیٹیاں یعنی رابعہ بیگم اور نور فاطمہ بوجی صاحبہ کے بطن سے اور تین لڑکیاں جن میں مریم بیگم بڑی تھیں عروسہ بیگم کے بطن سے اور چار لڑکیاں عرب زوجگان سے پیدا ہوئیں ان میں سے ایک عرب اہلیہ اور ان کی لڑکی حاجی اسماعیل خاں کے مکہ معظمہ پہونچنے سے قبل فوت ہوچکی تھیں۔ نواب حاجی اسماعیل خاں اپنے بھائی بہنوں کو اور والدہ اور عروسہ بیگم کو معہ اُن کی تینوں بیٹیوں کے دتاولی لے آئے باقی ماندہ عرب زوجگان اور اُن کی لڑکیوں کی جائداد کے حصوں کو بیعنامہ کرا کے اُس کی قیمت کا روپیہ ادا کر دیا۔ حاجی اسماعیل خاں اور یعقوب خاں کے علاوہ بقیہ بیٹے اُس وقت نابالغ تھے۔ اُس وقت خاندان شروانی میں بی بیوں اور بیٹیوں کے ناموں کا اندراج بطور حصہ داران کاغذات سرکاری میں کرانے کا رواج کم تھا البتہ بیٹیوں کی شادی ہونے پر جہیز میں اُن کے حصہ کی جائداد کم و بیش دے دی جاتی تھی۔ دتاولی میں آنے کے بعد عروسہ بیگم کے تعلقات خاندان کی دیگر مستورات سے خوشگوار نہ رہے اس لئے سنہ [illegible]ء میں وہ اپنی لڑکیوں کو ساتھ لے کر نواب حاجی اسماعیل خاں کی ہمراہی میں پھر مکہ معظمہ واپس چلی گئیں۔ اس زمانہ میں بڑے بھائی

کی عدم موجودگی میں حاجی یعقوب خاں اور حاجی یوسف خاں نے ریاست کا کام
انجام دیا۔ ۱۸۸۲ء تک حاجی اسماعیل خاں دو تین مرتبہ ہندوستان میں آئے اور
پھر حجاز کو واپس گئے عروسہ بیگم اور اُن کی لڑکیاں پھر یہاں آئیں مگر جب مئی ۱۸۸۲ء
میں نواب حاجی اسماعیل خاں یورپ کے سفر کے واسطے روانہ ہوئے تو عروسہ بیگم
اور اُن کی لڑکیوں کو مکہ میں چھوڑ گئے۔ شروانی خاندان میں حاجی اسمٰعیل خاں پہلے شخص
تھے جنہوں نے یورپ کی آب و ہوا چکھی۔ اُس زمانہ میں تو ایسا سفر نہ محض بمنزلہ قطعہ سقر تھا
بلکہ مذہب کے پابند مسلمان اُس کو بُری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ
حاجی فیض احمد خاں کے ورثہ کی تعداد کثیر اور پھر اس طویل سفر کے اخراجات جن
کی وجہ سے ریاست کی آمدنی پر بہت بار پڑ گیا اور یہیں سے آیندہ تقسیم ریاست کی
بنا پڑی۔ پھر گڑھی دتاولی میں کوٹھی کی تعمیر نے اور بھی اضافہ کر دیا۔ سفر یورپ کی واپسی
سے قبل حاجی اسماعیل خاں قسطنطنیہ گئے اور خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم کی خدمت میں
باریاب ہوئے۔ اپنے والد مرحوم کی طرح ایک طلائی تمغہ سے سرفراز ہوئے۔
ترکی زبان سے خوب واقف ہو گئے۔ راقم الحروف نے اپنی طالب علمی اور موصوف
کی ڈگّی والی کوٹھی (حال نشاط) میں قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ موصوف کے پاس ترکی
زبان کے اخبارات آتے تھے جن میں وہاں کا ایک باتصویر اخبار "ثروت فنون" بھی
شامل تھا۔ سید سجاد حیدر یلدرم مرحوم نے اُس زمانہ میں جبکہ وہ روزانہ کچھ وقت موصوف
کو علی گڑھ میں بطور سکرٹری دیتے تھے ترکی زبان موصوف ہی سے سیکھی۔ حاجی صاحب
۱۸۸۵ء میں سفر سے واپس آئے۔ بھائی صاحبان کی شکایت پر یہ انتظام کیا کہ مہمان داری
اور مشترکہ اخراجات کے علاوہ والدہ صاحبان اور بھائی بہنوں کو ذاتی اخراجات
کے واسطے سالانہ رقوم ملتی رہیں۔ اس عرصہ میں ریاست کچھ مقروض ہو گئی اس لئے
قرضہ کی ادائگی کا بندوبست کیا گیا۔ ۱۸۸۵-۸۶ء میں باہمی مشورہ سے کچھ دیہات علیحدہ
علیحدہ ہر ایک بھائی کے انتظام میں دیدے گئے تاکہ وہ اپنے اور پھوپھی صاحبہ اور
بہنوں کے اخراجات برداشت کریں۔ عروسہ بیگم اور اُن کی لڑکیوں کے اخراجات

کا انتظام نواب صاحب موصوف نے اپنے سپرد رکھا۔ ۱۸۸۶ء میں وہ مکہ معظمہ چلے گئے مگر جلد ماہ دو ماہ وہاں رہ کر واپس آ گئے۔ اس زمانہ میں حاجی یوسف خاں کے ساتھ مولوی حاجی یونس خاں بھی انتظام ریاست میں شریک رہے۔ نواب حاجی اسمٰعیل خاں نے دو تین مرتبہ بنکوں سے اور مہاجنوں سے قرض لیا۔ کاغذ کی ناؤ کب تک چلتی بھائیوں میں آپس میں بے اطمینانی اور بدمزگی ہونے لگی۔ نواب صاحب اکثر سفر میں رہتے تھے۔ سامان آرائش و آرام و ملبوسات عمدہ رکھتے تھے۔ راقم الحروف نے اُن کی متعدد تصاویر عربی لباس میں دیکھی ہیں۔ بالآخر حاجی یوسف خاں دتاولی سے باہر کول میں رہنے لگے اور ذاتی اخراجات کے واسطے دیہات کی تقسیم میں کئی مرتبہ تبدیلیاں ہوئیں۔ حاجی یوسف خاں مرحوم کا ارادہ ہوا کہ وہ صوبہ کی حکومت میں ملازم ہوں اس لئے ۱۸۹۱ء میں نواب صاحب موصوف نے کلکٹر جیمس ڈگس لاٹوش سے (جو بعد کو صوبہ کے لفٹننٹ گورنر ہوئے) سفارش کر کے حاجی یوسف خاں مرحوم کو سکندرہ راؤ کی تحصیل میں نائب تحصیلداری کا کام سیکھنے کی اجازت دلائی مگر یہ شوق محض حباب ثابت ہوا ؎

اگر اندیشے ماند شیے دیگر نے ماند

کا مضمون ہوا۔ انجام کار ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۹ء میں ایک پنچایت کے ذریعہ سے (جس کے پنچ حاجی کریم اللہ خاں صاحب رئیس بوڑہ گاؤں۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے بھانجے حاجی مصطفٰے خاں رئیس بوڑہ گاؤں اور سید زاہد حسین الہ آبادی ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ سرپنچ تھے) ریاست دتاولی آپس میں تقسیم ہوئی۔ تقسیم کے وقت ریاست کا مشترکہ منافعہ ایک لاکھ چار پانچ ہزار روپیہ سالانہ تھا اس کے علاوہ جائداد سکنی تھی۔ ہر ایک بھائی کے حصہ میں دس دس ہزار روپیہ سالانہ کا منافع آیا۔ حاجی یوسف خاں کو حصہ میں علاوہ دیگر دیہات کے بڑھاسی ملا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ حاجی یعقوب خاں نے اپنے واسطے پیلی کوٹھی واقعہ سر لئے حکیم علی گڑھ پسند کی۔ باقی بھائی بہن اور پھوپھی صاحبہ دتاولی میں رہے مگر حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم نے ۱۳۰۹ھ میں ڈگی والی کوٹھی علی گڑھ

(حال نشاط) سوہن پال بقال سے چھ ہزار روپیہ سے کچھ زائد میں خرید کر اور اُس میں ترمیم کر کے سکونت وہاں اختیار کی۔ ریاست عروسہ بیگم اور اُن کی لڑکیوں کا انتظام حاجی اسماعیل خاں کے سپرد رہا، جس کی بدولت دتاولی کے خاندان سے باہر کے شروانیان بھی اس ریاست میں حصہ دار ہو گئے۔ جیسا کہ آگے دکھایا جائے گا عروسہ بیگم کی بڑی بیٹی مریم بیگم کا نکاح دہلی کے شہزادہ محمد احمد کے ساتھ ہوا اور وہ کبھی کبھی علیگڑھ میں کالا محل میں آکر رہتے تھے۔ دوسری دو بیٹیوں میں منجھلی کا نکاح اول حاجی عبدالکفیل خاں بلوٹی سے ہوا۔ اور ان سے طلاق کے بعد عبدالجلیل خاں ساکن کناوہ (جو حاجی اسماعیل خاں کے مختارِ کل اور کارکن تھے) ان کے بھائی حاجی عبدالجمیل خاں سے اور چھوٹی کا عبدالجلیل خاں مرحوم کے بیٹے حافظ مصلح الدین خاں کے ساتھ ہوا۔ ریاست میں ان کو بھی حصہ ملا۔ ضلع بلند شہر کے دیہات حاجی اسماعیل خاں۔ عروسہ بیگم۔ اور اُن کی بیٹیوں اور مولوی حاجی یونس خاں اور حاجی عیسیٰ خاں کے حصہ میں علاوہ علی گڑھ ضلع کے دیہات کے آئے۔ اب اس مجموعی جائداد کا منافعہ زمانہ حال میں تین لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب تھا مگر یہ بھی حکومت کی منسوخی زمینداری کی تجویز کے ماتحت ختم ہو گیا۔

ریاست دتاولی کی اس مجمل اور مختصر داستان کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی اولادِ ذکور کی بابتہ فرداً فرداً بھی کچھ عرض کریں۔

نواب حاجی اسماعیل خاں کے کچھ حالات سفر تو ہم اوپر بتا چکے ہیں اس کے علاوہ موصوف کو ہندوستان میں بھی بہت سے سفر درپیش رہتے تھے۔ وہ سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ کے دستِ راست تھے۔ اور اُن کی تعلیمی تحریک سے پورے طور پر وابستہ۔ محمدن اینگلو اورینٹل کالج کی حتی الوسع خدمت کرتے رہے۔ اُن کے نام نامی کے کتبے اس درسگاہ کی عمارتوں پر موجود ہیں۔ سرسید علیہ الرحمۃ کے ساتھ حیدرآباد دکن اور پنجاب میں وفود کے ساتھ گئے۔ اسی کے ساتھ ضلع کے حکام اور صوبہ کی حکومت میں بااثر تھے۔ صوبہ کے لفٹنٹ گورنر نے موصوف کو اُس زمانہ کی صوبہ کی آئین ساز کونسل کا ممبر مقرر کیا۔ موصوف کو لکھنے پڑھنے کا ذوق سلیم تھا۔ اگرچہ

انھوں نے انگریزی تعلیم نہیں پائی تھی مگر یورپ کے سفر، انگریزوں کی صحبت اور مدرستہ العلوم کے معاملات سے وابستگی کی وجہ سے اس زبان سے کچھ واقفیت حاصل کر لی تھی۔ اُس زمانہ کے تہذیب الاخلاق و انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور دیگر رسائل میں مضامین لکھتے رہتے تھے جب سرسید علیہ الرحمۃ اور مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم سے مدرستہ العلوم کے معاملات میں اختلاف ہوا تو حاجی اسماعیل خاں مرحوم نے سرسید علیہ الرحمۃ کا ساتھ دیا اور اُن کی پارٹی میں رہے۔ موصوف نے انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک عالمانہ مجلّہ "معارف" ڈگّی والی کوٹھی سے مولوی وحید الدین سلیم مرحوم پانی پتی (سرسید کے لٹریری اسسٹنٹ) کی اور اپنی اڈیٹری میں کئی سال تک نکالا جس میں علمی، ادبی اور تاریخی مضامین ہوتے تھے اور جو اپنے زمانہ کا نہایت بلند پایہ رسالہ تھا۔

اسی زمانہ میں چند سال کے واسطے علّامہ شبلی مرحوم جن کے تعلقات حاجی صاحب موصوف سے گہرے تھے ڈگّی والی کوٹھی میں آکر رہے اور یہاں قیام کے زمانہ میں پروفیسر آرنلڈ مشہور مستشرق علامہ مرحوم سے قرآن مجید پڑھنے آتے تھے۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ پروفیسر مذکور علامہ مرحوم کا بڑا احترام کرتا تھا۔ جب سرسید علیہ الرحمۃ اپنے فاضل دگر مدظلہ) بیٹے جسٹس محمود مرحوم کی وجہ سے اپنی کوٹھی چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو نواب حاجی اسماعیل خاں کی دوسری کوٹھی (موسومہ ٹھوڑی والی)، بعد جو اُنھوں نے اسمتھ انگریز تاجر نیل پریلہ سے خرید کر بنوائی تھی سرسید علیہ الرحمۃ آکر رہے اور وہیں پر ۱۸۹۸ء میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کوٹھی کو مولوی حاجی یونس خاں مرحوم نے خرید لیا اور اُن کے ترکہ میں پروفیسر حاجی ہارون خاں کی اہلیہ انیسہ خاتون دختر مولوی حاجی یونس خاں مرحوم کے پاس ہے۔ اب اُس کا نام اُسی مناسبت سے "بیت الانس" ہے اور اُن کمروں میں، جو سرسید علیہ الرحمۃ کے استعمال میں تھے پروفیسر ہارون خاں صاحب نے کتبے لگا دیے ہیں۔ سرسید علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد حاجی اسماعیل خاں مرحوم نے سکونت زیادہ تر آگرہ میں اختیار کی اور محلہ گھٹیا اینٹ میں وسیع کوٹھی بنا پیدا کی اور اُس مکان کو مریم بیگم کے بیٹے فیاض خاں کے نام سے "فیاض میاں منزل" سے موسوم

کیا۔ آگرہ کے قیام میں نواب صاحب موصوف علی گڑھ بھی آتے رہتے تھے اور ڈگّی
والی کوٹھی میں قیام کرتے جہاں اُن کی اہلیہ اور صاحبزادی (یعنی اہلیہ عامر مصطفٰے خاں
ابن حاجی مصطفٰے خاں مرحوم) رہتی تھیں۔ اسی ڈگی والی کوٹھی میں حاجی یوسف خاں
مرحوم کی صاحبزادی کی شادی صاحبزادہ جعفر علی خاں برادر والی ریاست مالیر
کوٹلہ کے ساتھ ہوئی تھی اور اسی کوٹھی میں عامر مصطفٰے خاں مرحوم کی شادی نواب
صاحب موصوف کی صاحبزادی فاطمہ بیگم کے ساتھ ہوئی۔ یہ کوٹھی ایک عرصہ تک
راقم الحروف اور اُس کے دیرینہ مخلص کرم فرما عامر مصطفٰے خاں مرحوم کی
جولانگاہ رہی جن کے قصے یاد کر کے اب کلیجا منہ کو آتا ہے۔ آگرہ کے قیام کے
زمانہ میں حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم کچھ عرصہ تک وہاں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ ان
کی دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے گورنمنٹ نے ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں نواب کے خطاب
سے سرفراز فرمایا۔ راقم الحروف اس زمانہ میں صدر تحصیل آگرہ میں تحصیلدار تھا۔ اور
ایک ممتاز فرد خاندان شروانی کے اس اعزاز کی تقریب میں راقم الحروف نے بھی
ایک مختصر سا عصرانہ حکام اور احباب کو دیا۔

نواب صاحب موصوف کے صاحبزادے محمد زبیر خاں بہت لڑکپن ہی میں بعارضہ دق
۱۸۹۲ء میں انتقال کر گئے تھے اور علیگڑھ پھاٹک پر مدفون ہوئے۔ نواب صاحب
موصوف نے چند مطبوعہ تصانیف چھوڑیں یعنی مسلمان بچوں کے لئے ابتدائی جغرافیہ
لمعات الاسلام فی احادیث خیر الانام۔ تربیت الدجاج (مرغیاں پالنے اور اُن
کے علاجوں کی ترکیب) نواب صاحب موصوف کو ایک زمانہ میں مرغیاں پالنے کا
بڑا شوق تھا۔ ترکی پکوان جس میں ترکی کھانوں کی تیاری کی ترکیبیں درج ہیں۔
انگریزی خالق باری اور بہت سی مفید عام کتابیں لکھیں۔ موصوف کو فنِ الکٹری
اور فوٹوگرافی اور دندان سازی میں کچھ دخل تھا۔ القصہ اعصابی کمزوری کے
مرض میں ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۱۳۴۰ھ میں آگرہ میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے
اور وہیں دفن ہوئے ۔

جیسے جیسا تک لکھے سفرنامے
چل دئے ہاتھ میں قلم تھا سے

حاجی یعقوب خاں

نواب صاحب سے چھوٹے بھائی مرحوم تھے حافظ کلام پاک تھے اور مصری قرأت سے واقف تھے یہ بڑے سیدھے سادھے مرنجان مرنج قسم کے آدمی تھے۔ وتاولی چھوڑنے کے بعد آخر وقت تک پیلی کوٹھی علی گڑھ شہر میں رہے۔ اُن کے صاحبزادہ محمد یحییٰ خاں مرحوم جو راقم الحروف کے مخلص دوست تھے سنہ ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور مدرستہ العلوم کے ابتدائی جماعتوں میں پڑھتے تھے کہ بعارضہ دق مبتلا ہوئے اور لڑکپن ہی میں سنہ ۱۸۹۶ء یا اس کے لگ بھگ انتقال کر گئے اور قریب حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ میں مدفون ہوئے۔ اُس وقت حاجی یعقوب خاں مرحوم کے گھر کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ اُن کی صاحبزادی کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ حاجی صالح خاں صاحب مرحوم بھیکن پور کے ساتھ پیلی کوٹھی میں ہوئی۔ مگر ان کی بیٹی کی عمر نے بھی وفا نہ کی اور صرف ایک کمسن لڑکی چھوڑ کر وہ بھی جلد اس دنیائے ناپائدار سے بمقام مکہ مکرمہ رخصت ہو گئیں۔ حاجی یعقوب خاں صاحب مرحوم کو ریاست کے انتظام سے کچھ دلچسپی نہ تھی آخر عمر میں اکثر ٹہلتے ہوئے حاجی مصطفیٰ خاں صاحب مرحوم رئیس بوڑھا گاؤں کے پاس کنکر والی کوٹھی علی گڑھ پر تشریف لاتے اور کچھ دیر بیٹھتے۔ ریاست کو مقروض چھوڑا کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آئی۔ حاجی یعقوب خاں سنہ ۱۹۱۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حاجی یوسف خاں

اِن سے چھوٹے بھائی مرحوم متذکرہ بالا تھے۔ موصوف نے بڈھانسی کی گڑھی میں عمارتیں تعمیر کرائیں اور گاؤں میں عیدگاہ بنوائی۔ یہاں کے سابق زمینداروں کے خاندان سے تعلقات خوشگوار نہ تھے مقدمہ بازی رہی۔ سنہ ۱۳۰۲ھ میں موصوف کی شادی ڈھولنہ میں رفعت خاں مرحوم کی ہمشیر کے ساتھ ہوئی۔ ایک بیٹے ابراہیم خاں سنہ ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ایک بیٹی کی شادی بالیر کوٹلہ نے صاحبزادہ جعفر علی خاں کے ساتھ۔ دوسری

کی شادی قایم گنج ضلع فرخ آباد کے ایک ممتاز اور خوشحال یوسف زئی خاندان میں اور
تیسری کی شادی ریاست ٹونک کے ایک صاحبزادے کے ساتھ (جو کچھ دن تک
ریاست دوجانہ کے منصرم رہے) عمل میں آئی حاجی یوسف خاں مرحوم نے کچھ
عرصہ تک شروانی اسکول چھرہ کا انتظام بہ حیثیت سکریٹری کیا اور علی گڑھ کے محلہ سرائے
رحمان میں سکنی جائداد حاصل کی اور آخر عمر میں ایک دوسرا نکاح علی گڑھ میں کیا۔ ان اہلیہ
کے بطن سے بھی اولاد چھوڑی۔ موصوف کے انتقال کے بعد ترکہ کی بابت ان کے
ورثہ میں مقدمہ بازی رہی۔

محمد فراہیم خاں معہ اپنے بیٹے اور اہلیہ کے آج کل پاکستان میں ہیں اور دستبرد
زمانہ سے ان کی جائداد حکومت کے قبضہ میں ہے۔ فراہیم خاں صاحب نے اپنے
صاحبزادہ کی شادی ریاست مالیر کوٹلہ کے صاحبزادہ جعفر علی خاں کی بیٹی کے
ساتھ کی۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی پاکستان میں ہیں۔

حاجی مولوی یونس خاں

حاجی یوسف خاں سے چھوٹے بھائی مرحوم تھے جو ۱۲۸۳ھ میں طائف میں پیدا ہوئے۔ حاجی یونس خاں صاحب مرحوم
کی شادی ۱۳۰۰ھ میں نواب بہادر سر فیض اللہ خاں مرحوم کی ہمشیرہ کے ساتھ بڑی دھوم
دھام سے ہوئی اور بہت سا بیش قیمت سامان جہیز میں ملا۔ مولوی حاجی یونس خاں
الطائفی مرحوم نے مذہبی تعلیم میں کئی ہندوستانی اور عربی استادوں سے تکمیل کی علوم
منقول معقول (خصوصاً حدیث) میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اکثر نماز جمعہ و عیدین میں
خطبہ اور وعظ کہتے تھے۔ بہت سے طلبا ان طلبہ کو اپنے یہاں رکھ کر علوم دینی میں درس
دیتے تھے ان طلبہ میں تصدق احمد خاں شروانی مولوی حاجی عبدالمجید خاں رئیس قلعہ
چھرہ، حاجی عبدالرحمن خاں بریلوی مولوی حاجی عبدالغنی خاں بھموری اور مولوی فتح شیر
پنجابی (جو راقم الحروف کے استاد تھے) شامل تھے۔ عربی طرز کا لباس پہنتے تھے۔ خلافت
کی تحریک کے زمانہ میں اس میں شریک ہوئے اور پیش پیش رہتے تھے۔ سیاسیات اور
مسلم لیگ سے دلچسپی تھی۔ اخبار بینی کا بڑا ذوق تھا۔ آخر میں کھدر پوش ہو گئے۔ انگریزی

حکام سے دور رہتے تھے۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی دستکشی کے بعد شروانی اہالی چھرہ کو ایک عرصہ تک بہ حیثیت سکرٹری کسی نہ کسی طرح چلایا اور اُس کے متعلق جلسے دتاولی میں کرتے اور مدعو شدہ مہمانوں کی دعوت کرتے تھے۔ موصوف نے اپنی چند خطبات اور تقاریر کا غیر مطبوعہ مجموعہ چھوڑا ہے جس میں خطبہ محرم الحرام اور سلور جوبلی حضور نظام دکن کی خدمت میں تہنیت کا عربی قصیدہ شامل ہے۔ عربی شعر خوب کہتے تھے۔ مرحوم کو طائف کی پیدائش پر فخر تھا چنانچہ اس کے متعلق ایک عربی رباعی کہی ؎

انا الذی مولودہٗ بالطائف — منشاء ترب الحجاز الحال

فذاک فخری بادلی الالباب — لا فخرلی بالجاہ والاموال

اس سے موصوف کی بلند خیالی مگر سادہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔

کچھ دن حیدرآباد دکن میں قیام رہا جہاں ایک بنک کھولا مگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔ پھر کبھی علی گڑھ میں قیام رہا۔ آخر عمر میں زیادہ تر ضلع بلندشہر میں اپنے موضع ملک پور میں رہے۔ اپنے بڑے بھائی کی کوٹھی جس میں سرسید علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا خریدی۔ اب اس کا نام دار الانس ہے اور موصوف سے ترکہ میں اُن کی صاحبزادی یعنی اہلیہ پروفیسر حاجی ہارون خاں کو ملی۔ موصوف کی اہلیہ کو ترکہ میں نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم سے دو کوٹھیاں بنا دیں علی گڑھ پر ملیں جو اب موصوف کے خاندان کے قبضہ میں ہیں۔ موصوف کے بڑے صاحبزادہ انس خاں مرحوم جوان عمری میں اپنے والد بزرگوار کو داغ مفارقت دے گئے۔ موصوف نے اپنی دتاولی کی ریاست کو وقف علی الاولاد کر دیا تھا اور اُس کا انتظام اپنے دوسرے بیٹے حاجی مونس خاں مرحوم کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ ضلع بلندشہر کے علاقہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا مگر حاجی مونس خاں صاحب اس کام میں بھی موصوف کو مدد دیتے تھے۔ مولوی حاجی یونس خاں صاحب مرحوم ملک پور میں بیمار ہوئے۔ اُن کے صاحبزادے وہاں سے موصوف کو علی گڑھ لائے اور یہاں اپنی نگرانی میں علاج کرایا۔ مگر مرضی مولا از ہمہ اولی وہ جانبر نہ ہو سکے اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو جوار رحمت میں لے لیا۔ حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کے پائیں

میں دفن کیے گئے۔ یہاں احسان فراموشی ہو گی اگر ہم یہ عرض نہ کریں کہ یوں تو راقم الحروف کے خاندان کے ریاست دتاولی سے دیرینہ تعلقات تھے اور اس ریاست سے اہم دو تین مواضعات راقم الحروف کے خاندان میں بطور ٹھیکہ کچھ عرصہ تک رہے مگر مولوی حاجی یونس خاں مرحوم خاص طور سے راقم الحروف کے خاندان کے کرم فرما تھے اور اُس کے والد بزرگوار حافظ عبدالحئی خاں مرحوم ایک عرصہ تک موصوف کے مختار عام اور کارندہ رہے۔ راقم الحروف پر موصوف کی شفقت ہمیشہ یاد رہے گی۔ موصوف نے انتقال کے وقت ایک پسر حاجی مونس خاں مرحوم اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ ان میں سے بڑی بیٹی انیسہ خاتون کی شادی پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب کے ساتھ ہوئی اور دوسری کی شادی حافظ حاجی علی اکبر خاں صاحب ایم۔ اے رئیس حسن پور کے ساتھ ہوئی۔

مونس خاں مرحوم جنوری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن کا بہت سا زمانہ ناننہال میں بھیکن پور میں گزرا۔ گھر پر اساتذہ سے اور نیز اپنے والد ماجد سے عربی۔ فارسی اور مذہبی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی جماعتوں کی انگریزی عربک کالج دہلی میں پڑھی پھر ۱۹۱۸ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ سے انٹرنس پاس کر کے اسکول کالج کی تعلیم کو خیرباد کہا اور ریاست کا کام سنبھالا۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی مرتبہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں مرحوم کی چھوٹی لڑکی کے ساتھ حاجی مونس خاں کی شادی ہوئی۔ موصوف بڑے منتظم تھے اور اپنی ریاست کے کام کو دلچسپی اور توجہ سے کرتے اور اسی کے ساتھ قومی اور پبلک کاموں کے واسطے بھی وقت نکالتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں آنریری سیکنڈ کلاس مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ آخر میں اختیارات میں اضافے ہوئے اور عرصہ تک دتاولی میں اس خدمت کو انجام دیا۔ ۱۹۲۴ء میں علی گڑھ کی آنریری منصفوں کی بنچ کے ممبر مقرر کیے گئے۔ حکومت نے موصوف کی پبلک خدمات کا لحاظ کر کے ۱۹۳۲ء میں خان بہادری کا خطاب عطا کیا۔ ۱۹۳۳ء میں نواب احمد سعید خاں رئیس چھتاری گورنر صوبہ نے گورنمنٹ

کی طرف سے خوشنودی اور کارگزدگی کی سند عطا کی پھر ۱۹۳۵ء میں ملک جارج پنجم آنجہانی کے سلور جوبلی کے سلسلہ میں سند عطا ہوئی ۱۹۳۶ء میں صوبہ کی ریڈکراس سوسائٹی اور اس کی [illegible] کے ممبر مقرر کئے گئے ۱۹۳۲ء میں شاہی تاجپوشی کے سلسلہ میں وائسرائے ہند نے ایک تمغہ عطا کیا ۱۹۴۲ء میں سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن کے لائف ممبر مقرر ہوئے ۱۹۳۹ء میں دوبارہ حج بیت اللہ شریف سے واپسی کے وقت جہاز اسلامی کے امیر الحج مقرر ہوئے اور اس سفر اور جہاز کے انتظامات کے متعلق بڑی مفصل اور مفید رپورٹ پیش کی۔ اسی حج کے سلسلہ میں سلطان ابن سعود ملک الحجاز نے پورے عربی لباس کا خلعت عطا کیا۔ شروانیوں میں اس اعزاز کی یہ دوسری مثال تھی۔ ملّی اور قومی خدمات میں بھی مرحوم پیش پیش تھے۔ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر مقرر ہوئے اور مسلم لیگ کے رکن رہے ضلع مسلم لیگ کے صدر رہے ۱۹۴۱ء میں سالانہ اجلاس کے موقعہ پر کمیٹی استقبالیہ کی طرف سے خطبہ صدارت پڑھا۔ مگر ۱۹۴۲ء میں لیگ سے مستعفی ہو کر دوسرے حضرات کو یہ کام اپنے ذمہ لینے کا موقعہ دیا۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول کی اعزازی منیجری کے واسطے منتخب کئے گئے اور اس درس گاہ کے انتظام کو ترقی دی اور مسلم لیگ کی درخواست پر خان بہادری کا خطاب واپس کیا۔ ۱۹۴۷ء میں تین سال کے واسطے مسلم یونیورسٹی کے ایگزیکیوٹو کونسل کے ممبر منتخب کئے گئے۔ اور اسی سال میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریک سے انجمن "اتحاد و ترقی" کے ممبر منتخب کئے گئے۔ موصوف نے دتاولی میں ایک بڑا اور عمدہ قسم کے قلمی انبہ کا باغ لگایا اور ایک فلور مل (آٹے کی چکی) کھولی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی۔ جب ضلع میں منسوخی زمینداری کے خلاف احتجاج شروع ہوا تو اس کی انجمن کے روح رواں رہے اور بہت سے زمینداران کو ممبر بنایا اگرچہ بدقسمتی سے اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ راقم الحروف کا اور موصوف کا ۱۹۳۸-۳۹ء میں حج بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں ساتھ تھا اور ہم دونوں حاجی عبدالکفیل خاں صاحب مرحوم بلوئی مہاجر کے مدینہ طیبہ میں مہمان رہے۔ افسوس ہے کہ مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی صرف دو تین روز

بیمار رہ کر فروری ۱۹۴۹ء میں علی گڑھ میں اس دنیا سے سدھارے اور جوار حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ میں اپنے والد بزرگوار مرحوم کی قبر کے قریب مدفون ہوئے۔ مرحوم نے تین صاحبزادے چھوڑے جن میں بڑے انیس الرحمٰن خاں ہیں۔ یہ ماشاء اللہ ہونہار اور زیر تعلیم ہیں۔ دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔ ایک کی شادی پروفیسر حاجی ہارون خاں کے صاحبزادے کے ساتھ ہوئی۔ خدا تعالیٰ ان سب حضرات کو عرصہ تک زندہ اور خوش و خرم رکھے۔

موسیٰ خاں

مولوی حاجی یونس خاں صاحب مرحوم سے چھوٹے بھائی مرحوم تھے جن کے نام نامی سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ موصوف کے حالات کے واسطے ایک طویل مضمون چاہئے۔ مگر ہم مختصراً عرض کرتے ہیں۔

موصوف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور جب ۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی نواب حاجی اسماعیل خاں کے ساتھ دتاولی میں آئے تو ہندوستانی اچھی طرح سے نہیں بول سکتے تھے۔ موصوف کی والدہ ماجدہ امانت فاطمہ مرحومہ مکہ معظمہ میں پندرہ سولہ برس رہی تھیں اور بلا تکلف عربی زبان بولتی تھیں۔ حاجی موسیٰ خاں مرحوم کی تعلیم گھر پر بڑے بھائی کی نگرانی میں ہوئی۔ فارسی۔ عربی۔ علوم دینی سے اچھی طرح واقف تھے۔ اخبار اور کتب بینی اور پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت نے ان کے علم میں بہت اضافہ کر دیا۔ انیس سال کی عمر میں ڈھولنہ میں حامد علی خاں صاحب مرحوم کی ہمشیر کے ساتھ شادی ہوئی۔ اس زمانہ میں ان کے بڑے بھائی نواب حاجی اسماعیل خاں کے تعلقات سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ سے گہرے تھے۔

سر سید احمد خاں کی نظر انتخاب نے حاجی موسیٰ خاں مرحوم کو بھی تاکا کیوں کہ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی

می تافت ستارۂ بلندی

انیس بیس سال کی عمر میں ہی وہ مدرسۃ العلوم کے ٹرسٹی منتخب کر لئے گئے۔ موصوف کا اس قومی درسگاہ سے یہ تعلق دم واپسیں تک رہا۔ اسی زمانہ سے موصوف کی قومی

خدمات اور تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ بچپن میں کالج کے پروفیسر ریلے نے ان کو
اور حاجی عیسیٰ خاں صاحب کو دتاولی میں عربی لباس میں دیکھا۔ ریلے ولایت میں اپنی
ماں کو ہفتہ وار چٹھیاں لکھا کرتے تھے۔ اس ہفتہ کی چٹھی میں ان دونوں بھائیوں کا
ذکر موزز (موسیٰ) اور جیسس (عیسیٰ) کے نام سے ہے۔ اور حاجی موسیٰ خاں صاحب
کی نسبت ہے کہ جو لڑکے میں نے دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ خوب صورت
ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: "The prettiest boy I have ever seen."
راقم الحروف نے دیکھا کہ موصوف کا کوئی وقت لکھنے
پڑھنے سے خالی نہ رہتا تھا۔ ایک عرصہ ہوا کہ موصوف نے دتاولی میں ایسے جلسوں
کا سلسلہ شروع کیا جن میں مفید مضامین پر تقریریں کی جاتی تھیں تاکہ لوگوں کے طرز
معاشرت میں اصلاح ہو۔ راقم الحروف نے بھی ایک مرتبہ اس قسم کے جلسے میں
اپنی طالب علمی کے زمانہ میں حفظانِ صحت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ موصوف
جس طرح میدانِ تحریر کے شہسوار تھے اسی طرح بڑے نقّار بھی تھے۔ سر سید احمد خاں
علیہ الرحمۃ اُن سے بہت سے قومی کام لیتے تھے۔ مرکزی اور صوبائی مسلم ایجوکیشنل
کانفرنس کے سرگرم رکن تھے۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں وہ اس کانفرنس
کے جلسوں میں اور مدرسۃ العلوم کی بہبودی کے واسطے تقریریں کرتے رہتے تھے۔ ۱۸۹۰ء
میں الہ آباد، ۱۸۹۲ء میں دہلی اور ۱۸۹۵ء میں سر سید علیہ الرحمۃ کے ہمراہی میں اسی غرض
سے گئے۔ مدرسۃ العلوم کی خوبصورت اور رفیع الشان مسجد کے واسطے چندہ جمع کرنے کا
کام بھی اُن کے سپرد کیا گیا جس کو خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ موصوف کی عادت تھی
کہ نماز جمعہ میں خطبہ دیتے اور عیدین کے موقعہ پر عیدگاہ میں عیدی کے طرز پر نظمیں سناتے
جن میں مسلمانوں کے لئے پند و نصائح اور اپنی حالت سنبھالنے کی تحریک ہوتی تھی اور
کبھی کبھی اس دردمندی سے اپنے اظہار خیال کرتے کہ ان کو خواب خرگوش سے
بیدار کرتے۔ سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد سر سید میموریل فنڈ اور مسلم
یونیورسٹی کی تحریک میں عملی حصہ لیا اور اس سلسلہ میں نواب محسن الملک مرحوم کے ساتھ

لاہور، مالیرکوٹلہ اور ریاست رامپور وغیرہ میں گئے۔ اور اسی سلسلہ میں نواب وقار الملک
مرحوم کے ساتھ بھی ملک میں دورہ کیا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں "سنڈیکیٹ" کے نام
سے ایک مجلس انتظامیہ قائم ہوئی تو اس کے صیغہ جائداد کے اعزازی نگران کار اور
کچھ دن صیغہ تعمیرات کے بھی سکریٹری رہے۔ کالج کا اخبار انسٹی ٹیوٹ گزٹ، اور مطبع
انسٹی ٹیوٹ پریس صیغہ جائداد ہی میں شامل تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں اردو ہندی کے مسئلہ کے
متعلق جب لکھنؤ میں مسلمانوں کا مشاورتی جلسہ ہوا تو موصوف اس میں بھی شریک ہوئے
اس کے بعد مسلمانان بلند شہر اور علی گڑھ کا ایک جلسہ علی گڑھ میں ہوا اس میں عمائد مسلمین ہند
شریک تھے۔ اس جلسہ نے ایک جدید سیاسی اور سماجی تحریک کی بنا ڈالی جس کے ماتحت
سنہ ۱۹۰۶ء میں ہز ہائی نس آغا خاں کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک وفد لارڈ منٹو وائسرائے
کی خدمت میں شملہ گیا اور مسلم لیگ کی بنا پڑی۔ حاجی صاحب اس جلسہ اور تحریک کے
روح رواں تھے اگرچہ وہ سنہ ۱۹۰۶ء کے اس وفد کے ساتھ نہ جا سکے کیونکہ موصوف
اس سال اپنے صاحبزادہ پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب کو اعلیٰ تعلیم کے واسطے
انگلستان لے گئے اور وہاں سے واپسی پر حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔
اب مسلم لیگ نے ترقی شروع کی تو حاجی صاحب اس کے رکن رکین ہوئے تقریریں
کرتے اور تحریریں شائع کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۰۸ء کے اواخر میں مسلم لیگ کے جلسہ میں معہ اپنے
صاحبزادہ حاجی شیث خاں کے شریک ہوئے چند روز (یعنی جب تک لیگ علی گڑھ
میں رہی) اس کے آنریری سکریٹری بھی رہے اور اس کی کامیابی میں موصوف کا بڑا
دخل تھا۔ مگر حاجی صاحب موصوف مولانا محمد علی مرحوم کی رفاقت میں اس پارٹی میں
شامل ہوئے جس کی رائے تھی کہ مسلمانوں کو اپنے وطن کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔
جنگ بلقان و جنگ ترکی واٹلی کے نتائج اور نوجوان ترکوں کی جانفروشی دیکھ کر
اور انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا تماشا دیکھ کر حاجی صاحب موصوف بہت متاثر
ہوئے اور شہید ملت مولانا محمد علی مرحوم کے ساتھ خلافت کی تحریک اور کانگریس کی
طرف رجوع ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں لیگ اور کانگریس کے سمجھوتے میں بھی موصوف

شریک تھے۔ کچھ دن تک مرکزی خلافت کمیٹی کے سکریٹری اور پھر صوبہ کی خلافت کمیٹی کے صدر رہے۔ اس زمانہ میں حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی مرحومین کے پارٹی کے موصوف سرگرم ممبر تھے۔ اس پارٹی کا خیال تھا کہ مسلم یونیورسٹی کے معاملات میں حکومت کا دخل نہ ہونا چاہیئے۔ دوسری پارٹی اس درس گاہ کے واسطے حکومت کی امداد ضروری سمجھتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک علیحدہ درس گاہ "جامعہ ملیہ" کی تاسیس اور قیام کی تجویز ہوئی تو اُس کی تائید میں موصوف حاجی صاحب نے اپنی کوٹھی مشرف منزل علی گڑھ پر جلسۂ شوریٰ منعقد کیا اور چند روز تک اُس کے عارضی سکریٹری رہے۔ جامعہ ملیہ کا عام مصطفےٰ خاں شروانی مرحوم کی اہلیہ کی کوٹھی "ڈگی والی" میں (جو اُن کو ترکہ نواب حاجی اسماعیل خاں مرحوم سے ملی تھی) افتتاح ہوا اور بعد کو یہ درسگاہ دہلی میں منتقل ہوگئی۔ موصوف ترکِ موالات (نان کوآپریشن) کی تحریک میں شریک رہے۔ اسی وجہ سے کھدر پوش رہتے تھے۔ صوبہ کی کانگریس کمیٹی کے بھی ممبر مقرر ہوئے۔ موصوف کی کوٹھی مشرف منزل علی گڑھ سیاسیات کا اکھاڑا بنی ہوئی تھی جس میں سیاسیات کے موٹے اور دبلے پہلوان سب ہی اپنے اپنے کرتب اور زور دکھاتے تھے۔ یہ مکان ملک اور بیرون ملک کے رہنمایان اور اکابر کا قیام گاہ تھا۔ اور علاوہ جلسوں کے یہ حضرات حاجی صاحب موصوف کی تواضع اور مدارات سے دعوتوں کا لطف بھی اُٹھاتے تھے۔ پیٹ بھروں کو جتنی باتیں سوجھتی تھیں وہ سب ملک کے سامنے آتیں اور رنگ جماتیں۔ اپنی جائداد کو موصوف نے وقف علی الاولاد کیا جس کے متولی اب اُن کے بڑے صاحبزادے پروفیسر حاجی ہارون خاں ہیں۔ حاجی صاحب موصوف نے علاوہ اخباروں اور رسالوں میں مضمون شائع کرانے کے کئی ایک کتابیں بھی تصنیف کرکے شائع کیں۔ باوجود ان سیاسی خیالات اور آزادی کے دلدادہ ہونے کے موصوف سرسید علیہ الرحمۃ کے ہمیشہ معتقد رہے اور ایک رسالہ شائع کیا جس کا نام تھا۔ "سرسید احمد خاں بہ حیثیت رہنمائے وطن اور ملکی خدمت گزار کے" موصوف کی جو تصانیف راقم الحروف کو معلوم ہوسکیں حسب ذیل ہیں یعنی:

(۱) حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات ولادت سے ہجرت تک "مولود ہمایوں" کے نام سے (۲) "مصطفائی کمال" حضور سرورِ عالم روحی فداہ کے حالات ہجرت سے سنہ ۵ھ تک (۳) فتح مبین سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنہ ۵ھ سے سنہ ۱۰ھ تک (۴) روئداد مسلم پولیٹیکل اینڈ سوشل آرگنائزیشن سنہ ۱۹۱۰ء۔ (۵) جداگانہ مسلم یونیورسٹی سنہ ۱۹۱۱ء۔ (۶) حقیقت اسلام سنہ ۱۹۱۳ء (۷) شکارگاہ جس میں علی گڑھ کی سیاسیات پر تبصرہ ہے سنہ ۱۹۱۵ء (۸) اسلامی خلافت کا پہلا خطبہ سنہ ۱۹۲۱ء (۹) ہندی قوم سنہ ۱۹۲۲ء (۱۰) مسلم یونیورسٹی کے بھولے ہوئے اصول (۱۱) اسلامی خلافت کا کارنامہ سنہ ۱۹۲۶ء۔

آخر میں ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حاجی صاحب موصوف زبانی جمع خرچ کے آدمی نہ تھے بلکہ باعمل تھے۔ ایک سال راقم الحروف کے وطن موضع برلہ میں عربی مدرسہ کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقعہ پر موصوف نے بہ حیثیت صدر بڑا بلیغ اور جوش دلانے والا خطبہ دیا اور ساتھ ہی ساتھ برلہ کی کوٹھی کی اراضیات میں جو حصہ موصوف کا تھا اس کو اس مدرسہ کے واسطے وقف علی الخیر کر دیا۔ خدا تعالےٰ موصوف کو اس کی جزا دے۔ اس مدرسہ کے حالات (جس کے بانی راقم الحروف کے بھائی مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم تھے) اس کتاب میں آگے برلہ کے سلسلہ میں ملیں گے۔ القصّہ حاجی صاحب موصوف کی زندگی کے کس کس پہلو پر نظر ڈالی جاوے اس کے لئے ایک طویل داستان چاہئے۔ اور وہ یاد آتے ہیں ؎

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

حاجی صاحب موصوف ایک طویل اور اعصاب کی کمزوری کے تکلیف دہ مرض میں مبتلا رہ کر مارچ سنہ ۱۹۴۲ء میں اس دنیائے دوں سے عالم جاودانی کو سدھارے۔

پروفیسر حاجی ہارون خاں

موصوف کے فرزند اکبر پروفیسر حاجی محمد ہارون خاں صاحب ہیں اُن سے چھوٹے حاجی شیث خاں ہیں۔ پروفیسر صاحب سے چھوٹی اور شیث خاں صاحب سے بڑی بہن محترمہ راحیلہ خاتون

ہیں۔ اُن سے چھوٹی دو بہنیں آمنہ خاتون اور آسیہ خاتون ہیں۔ پروفیسر حاجی ہارون خاں
شعبان ۱۳۰۸ھ (مطابق مارچ ۱۸۹۱ء) میں پیدا ہوئے گھر پر اُردو فارسی اور مذہبی
تعلیم پانے کے بعد ۱۸۹۹ء میں مدرستہ العلوم علی گڑھ کی ابتدائی جماعت میں داخل ہوئے۔
اور اتنی جلد ترقی کی کہ سات سال میں ۱۹۰۶ء میں انٹرنس پاس کر لیا۔ اور اپنے والد
مرحوم کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کے واسطے ۱۹۰۷ء میں انگلستان پہونچے اور چند ماہ مس بیک
کی (جو مدرستہ العلوم کے سابق پرنسپل مسٹر بیک کی ہمشیرہ تھیں) اتالیقی میں رہ کر لندن
کے ایک اسکول میں تعلیم پائی اور پھر وہاں کی مشہور کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ
کالج میں داخل ہوگئے۔ یہاں مسلم ایسوسی ایشن کی بنا ڈالی اور اس کے پہلے سکرٹری
رہے۔ فرانس گئے اور فرانسیسی زبان سیکھنا شروع کی اور ۱۹۰۸ء کے آخر میں آکسفورڈ
یونیورسٹی میں منتقل ہوگئے۔ اور یہاں بھی ۱۹۰۹ء میں اسلامک سوسائٹی کی بنا ڈالی اور
اُس کے پہلے سکرٹری ہوئے۔ اس سے ثابت ہے کہ اپنی ملت اور قوم کو سب سے
آگے رکھا۔ لندن میں ایم اے او کالج کے پُرانے طلبہ کی انجمن میں کارکن کمیٹی کے
رُکن رہے اور بلجیم کے ملک کی سیاحت کی اور جینوا میں حال کی فرانسیسی زبان کی تعلیم
حاصل کرنے کو جاری رکھا۔ ۱۹۱۱ء میں جرمنی گئے اور جرمن زبان میں سبق لئے۔ آکسفورڈ
یونیورسٹی کے ہندوستانی کلب کے (جو آج کل آکسفورڈ میں مجلس ہند کہلاتی ہے) صدر
رہے۔ زمانہ حال کی تاریخ میں بی۔اے آنرس کا امتحان پاس کیا۔ اور اُس زمانہ کے
اسلامی اخبار "کامریڈ" میں جو دہلی سے شائع ہوتا تھا مجوزہ مسلم یونیورسٹی پر ایک زوردار
مضمون لکھا۔ ۱۹۱۲ء میں انگریزی ادبیات۔ جغرافیہ۔ فرانسیسی زبان اور ادبیات اقتصادیات
تاریخ اور قانون میں پوسٹ گریجویٹ جماعتوں میں رہ کر ان علوم میں امتیازات پاس
کئے اور لندن کی ہندوستانی انجمن کی کمیٹی کارکن کے رُکن منتخب ہوئے ۱۹۱۴ء میں لندن
کی انڈین ایسوسی ایشن کے (جو اب لندن کی ہندوستانی مجلس کہلاتی ہے) صدر منتخب ہوئے
اور اسی سال بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ جرمنی۔ آسٹریا اور اٹلی کی سیاحت کرتے ہوئے
اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ کچھ دن بیرسٹری کی ساتھ ہی مسلم یونیورسٹی کے متعلق اخباروں کو

اپنے رشحاتِ قلم بھیجنے شروع کئے اور مسلم یونیورسٹی ایسوسی ایشن کے ممبر منتخب ہوئے مضمون
نویسی کا یہ سلسلہ کم و بیش ۱۹۱۹ء تک جاری رہا اور اسی دوران میں علی گڑھ کی اولڈ بوائز
ایسوسی ایشن کے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ میں پراونشیل کانفرنس کے
اجلاس خصوصی میں شریک ہوئے اور صوبہ کی سیاسی اور صنعتی اور حرفتی کانفرنس کے
جنرل سکریٹری مقرر کئے گئے۔ علی گڑھ میں اخبار انڈیپنڈنٹ الہ آباد کے نامہ نگار مقرر ہوئے
اور اخبار مذکور میں بھی مضامین شائع کرتے رہے۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں موصوف کی زندگی
کا ایک تیسرا دور شروع ہوا اور وہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں شعبہ تاریخ کے اسسٹنٹ
پروفیسر مقرر ہوئے۔ جبکہ اس درسگاہ کا افتتاح اگست ۱۹۱۹ء میں ایک شاندار جلسہ
میں ہوا تھا۔ یہیں ۱۹۲۰ء میں مولوی حاجی یونس خاں مرحوم کی صاحبزادی انیسہ خاتون کے
ساتھ شادی اور خانہ آبادی ہوئی۔ جب ۱۹۲۱ء میں جامعہ عثمانیہ میں تاریخ کے پروفیسر بنائے
گئے تو حیدرآباد کے اخبار تذکرۃ الکرام نے موصوف کے سوانح حیات چھاپے۔ ۱۹۲۶ء
اب یہاں سے موصوف کے عروج میں دن دونی رات چوگنی ترقی شروع ہوئی۔
میں آکسفورڈ یونیورسٹی انگلستان نے ڈی لٹ کی ڈگری دی جو علمی حلقوں میں بڑا اعزاز
سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس دنیاوی درس و تدریس اور حصول علم و ادب کے ساتھ اپنے
مذہب اور عاقبت سے بھی غافل نہیں رہے اور اسی سال یعنی حج بیت اللہ شریف
اور زیارت مدینہ طیبہ سے مشرف ہوئے۔ تن دہی کے ساتھ اپنے کام پر مشغول رہے
اور اس کا صلہ خدا تعالیٰ نے حکومت کے ذریعہ سے یہ دلایا کہ جامعہ عثمانیہ میں ترقی
کے ساتھ ۱۹۲۹ء میں شعبہ تاریخ کے صدر مقرر کئے گئے ۱۹۳۰ء میں فرانسیسی زبان سے
رینا کی کتاب "فرانس، پیڈمانٹ اور سوئزرلینڈ پر مسلمانوں کے حملے" کا انگریزی میں
ترجمہ شائع کیا۔ اب یہاں سے تصنیفات کے سلسلہ میں ترقی کی۔ ۱۹۳۱ء میں نیرنگ خیال
لاہور میں افلاطون کے سوانح حیات پر مضمون شائع کیا۔ اور حیدرآباد میں فرنچ سرکل
قائم کیا۔ موصوف کی قابلیت کو دیکھ کر لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے اور وہاں
کی رائل سوسائٹی فنون نے اپنا ممبر منتخب کیا۔ اور پیرس دار الحکومت فرانس کے تاریخی

اور بہیرلڈ لک ادارہ نے اپنا نامہ نگار ممبر مقرر کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ایڈولف ہولس کی تاریخ یونان کا چار جلدوں میں اردو میں ترجمہ شائع کیا۔ اسی سن میں کتاب "مختصر تاریخ دکن" اردو میں شائع کی جو حیدرآباد دکن کے مدارس کے نصاب میں داخل ہے اور چھ مرتبہ چھپ چکی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں علی گڑھ میں ہندوستان بھر کی یونیورسٹیوں کے بورڈ کے جلسے میں جامعہ عثمانیہ کی قائم مقامی کی اور درسی کتب فارسی کے انتخاب کی کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان کی طرف سے علوم تاریخ کی بین الاقوامی کانفرنس میں (جو زیوریچ سوئٹزرلینڈ میں منعقد ہوئی) نمائندگی کی اور اس میں غیر یورپین ملکوں کی تاریخ کے شعبہ کے صدر رہے اور ۵ سال کے واسطے بین الاقوامی کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے اور اسی کے سلسلہ میں اٹلی، یونان، ٹرکی، بلغاریہ، یوگوسلافیہ، فرانس، انگلستان اور سوئٹزرلینڈ میں سیاحت کر کے جا بجا جہاں گشت سنے۔ اور زیوریچ کے اخبار زیوریچر زیٹنگ میں ریاست حیدرآباد پر مضمون شائع کیا۔ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کے مجلہ پولیٹیکل سائنس اور تاریخ ہند کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ اپنے گھر کی مسلم یونیورسٹی نے بھی موصوف کی قدر افزائی کی اور اپنے کورٹ کا ممبر منتخب کیا۔ ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ کے رسالہ تاریخی ریسرچ کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں اپنی معرکۃ الآرا تاریخ محمود گاواں (وزیر سلطنت بہمنی دکن) انگریزی میں شائع کی جس پر مسٹر سروجنی نیڈو نے بصیرت افروز تبصرہ کیا۔ یہ کتاب اس مضمون پر اپنی قسم کی پہلی تھی اور بہت مقبول ہوئی۔ اسی سن میں ہندوستان کی ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن نے اپنی ریسرچ اور اشاعتی کمیٹی کا ممبر منتخب کیا۔ ۱۹۴۲ء میں موصوف نے اپنی تقریروں کا مجموعہ جو ریڈیو کے ذریعہ سے نشر کی گئی تھیں "نشریات" کے نام سے شائع کیا۔ اسی سن میں ہندوستان کے انٹر یونیورسٹی بورڈ کے سکریٹری مقرر کئے گئے۔ ۱۹۴۳ء میں موصوف کی کتاب "مسلمانوں کے سیاسی خیالات اور انتظام" کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ اسی سال میں علی گڑھ کی تاریخی کانگریس میں مغلیہ عہد کے قبل کے تاریخ کی شاخ کے صدر بنائے گئے۔ اسی کانگریس کے موقع پر راقم الحروف نے نواب صدر یار جنگ مرحوم کی صدارت میں شہروانیوں پر اپنا ناچیز

مقالہ پڑھا تھا۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں حکومت نے موصوف کو قدیم عمارات (صنادید) کے متعلق مرکزی
بورڈ کا ممبر مقرر کیا۔ اسی سن میں موصوف نے انٹر یونیورسٹی اسپورٹس بورڈ کے سکریٹری
کے عہدہ سے استعفا دیا تو اس بورڈ نے ایک رزولیوشن پاس کیا جس میں موصوف
کی ان خدمات کو بہت سراہا گیا اور ان کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اسی سن میں دکن کی
تاریخ کانگریس میں ازمنہ وسطیٰ کی شاخ کے صدر مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۴۵-۴۶ء میں
نظام کالج حیدرآباد دکن کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اور عمارات قدیم کے متعلق مرکزی
بورڈ کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر منتخب کئے گئے۔ مدراس اور آندھرا یونیورسٹیوں
نے بھی اپنی تاریخی اور سیاسی بورڈوں کا ممبر منتخب کرکے موصوف کی قدر افزائی
کی۔ حیدرآباد کی درسگاہوں سے سبکدوش ہونے کے بعد موصوف عربک کالج
دہلی کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اور یہاں کی لودی روڈ کی مسلم مجلس کے صدر منتخب ہوئے۔
ہندوستان کی سائنس ایسوسی ایشن کے وائس پریسیڈنٹ اور بین الاقوامی معاملات
کے متعلق انڈین انسٹیٹیوٹ کی کاؤنسل کے ممبر بنائے گئے۔ اور مسلم یونیورسٹی کے کورٹ
کے ممبر پھر منتخب ہوئے۔ اپنی کتاب "سلطنت بہمنی" شائع کی۔ اور بمبئی یونیورسٹی نے
درجہ پی ایچ ڈی کا ممتحن مقرر کیا۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے واقعات کی وجہ سے موصوف نے
عربک کالج دہلی کی پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوشی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ ہند نے
آئین حکومت کا اردو ترجمہ کرنے والی کمیٹی کا ممبر مقرر کیا اور اسی سن میں حکومت حیدرآباد
نے پھر موصوف کو عثمانیہ یونیورسٹی میں شعبہ پولیٹیکل سائنس کا صدر مقرر کیا۔ سنہ ۱۹۵۰ء
میں حمایت نگر سوشل کلب کے پریسیڈنٹ مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں اسلامک کلچر (انجمن تہذیب
وشائستگی اسلام) کے بورڈ کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ اسی سن میں عثمانیہ یونیورسٹی
سے آخری سبکدوشی حاصل کی اور ہندوستان بھر کی انجمن پولیٹیکل سائنس کے پریسیڈنٹ
بنائے گئے۔ چنانچہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء کو اس کے جلسہ منعقدہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بین
الاقوامی معلومات و معاملات خطبہ صدارت پڑھا۔ سنہ ۱۹۵۲ء میں مدراس پبلک سروس
کمیشن نے پولیٹیکل سائنس کے مضمون کی تعلیم دینے کے واسطے چیف پروفیسر کے انتخاب

کے واسطے موصوف سے امداد طلب کی۔ القصہ معاشیات، سیاسیات، اسلامی سیاسی نظریات، تاریخ عام اور تاریخ ہند پر موصوف کے قلم سے بہت سے مضامین اور مقالات مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کی تفصیل کہاں تک دی جاوے ہندوستان پاکستان، نیویارک امریکہ میں موصوف کے سوانح حیات چھپ چکے ہیں اور ۱۹۵۱ء کی الہ آباد کی ہندی زبان کے سالنامہ نے بھی موصوف کے حالات چھاپے۔ ہندی اُردو رسم الخط پر بھی کئی ایک مفید مضامین شائع کئے۔ انسان موصوف کی ہنس مکھ صحبت اور علمی گفتگو میں تھوڑی دیر کے لئے دُنیوی افکار سے نجات پاتا ہے۔ ہمارا کاغذ ختم اور روشنائی خشک، قلم شکستہ ہوا مگر موصوف کے کارنامے تمام نہیں ہوئے۔ انشاءاللہ باقی آئندہ۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہم چناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

حاجی ہارون خاں کی اہل بیت

ماشاءاللہ حاجی ہارون خاں صاحب کی رفیقۂ حیات (دختر حاجی محمد یونس خاں صاحب)

اہلیہ خاتون صاحبہ بھی بہت پڑھی لکھی اور طبقۂ نسواں میں ممتاز ہیں۔ علوم دینی سے واقف فارسی عربی کی تعلیم یافتہ اور شاعرہ ہیں۔ ذوق سلیم رکھتی ہیں بفضل ایزدی وہ بھی حجن ہیں۔ موصوفہ نے ۱۹۴۴ء میں اپنے کلام کا ایک دلچسپ اور پُر اثر مجموعہ "انیسیات" کے نام سے حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔ ظاہر ہے کہ ماحول اور والدین کی صحبت اور تربیت کا اولاد پر بہت اثر پڑتا ہے۔ حاجی صاحب کے دونوں صاحبزادگان تعلیم یافتہ ہونہار اور برسر روزگار ہیں۔ ایک کی شادی خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب رئیس لوہار گادل کی صاحبزادی کے ساتھ اور دوسرے بیٹے کی شادی حاجی مونس خاں مرحوم رئیس دتاؤلی کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ حاجی ہارون خاں صاحب کی صاحبزادی خالدہ ادیب خانم ماشاءاللہ اسم بامسمیٰ ادیب ہیں۔ انگریزی زبان میں ایم اے کی سند حاصل کی اور یونیورسٹی میں اول نمبر رہیں۔ اردو زبان میں بھی ایم اے کی سند حاصل کی

اور اب پی۔ ایچ۔ ڈی کے امتحان کی تیاری کر رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو کامیاب کرے
اَللّٰھم زد فزد۔ موصوف نے اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کر کے اپنے خاندانی روایت کو
توڑا جس کے توڑنے کی آج کل کے زمانہ میں واقعی ضرورت تھی۔ خاندان کی شہرت میں
چار چاند لگائے اور خدا کرے آیندہ آٹھ چاند لگائیں۔ خاندان شروانی میں اتنی ڈگریاں
لینے والی یہ پہلی بی بی ہیں۔

بی بی راحیلہ خاتون

حاجی ہارون خاں صاحب کی ہمشیر راحیلہ خاتون بھی ماشاء اللہ خاندان کے دیگر افراد سے پیچھے نہیں ہیں۔ یہ ۱۳۱۱ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اسلامیات سے رغبت اُن کو موروثی ترکہ میں ملی ہے۔ گھر پر رہ کر ایسی تعلیم حاصل کی کہ کالج اور اسکول میں پڑھی ہوئی بی بیوں کے دانت کھٹے کرتی ہیں۔ نواب سرور الملک بہادر کے بیٹے مرزا یحییٰ بیگ سے تھے جن کا تعلق دہلی کے شاہی مغل خاندان سے ہے۔ اس خاندان کے افراد ریاست حیدر آباد دکن میں معزز عہدوں پر تعینات اور ممتاز رہے۔ راحیلہ خاتون صاحبہ کی شادی مرزا یحییٰ بیگ کے ساتھ ہوئی اور یہاں بھی موصوفہ کے والد مرحوم نے اچھا کیا کہ خاندانی روایت کو پس پشت ڈال دیا مگر افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے جلد مرزا یحییٰ بیگ کو اپنے جوار رحمت میں لے لیا۔ اس قبل از وقت وفات سے متاثر ہو کر اور اپنے دونوں چھوٹے بچوں کو اپنے والدین کے پاس چھوڑ کر راحیلہ خاتون موصوفہ ۱۳۴۲ھ (مارچ ۱۹۲۴ء) میں حج بیت اللہ شریف کے واسطے اپنے چھوٹے بھائی حاجی شیث خاں صاحب کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ بحر ہند میں ان کا جہاز فرنگستان آگ لگنے کی وجہ سے تباہی میں آیا اور بہت نقصان اُٹھا کر ایک مصیبت کے بعد اپنی جانیں سلامت لے کر یہ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے جہاز پر (جو عین وقت پر امداد کے لئے پہونچا) جدہ پر اُترے اور وہاں سے مکہ معظمہ۔ طائف و مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر ممالک اسلامیہ یعنی بیت المقدس۔ دمشق۔ اور بغداد شریف اور عراق کے دیگر مقدس مقامات پر سیاحت کے لئے گئے۔ اور اس سعادت سے بہرہ ور ہو کر ہندوستان کو واپس آئے۔ اس سفر میں راحیلہ خاتون صاحبہ کی جرأت اور اُن کا

صبر و استقلال قابل داد ہیں۔ اس کی کیفیت موصوفہ نے اپنے سفرنامہ "زاد الیاس معروف بہ رحلت ساحل" میں اُردو زبان میں مفصل اور دلچسپ اور سبق آموز پیرایہ میں شائع کی۔ اس پر ان کے والد حاجی موسیٰ خاں صاحب مرحوم اور بھائی ہارون خاں صاحب کے علاوہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی کا مقدمہ بھی نہایت دل چسپ اور پسندیدہ ہے۔ اس سے بلاد اسلامیہ کی اُس وقت کی مسلمانوں کی حالت پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ طائف میں موصوفہ نے اپنے دادا حاجی فیض احمد خاں صاحب مرحوم کے مزار کی جو شکستہ ہو چلا تھا مرمت کرائی۔ موصوفہ شاعرہ ہیں۔ اُن کی مطبوعہ نظم "یاد الٰہی" جو حمد اور مناجات پر مشتمل ہے اس قابل ہے کہ ہر ایک مسلمان اُس کو اپنا ورد بنائے۔ حج میں جانے سے بہت قبل سنہ ۱۳۲۰ھ میں مکالمہ کی صورت میں موصوفہ نے ایک کتاب "تاثیر صحبت" شائع کی جس میں علاوہ اس کے کہ اعلیٰ تعلیم کا انسان کے طریق زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے زنانہ اسکول کے انتظام اور ایم اے او کالج کے وظیفہ فنڈ پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ میں انجمن دارالخواتین قائم کی اور شہر میں اُس کا ایک زنانہ مدرسہ کھولا۔ اس کے افتتاحیہ جلسہ کی صدر نشین محمودہ بیگم صاحبہ تحسین اور راحیلہ خاتون صاحبہ اُس کی سکرٹری مقرر کی گئیں۔ ایک مدرسہ تعلیم القرآن مجید کے واسطے کھولا۔ اب راحیلہ خاتون صاحبہ کے پاکستان چلے جانے کے بعد اس انجمن اور اس کے مدرسہ کو موصوفہ کی چھوٹی بہن آمنہ بیگم محمود علی خاں صاحب چلا رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ راحیلہ خاتون صاحبہ کے دو تعلیم یافتہ صاحبزادے ہیں جو ماشاء اللہ ہونہار ہیں اور پاکستان (کراچی) میں کاروبار کر رہے ہیں۔

حاجی محمد شیث خاں

حاجی ہارون خاں صاحب کے چھوٹے بھائی حاجی شبیث خاں صاحب ہیں۔ یہ بھی دیگر افراد خاندان کی طرح قومی خدمات کے جذبات سے لبالب مُلبّب ہیں۔ ایک زمانہ میں مسلم لیگ کے سرگرم ممبر رہے اور اُس کے مقامی نیشنل گارڈ کے جوشیلے قائد۔ اُس کی وردی پہننے کے بعد غازی انور پاشا مرحوم کے قائم مقام معلوم ہوتے تھے۔ ہر ایک سوشل اور یونیورسٹی

کے جلسہ میں نظر آتے ہیں۔ کچھ دن تک انگریزی کی ابتدائی تعلیم ایم اے او کالج کے
اسکول میں پائی۔ اب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی کارکن کمیٹی کے رکن ہیں۔ ضلع کے
پبلک کاموں میں شریک اور اب کانگریس کے حامی اور طرفداروں میں ہیں۔ جیسا دیس
ولیا بھیس۔ زمانہ کی رفتار سے واقف اور اپنی دھن کے پکے اور خصوصیات کی وجہ
سے ضلع میں معروف ہیں۔ موصوف نے ہماری اس ناچیز تاریخ کی تدوین میں ہمارا
بہت ہاتھ بٹایا۔ اپنی ہمشیر صاحبہ کے ساتھ بلاد اسلامیہ کے حالات اردو اخباروں
میں شائع کئے۔ رکشا سروس جاری کی اور کپڑے پرواٹر پروف کا کارخانہ کھولا۔

حاجی عیسیٰ خاں اور اُن کی اولاد

اس شروانی خاندان کے حالات نامکمل
رہ جاویں گے اگر ہم حاجی فیض احمد خاں صاحب
مرحوم کے چھوٹے صاحبزادہ حاجی محمد عیسےٰ خاں مرحوم کا ذکر نہ کریں۔ موصوف ۱۲۹۱ھ
(۱۸۷۴ء) میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۸ء تک زندہ رہے۔ آخری سال ایک طویل اور
تکلیف دہ اعصابی امراض میں کٹا۔ موصوف اپنی ریاست کے کاروبار میں بڑے منتظم تھے
باوجود سیاحت کے شوق اور عیش طرب کی زندگی گزارنے کے ریاست کو کبھی مقروض
نہیں ہونے دیا اور جتنی چادر تھی اُتنے ہی پیر پھیلائے۔ اوائل عمری میں ایم اے او کالجیٹ
اسکول میں انگریزی کی تعلیم پائی۔ اُس زمانہ میں گھوڑے کی سواری کے بہت شائق تھے
اور اُن کا برق صفت صبا رفتار عربی گھوڑا ضلع میں مشہور تھا۔ انتقال سے کچھ عرصہ
قبل دوبارہ حج سے مشرف ہوئے۔ موصوف کے بڑے بیٹے آدم خاں کچھ عرصہ تک
ریاست حیدرآباد میں ملازم رہے۔ وہیں شادی کی مگر افسوس کہ جوان عمری میں
اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اُن کے چھوٹے بھائی صاحبان حاجی حاتم خاں، حاجی
احمد لوط خاں اور ذوالکفل خاں اپنی اپنی زمینداریوں کے کاروبار میں بعد تقسیم باہمی
مشغول ہیں۔ اور ان میں سے حاجی حاتم خاں بلند شہر کے علاقہ میں ہیں۔ حاجی عیسیٰ خاں
صاحب مرحوم کی ایک صاحبزادی کی شادی حاجی صالح خاں صاحب حسن پوری کے
صاحبزادہ فخر الزماں خاں صاحب کے ساتھ ہوئی جو آج کل سب رجسٹراری کے عہدہ پر

حکومت میں ملازم ہیں۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ خاندان دتاولی حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی طرح مذہبی عقائد میں اہلِ حدیث ہیں اور چاروں اماموں کے پیرو ہیں آمین بالجہر اور رفع یدین کے مؤید اور میلاد شریف میں قیام کے مخالف ہیں مگر ان عقائد میں بعض دیگر ہندوستانی مسلمانوں کی طرح خاندان دتاولی کو اتنا غلو نہیں ہے کہ وہ اپنے سے مخالف عقائد رکھنے والوں کے ساتھ تنگ نظری کا برتاؤ کریں۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ خاندان دتاولی میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ناموں اور رنج کا سلسلہ عرصہ تک جاری وساری رکھے۔

احمد رضا خاں ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ دتاولی کے خاندان کے مورث عمر خاں کی اولاد میں دایم خاں بوجہ محجوب الارث ہونے کے ریاست میں حصہ نہ پا سکے اور مقدمہ بازی میں بھی ناکامیاب رہے۔ اس محروم شاخ میں ایک بھائی کی اولاد حاجی احمد حسین خاں اور طالب حسین خاں تھے۔ ان دونوں نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔ اُن کے چچا زاد بھائی حاجی احمد رضا خاں مرحوم کو راقم الحروف نے اپنے لڑکپن میں دیکھا ہے اور چونکہ یہ راقم الحروف کے نانا حاجی سرفراز خاں مرحوم کے دوست تھے ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا رہتا تھا اس لئے راقم الحروف کو بھی اُن کی بعض باتیں یاد ہیں۔ بلوتہ میں ننہال اور سسرال تھی سیدھے سادھے پرانی قطع وضع کے بزرگ تھے۔ بڑے خوددار تھے۔ رؤسائے دتاولی اور برادری کے افراد اُن کا بڑا احترام کرتے تھے نجیب خاں بلوتہ کے نواسے اور اپنے بڑے ماموں حاجی حسن علی خاں بلوتہ کے داماد تھے۔ اس بطن سے ایک لڑکے اشرف رضا خاں ہوئے جن کی شادی حاجی احمد حسین خاں کی بڑی لڑکی محمودہ بیگم سے ہوئی۔ اُن سے ایک لڑکا ہادی رضا ہوا جو کم سنی میں گزر گیا۔ لڑکی مریم بیگم کی شادی حاجی عنایت احمد خاں کنوری کے ہوئی ایک لڑکی ہوئی ماں بیٹی دونوں میں سے کسی کی عمر نے وفا نہ کی۔ اشرف رضا خاں کا انتقال جوانی میں باپ کے سامنے ہو گیا۔ بڑے خوشکیل اور وجیہ تھے۔ تصویر سے شہزادے معلوم ہوتے ہیں۔ چار لڑکیاں ہوئیں۔ بڑی حافظہ حبیب النسا مولوی حاجی

محمد مقتدیٰ خاں شروانی کی والدہ اور منجھلی حفیظ النسا شکر اللہ خاں و صابر علی خاں صاحبان کی والدہ تھیں۔ اپنی شادی سے قبل اتنے تنگ دست تھے کہ جب والدہ بلونہ چلی جاتیں تو گھر میں کوئی پکا کر کھلانے والا نہ رہ جاتا۔ بقول خود بھینسوں دودھ پیتے اور ملائی کھاتے۔ جو دودھ بچ رہتا وہ پڑوسیوں کو مفت بانٹ دیتے۔ مگر شادی کے بعد قسمت نے پلٹا کھایا۔ حاجی فیض احمد خاں نے بربنائے مصالح دتاولی سے ملحقہ چند دیہات ٹھیکہ میں دے دئے جس کے بعد امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خودداری کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے کہ سوء اتفاق سے ایک بار رتھ کے لئے گھر کے بیل نہ تھے تو بیٹے جوت کر دتاولی سے بلونہ پہونچ گئے۔ اسی عسرت کے زمانہ میں ماں مرض الموت میں مبتلا ہوئیں تو سال بھر یہ معمول رہا کہ ماں کے لئے جو مجوزہ پرہیزی کھانا پکاتے وہی خود کھاتے۔ دوا خود بناتے۔ اور جب ضرورت ہوتی قارورہ قصبہ جلالی کو لے جاتے۔ کیوں کہ وہیں کے ایک حکیم صاحب کا علاج کچھ موافق آگیا تھا۔ بلونہ والی بی بی کے انتقال کے عرصہ بعد (خصوصاً بہو محمودہ بیگم بیوہ اشرف رضا خاں کے اصرار سے) دوسری شادی کنادہ سے کی۔ اس بطن سے محمد رضا خاں ہوئے جو غیر تعلیم یافتہ اور بقضائے الٰہی مفلوک الحال ہیں۔ حاجی موسیٰ خاں صاحب نے باپ (حاجی محمد رضا خاں) کے انتقال بماہ جون ۱۸۹۶ء کے بعد ان کی تعلیم کا ہارون خاں کے ساتھ اہتمام کیا تھا۔ مگر ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل ... کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

تین لڑکیاں ہوئیں۔

خاندانِ بوڑہ گاؤں

علاوہ بھیکن پور، کنوبی، ڈھولنہ، حسن پور اور بلونہ کے خاندانہائے دتاولی کی رشتہ داری بوڑہ گاؤں میں بھی ہے۔ بوڑہ گاؤں کے شروانیان کے مورث اعلیٰ حسن خاں تھے جو یوسف خاں ساکن راجمئو کے چوتھے بیٹے تھے۔ حسن خاں کے ایک پرپوتے بہروز خاں کنوبی میں جا بسے اور اُن کے بیٹے قدرت خاں شروانیوں میں ممتاز اور مشہور ہوئے۔ حسن خاں کے پرپوتے بہروز خاں بوڑہ گاؤں میں

آکر رہے پیروز خاں اور بوڑہ گاؤں کے ناموں میں بھی تھوڑی سی مناسبت ہے پیروز خاں کے پرپوتے نظام خاں تھے جن کی شادی کا قصہ دلچسپ ہے۔ نظام خاں کے والد حسین خاں نے اُن کی شادی کی نسبت عزت خاں ساکن حسن پور کی لڑکی کے ساتھ ٹھہرائی تھی مگر بعد کو کسی وجہ سے اس نسبت کے مطابق عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ بات عزت خاں اور اُن کے خاندان کو ناگوار گزری اور اُن کی پٹھنوری نے جوش مارا۔ بعد مشورہ چند تلواروں سے مسلح آدمی بوڑہ گاؤں کو اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ نظام خاں کو پکڑ کر لے آئیں چنانچہ جب یہ گروہ بوڑہ گاؤں پہونچا تو نظام خاں اپنے بالا خانہ پر سو رہے تھے ان کو معہ چارپائی کے نیچے اُتارا گیا جب وہ جاگے تو اُن کو دھمکی دی گئی کہ اگر آواز نکالی تو قتل کر دئے جاؤ گے۔ جان جانے کے خوف سے وہ خاموش رہے۔ جب حسن پور پہونچے تو اُن کا نکاح عزت خاں کی دختر کے ساتھ کر دیا گیا اور ان کو معہ بیٹی و دو گوشہ بوڑہ گاؤں کو واپس کر دیا گیا۔ اُس کے کچھ دن بعد بوڑہ گاؤں والوں کے کہنے سننے پر لڑکی کو رخصت کر کے بوڑہ گاؤں بھیجدیا گیا۔ اس قصہ سے اُس وقت کے پٹھانوں کی آن بان اور طرز معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ نظام خاں نے علاوہ ان زوجہ اولیٰ کے ایک دوسرا نکاح اور کیا مگر آخر الذکر کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ زوجہ اولیٰ کی اولاد میں رحم علی خاں ہوئے اُن کے دو بیٹے تھے یعنی علی رضا خاں و احمد رضا خاں۔ علی رضا خاں کے بیٹے حاجی رحیم اللہ خاں و کریم اللہ خاں تھے حاجی رحیم اللہ خاں صاحب نے ۷۵ سال کے قریب عمر پائی اور ۱۹۲۱ء میں انتقال کیا اُن کے بیٹے سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم تھے حاجی کریم اللہ خاں صاحب کی دو بیٹیاں تھیں جن کی شادی خاندان بھیکن پور میں ہوئی جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا۔ یہ دونوں بھائی بڑے نیک اور پکے مسلمان اور برادری میں ہر دلعزیز تھے۔ راقم الحروف نے دونوں بزرگوں کو دیکھا ہے۔ وہ برادری کی جائدادوں کے بہت سے تنازعات پنچایت سے طے کر دیتے تھے چنانچہ حاجی کریم اللہ خاں صاحب اور اُن کے چچا زاد بھائی حاجی مصطفٰے خاں صاحب مرحوم نے ریاست دتاولی کا بٹوارہ

کیا۔ خود ان دونوں بھائی صاحبان کی ریاست کا بٹوارہ باہمی رضامندی سے حاجی یار خاں
صاحب رئیس دادوں نے کیا تھا۔ حاجی رحیم اللہ خاں مرحوم کے بیٹے سلیم اللہ خاں صاحب
مرحوم تھے جن کے بیٹے خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب ہیں۔ آخرالذکر کی شادی
نواب بہادر مزمل اللہ خاں مرحوم کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی جن کا ذکر اوپر آیا
ہے۔ خان بہادر صاحب موصوف نے نواب صاحب بہادر موصوف کے دوران حج
میں اُن کی ریاست کی دیکھ بھال کی۔ پبلک کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں چنانچہ سنہ ۱۹۳۶ء
میں حکومت نے موصوف کو خان بہادری کا خطاب عطا فرمایا۔ شکار کے شائق اور
شیر افگن ہیں۔ چونکہ آج کل سکونت علی گڑھ میں ہے اس لئے سنہ ۱۹۴۵ء سے میونسپل بورڈ
علی گڑھ کے سنہ ۱۹۵۲ء تک صدر رہے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر اور اس کی ایگزیکیوٹو کونسل کے
رُکن رہے۔ اپنی تندرستی کو خراب کرکے اور تجربہ حاصل کرکے حفظانِ صحت پر آج کل
کتاب لکھ رہے ہیں۔ خلیق اور متواضع ہیں۔ راقم الحروف کے کرم فرما اور کبھی کبھی
شکار میں ساتھ ہوتا رہا۔ موصوف کے صاحبزادہ نعیم اللہ خاں عرف نعمت میاں نے
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم پانے کے بعد اب موٹروں کی مرمت اور ٹریکٹروں
کی بہم رسانی کا کارخانہ کھولا ہے۔ خان بہادر موصوف کی تینوں صاحبزادیوں کی شادی
ہو چکی ہے۔ ایک بیٹی مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب کے صاحبزادہ غلام
اکرم خاں کی زوجہ ہیں جو اب پاکستان میں ہیں دوسری کی شادی نواب گورانی کے
صاحبزادہ کے ساتھ ہوئی اور تیسری کی شادی پروفیسر حاجی ہارون خاں شروانی کے
بیٹے کے ساتھ ہوئی۔

حاجی مصطفیٰ خاں

احمد رضا خاں کے بیٹے حاجی مصطفیٰ خاں صاحب مرحوم ہوئے
راقم الحروف کو اُن کی صحبت میں رہنے کا بہت موقعہ ملا۔
موصوف راقم الحروف کے نانا حاجی سرفراز خاں مرحوم کے دوست تھے اور پھر
خاں صاحب موصوف کے صاحبزادہ عامر مصطفیٰ خاں مرحوم راقم الحروف کے
کرم فرما ہم جماعت اور ساتھ کھیلنے والے مخلص اور گہرے دوست تھے۔ حاجی

مصطفٰے خاں مرحوم کی زوجہ حاجی عنایت اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس بھیکن پور کی
چھوٹی دختر تھیں اور اپنے ساتھ طیب پور تحصیل کاسگنج ضلع ایٹہ کے علاقہ میں کئی
گاؤں جہیز میں لائیں۔ حاجی مصطفٰے خاں صاحب مرحوم حاجی فیض احمد خاں مرحوم
رئیس دتاولی کے بھانجے تھے چنانچہ اسی وجہ سے مصطفٰے خاں صاحب مرحوم
کا ایک باغ اور چند مکانات رعایا جو دتاولی کے قریب تھے بنگلہ ماموں جی کہلاتے
تھے۔ پرورش دتاولی میں پائی۔ اسی وجہ سے خود ننھیال کہلاتے تھے۔ جب
پوڑہ گاؤں کے کایستھ پٹواری کا رشتہ دار اودھ بہاری لال پسر بنسی دھر پوڑہ گاؤں
میں مسلمان ہوا تو حاجی مصطفٰے خاں مرحوم کے والد احمد رضا خاں نے اس کو حفاظت
کے خیال سے دتاولی حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے پاس بھیج دیا۔ اودھ بہاری لال
کا نام ہدایت اللہ رکھا گیا اور وہ حج سے مشرف ہو کر تمام عمر ریاست دتاولی
میں رہے۔ انہوں نے ایک کتاب (جو غیر مطبوعہ ہے) تاریخ شروانی عرف رحمت یزدانی
کے نام سے خاندان دتاولی کے مختصر حالات پر لکھی۔ اس کتاب سے معلوم ہوا
کہ طیب پور کا علاقہ پانے کے بعد وہاں اظہار خوشی میں ایک جلسہ ہوا جس میں
حاجی مصطفٰے خاں مرحوم نے رعایا کو انعام اکرام دئے۔ اور عنایت خاں شروانی
مرحوم زمیندار عنایتی کو یہاں کا کارندہ مقرر کیا۔ اس علاقہ کی دریائے گنگا کی کھادر
میں دیہات گونتی وغیرہ شکار کے لئے مشہور ہیں۔ حاجی مصطفٰے خاں صاحب مرحوم
شکار کے شائق اور بڑے قادر انداز تھے اور ان کا ایک رفل راقم الحروف کو بھی
ملا۔ حاجی صاحب پوڑہ گاؤں کی گڑھی میں نئے طرز کے برج اور مکانات اور ان کو
نئے طرز کے فرنیچر سے آراستہ رکھتے تھے اور یہاں اکثر انگریز حکام دوست حاجی
صاحب موصوف کی دعوتوں میں شریک ہوتے تھے انگریزی زبان سے واقف نہ تھے
مگر اعلیٰ درجہ کی انگریزی دوکانوں کے سلے ہوئے کپڑے زیب تن فرماتے تھے وہ
جامہ زیب اور حسن صورت و حسن سیرت میں مشہور تھے۔ قسطنطنیہ کا ان کا ایک ترکی
لباس کا مع تمغہ فوٹو ہے جس سے وہ ایک نہایت جلیل القدر پاشا اور حاجی عبدالکفیل خاں

آہ! اُن کا ذکر کیا کروں!! کلیجہ مونھ کو آتا ہے!!! ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ راقم الحروف سے چند ماہ چھوٹے تھے۔ چھ سات سال کی عمر میں راقم الحروف سے ملاقات ہوئی اور آخر وقت تک ساتھ رہا۔ مرحوم کی اُردو فارسی اور کچھ انگریزی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اور پھر مدرستہ العلوم کے اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۵ء کے لگ بھگ کا زمانہ تھا۔ اول ڈگی والے پھوس کے بنگلہ میں مقیم رہے۔ اور جب کنگر والی کوٹھی مکمل ہوگئی تو اس میں سکونت اختیار کی۔ مرحوم نے انٹرنیس تک یا درجۂ دوم انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کے بعد مدرستہ العلوم کو خیرباد کہا اور پھر گھر پر عبدالکریم خاں صاحب مرحوم بیرسٹر ایٹ لا (سابق چیف جسٹس گوالیار و پروفیسر قانون علی گڑھ کالج) سے قانون کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ انگریزی کتب اور اخبار بینی کا بہت شوق تھا جس کی وجہ سے انگریزی ایسی بولتے اور لکھتے تھے کہ اعلیٰ تعلیم یافتوں کو مات کرتے تھے۔ اسی طرح انگریزی لباس کا شوق ان کو والد مرحوم سے ترکہ میں ملا تھا۔ ہمیشہ عمدہ قسم کے کاٹ چھانٹ کرنے والا درزی اپنے گھر پر ملازم رکھتے تھے۔ بڑے باغ و بہار تھے۔ ایک درزی مرحوم کو مسخرا اور ہم سب کا دل بہلانے والا تھا۔ اس بے چارہ کو ہم سب نے ایک مرتبہ ڈگی کے اوپر پیپل والے بھوت کے مفروضہ قصے سنا کر بے حد خائف کر دیا اور جب وہ رات کے وقت شہر کو اپنے گھر جانے لگا تو پیپل کے اوپر سے دہی سے بھری ہوئی ایک ہانڈی اس کے سر پر گروائی جس سے وہ بے ہوش ہوگیا اور مرتے مرتے بچا۔ موصوف کے قریب کے رشتہ کے بھانجے حافظ شعیب خاں مرحوم حسن پوری کے ساتھ جنھیں ہم سب نواب صاحب کہا کرتے تھے (اور وہ عامر خاں کو "ماموں بھولن خاں" کہتے تھے) ان کے ساتھ مرحوم عامر مصطفےٰ خاں اور ہم سب کی شرارتیں عمر بھر یاد رہیں گی۔ اور کہاں تک درج کیا جاوے اور ناظرین کی سمع خراشی کی جاوے۔ مرحوم نے کنگر والی کوٹھی پر ایک ٹینس کلب قائم کیا جس کی وجہ سے بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ جب ۱۹۱۱ء میں راقم الحروف تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ میں تحصیلدار تھا تو عامر مصطفےٰ خاں مرحوم اور مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب تحکار کے واسطے تشریف لائے اور مرحوم کو دق کیا گیا تو ان کا بگڑنا اور پھر سنبھلنا عمر بھر یاد رہے گا۔ ہائے وہ لطف صحبت اب کہاں۔ مرحوم عامر مصطفےٰ خاں کے خلق اور تواضع کی وجہ سے آئے دن اُن کے یہاں مہمانوں کا مجمع اور دعوتوں کی کثرت رہتی تھی۔ مرحوم کو لذیذ انگریزی اور ہندوستانی غذاؤں کا

شوق تھا۔ خود کھاتے اور احباب کو کھلاتے، اُن سے داد لیتے۔ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کی جوبلی میں شریک ہونے والے بہت سے حضرات کا قیام عامر مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم کی کوٹھی پر خیمہ جات میں تھا جن سے علی گڑھ کی نمائش کا لطف آتا تھا۔ جب ۲۰-۱۹۱۹ء میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم وغیرہ کی تحریک سے مسلم یونیورسٹی سے علیحدہ مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے جامعہ ملیہ کی بنا علی گڑھ میں ڈالی گئی۔ تو اس درسگاہ ملیہ کا قیام سب سے پہلے عامر مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم کی اہلیہ کی ڈگی والی کوٹھی پر ہوا۔ جو کہ مرحومہ کے والد نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم سے ترکہ میں ملی تھی۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد جامعہ ملیہ دہلی کو منتقل کی گئی۔ ان کو ایام تحریک سیاسیات کے زمانہ میں بھی ان کا گھر مہمان سرائے رہتا تھا۔ اور گاندھی جی بھی ان سے لطف رکھتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں یا اس کے تھوڑے دن بعد) بعض خانگی ناگوار واقعات کی وجہ سے عامر مصطفےٰ خاں مرحوم نے علی گڑھ کی سکونت ترک کر کے دہرہ دون میں قیام کیا۔ اور دم واپسیں تک وہیں رہے اس سن سے بہت پہلے مرحوم نے علی گڑھ میں ایک دوسرا نکاح کر لیا تھا۔ مگر زوجہ ثانی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مرحوم نے دہرہ دون جانے سے قبل اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کیا۔ اور چونکہ اب قرضہ کا بار بہت بڑھ گیا تھا اس لیے نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں کے یہاں رہنا پسند کیا۔ نواب بہادر موصوف مرحوم نے جو کہ اُن کے عزیز تھے عامر مصطفےٰ خاں صاحب کے ساتھ رہنے کے زمانہ میں بہت مراعات کیں۔ اور اُن کے اور خاندان کے واسطے سولہ سو (۱۶۰۰) روپیہ ماہوار کا الاؤنس مقرر کیا۔ اب تک مرحوم کے صاحبزادہ احمد کامل مصطفےٰ خاں صاحب کو بارہ سو روپیہ ماہوار اسی رقم میں سے الاؤنس ملتا رہا۔ چار سو روپیہ ماہوار کی رقم عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کی زوجہ ثانی کو ملتی تھی مگر وہ چونکہ پاکستان چلی گئیں اس لیے یہ رقم بند تھی شکست زمینداری کی وجہ سے کامل مصطفےٰ خاں کا الاؤنس بھی بند ہو گیا۔

جائداد نواب بہادر موصوف کی دیگر جائداد کے ساتھ کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں ہے۔ عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کی زوجہ اولیٰ نے بھی اپنی موروثی جائداد کو وقف اولاد کیا۔ اور اس کے متولی مرحومہ کے بعد اُن کے صاحبزادے احمد کامل مصطفےٰ خاں ہیں۔ عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کے کامل میاں کے بعد ایک اور بچہ بھی ہوا مگر وہ چند ہی ہفتے زندہ رہ کر لکھنؤ میں فوت اور دفن ہوا

جہاں وہ زچگی ہونے کے خیال سے بار ہا ماں کو لے گئے تھے۔ عامر مصطفیٰ خاں صاحب مرحوم کے دہرہ دون کے قیام میں راقم الحروف نے دیکھا کہ یہاں بھی ان کو احباب سے فرصت نہ تھی مع باغ کے ایک کوٹھی خریدی اور یہاں ایک علیحدہ باغ بھی لگایا۔ اس زمانہ میں موصوف کے نواب حامد علی خاں صاحب مرحوم والی رامپور سے گہرے تعلقات تھے اور رامپور میں نواب صاحب مرحوم کے مہمان ہوتے۔ اور دہرہ دون میں نواب صاحب کو اپنے یہاں مہمان کرتے جب راقم الحروف مرادآباد اور رائے بریلی میں تعینات تھا تو عامر مصطفیٰ خاں مرحوم دو مرتبہ راقم الحروف کے ساتھ ایک ایک ہفتہ شکار میں مہمان رہے اور جو لطف صحبت اس وقت رہا اس پر آج یہ خاکسار آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ القصہ مرحوم کی کس کس بات کو یاد کیا جاوے۔ ان کی صورت، سیرت، شفقت اور محبت کے نقشے ہر وقت دماغ میں اور آنکھوں کے سامنے ہیں۔

۳۰ یا ۱۹۲۹ء میں مرحوم اپنے صاحبزادہ احمد کامل مصطفیٰ خاں کی بارات مالیرکوٹلہ پنجاب لے گئے اور وہاں خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم بیرسٹرایٹ لا کی صاحبزادی کے ساتھ عقد نکاح ہوا۔ خواجہ صاحب موصوف اس زمانہ میں اس ریاست کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس وقت کے والی ریاست نواب احمد علی خاں مرحوم نے اہل بارات کو عصرانہ پر مدعو کیا۔ اور بڑی خاطر مدارات کی بالخصوص اس وجہ سے کہ نواب صاحب کا اور عامر مصطفیٰ خاں مرحوم دونوں کا تعلق خاندان شیروانی سے تھا اور نواب صاحب مرحوم کے بھائی صاحبزادہ جعفر علی خاں بڈھا لسی کے حاجی یوسف خاں شیروانی کی صاحبزادی کے خاوند تھے۔ اس موقع پر بڑا لطف رہا۔

عامر مصطفیٰ خاں مرحوم سنہ ۱۹۳۷ء میں کشمیر کی سیاحت کے دوران میں بیمار ہوئے اور اسی سن میں اللہ کے گھر سدھارے اور وہاں ہی مدفون ہوئے۔ راقم الحروف نے شاہجہاں پور سے جا کر مرحوم کو انتقال سے چند گھنٹے قبل دیکھا تھا۔ وہ بڑے صبر سے اپنی تکلیف و مرض کو برداشت کر رہے تھے۔ خدا تعالیٰ مغفرت کرے۔ اور ان کے صاحبزادہ

کامل مصطفیٰ خاں

کو خوش و خرم اور عرصہ دراز تک زندہ رکھے۔ آخر اللہ کریم ۱۹۰۸ء میں ڈگی والی کوٹھی علی گڑھ میں پیدا ہوئے وجہ تسمیہ شنیدنی ہے۔ "عامر" اور "کامل" کا وزن ظاہر اور اُس کے ساتھ "مصطفیٰ" کے الحاق کا تبرک باہر ہے مگر

حسن اتفاق کسی کے علم میں نہ ہوگا کہ ان کی پیدائش کے قریب زمانہ میں مصطفےٰ کامل نام مصر کا مشہور عالم سیاس اور محب وطن تھا۔ عالم اسلام بعید حیات و مقبول نام تھا۔ کامل نے گھر پر تعلیم پائی۔ اپنے دادا دادی اور ماں باپ کے لاڈلے تھے۔ دونوں کی نگرانی میں پرورش اور تربیت حاصل کی۔ اپنے والد مرحوم کے ساتھ ڈیرہ دون میں رہے۔ اور ان کے انتقال کے بعد مع اہلیہ کے علی گڑھ آ گئے۔ اور اب اپنی سابق ڈگی والی اور حال نشاط کوٹھی میں قیام ہے۔ موصوف کو شکار اور عمدہ کھانے اور ملبوسات کا شوق ترکہ میں باپ دادا سے ملا ہے۔ کتابوں کے شائق ہیں۔ عمدہ فرنیچر اور سامان اور ظروف اور قالین رکھنے کا ذوق سلیم ہے۔ شادی کے بعد سے رفیق حیات سفر اور حضر میں ہمیشہ ساتھ رہیں۔ بڑی نیک بی بی تھیں اور شروانی خاندان میں گھل مل گئی تھیں۔ مگر افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور عرصہ تک بیمار رہ کر بلا اولاد چھوڑے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو کر سب کو داغ مفارقت دے گئیں۔
کامل مصطفےٰ خاں اب کنارہ والی کوٹھی اور نشاط پر اور اپنی والدہ مرحومہ کی جائداد پر بطور متولی قابض ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں۔ شکار کے وہ بھی بڑے شائق ہیں۔ اور اس عمر میں راقم الحروف بھی کبھی کبھی ان کی وجہ سے اس تفریح سے دل بہلا لیتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ عالم مصطفےٰ خاں مرحوم کی طرح کامل میاں کے کوائف بھی درج کرتا رہوں اور دل کو بہلاتا رہوں مگر تابہ کے۔
لہٰذا اب کچھ حالات

خاندانِ بلونہ

اور یہاں کے شروانیوں کے لکھتے ہیں۔
جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں اس موضع کے مورث اعلیٰ یوسف خاں (ساکن راجگھوم) کی اولاد میں تھے۔
بلونہ کے شاہ محمد خاں اور ان کی اولاد کا کچھ ذکر بھی حصہ اول کے آخر میں آ چکا ہے۔ نیز ہم یہ بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ ایک زمانہ میں **بلونہ بڑی مردم خیز بستی** تھی اور "**خطۂ یونان**" کہلاتی تھی۔ اور (جیسا کہ ان شاء اللہ آگے چل کر ناظرین کو خود معلوم ہو جائے گا) اس میں کچھ مبالغہ

نہ تھا۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ اب وہ بھی گردشِ روزگار کی یاد صرصر سے زیر و زبر ہے۔
اس کا کچھ سبب تو یہ ہے کہ پرانے حضرات (جن کے دم قدم سے رونق تھی) اس عالم ہی
سے رخصت ہو گئے۔ کچھ باقیات الصالحات ترک وطن کر کے دوسرے مقامات پر جا بسے
اور باہمی رنجشوں اور کدورتوں کو بھی اس میں کچھ کم دخل نہیں رہا۔ بہرحال اب سنئیے۔

یہاں کے شروانی پٹھانوں کی ایک شاخ تو شاہ محمد خاں کے بیٹے دلیل خاں کی اولاد
میں ہے، دوسری چھوٹی شاخ محمد خاں (برادر شاہ محمد خاں) کی نسل ہیں۔

محمد خاں کے پوتے ہمت خاں اور شادی خاں فرخ آباد کے نواب بنگش کی سرکار
میں ملازمت کے سبب سے باونہ چھوڑ کر قصبہ سہاور ضلع ایٹہ میں نواب موصوف کی طرف سے
معافی اراضی حاصل ہو جانے کے حیلے سے سہاور ہی میں بس گئے۔

اسی طرح دلیل خاں (ابن شاہ محمد خاں) کے ایک بیٹے نصرت خاں (جو لاولد رہے)
اپنی بہن کے پاس کنادہ چلے گئے۔

البتہ دلیل خاں کے دوسرے بیٹے رشید خاں باونہ ہی میں رہے۔ اور ان کی اولاد
بہت پھلی پھولی۔ اور اسی سے باونہ کا نام چلا۔ دلیل خاں کے سلسلہ میں دو واقعوں کا ذکر دو دو
لفظوں میں ضروری ہے۔

ایک تو یہ (جس کا اچٹا ہوا سا ذکر ہم پہلے حصہ میں بھی کر چکے ہیں) کہ نواب ثابت خاں والی
کول (علی گڑھ) نے دلیل خاں کو اپنی دامادی میں لینا چاہا تھا۔ مگر باپ (شاہ محمد خاں) نے ہرگز
منظور نہ کیا۔ اس پر نواب ثابت خاں نے باونہ پر فوج کشی کی۔ مگر شاہ محمد خاں کے بھاگ نکلنے
(اور باونہ کے اس وقت نواب بنگش والی فرخ آباد کی نوابی میں ہونے) کی وجہ سے نواب کول کو
کامیابی نہ ہوئی۔ قصبہ سہاور بھی بنگش ہی کی عملداری میں تھا۔ اور وہاں نواب کی طرف سے
بہرام خاں نام ایک سُنّی پٹھان نائب حکومت تھے۔ اب ان بہرام خاں نے بھی اپنی لڑکی کا پیام دیا
اور ساتھ ہی بقایا مال گزاری کی علت میں بجائے باپ (شاہ محمد خاں) کے بیٹے (دلیل خاں)
ہی کو پکڑ لینے کی دھمکی دی۔ اب شاہ محمد خاں مجبور ہو گئے اور بہرام خاں بیٹنی (نائب نواب)
کی لڑکی لے لی گئی

آنچہ کہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاج ست ، احتیاج ست احتیاج

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ دلیل خاں بلونہ کے اہروں کی سازش سے گڑھی چکیری کے جاٹوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور اُن کے کم سن بیٹے رشید خاں (جن کو جاٹ بقصد قتل پکڑ لے گئے تھے) صرف اپنی پھوپی مدینہ بی بی (بنت شاہ محمد خاں زوجہ عظمت خاں کنولی) کے حسن تدبیر سے بچ سکے۔ یہ محض واسطہ اور سبب تھا۔ ورنہ ؎

اگر تیغ عالم بجنبد ز جائے
نہ بُرّد رگے تا نخواہد خدائے

رشید خاں کے دو بیٹے ہوئے :- (۱) نجیب خاں (۲) خدا بخش خاں۔
نجیب خاں کی دو شادیاں ہوئیں۔ ایک تاج النساء دختر قادر داد خاں بھوری سے۔ اُن سے یہ اولاد ہوئی :- (۱) حسن علی خاں۔ (۲) غلام مرتضٰے خاں۔ (۳) زیب النساء والدہ عبدالصمد خاں حسن پور (۴) ظہور النساء والدۂ احمد رضا خاں دتاولی (۵) عمر النساء زوجہ وزیر خاں کنولی جن سے امانت فاطمہ والدہ رؤساء دتاولی اور کفایت النساء والدہ احمد سعید خاں و فضل اللہ خاں رؤسار بوصیکم پور اور تین بہنیں اور ہوئیں۔ نجیب خاں کی دوسری شادی خیر النساء دختر مردان خاں بوجامول سے ہوئی۔ اُن سے صرف عبدالمجید خاں ہوئے۔
رشید خاں کے دوسرے بیٹے خدا بخش خاں کی شادی صدری بیگم دختر منگل خاں بربیرہ سے ہوئی۔ اور نجیب خاں کی ایک لڑکی (بدر النساء) داؤد خاں کناوہ کو بیاہی گئی۔
خدا بخش خاں، حسن علی خاں، غلام مرتضٰے خاں، عبدالمجید خاں کے پورے سلسلے ان شاء اللہ بلونہ کے شجرہ کے سلسلہ میں آئندہ حصہ سوم میں معلوم ہوں گے۔ ہم یہاں محض بغرض آسانی فہم مطلب اس قدر بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ بلونہ کی موجودہ نسل میں "شروانی برادرز" (مسٹر تصدق احمد خاں مرحوم، مسٹر نثار احمد خاں سلمہٗ، مسٹر نور احمد خاں مرحوم) خدا بخش کی (پانچویں) پشت میں اور بہار سے رنیق کار مولوی حاجی محمد مقتدی خاں حسن علی خاں اور صابر علی خاں غلام مرتضٰے خاں کی چوتھی پشت میں ہیں۔ عبدالمجید خاں لاولد رہے۔

اب اس کے بعد چند افراد خاندان کے جستہ جستہ حالات قلم بند کر کے اس دریا کو اپنی دوات کے کوزہ میں بھرتے ہیں۔

خدا بخش خاں، اور ان کی نسل میں اسد علی خاں (پدر حاجی عبدالرشید خاں وجد شروانی برادرز) غلام مرتضیٰ خاں اور ان کے بیٹے احمد علی خاں اور پوتے حاجی کفایت علی خاں اور عبد المجید خاں (پسر سوم نجیب خاں) تقریباً گوشہ گیر اور "اہل الجنت" قسم کے بزرگ تھے۔ نجیب خاں کے بڑے بیٹے حسن علی خاں کے چھ بیٹوں میں سے پانچ بھی اسی وضع کے تھے۔ البتہ حسن علی خاں (جو داؤد خاں رئیس بھیکم پور کے ہم عصر تھے) کاروبار میں بڑے چوکس تھے۔ اور یہی دونوں اپنے زمانے میں سارے خاندان کے مدِّ ھ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو "خان صاحب" کہتے تھے۔ سارے خاندان کے سارے معاملات انہی دونوں کے باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔ یہاں تک کہ خاندان کے شادی بیاہ کے معاملات کو یہی دونوں (گویا اپنی اپنی بی بیوں کو نظر انداز و در بند کر کے) خود طے کرتے تھے۔ خدا جانے ان کی بی بیوں کو حسب دستور عام دخل ہوتا تو کیا نتیجہ ہوتا۔ مگر ان دونوں کے دخل در معقولات نے بڑے بڑے عبرت انگیز اور درد انگیز نتائج پیدا کیے۔ مثلاً فیض احمد خاں رئیس دتاؤلی کی پہلی بی بی (بھیکم پور والی) سے اولاد نہ ہوتی تھی تو اپنی نہایت قریب گھر کی بھانجی (امانت فاطمہ بنت وزیر خاں کنوبی) ان کو بیاہ دی۔ علی ہذا دوسری بھانجی کفایت النساء کو بوڑھے غلام احمد خاں (پدر احمد سعید خاں و منزل اللہ خاں) کو دی جو عقد ثانی کے وقت ماشاءاللہ خود نانا ہونے کے قابل تھے۔ اسی طرح باقی تین بھانجیاں بھی کھاتے پیتے گھروں میں دیں۔ مگر خود اپنی بیٹی حمایت بی بی اپنے ایسے بھانجے (احمد رضا خاں دتاؤلی) کو دی جس کا حال کا اضمحلال مثل وزیر خاں کنوبی کے تھا۔ اپنے چھوٹے بھتیجے (منصور اللہ خاں) کو اپنی عزیزہ و قریبہ ایسی لڑکی (منیر النساء دختر محمد یار خاں کھوری) کی جس کا چیچک سے ایک آنکھ جاتی رہی تھی، رنگ تاریک سا چہرہ داغ دار ہو گیا۔ اسی سبب سے کس بری تھی۔ اور اپنا وجود سے وہ نکاح کے وقت اپنے نوجوان شوہر (منصور اللہ خاں) سے [illegible]

اور داؤد خاں دونوں حج و زیارت کے ۳ سال مبارک سفر میں بھی رفیق طریق اور شریک سعادت تھے۔ ایک بار حقیقی اور عزیز بھانجے (عبدالغنی خاں حسن پور) نے دو ہزار روپے مانگے [illegible]

اور اس حتمی وعدہ کے ہوکر کہ آئندہ کبھی قرض نہ لیں گے۔ افزائش ریاست کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ چنانچہ موضع ہمیرپور (جو کسی اچھے گاؤں کے ایک مزرعہ کی درکا ہے) ٹانڈہ میں انگریز سے داؤد خاں کے بے حد اصرار کے بعد اس طرح لیا کہ روپیہ داؤد خاں نے دیا۔ جوان کو صرف ایک سال کی فصل نیل دے کر ادا کیا۔ اور آخری حساب پر پانسو روپے نقد واپس لیے۔ اس وقت تو ان بزرگوں کا یہ عمل محض کوتہ اندیشانہ اکھڑپن سمجھا گیا۔ مگر زمینداریوں، ریاستوں، سلطنتوں کے اس وقت اگر دیکھئے حشر کے ابدا سے کیا سمجھا اور کیا کہا جائے گا ماسوائے اس کے کہ۔

"مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ الخ"

(اے ملک کے مالک تو دیتا ہے ملک جسے چاہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہے اور تو ہی عزت دیتا ہے جسے چاہے اور تو ہی ذلت دیتا ہے جسے چاہے۔ تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے۔ اور ضرور ہے کہ تو ہی ہر چیز پر قادر ہے)

نوّے سال کی عمر پائی۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ مگر صاحب اولاد بیٹوں، بہوؤں پر بڑی گالی گلوچ کے ساتھ برابر حکومت قائم رکھتے تھے۔

منجھلے بھائی غلام مرتضیٰ خاں زمینداری کے کام سے بڑی حد تک بے تعلق تھے۔ اور تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں غیر اضلاع (مثلاً مین پوری، فرخ آباد وغیرہ) تک سفر کرتے تھے۔ شرمیلے اتنے تھے کہ گھر سے باہر سر سے چادر اوڑھ کر اور بے مبالغہ گھونگٹ مار کر چلتے تھے اور گھر میں بھی بالکل نیچی نظر سے آتے جاتے تھے۔ اپنی بہو بیٹیوں میں سے کسی کو صورت سے نہ پہچانتے تھے۔ ایک بار پانچویں بیٹی (نذیر النساء والدہ حکیم الیاس خاں) سامنے سے گزری تو حاضر الوقت بھتیجی نوری بی (بنت اکبر حاجی حسن علی خاںؒ) سے پوچھا "نوری بی یہ کس کی لڑکی ہے؟" بھتیجی نے ناک پر دوپٹہ رکھ کر اور ہنس کر جواب دیا "چچا جی! آپ ہی کی ایک ہے۔" رات کو دونوں بھائیوں کے پلنگ برابر بچھتے تھے اور گزشتہ اور آئندہ دن کے معاملات اس وقت مشورہ پاتے تھے۔ ان پڑھ تھے۔

عبدالمجید خاں چھوٹے بھائی بھی اَن پڑھ (مگر منجھلے بھائی غلام مرتضیٰ خاں سے بھی بڑھ کر ان گھڑ بھی) تھے۔ ہم نے اوپر حسن علی خاں کو کاروبار میں چوکس بتایا ہے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ چھوٹے علاتی بھائی عبدالمجید خاں کی طرف سے بوجہ اپنی مردم شناسی کے اُن کے بچپن ہی سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے عبدالمجید خاں کے باپ (نجیب خاں) تو میاں جی کو ان کے پڑھانے کی تنخواہ دیتے تھے اور بھائی حاجی حسن علی خاں نہ پڑھانے کی۔ مگر باوجود اس کے اس زمانے کے رنگ کے مطابق مذاکرات سے پورا پورا لطف لیتے تھے۔ اور سخن گو تو نہ تھے، مگر سخن فہم تھے۔ موقع موقع سے ضرب الامثال کہتے اور اشعار پڑھتے۔ بڑے نسّاب تھے۔ چنانچہ سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم کے مرتب کردہ رسالہ کی ترتیب میں ان کا ہاتھ بہت لیا تھا۔ لاولد رہے۔ اگرچہ شادیاں دو کیں۔ گھر کے بہت سے کام بے تکلف اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ ایندھن پھاڑنا، دودھ دوہنا تو معمولی باتیں ہیں۔ بلا ناغہ روزانہ اُپلے بھی اپنے ہاتھ سے پاتھتے تھے۔

جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا، حاجی حسن علی خاں کی پہلی بی بی (بوڑھ گانوں والی) سے صرف ایک بیٹی نور بی بی (چودھری باشار اللہ خاں سہاور کی نانی) ہوئیں۔ دوسری بی بی (دھنساری والی) سے ایک بیٹی (عنایت بی بی زوجہ احمد رضا خاں دنادلی اور مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی اور شکر اللہ خاں و صابر علی خاں کی نانی) اور چھ بیٹے ہوئے۔

ضروری تفصیل شجرہ میں دیکھی جائے۔

مگر منجھلے بیٹے **محمد شریف خاں** (جد مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی) کی نسبت اتنا کہیں گے کہ سپاہی منش اور رنگین مزاج تھے۔ اُن کا اور محمد تقی خاں عظیم پور اور ہادی یار خاں داد وں کا تگڈّا تھا۔ ایک نکاح غیر کفو میں بھی کیا جو ہادی یار خاں کی غیر کفو بی بی عائشہ خاتون عرف شکھ بدن کی حقیقی خالہ زاد بہن تھیں۔ جوانی میں انتقال کیا۔ اور بیٹے (محمد مستجاب احمد خاں واحد اولاد) کو یتیم چھوڑا۔

لطیفہ: محمد تقی خاں سے برادری کے علاوہ حقیقی ہم زلفی بھی تھی۔ ایک بار محمد تقی خاں بلو سہ

ہاتھی پر سوار ہو کر آئے۔ اس وقت باونہ کی گڑھی کا قلعہ نما دروازہ بنا ہوا تھا۔ چھت تھی بہت بڑا اچھا ٹھیک تھا۔ دونوں طرف صحن چبیاں اور اُن میں دربان تھے۔ مگر چھت اتنی اونچی نہ تھی کہ فیل نشین مع عماری بحالت سواری داخل ہو سکے۔ مجبوراً اترے اور پاؤں پاؤں چل کر داخل ہوئے۔ ہاتھی گھٹنوں گھٹنوں چل کر آیا۔ بڑے ساڑھو (محمد شریف خاں) نے کہا: "جب جانتے نہ اترتے! ہاتھی پہ چڑھ کے آئے"!! چھوٹے نے برجستہ جواب دیا ؎

"یا مکن با پیل بانان دوستی
یا بنا کن خانۂ درخورد پیل"!

حاجی حسن علی خاں کے سب سے چھوٹے بیٹے حاجی عبدالکفیل سے بڑے بیٹے **حبیب اللہ خاں** (لیڈی مزمل اللہ خاں کے نانا) تھے۔ ان کا ذکر خیر تبرک سے یوں خالی نہیں کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کے اسم گرامی کی سماعت کی سعادت خاندان شروانی کو یوں حاصل ہوئی کہ حبیب اللہ خاں کو اُن کے مرض الموت میں حضرت ممدوح سے رجوع و استمداد کی بذریعہ بشارت ہدایت کی گئی۔ چنانچہ مہینوں کی تلاش کے بعد حاجی عبدالکفیل خاں حاضر خدمت ہوئے۔ لیکن مولانا نے فرمایا کہ دیر بہت ہو گئی۔ اس کا ذکر گو دلچسپ ہے مگر طویل ہے۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے "جمہور" کی اشاعت مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۱ عیسوی میں مفصل لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت نے اپنی کیاری کا پودینا استعمال کے لیے اس شرط کے ساتھ دیا کہ اگر سبز پہونچ جائے تو شفا ہے۔ ورنہ خدا کی مرضی۔ لیکن باوجود غایت احتیاط پودینا خشک ہو چکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
اس کے بعد خاندان شروانی کے بہت سے اصحاب (ازاں جملہ نواب صدر یار جنگ مرحوم) حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی سلک بیعت میں منسلک ہوئے۔

حاجی حسن علی خاں کے سب سے چھوٹے بیٹے (بلکہ سب سے چھوٹی اولاد) حاجی **عبدالکفیل خاں** کا ذرا زیادہ ذکر نہ صرف صواب بلکہ عین ثواب ہے۔ ان کے والد (حاجی حسن علی خاں) جب حج و زیارت کو گئے تو گھر دو بیٹیاں اور پانچ بیٹے چھوڑ گئے تھے۔ اور

ان میں کئی نہ صرف جوان بلکہ گرہست تھے۔ مگر خدا کے گھر بھی ایک بزرگ سے بیٹے کے لیے دعا کرائی۔ چنانچہ حاجی عبدالکفیل خاں باپ کی حج سے واپسی کے بعد پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے راوی خود حاجی عبدالکفیل خاں ہیں جن سے خود ان دعا کرنے والے بزرگ نے فرمایا تھا کہ "تو ہماری دعا کا بچہ ہے"۔ تقریباً ۱۸۷۲ء کی پیدائش تھی۔ پہلا فریضۂ حج جوانی میں اپنی بڑی بہن نور بی بی کے ساتھ ادا کیا۔ اور پھر عمر بھر یہ کار خیر (دوسروں کے بدلے بدل) کرتے رہے۔ کثرت سے اپنے اعزا اقربا کے لئے اور ایک حج حضرت مفتی لطف اللہ رحمۃ اللہ کے لئے۔ ہندوستان اور بلاد اسلامیہ میں سیاحت کرتے اور بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ جب سنہ ۱۹۰۸ء میں حاجی مصطفیٰ خاں کی رفاقت میں سفر کیا تو بعض ممالک یورپ بھی دیکھے۔ سلطان عبدالحمید خاں کے حضور میں باریاب ہوئے۔ اور تمغۂ مجیدی پایا۔ اور قسطنطنیہ سے مدینہ منورہ تک حجاز ریلوے کے سب سے پہلے سفر میں چلے۔ اس زمانہ میں سلطنت ٹرکی کے تین مسلسل دور دیکھے۔ (۱) سلطان عبدالحمید خاں کا کمال عروج۔ (۲) انقلاب۔ (۳) سلطان کا عزل اور نوجوان ترکوں کا نصب۔ بظاہر سیدھے سادے مگر بڑے کماؤ اور گاڑھے زمیندار تھے۔ خوب کماتے اور حج کو اڑاتے۔ جب وہاں قلاش ہو جاتے تو پھر ہندوستان آجاتے۔ چنانچہ ایک بار کی واپسی پر نواب لوبکر خاں مرحوم نے حاضری کی اجازت چاہی تو لکھ بھیجا۔: "میاں! آج کل ہرگز نہ آنا۔ چراغ طاق پر اور روٹی ہاتھ پر۔ گھر کر گذار رہا ہوں"۔ مرنج و مرنجان، خوش باش، آزادی پسند، بچوں میں بچے، بڑوں میں بڑے تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں معابد سے تعلقات تھے۔ اور باوجود بھولے پن کے جاننے تو اچھے اچھوں کو اپنے سے بے تکلف کر لیتے۔ چنانچہ حکیم محمود خاں دہلوی (پدر حکیم حافظ اجمل خاں مرحوم) جیسے جاہ و جلال کے شخص سے ایسے بے تکلف تھے کہ ان کی بساط پر شطرنج بازی کرتے۔

سنہ ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) میں ہجرت کر گئے سنہ ۱۹۳۶ء میں چھ ماہ (اپریل / اکتوبر) کے لئے آئے۔ اور واپس جاکر مارچ سنہ ۱۹۳۹ء (محرم الحرام سنہ ۱۳۵۸ھ) میں مدینہ منورہ میں وفات اور جنت البقیع میں جگہ پائی۔ بڑی عقیدت کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ اور نواب "مشہور تھے۔ اپنی خود

جائداد کا بہت معقول حصہ مسجد بلونہ کے لئے ۱۹۰۷ء میں وقف کرکے نواب صدر یار جنگ مرحوم کو متولی اول کیا۔ بڑے عابد زاہد اور غم گسار و تہجد گزار تھے۔ آخر میں مدینہ منورہ کے والہانہ شوق قیام (اور وہاں سے باہر رہ جانے کے خوف) کی وجہ سے حج تک میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ ہندوستان سے اکتوبر ۱۹۳۶ء میں واپس ہو کر آخری حج ۱۳۵۵ھ (فروری ۱۹۳۷ء) میں کیا۔ حرم شریف مدینہ طیبہ میں جو نواب صدر یار جنگ بہادر کی طرف سے سبیل جاری تھی اُس کے منتظم تھے اور خود کوزوں میں بھر بھر کر پیاسوں کو پانی پلاتے تھے۔ جب جنوری ۱۹۳۹ء میں راقم الحروف اور مولوی حاجی محمد یونس خاں مرحوم حاضر مدینہ طیبہ ہوئے تو اپنے ہاں ہم دونوں کو مہمان رکھا۔ اور ہم پر بڑی بزرگانہ شفقت رکھی۔ پہلی شادی عبد الصمد خاں حسن پور کی لڑکی سے ہوئی اور دوسری سارہ بیگم (دختر فیض احمد خاں و فردوس بیگم) سے (جن کا حاجی عبد الکفیل خاں سے طلاق کے بعد عقد ثانی عبد الجمیل خاں سے ہوا) اولاد دونوں میں سے کسی سے نہ ہوئی۔ تقریباً ۹۰ نوے سال کی عمر پائی۔ اپنے عزیزوں میں مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی اور اُن کے بچوں سے سب سے زیادہ مانوس تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کو اپنی کچھ جائداد بذریعہ ہبہ اور اکثر بذریعہ بیع دی۔ زر ثمن کی قسط بندی تھی۔ مگر خدا کی قدرت کہ من جملہ بتیس ۳۲ ہزار صرف ڈھائی ہزار لے کر سفر آخرت اختیار کیا۔ اور مولوی صاحب ممدوح کو اپنا واحد وارث شرعی چھوڑا۔

"ولله میراث السموات والارض"

محمد شریف خاں کی واحد اولاد **محمد مستجاب اللہ خاں** (والد مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی) تھے باپ کے ترکہ زمینداری پر اضافہ کیا۔ نیل سازی کی کوٹھی بنائی۔ ۱۸۹۷ء میں دادوں اور کھریری کی عظیم الشان دو ہالوں کی دو کوٹھیاں کورٹ کے زمانہ میں بیک وقت چلائیں نقد و ادوستہ کے سبب بلونہ کے نواح میں ایک چھوٹی موٹی "سرکار" تھی۔ رسمی فارسی کی تعلیم بھی تھی۔ شاعری میں استاد داغ سے تلمذ تھا۔ نام مستجاب کے لحاظ سے مقبول تخلص کرتے تھے پیام یار وغیرہ گلدستوں میں کلام چھپتا رہتا تھا۔ ریاض الاخبار وغیرہ میں شعر و مضامین چھپتے رہتے تھے۔ علم دوست تھے۔ الہیات سے زیادہ عملیات کا شغف تھا۔ اپنے دوست حافظ عبد الرحیم صاحب مرحوم وکیل علی گڑھ (والد مولوی بدر الدین علوی استاد عربی مسلم یونیورسٹی) کی تحریک پر کانگریس

کے ممبر بھی رہے۔ اور بعض اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ کانگریسی دوستوں میں مس شرلا دیوی
بی۔ اے۔ (بنگالی خاتون مسز سروجنی نیڈو سے بھی مقدم) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
سرسید مرحوم سے بھی خوش عقیدہ تھے۔ رائے میں بے لاگ تھے۔ آخر عمر کے شاعری کے
مشغلہ کے نتائج میں عبدالشکور خاں (بھیکم پور) نور اللہ خاں (سہاور) کنور عبدالغفور خاں
(دھرم پور) مرحومین مغفورین کے مراثی زیادہ مقبول ہوئے۔ مرحوم کی علم دوستی کا ایک بڑا
ثبوت یہ بھی ہے کہ اپنی چھوٹی بیٹی (اور سب سے چھوٹی اولاد) امۃ الغنی (زوجہ شکر اللہ خاں
بلونہ) کو ۹۶-۱۸۹۵ء میں ایک نیڈٹ رکھ کر ہندی پڑھائی۔ یہ واقعہ مولوی حاجی محمد مقتدی خاں
شروانی نے اپنی ایک مطبوعہ شائع شدہ تحریر میں بتایا ہے۔ حال آں کہ یہ اب سے
تقریباً ساٹھ سال کا زمانہ وہ تھا کہ ہندی کی ترویج کی آج کے دل کی سی کوتہ اندیشانہ
اور بد مذاقانہ ترویج کا دور دور تک وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ افزائش زمینداری کی
طرف سے مثل باپ دادا کے یہ بھی اتنے بے پروا رہے کہ ایک قدیم الخدمت اہیر کو
اپنے پاس سے بلاسودی معقول رقم دے کر زمینداری جائداد خرید وادی۔

حسن علی خاں کے **سنجھلے بیٹے حفیظ اللہ خاں** کے واحد اولاد نرینہ **حاجی شمس الحسن خاں** تھے ان کے دم سے بھی رونق تھی۔ نواب ابوبکر خاں کے انیس و جلیس تھے۔ فارسی
کے علاوہ ابتدائی عربی پڑھی اور چند سال ایم اے او کالیجیٹ اسکول میں بھی تعلیم پائی۔
اکتوبر ۱۹۳۵ء میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ایک لڑکی نور جہاں بیگم زوجہ
محمد حنیف خاں بلونہ چھوڑی۔

محمد مستجاب اللہ خاں مقبول کے واحد فرزند نرینہ راقم آثم کے دیرینہ کرم فرما اور حال
کے شریک کار **مولوی حاجی محمد مقتدی خاں** ہیں جو ماشاء اللہ ہندوستان کیا
بیرون ہندوستان میں بھی بانام و نشاں ہیں۔ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔
محمد مقتدی خاں نام تاریخی ہے (۱۲۹۷)۔ موصوف کے علمی و ادبی کارناموں کے اظہار و شمار کے
لیے ایک طویل دفتر درکار ہے۔ ہم یہاں مجبوراً صرف مختصراً عرض کرتے ہیں۔ تاہم اس سے
ہمارے اس دعوے کی پوری تائید ہوگی کہ بلونہ واقعی ایک مردم خیز بستی ہے۔ فارسی

گھر پر پڑھی۔ انگریزی کا سلسلہ ۱۸۸۹ء میں ڈھولنہ سے شروع ہوکر اور ۱۸۹۲ء تک گنگوہری میں جاری رہ کر جون ۱۸۹۳ء میں ایم۔ اے او کالیجیٹ اسکول علی گڑھ میں داخل ہوئے اور یہاں ۱۸۹۹ء تک تعلیم پائی۔ اسی دوران میں اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ ہندی سیکھی اور اپنے ایک آریہ کلاس فیلو پنڈت اندرمن سے کچھ سنسکرت سیکھی۔ اور پنڈت اندرمن کو کچھ عربی بتائی جو انھیں کچھ نہ آئی۔ عربی تعلیم شروانی اسکول چھپرہ میں مولوی بشیر احمد صاحب اور مولوی کریم بخش صاحب سے شروع کی۔ اور دوران ملازمت میں شمس العلماء مولانا عبد اللہ صاحب ٹونکی، مفتی محمد لطف اللہ اور مولانا محمد امانت اللہ صاحب کے سامنے بھی زانوے تلمذ تہ کیا رحمہم اللہ تعالے علیہم اجمعین۔ آبائی پیشہ زمینداری سے عدم دلچسپی اور بدو شعور سے اخبار بینی اور مضمون نگاری کے شوق نے ان کو لاہور (پنجاب) کی طرف دھکیلا۔ اور وہاں ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۰۹ء تک باقاعدہ رہے۔ خاص تعلق اس زمانہ کے مشہور روزگار پیسہ اخبار سے تھا۔ اور خانگی (مگر مستقل) طور پر رسالہ ترقی (عیسائی) پولیس گزٹ (سکھ) ہندوستان (ہندو) وغیرہ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ پیسہ اخبار میں روزانہ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر، اور اسٹر، نیوز ایڈیٹر، پولیٹکل ولنگل رپورٹر تھے۔ ہفتہ وار پیسہ اخبار اور ماہوار بچوں کے اخبار کے ذمہ دار ایڈیٹر، زنانہ اخبار شریف بیبی کے لٹریری ایڈوائزر تھے۔ اس زمانہ میں بھی وطن، مخزن لاہور، ریاض الاخبار گورکھپور۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ میں بھی مضامین لکھتے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں بزمانہ نواب وقار الملک بہادر آنریری سکریٹری کالج علی گڑھ آکر کالج کے آرگن علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی اڈیٹری پر مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی (لٹریری اسسٹنٹ سرسید مرحوم) کے قائم مقام ہوئے۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۵ء تک ایسوسی ایٹیڈ پریس کے مقامی نامہ نگار اس طرح رہے کہ ان کے افکار برق سوار کی چمک سے آنکھیں تو بے شمار خیرہ ہوئیں۔ لیکن ان کی دھمک سے کان ایک بھی آشنا نہ ہوا۔ اور اس چودہ ۱۴ سال کی طویل مدت میں ہمارے یار کا اس ڈھنگ کا نامۂ اعمال خدا جانے کس رنگ کا رہا۔ اسی زمانہ میں ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک علی گڑھ گزٹ نامی ایک سہ روزہ اخبار کی ایڈیٹری کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ نان کوآپریشن اور خلافت کی تحریکیں زوروں پر تھیں۔ یہ اخبار ان کے لیے شہ بالا اور زہر بار تھا۔ چنانچہ خلافت کمیٹی کے

حسابات کی اشاعت نے اسے منصہ شہود کر دیا۔ ان کی ایڈیٹری میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کو دن دونی رات چوگنی مالی اور اخلاقی ترقی ہوئی۔ بجائے نقصان سے چلنے اور کالج پر ناگوار مالی بار ہونے کے اب وہ کالج کو معقول سالانہ نفع دینے لگا۔ اور ہند اور بیرونِ ہند میں اسے "نیوز پیپر" سے زیادہ "ویوز پیپر" تسلیم کیا جانے لگا۔ اور اہم معاملات میں اس کی رائے کا انتظار ہونے لگا۔ سنہ ۱۹۱۱ء کے شاہی دربار دہلی کے بعد نواب وقار الملک مرحوم کا منسوخی تقسیم بنگال کے خلاف وہ مشہور عالم مضمون شائع ہوا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں اس سرے سے اس سرے تک نئی بیداری کی ایک لہر دوڑا دی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں کالج کے مسلم یونیورسٹی ہو جانے کے بعد اخبار مسلم یونیورسٹی گزٹ اور پریس مسلم یونیورسٹی پریس ہو گیا۔ ابتدائے قیام (سنہ ۱۸۶۴ء) سے پریس ٹائپ (یعنی لوہے کے چھاپے) کا تھا۔ مگر سنہ ۱۹۱۲ء میں موصوف نے لیتھو (یعنی پتھر کے چھاپے) کا اضافہ کیا۔ اور اس حصہ نے بفضلِ خدا ایسی شہرت حاصل کی جو ہندوستان کے لیتھو کے مطابع کی تاریخ میں بے نظیر تھی۔ علاوہ دوسری بے شمار کتابوں کے کلیاتِ خسروؒ کے سلسلہ میں آٹھ کتابوں کا وہ مجموعہ شائع کیا جس نے حضور نظام عالی مقام مدظلہ کی سرپرستی اور یورپ تک کے مستشرقین سے سندِ قبولیت حاصل کی۔ اس سلسلہ میں ایک کتاب (دول رانی خضر خاں) ایسی بھی جو باوجود اسے کہ نہ صرف حضرت امیر خسروؒ کی مثنویوں میں ایک خاص اہمیت رکھتی تھی بلکہ اب تک چھپی بھی نہ تھی۔ اور دنیا میں صرف تین چار نسخے ہی اس کے قلمی تھے۔ اور ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ میں بھی اس کا بلند پایہ تھا۔ خمسہ (یا پنج گنج) خسروی کے سلسلہ کی سب سے پہلی کتاب مطلع الانوار کی تصحیح اور مقدمہ نگاری مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے کی جو دوسرے نامور مقدمہ نگاروں (مثلاً نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم) کی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں "مخمل میں ٹاٹ کا پیوند" نہ سمجھی گئی اور ما شاء اللہ کافی مقبول رہی۔

میر ولایت حسین مرحوم کے استعفے کے بعد کالج بک ڈپو کے آنریری منیجر ہوئے۔ موصوف کے حسن انتظام سے کتابوں کا پرانا ذخیرہ (جو ناقابل فروخت سمجھا جاتا تھا) نکل گیا۔ بلکہ کتنی بڑی بڑی ضخیم کتابیں (جو متعدد جلدوں میں تھیں مثلاً تاریخ ہندوستان مولفہ مولانا ذکاء اللہ دہلوی مرحوم) ازسرِ نو چھاپیں۔ اور کالج بک ڈپو سے بھی کالج کو سالانہ رقم دی۔ لاہور کے قیام (تا اگست سنہ ۱۹۰۹ء)

کے زمانہ میں موصوف وہاں کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن مرکزی شاخ پنجاب اور علی گڑھ اور وہاں کی
انجمن اردو کے اسسٹنٹ سکریٹری رہے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کی پچاس سالہ طلائی جوبلی
کے موقع پر وہ "اردو کانفرنس" اور "مسلم پریس کانفرنس" کی مجالس استقبالیہ کے صدر ہوئے۔ اردو
کانفرنس کے اجلاس عام کے صدر نواب صدر یار جنگ اور پریس کانفرنس کے فنا فی القوم مولوی
بشیر الدین صاحب اٹاوہ تھے۔ عجب اتفاق ہے کہ جوبلی کا اجلاس موصوف کے خطبہ (اردو کانفرنس)
سے شروع اور انھیں کے خطبہ (پریس کانفرنس) پر ختم ہوا۔ اور لندن ٹائمز نے بھی خاص طور پر حوالہ
انھی کانفرنسوں کے خطبوں کا دیا۔ موصوف کو انگریزی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کا
ماشاء اللہ بڑا ملکہ ہے چنانچہ بعض اوقات یہ لطیفہ پیش آیا کہ اصل انگریزی کے مقابلہ میں
ان کے ترجمہ کی سلاست اور روانی سے اچھے اچھوں کو ترجمہ پر اصل کا دھوکا ہوا۔ آل انڈیا
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سلسلہ کی مشہور کمال یار جنگ کمیٹی کی طویل رپورٹ کے ترجمہ سے خود
کانفرنس کا اشاعت خانہ قاصر رہا۔ تو انھوں نے کانفرنس کے سینتیسویں اجلاس منعقدہ پونا (سنہ ۱۹۲۶ء)
میں پیش ہونے کے لئے اس کا اردو میں ایک نشست میں ترجمہ کر دیا۔ "شروانی سیریز"
کے نام سے پندرہ سولہ چھوٹے بڑے رسالے نکالے ہیں جن میں عقاید اسلامیہ میں چار رسالوں
کا سٹ "الایمان" کے نام سے بہت مقبول ہے۔ اور بلاد اسلامیہ کے ہندوستانی گھروں
اور ننھیال اور ماں باپ تک جا پہنچا ہے۔ یہ سلسلہ نواب سر مزمل اللہ خاں کے نام سے معنون
ہے۔ پیسہ اخبار کے تعلق کے زمانہ میں اخبارات عالم کی فہرست مرتب کی جو بہت مشہور اور
مقبول ہوئی۔ جب سنہ ۱۹۳۳ء میں مسلم یونیورسٹی نے عام علم و فہم سے خارج وجوہ کی بنا پر مسلم
یونیورسٹی پریس کو (فروخت کیا) اور بند ہو گیا تو موصوف نے فوراً ہی اپنا ذاتی پریس "شروانی
پرنٹنگ پریس" کے نام سے جاری کیا جس نے اپنی چند سالہ حیات میں علاوہ اور کتابوں کے
سب سے زیادہ معرکہ کی اعظم کتاب "بشریٰ" چھاپی جو مشہور عالم (سر سید مرحوم کے استاد)
مولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی مرحوم نے بیس سال کی طویل مدت میں لکھی تھی۔ مگر باوجود سالہا
سال کی (ان کی اور ان کی اولاد کی) سعی پیہم کے چھپی نہ تھی۔ یہ کتاب رسول اللہ صلعم کے متعلق
صحف انبیائے سابقین کی پیش گوئیوں کے متعلق اصل عبرانی الفاظ سے مرتب ہوئی ہے۔

اور خداوند تعالیٰ نے شروانی پریس کو اس کمال کا فخر عطا فرمایا کہ اصل عبرانی حروف کی
عبارتیں (جو کتاب میں نہایت کثرت سے ہیں) ایسی صحت و درستی سے نقل کی ہیں کہ جن چند
واقفوں نے یہ دیکھی ہیں انھوں نے حیرت کی ہے۔ اور آپ سے صرف ذات مبارک صلعم کا تصنیف
قرار دیا ہے۔ یہ کتاب دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں بھی یورپ اور امریکہ میں شائع ہوتی رہی۔
مسلم یونیورسٹی پریس فروخت ہو جانے کے بعد سلطنت افغانستان کی طلب پر جو ماہرین تعلیم
(سید راس مسعود، ڈاکٹر اقبال مرحومین اور سید سلیمان ندوی) کابل گئے تو علی گڑھ سے علمی
کارناموں کی سند کے طور پر حاجی صاحب موصوف کا چھاپا ہوا کلیات خسرو کا آٹھ کتابوں کا سٹ لے گئے اور اس کے
بعد سید ظفر عمر مرحوم کی سرکردگی میں جو ہاکی ٹیم یونیورسٹی سے کابل گئی وہ شروانی پرنٹنگ پریس کی چھپی ہوئی
(لٹریچر وغیرہ) لے گئی۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ پریس کے ساتھ تعلق کے شروع ہی میں خود
اپنی چند کتابیں (اپنے صرف سے چھپی ہوئی) پریس کو بلا معاوضہ دے کر بک ڈپو جاری کیا جو اس وقت تک
نہایت کامیابی سے چلا اور پریس کو کئی ہزار سالانہ کی آمدنی دیتا رہا کہ یونیورسٹی بک ڈپو کا آنریری کام مولوی صاحب موصوف کے سپرد
تھے۔ اور یونیورسٹی بک ڈپو اور پریس کا مقابلہ ہونے لگا تھا۔ اور یونیورسٹی بک ڈپو کے اس وقت کے پیلڈ
منیجر مسٹر عبدالکریم فاروقی بی اے (علیگ) مرحوم کی درخواست پر یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد
(وائس چانسلر، ٹریژرر، پرو وائس چانسلر) اس پر مجبور ہوئے کہ پریس بک ڈپو کو ختم یا بند کر دیا۔
شروانی پرنٹنگ پریس کے ساتھ مولوی صاحب نے شروانی بک ڈپو بھی جاری کی جو خدا کے
فضل سے اب تک کام کر رہی ہے۔ موصوف آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں کے
شرکا میں بھی بہت قدیم ہیں۔ پندرہ سال کی عمر میں ۱۸۹۲ء کے اس اجلاس میں شریک تھے
جو سید صاحب مرحوم کی حیات میں علی گڑھ میں ہوا اور جس میں سید راس مسعود مرحوم کی بسم اللہ کی
رسم بے نظیر شان کے ساتھ ادا ہوئی۔ ۱۹۰۹ء میں علی گڑھ آنے کے بعد ہی اس کی مجلس منتظمہ
کے رکن بنائے گئے پھر اس کے بعد مجلس عاملہ کے بھی رکن ہو گئے۔ اور تین سال (۱۹۲۹ء-۱۹۳۱ء)
کی ایک مدت میں اس کے شعبۂ تعلیم نسواں کے آنریری سکریٹری رہے۔ اور مردانہ وار خدمات
انجام دیں۔ اس حیثیت سے اس کے اجلاس دسمبر ۱۹۳۹ء (کلکتہ) اور دسمبر ۱۹۴۰ء (پونا)
میں اپنی جو رپورٹیں پیش کیں اور جن کو اپنے ذاتی خرچ سے چھاپا اور شائع کیا وہ تعلیم نسواں

کے اسلامی نقطۂ نظر سے بجائے خود قابل مطالعہ ہیں۔ مگر کانفرنس کی تاریخ کے اس دور کی دفتری چیرہ دستیوں کی بدولت دوسرے بہت سے بہی خواہوں کے ساتھ "دودھ کی مکھی" بنائے گئے۔ شاعری میں بھی بہت کچھ دم بھرتے ہیں۔ جیسے والد مرحوم کا نام مستجاب اور تخلص مقبول تھا۔ اسی طرح آپ مقتدیٰ نام کی مناسبت سے (کبھی کبھی) رہبر "تخلص" باندھتے ہیں۔ مگر معلوم نہیں "کسراره بری کند" !؟ اور اس قسم کے شاعر ہیں جو بزعم خود "تلامیذ الرحمٰن" اور بعرف عام "خود درد" کہلاتے ہیں یعنی بے استادے (گویا "بے پیرے") کبھی کبھی فارسی میں بھی لمبی لمبی نظمیں لکھتے ہیں۔ بہرحال حالی مرحوم کا یہ شعر ان کے حال پر بہت ہی خوب چسپاں ہے ؎

ہیں ہماری مدح کے پیروجواں امیدوار
اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ وگدا

انھوں نے دوسرے فاضل مصنفوں کی بہت سی تصنیفات وتالیفات پر دل چسپ مقدمات بھی لکھے ہیں۔ اور متعدد تالیفات میں شرکت بھی کی ہے۔ مثلاً اردو کی اب تک کی واحد مبسوط لغت فرہنگ آصفیہ کے آخری ایڈیشن کے طبع کے وقت نظر ثانی اور اضافہ لغات کی خدمت انجام دی۔ اور سنسکرت اور ہندی الفاظ ہندی حروف میں اپنے قلم سے لکھے جس کا ثبوت یہ مولف فرہنگ مولوی سید احمد دہلوی کا لکھا ہوا چھپا ہے۔ نواب محسن الملک مرحوم کی سب سے پہلی سوانح عمری جو پیسہ اخبار نے چھاپی اس پر نظر ثانی اور اضافہ مطالب کیا۔ اور "حیات جاوید" (حیات سرسید) کے مقابلہ میں "حیات جاودانی" نام بھی انھی نے تجویز کیا۔

بعض اوقات معلمی بھی کی۔ مثلاً شروانی اسکول چھبرہ کی آنریری ہیڈ ماسٹری۔ اور اس زمانہ میں چودھری احمد اللہ خاں اور عبد المقیت خاں جیسے "ملکوت" کے "معلم" بنے۔ ایک انگلش مشنری لیڈی مس بیگل کو بلا معاوضہ اردو کی تعلیم دی۔ اور اس سے شکریہ میں مقدس بائبل کا ایک عمدہ نسخہ حاصل کیا جس پر اس کے اپنے قلم کی تحریر "اکتوبر ۱۹۰۳ء" کی ہے۔ لاہور کے قیام کے زمانہ میں ایک مسلمان مہتر (بھنگی) کو اپنے پاس چارپائی کی پائینتی بٹھا کر انگریزی پڑھاتے رہے۔ اور پڑوسیوں کے احتجاج کی کچھ پروا نہ کی۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نو سَو کی تعداد پوری کئے بغیر ماشاء اللہ دو بار حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔
پہلی بار ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) میں نواب صدر یار جنگ بہادر اور حاجی عبدالکفیل خاں کی معیت میں
اور اپنی بڑی ہمشیرہ کنیز فاطمہ مرحومہ کو لیکر اور دوسری بار ۱۳۴۸ھ (۱۹۳۰ء) میں تنہا۔
باوجود پیرانہ سالی و کہن سالگی ماشاء اللہ اپنے کاروبار اور مشاغل میں بدستور
مستعد ہیں۔

آخر میں ہم چند واقعات (نہایت اختصار کے ساتھ بلکہ محض اشارۃً) ایسے بھی
خود بیان کرتے ہیں جن سے ان کی اخلاقی جرأت اور دور بینی پر روشنی پڑے گی۔
ایم اے او کالج اور مسلم یونیورسٹی سے ان کا تعلق ۱۹۰۹ء سے ۱۹۳۶ء تک پورے
ستائیس سال رہا جو ظاہر ہے کہ ملازمت یا "بندگی و بیچارگی" کا تھا۔ مگر انھوں نے محض
قومی خدمت سمجھ کر انجام دیا۔ پریس اور اخبار کو مالی اور اخلاقی حیثیت سے کہاں سے کہاں
تک ترقی دی۔ مگر اپنی تنخواہ کی ترقی کا کبھی مطالبہ نہ کیا۔ چنانچہ وہ دور چند (یعنی آخر تک)
دو سَو ۲۰۰ سے نہ بڑھی۔ یہاں تک کہ (ہم بھی نے دیکھا کہ) رہنے کے لئے ایک مکان تک نہ ملا۔
کیوں کہ جس مکان میں وہ ٹٹیاں لگا کر بیٹھے رہتے وہ درحقیقت کسی موسم کے بھی آرام کا
نہ تھا۔ کیوں کہ سکونت کے لئے بنایا ہی نہیں گیا تھا۔ بلکہ محض دفتری اغراض کے لئے تھا
اور اس بے نفسی کے باوجود اپنے فرائض ایسی یک جہتی کے ساتھ انجام دیئے کہ باوجود اسکے
ایک زمانہ میں سرکار حضور نظام ان کو معقول مالی امداد ذاتی پریس قائم کرنے کے لئے دے رہی
تھی مگر یونیورسٹی سے تعلق کے ساتھ اسے اختیار کرنا انھوں نے دیانت کے خلاف سمجھا۔ اور اس
واقعہ کے شاہد اب بھی مل جائیں گے کہ جب ۱۹۱۷-۱۸ء میں کالج کے آنریری سکریٹری سے
اختلاف ہوا تو مسٹر (بعدہٗ مولانا) محمد علی مرحوم نے ان کو دہلی میں (سلسلہ کامریڈ و ہمدرد اخبار و پریس اور بااضافہ تنخواہ)
اپنے ساتھ کام کرنے کے لئے ہر چند بلایا مگر انھوں نے علی گڑھ کے آستانہ کو چھوڑ کر دہلی کے
کاشانہ کا رخ نہ کیا۔ محمد علی کی چٹھیاں ان کے پاس اب بھی موجود ہیں۔ اگر وہ اس وقت اس
پیش کش کو منظور کر لیتے تو شاید آج عرف عام کے بہت بڑے آدمی ہوتے۔ مگر

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

بفضل اللہ مالیتاً خود مختار تھے۔ دوسرے سے بڑے سے بڑے افسر کی جس رائے کو اپنے فرائض کے سلسلے میں قومی مفاد کے خلاف سمجھا اُسے کبھی نہ مانا۔ اور اس وجہ سے ۱۹۱۷-۱۸ء میں کالج کے آنریری سکریٹری اور ۱۹۲۵-۲۶ء میں اور پھر ۱۹۳۶-۳۷ء میں یونیورسٹی کے وائس چانسلروں سے اُن کی جو مہابھارت ہوئی وہ ایک افسانۂ بیداری آور ہے۔ علیٰ ہٰذا آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے معاملات میں وہ کانفرنس کے آنریری سکریٹری تھے اس کے وائس چیرمین اور چیرمین (یعنی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی) کے مقابلہ پر جس طرح یکہ و تنہا اڑے اور لڑے اس کے بہت سے شاید اب بھی بھول سکیں گے۔

پھر باوجود یہ کہ وہ ایک اوسط درجہ کے پشتینی زمیندار تھے، مگر اپنے باپ کے بعد بھی وہ اپنے اسی پیشہ میں لگے رہے جو انھوں نے زمینداری کی موجودگی میں بعد باپ کے سامنے ہی سے اختیار کر رکھا تھا۔ اور یہی اصول انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بھی مدِ نظر رکھا۔ جیسے ہم انھی کی اس تصنیف سے نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے دو جواں مرگ بچوں کے مرثیوں کے طور پر (۱) صبرِ جمیل بیانِ رحلت احمد کفیل اور (۲) دفعِ الصدور بیانِ رحلت محمد منظور کے نام سے) لکھی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے ؎

سب کی تعلیم کا بس ایک رکھا میں نے اصول
اور لگا دینا پھر کسب جو سب کا معمول
دین سے دل میں خدا ہو (کہ وہ دل شاد رہیں)
دنیوی کسب میں خدمت نہ ہو، آزاد رہیں

ان دو شعروں کی تفسیر یہ ہے کہ انھوں نے ماشاء اللہ اپنے نو بچوں (سات لڑکوں اور دو لڑکیوں) میں سب کو کسی نہ کسی پیشہ (ڈاکٹری اور سلیمن شپ اور الکٹرک اور دوسری سے نقش دوزی یا دیہاتی زبان میں چمبن ٹانک) کی تعلیم دلائی۔ عام تعلیم صرف دینیات اور اردو، فارسی، عربی اور انگریزی (حتیٰ کہ اب ہندی بھی) کی بقدرِ کفایت تک محدود رکھی۔ بچیاں کتابی تعلیم کے علاوہ خانہ داری کے کاموں میں ماشاء اللہ کافی سلیقہ مند ہیں۔

سینے پرونے، زردوزی، کشیدہ کاری، بید، نرلی، موبخ کی دست کاریوں کی عملی مشق رکھتی ہیں۔ ہر قسم کے کپڑوں کی دھلائی بہت صفائی سے کرتی ہیں۔ ابتدائی نقاشی اور چمن بندی میں بھی درک ہے۔ بچے علاوہ (اپنے اپنے مخصوص پیشوں کے ایک سے زیادہ دوسرے فنون میں بھی دلچسپی (بلکہ خاصی مہارت) رکھتے ہیں۔ مثلاً مصوری، نجاری، ٹائپ رائٹر، شارٹ ہینڈ، رکابی / دھلائی، سلائی کا کام بچے بھی کر لیتے ہیں۔ گھر کے سب چھوٹے بڑے گھر کا سارا چھوٹا بڑا کام بے تکلف اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ کاش ہمارے خاندان کے تمام صاحب اولاد اصحاب اپنے بچوں کو اپنی طرف سے یہی طرز معاشرت اختیار کراتے اور پھر ان کو خدا کی تقدیر اور ان کی تدبیر کے حوالے کرتے اور ان کو ذوق مرحوم کے ساتھ یہ کہنے میں ہم نوا بناتے کہ

قسمت سے تو ناچار ہوں اے ذوق، دگرنہ
ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

حبیب خاں کے منجھلے بیٹے علامہ مرتضٰے خاں کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے **احمد علی خاں** تھے۔ یہ سپاہی منش شہسوار، تادر انداز اور حوصلہ مند تھے۔ چھوٹے **حاجی مغفور اللہ خاں** تھے اور چونکہ بڑے بھائی کے علاوہ چار بہنوں کے بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے گھر میں "ناچھو خاں" کہلاتے تھے۔ شروع ہی سے بڑے ذکی (ذہین) طرار تقار تھے۔ بڑے باپ (حاجی محسن علی خاں) از راہ فرط محبت ان کو محب اللہ کہتے تھے جو اس زمانہ میں کول (علی گڑھ) کے چوٹی کے وکیل تھے۔ خاندان شروانی میں اپنی معاملہ فہمی کے لحاظ سے فرد تھے۔ چنانچہ عبد الشکور خاں (منجھلے خاں صاحب) کے دست راست اور مشیر با تدبیر تھے۔ عربی سے واقف نہ تھے۔ البتہ فارسی کا علم ہموار رکھتے تھے۔ اور اس زمانہ کے رواج کے خلاف وانگی کی صرف ونحو پر کامل عبور تھا۔ اپنا مکتب جدا جاری رکھتے تھے۔ اور گھر کے بچے بچوں کو خود کتابیں تصنیف کر کے اور اپنے ہاتھ سے لکھ لکھ کر ابتدائی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ اپنے بیٹے ظفر حسن خاں اور پوتوں تصدق احمد خاں، نثار احمد خاں، شاکر اللہ خاں، حاجی علی خاں کو فارسی کی ابتدائی تعلیم خود دی۔ البتہ عربی کے لئے مولوی رکھے۔ اور شروانی اسکول جب قائم ہوا تو ان سب کو وہاں داخل کیا۔ چنانچہ شروانی اسکول کی بسم اللہ کرنے کے لئے اگست ۱۸۹۷ء میں سب سے پہلے انہی کی پیٹھ لگی۔ منجھلے خاں صاحب (عبد الشکور خاں) کے ساتھ حج کیا۔ واپسی میں یہ اور

اور اُن کے بھتیجے اور داماد حاجی کفایت علی خاں لتنے عابد تھے کہ محض پوست و استخوان رہ گئے تھے مگر خدا کے
گھر سے زندگی لے کر آئے تھے کہ حاجی منور اللہ خاں فروری ۱۹۱۷ء اور حاجی کفایت علی خاں ۱۹۳۲ء تک
زندہ رہے۔ احمد علی خاں کے دو بیٹے حاجی **کفایت علی خاں** اور **سمیع اللہ خاں** ہوئے اول الذکر فقیر کشی،
پیری فقیری اور اوراد و وظائف کے آدمی تھے۔ عبد الشکور خاں اور حاجی منور اللہ خاں کے ساتھ حج کیا۔ سمیع اللہ خاں
بڑے سخت دار، زیرک، صادق القول و ہوش و گوش کے آدمی تھے۔ انہی نے سب سے پہلے خاندانی شجرہ رسالہ کی
شکل میں ۱۳۰۶ھ میں مرتب کیا جس سے ہم نے مادہ اٹھایا اور جس کا فہرست مآخذ شجرہ والی نامہ میں بھی حوالہ دے دیا
گیا ہے اور جس کے وثوق پر ہم نے شاہ محمد خاں ولی خاں (ابتدائی مورث ان بلوند) کے حالات لئے ہیں۔
نواب صدر یار جنگ مرحوم کے بڑے مخلص بہی خواہ تھے اور نواب صاحب ریاست کے اہم اور پیچیدہ معاملات بھی ان کے
مشورہ کے بغیر یا ان کی رائے کے خلاف طے نہیں کرتے تھے۔ کم گو اور کم آمیز تھے مگر بے تکلف ہو جانے کے بعد
بڑے ہی دلچسپ ثابت ہوتے تھے مثلاً بیچارے اعلام مرتضی خاں کے صورت سے بھی اپنی بیٹیوں کی تنبیہ سمجھتے
تھے۔ بڑے دبنگ اور صاف گو تھے اور ان کے سامنے بڑے بڑے شجرہ خوانوں اور شہد بیدہ سورماؤں کے پتے پانی
ہوتے تھے۔ غیور، باپ سے دور و نفور۔ اپنی اسی صداقت کے سبب سے بڑے بڑے نقصانات اور مصائب [illegible]
کرتے تھے مگر اپنی جبلت سے کبھی نہ ٹلتے تھے۔ آخر سازشوں کا شکار ہوتے اور عید [illegible] اپنے مقبول اپنے
جد الامجاد و سلفاں کی بے دردی سے شہید کر دئے گئے زخمی ہونے کا واقعہ ۱۴ رمضان ۱۳۳۲ھ کو پیش آیا اور ۱۲ ربیع الاول [illegible]

چو در نسل من کشتن آمد نخست
کشندہ نسب کردہ نہش درست

اس ہولناک اور عبرت انگیز حادثہ جانکاہ کے متعلق خاندان کا رویہ یہ ہوا ؎

کون پوچھے ہے حال بسمل کا
خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا

مگر کوئی منتقم بھی ہے جس نے یہ کہا دیا کہ ؎

یہ بیٹا ماکر آج خنجر القلم سے نہیں رہے گا
کہ قاتل کی اس نے جگر تشنہ لب تیغ ہی نہیں رہے گا

اور اصل راز فاش ہو کر رہا ؎

مجھے حیرت ہو گئی اسے جبکہ کشتوں کا خون کیونکر!!
جو چپ رہی گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا!!!

اُن کی کشادیاں ہوئیں جن کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا پہلے سے ملتی ہے۔ (۱) شکر اللہ خاں (۲) جابر علی خاں (۳)
ذاکر علی خاں جوان مرگ اکتوبر ۱۹۱۲ء بعمر تقریباً ۲۵ سال **شکر اللہ خاں** باپ کے سامنے ہی سے گھر کا کاروبار

میں رہے اور اب بھی باپ دادا کی چوکھٹ کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پاکر شروانی اسکول چھرہ میں بھی عربی، انگریزی کی ابتدائی تعلیم پائی۔ بڑے بلند بانگ اور جاہ و جلال کے آدمی ہیں۔ ربط ضبط کی باتوں میں بھی معلوم ہوتا ہے ضبط کر رہے ہیں (کم از کم چھیڑ چھاڑ کھیل رہے ہیں) بقول غالب ؎

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارہ میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت بھی تو ہوتا ہے گماں اور

صابر علی خاں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پاکر شروع ہی سے شروانی اسکول چھرہ میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے مڈل پاس کر کے ایم اے او کالج سے گریجویٹ ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں ایم اے ایل ایل بی کی ڈگریاں بیک وقت لیں۔ اقتصادیات کے مضمون میں اول درجہ پر پاس ہوئے اور "مارلین گولڈ میڈل" حاصل کیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ اقتصادیات سے عملاً اتنے ہی باہر ہیں جتنے علماً اس میں ماہر ہیں۔ مطالعہ کے ہمیشہ سے شائق ہیں۔ چنانچہ طالب علمی کے زمانہ میں بھی پرائیویٹ لائبریری کلاس بھر میں صرف انہیں کی تھی جسے بحیثیت ٹیوٹر ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم نے اپنی رپورٹ میں خاص طور پر نوٹ کیا تھا۔ صوبہ کے لفٹنٹ گورنر کی براہ راست نامزدگی سے سنہ ۱۹۱۳ء میں ڈپٹی کلکٹر ہوئے علی گڑھ سے شروع کر کے کئی ضلعوں میں رہے۔ مستقل سنہ ۱۹۱۴ء میں ہوئے۔ کانپور کے بوقت قیامت ہنگامہ مسجد مچھلی بازار میں وہیں تھے۔ اور جتنے چوٹی کے لیڈر (ازاں جملہ حافظ ہدایت حسین مرحوم) تھے سبھی ان کے ساتھ دوستانہ اور آنے جانے اور کھانے کھلانے کے تعلقات رکھتے تھے۔ مگر ان کی بے لوثی ایسی مسلم تھی کہ ٹائلر جیسے عفریت کلکٹر کو بھی گرفت کا کوئی موقع نہ ملا۔ گورکھپور جو ہندوستان کا سب سے بڑا ضلع ہے (اتنا بڑا کہ اس کی تقسیم پر دو مستقل ضلعوں کے ہیں) وہاں کے بٹوارہ کا بیڑا بڑی قابلیت سے استوار کیا۔ چھٹیاں بڑی کثرت سے لیتے تھے۔ بارہ برس کے زمانہ ملازمت میں (جو دلی کے ایک بستہ کلام کی مدت ہے) ایک سال کی فرلو بھی حاصل فرمائی۔ ساری مدت ملازمت انگریز کلکٹروں کے ساتھ گزاری ——— مگر سوا ایک (شاید نالائق گزرے تھے) سب ہی کے مقابلہ میں استغنیٰ چڑھی رکھتے تھے حتیٰ کہ اگر سوء اتفاق سے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس کی عمر ان کی عمر سے کچھ بڑی ہوتی

تو باوجود "صاحب" اور سائیس کی انتہائی کوشش کے اپنی مشہور صبا رفتار گھوڑی سے اسے نکل
جانے کا موقع نہ دیتے۔ اور اجلاس ہی پر جا کر دم لیتے۔ روزمرہ کے فرائض میں کبھی کلکٹر
کو دخل نہ ہونے دیتے تھے۔ زبانی گفتگو میں کلکٹر یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا: "مسٹر شروانی!
تم سے بحث کرنا بہت ہی مشکل ہے۔" کبھی کبھی کمشنر کو مداخلت کرنی پڑتی۔ مگر کمشنر کا
فیصلہ (مثلاً براؤن رگ جیسے اینگلو انڈین کمشنر کا بھی) ہمیشہ ان کے حق میں ہوتا۔ ایک بار
ایک کمشنر افسر ماتحت کا فیصلہ چکانے آئے تو ان سے گفتگو کے بعد کلکٹر صاحب سے
جس لہجہ میں بات کی اس کی رپورٹ کمشنر صاحب کے اہلِ طلب اردلیوں نے ان الفاظ میں
کی کہ: "سرکار کے اوڑھ آنے کے بعد ہمارے صاحب کلکٹر صاحب پہ بڑے چلّائے۔" اگر
کسی کلکٹر نے اُن کے تبادلہ کی کوشش کی تو کبھی کامیاب نہ ہوا۔ بعض کلکٹر اُن کی بدولت انتظامی صوبہ سے
ہٹائے گئے۔ ۱۹۲۳ء میں لکھیم پور کھیری میں جو حسب معمول کلکٹر سے بگڑی تو استعفیٰ ہی دے بھاگے
اور نہ صرف بزرگوں اور دوستوں بلکہ کمشنر صاحب کے پرزور مشورہ کے باوجود واپس نہ لیا۔

۱۹۲۵ء میں وکالت شروع کی۔ جو چند ہی مہینے میں علی گڑھ میں بہت خاصی چمک گئی۔ بلسبت ذاتی
نفع کے موکل کا زیادہ پاس کرتے۔ آنریری مجسٹریٹوں سے بہت کم بنتی تھی۔ تقریباً سال بھر بعد
نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی بے حد خواہش اور اپنے والد کی ہدایت اور مولوی حاجی محمد
مقتدی خاں صاحب کے مشورہ پر نواب صاحب کے نوخرید مسرز جانسن کمپنی کے کارخانہ کی
منیجری (وکالت کی آمدنی سے بہت کم تنخواہ پر) منظور کر لی۔ اور کارخانے کے تمام بگڑے ہوئے
کل پرزوں کو چلتا کر دیا۔ اور اس کی گئی ہوئی ساکھ واپس لا دی۔ یہاں بھی پٹھن دری
کے دم خم دکھاتے رہتے تھے۔ ایک بار ایک شخص کو ملازم رکھا جو اس وقت کی بگڑی
ہوئی خاندانی فضا کے لحاظ سے نواب صاحب کی صوابدید میں مناسب نہ تھا۔ نواب صاحب نے
پیاماً اس مصلحت کی طرف متوجہ کیا تو دست بستہ (بدستور بالواسطہ) کہلا بھیجا کہ نواب صاحب
ایک فہرست بھیج دیں کہ آئندہ کسے رکھوں، کسے نہ رکھوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ نواب صاحب بھی
"وضعدار" سمجھ کر بزرگانہ لطف کو کام فرماتے۔ اسی دوران میں پانچ سال کی ایک
مدت کے لئے مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی رہے۔ چند سال اپنی قابلیت کا نمونہ

دکھاکر اور مزہ چکھاکر (باوجود نواب صاحب کی شکایت کے) جالسن کمپنی کی منیجری سے مستعفی ہوکر رہے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخاب کے موقع پر کانگریس کی طرف سے کونسل کے امیدوار ہوئے۔ اور اس قوت کے ساتھ کہ ان کے شہرۂ آفاق مقابل کے لئے سو فیصدی کامیابی کا کوئی دُور کا بھی موقع نہ تھا۔ مگر محض نواب صدر یار جنگ بہادر اور نواب مزمل اللہ خاں کی تحریک پر آرام سے بیٹھ گئے۔ ورنہ یقیناً آج کم از کم ریاست (صوبہ) اترپردیش کے نہایت کامروا وزیر مال ہوتے۔ مہینوں کی گفت و شنید کے بعد ایک بڑی خاندانی ریاست کے منیجر ہوئے مگر وہاں بھی "میاں مٹھو" بنے رہے۔ آخر ~

اگر ماند شبے ماند، شبے دیگر نمی ماند

کا مضمون ہوا۔ اور "السلام علیکم، وعلیکم السلام" کے بغیر ہی "مابخیر و شما بسلامت" ہوگیا۔

یہ بالکل واقعہ ہے کہ ان کے رٹائر ("ٹائر") ہو آنے کے بعد عرصہ تک یہ کیفیت رہی کہ جو حکام ان اضلاع میں رہ کر علی گڑھ آتے جہاں صاحب علی خاں رہ چکے تھے تو ان کی "وحشت" کی داستانوں سے کان بھرے ہوئے لاتے۔ اور ان کو تلاش کرکے ان سے ملتے۔ گویا ~

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل!
شہید ناز کی تربت کہاں ہے؟!

اب گوشہ نشین ہیں اور صرف یہ مشاغل رہ گئے ہیں۔ (۱) یاد اللہ (۲) مطالعہ (۳) انسانی شجروں کی (بجائے تخم ریزی کے) پیوندکاری جس کا نتیجہ اب تک یہ ہوا کہ ~

دو کس فتنہ دیدند و آشوب و جنگ — پراگندہ نعلین و پریدہ سنگ
یکے فتنہ دید و راہ برگشت — دگر در میاں آمد و سر شکست

بہرحال دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ انھیں خیر و عافیت سے رکھے اور زمرۂ صالحین میں شامل کرے۔ آمین۔ راقم الحروف اور موصوف کا [illegible] لطف صحبت یادگار۔

سمیع اللہ خاں کے دوسرے بطن (فاطمہ بیگم) سے پانچ لڑکیاں اور تین لڑکے ہوئے۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) خدیجۃ الکبریٰ زوجہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

(۲) امۃ الرحمان زوجہ اولی مسیح الزماں خان ڈھولنہ منوجیہ (۳) منظور فاطمہ لیڈی مزمل اللہ خاں (۴) امۃ السبحان زوجہ مولوی مسعود الرحمٰن خاں حبیب گنج۔ (۵) اسلام اللہ خاں (۶) انعام اللہ خاں۔ (۷) کاملہ خاتون ناکتخدا (۸) حافظ حاجی اکرام اللہ خاں۔

اسلام اللہ خاں اور انعام اللہ خاں خانہ نشین زراعت کے کاروبار میں مشغول ہیں۔ اکرام اللہ خاں نے باپ کے سامنے ہی قرآن شریف حفظ کیا اور محراب سنائی جس سے باپ نے بے انتہا دلی اور روحانی مسرت پائی۔ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں میں عربی پڑھی۔ گورنمنٹ اسکول آف آرٹس لکھنؤ میں زرگری (سناری) کا کام سیکھا۔ کچھ عرصہ لکھنؤ ہی میں کام کیا۔ پھر چند روز (قبل از تقسیم) لاہور میں۔ اب فروری ۱۹۴۸ء سے کراچی میں ہیں۔ اور ماشاء اللہ کامیاب ہیں۔ کراچی ہی کے قیام کے دوران میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے خداوند تعالیٰ برکت دے۔ آمین۔

ان بھائیوں کی شادیوں اور اولاد کا حال شجروں سے معلوم ہوگا۔

شکر اللہ خاں کے بچوں میں **شاکر علی خاں** نے بی اے کیا۔ اور کچھ دن ایم اے میں بھی پڑھا۔ اور اس تعلیم کے دوران میں تقریباً ایک "دورہ" (تین چار سال) کے قریب مولانا سلیمان اشرف صاحب کی مشہور تفسیر کلاس میں نہایت باقاعدہ حاضری دی۔ انگریزی حکومت ہی کے زمانہ میں فوجی دفتر میں ملازم ہو کر دہلی میں رہے۔ اب فروری ۱۹۴۸ء سے راولپنڈی میں اسی صیغہ میں ہیں۔ ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں جن کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔

ناظر علی خاں نے ایف اے تک تعلیم پائی اور وہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ اسی دفتر میں ہیں۔

ان دونوں بھائیوں کی تکمیل تعلیم میں ان کے ماموں مولوی حاجی محمد مقتدی خاں شروانی کی دلچسپی اور شفقت کا بڑا دخل ہے۔

لڑکی نادرہ خاتون دلہن نواب بدن خاں حسن پور کے چھوٹے بیٹے حاجی فصیح اللہ خاں سے منسوب ہے۔ اور ماشاء اللہ کثیر الاولاد ہے۔

صابر علی خاں کے بچوں میں جعفر علی خاں مکتبی فارسی کی تعلیم کے بعد اپنے والد کے زیر سایہ ہیں۔ لڑکی ثوبیہ خاتون اپنے شوہر (مسٹر شاکر علی خاں) کے ساتھ راولپنڈی ہے۔ اور چھوٹا لڑکا ناصر علی خاں میٹرک کے بعد مشغول تلاش روزگار (جاب ہنٹنگ) ہے۔ ماشاء اللہ گریجویٹ ہے۔

مبارک الرحمن عرف چاہت میاں کا میٹرک کے بعد پاکستان کا عزم ہو رہا ہے۔ خداوند تعالیٰ سب کو فائز المرام کرے۔ آمین۔

مولوی ظفر حسن خاں

حاجی مغفور اللہ خاں کی پانچ بیٹوں اور دو بیٹیوں میں ایک **مولوی ظفر حسن خاں** تھے جو چار بہنوں اور ایک بھائی (شبیر حسن کم سن فوت) سے چھوٹے اور ایک بہن (بتول فاطمہ زوجہ حکیم الیاس خاں) سے بڑے تھے۔ ان سب کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔ محرم ۱۲۹۹ھ کی پیدائش تھے۔ نام تاریخی تھا۔ فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم گھر پا کر ۱۸۹۷ء میں شروانی اسکول چھرہ میں داخل ہوئے۔ کچھ روز عربی کے ساتھ انگریزی پڑھ کر اور پھر انگریزی پر لعنت پڑھ کر صرف عربی کو سر لے لیا۔ مولانا بشیر احمد (ہیڈ مولوی) سے صرف عربی پڑھتے رہے۔ اور جب مولوی صاحب ممدوح شروانی اسکول سے قطع تعلق کر کے حسن پور (ضلع مراد آباد) گئے تو وہاں بھی ساتھ گئے۔ اور انہی کے ساتھ علی گڑھ واپس آ گئے۔ اور یہاں حافظ مفتی محمد عنایت اللہ (خلف دوم حضرت مفتی محمد لطف اللہ) سے تکمیل کی۔ عربی سے فارغ ہو کر انگریزی کی ابتدائی تعلیم مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی سے حاصل کی۔ اور ان کو عربی کی صرف نحو تمام کرائی۔ بڑے خلیق، بامروت، علم دوست، خانگی معاملات میں محتاط تھے۔ شروانی اسکول کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی رہے۔ شروانی خاندان کے حالات اور شجرات سے آخر عمر میں بڑی دلچسپی ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حافظ حاجی عبدالجمیل خاں سے مل کر بہت قابل قدر کام کیا۔ بہت ملنسار اور اپنی خوبیوں کے سبب سے بہت ہر دل عزیز تھے۔ تین شادیاں کیں۔ تینوں سے اولادیں ہوئیں جن کا حال شجروں سے معلوم ہوگا مگر مشیت الٰہی کہ دنیا سے لاولد گئے۔ جو جائداد باپ سے ترکہ میں پائی وہ بیویوں اور ایک بہن نے ان کے حق میں دست برداری کے ذریعے ان کو دی اور جو چھوٹی بہن کا ترکہ [illegible]

خود پیدا کی، یہ سب ملاکر نومبر ۱۹۲۸ء میں بذریعہ اقرارنامہ رجسٹری شدہ وقف علی الاولاد اور درصورت اولاد نہ ہونے (یا نہ رہنے) کے کل کا مالک بحصہ مساوی (۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ (۲) دارالعلوم دیوبند (۳) ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ (۴) انجمن حمایت الاسلام لاہور کو قرار دیا۔ اور تکمیل وقف کے لئے ضروری اسٹام بھی خرید لیا۔ یہ زمانہ ان کی علالت کا تھا بغرض علاج حکیم الیاس خاں کے پاس دہلی گئے۔ اور خیال تھا کہ وہاں سے واپسی پر تکمیل وقف کریں گے۔ مگر ۱۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو دہلی میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ جنازہ باونہ آیا۔ اور حسب وصیت آبائی گورستان سے باہر (مگر بالکل متصل) اپنے تعمیر کردہ عیدگاہ کے پردہ کی دیوار کے پیچھے دفن ہوئے۔ انتقال سے چند ہی روز بعد (تقریباً سال بھر کے اندر) بہن بتول فاطمہ اور بیوہ فاروقی بیگم کے مقابلہ میں وقف کا معاملہ کھڑا ہوگیا جس کے مقدمۃ الجیش سمیع اللہ خاں شہید تھے۔ پورے بارہ برس (۱۲) معاملہ ادارات موقوف علیہم کے مابین زیرغور رہا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۰ء کو باضابطہ دائر عدالت ہوا۔ مگر عدالت کی رائے میں عدم تکمیل کی بناپر خارج ہوا۔ اور ۵ جنوری ۱۹۴۳ء کو ہائی کورٹ الہ آباد میں دائر ہوکر پورے دس سال کے بعد ۹ اگست ۱۹۵۲ء کو وہاں سے وقف کے خلاف طے ہوا۔ مگر اب یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ زمیندار تھے نہ زمینداریاں ؎

سرے کو سر قتل و تاراج داشت | سحر گہ نہ تن سر نہ سر تاج داشت
بیک گردش چرخ نیلوفری | نہ نادر بجا ماند و نے نادری

اب ہم باونہ کی شاخ دوم پر آتے ہیں جس کے مورث **خدابخش خاں** (ابن رشید خاں۔ اور خرد نجیب خاں) تھے۔ خدابخش خاں کے ایک پوتے **اسد علی خاں** تھے۔ یہ بڑے باغ و بہار بزرگ تھے۔ بڑدل تک کو ان سے بڑا لطف رہتا تھا۔ اپنے کنبہ (اہل باونہ) سے بہت گرویدگی رکھتے تھے۔

اُن کے دو بیٹوں میں سے چھوٹے **حاجی عبدالرشید خاں** (والد شروانی برادرز) تھے۔ یہ بھی اپنے والد کے مثل بہت خوش مزاج تھے خاندانی سلسلوں پر بھی گو نہ عبور تھا۔ والدہ اور خوشدامن (والدہ احمد سعید خاں بربرہ) کو ساتھ لے کر حج کیا۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سب القاب اولین اور نہایت عقیدتمند مریدوں میں تھے۔ دو بیٹوں (تصدق احمد خاں و نثار احمد خاں)

باوجود یکہ گاندھی جی کو بھی اُن سے خاصہ لگاؤ تھا۔
کے نام حضرتؒ ہی کے تجویز کردہ تھے۔ مگر انھوں نے اپنی زندگی آخر تک مثل سالق شریفانہ
خدا نے تینوں بیٹوں کو اتنا عروج دیا، اور بلونہ ہی کی تنگی
سادگی کی رکھی۔ بیٹوں میں سے کسی کے پاس کبھی رہنے کی طرح نہ رہے۔ (بلکہ داغ) لہا مزار خاندانی اور
کو بڑے رہے۔ سمیع اللہ خاں کے واقعہ کا دل پر برا ہی اثر (بلکہ داغ) رہا۔ ایسے خوش قسمت تھے
آبائی قبرستان سے باہر آبادی میں مکان مسکونہ کے قریب ہے۔ ا

کہ الٰہی صاحب نصیب اولاد پائی ؎

قاروں ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت

اُن کی پہلی اولاد **تصدق احمد خاں** تھے جن کی زندگی کے دوسرے واقعات کے ساتھ
یہ غیر معمولی و غیر عادی واقعہ بھی یاد رکھے جانے کے قابل ہے کہ بطن مادر میں (بجائے عام و عادی نو
ماہ کے) بارہ ماہ یا ایک سال رہے۔ فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پاکر شروع ہی سے شروانی
اسکول چھترہ میں داخل ہوئے علوم میں منطق سے خاص مناسبت تھی چھترہ سے فارغ ہو کر مدرسۃ العلوم
علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ اور بی اے تک تعلیم جاری رکھی۔ اس دوران میں یونین کے سکریٹری اور فٹ بال
کی فرسٹ الیون کے مشہور اور بے نظیر گول کیپر تھے تعطیلوں میں انجمن الفرض کے چندہ کے لئے
وفدوں کی سربراہی کرتے تھے۔ ان اسباب سے ان کی واقفیت (بلکہ دوستی) طالب علمی
ہی کے زمانہ سے (نیز آگے بڑھنے اور آگے رہنے کی خداداد قابلیت کی وجہ سے) سربرآوردگانِ
قوم سے ہو چلی تھی۔ اور کتنے لوگ جو بعد کو خود بھی بڑے ہوئے (مثلاً عبد الرحمٰن سندھی و کنبوہ ی و
ڈاکٹر محمود مرحوم وغیرہ وغیرہ) ان کے معاصر تھے خیالات شروع ہی سے آزادی کے تھے چنانچہ
شروانی اسکول چھترہ میں طلبہ نے شورش اور ہڑتال کی تو اس میں سب سے آگے ہوئے ؎

کچھ رنگ جوانی میں نہیں عشق کا چمکا
طفلی میں بھی ہم کھیل جو کھیلے تو صنم کا

سنہ ۱۹۰۷ء میں بعہد نواب محسن الملک مرحوم کالج میں اسٹرائک ہوئی تو اس میں بھی پیش پیش تھے۔
شادی سنہ ۱۸۹۸ء میں شروانی اسکول کی طالب علمی ہی کے زمانہ میں (اپنے ماموں احمد سعید خاں کی بیٹی

کے یہاں) ہوگئی تھی۔ کالج سے بی اے پاس کئے بغیر ۱۹۰۹ء میں ولایت چلے گئے۔
اور تقریباً دو سال بعد ۱۹۱۲ء میں بیرسٹری کی ڈگری لے کر اور "مسٹر ٹی اے کے شروانی"
ہو کر واپس آئے۔ باوجودیکہ شادی سے بیس ۲۰ سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اور ڈاکٹری
مشوروں نے بی بی کو بھی ناقابل قرار دے دیا تھا، "تاہم تمام جوانی (بلکہ تمام عمر) بی بی کے ساتھ
مردانہ وفاداری کے ساتھ گزاری۔ شادی سے تقریباً بیس ۲۰ سال بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور
ظاہر ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب امید ہوئی تو اگرچہ وہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح یہ تو نہ کہہ
سکتے تھے کہ "قد بلغت من الکبر عتیا" (میں بڑھاپے سے اکڑ تک گیا ہوں) لیکن ان کا
یہ سوچنا بے جا بھی نہ تھا کہ "امرأتی عاقرہ" (میری بی بی بانجھ ہے)۔ لیکن اصل یہ ہے کہ
تصدق احمد خاں کو لڑکی دینے والا خدا وہی خدا تھا جس نے حضرت زکریا ع کو یحییٰ ع بیٹا دیا تھا۔ لڑکی کی
شادی ان کے بعد حاجی حبیب الحسن خاں ڈھولت کے ساتھ ہوئی۔ بیرسٹری میں اپنے پیشے کے لحاظ سے
انھوں نے جلد ترقی کرنا شروع کی۔ اور ساتھ ہی سیاسی تحریکات میں بھی گاندھی جی، پنڈت موتی لال
نہرو اور مسٹر محمد علی کے ساتھ رہے۔ اور نان کو اپریشن کر کے بیرسٹری بھی چھوڑ دی۔ اور ایک
سے زیادہ مرتبہ جیل بھی گئے اور ایک مہربان مسلمان مجسٹریٹ کے اجلاس سے سزا پائی۔ جیل سے چھوٹنے اور
نان کو اپریشن کا زور ٹوٹنے کے بعد انھوں نے پھر بیرسٹری شروع کی۔ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ چھوڑ کر ہائی کورٹ الہ آباد میں کامیاب
وکالت شروع کی۔ ۱۹۲۶ء میں مرکزی قانون ساز مجلس کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۵ء
میں مرکزی قانون مجلس کے صدر کے عہدہ کے لئے تجویز ہوئے۔ تو انھیں اپنے امیدوار
کے مقابلہ میں ناکام کرنے میں انگریزی گورنمنٹ کو اتنی مصیبت پیش آئی کہ بعض جاں بلب
دوسرا سٹریچر پر ڈال کر ووٹنگ بوتھ پر ڈالے گئے۔ [illegible] مستقل مزاج اور [illegible]
تو انڈین نیشنل کانگریس کے سکریٹری بھی رہے۔ خون کی ریاضت کے عارضہ کے علاج کے
لئے یورپ بھی گئے۔ تان پور نگریا (ضلع ایٹہ) کے مشہور کارخانہ شکر سازی کی بنیاد
بھی انھی کی ڈالی ہوئی ہے۔ اور وہ اپنی زندگی میں ان بنیادوں کو کافی اونچا اٹھا چکے تھے۔
مرکزی اسمبلی کے اجلاس کے سلسلہ میں دہلی میں تھے کہ گردن توڑ بخار کا حملہ ہوا۔ اور باوجود
انتہائی اور بہترین طبی کوشش کے جاں بر نہ ہو سکے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔

چنانچہ مرض کی شدت میں ڈاکٹر انصاری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو انھیں خسروؒ کا یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

بلبم رسیدہ جانم، تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم، بچہ کار خواہی آمد؟

جوان عمری میں جمعرات جمعہ کی درمیانی شب میں انتقال ہوا جنازہ علی گڑھ آیا۔ نماز جنازہ شہر کی جامع مسجد میں ہوئی۔ اور یونیورسٹی کے گورستان میں دفن ہوئے۔ علاوہ یونیورسٹی کے طلبا اور اسٹاف کے عام لوگ (بلا تفریق مذہب و ملت) نہایت کثرت سے شریک تھے۔ بلکہ ہندو بھی برابر کندھا دیتے چلتے تھے۔ والد کا خیال تھا کہ جنازہ نماز کے بعد بلوند جائے۔ مگر یونیورسٹی کے اسٹاف اور طلبہ کے بے حد اصرار سے نہایت با دل ناخواستہ مجبور ہو گئے۔ اور اصل یہ ہے کہ مٹی یہیں کی تھی "منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخریٰ" لے ان کے منجھلے بھائی

مسٹر نثار احمد خاں شروانی

بی اے ایل ایل بی ہیں۔ یہ بھی گھر پر فارسی عربی پڑھ کر شروع ہی سے شروانی اسکول میں داخل ہوئے۔ اور علی گڑھ کالج سے بی اے کی ڈگری لی جس کے بعد سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اور ابتدائی تعیناتی علی گڑھ ہی میں ہوئی۔ بعدہٗ بعض اضلاع میں سلسلہ ملازمت سرکاری ہمارا ان کا اور مرتضیٰ علی خاں کا لگڈا رہا۔ کالج کی طالب علمی کے زمانہ میں اگرچہ مثل اپنے بڑے بھائی کے مطالبات کی تحریکوں میں مقدمۃ الجیش تو نہ ہوتے تھے، مگر پس خیمہ برداروں میں کسی سے پیچھے کبھی نہ رہتے تھے چنانچہ سنہ ۱۹۰۷ء میں پروفیسر براؤن اور طلبہ سے جو گرچواسٹیس لان پر دو بدو سخت کلامی ہوئی اس کے بانی یہی تھے تصدق احمد خاں کے جیل میں بند ہونے کے زمانہ میں سنہ ۱۹۲۱ء میں انھوں نے بھی استعفا دے دیا۔ اور ایک دھواں دھار تقریر کر کے جیل بھی گئے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں جیل سے نکل کر ایل ایل بی کیا۔ اور کچھ دن علی گڑھ میں وکالت کی۔ چند روز لکھنؤ کے میونسپل بورڈ کے سپرنٹنڈنٹ رہے جس کے بعد ضلع الہ آباد کے کارخانہ شکر سازی کے پانچ سال تک منیجنگ ڈائرکٹر رہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء کے انتخاب میں کانگرس کی طرف سے صوبہ کی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور وزیر زراعت مقرر ہو گئے۔ جس سے اگست سنہ ۱۹۵۱ء میں مستعفی ہوئے۔ اور آجکل مان پور نگریا کے کارخانہ شکر سازی کے

شکر سازی کے]

منیجنگ ڈائرکٹر ہیں۔ اور ہندوستان بھر کی شکر سازی کی سرکاری و غیر سرکاری سنڈیکیٹوں کے رکن رکین ہیں۔

جلوسی (الہ آباد) اور نگریا کے شکر سازی کے کارخانوں کو اُن کے حسنِ کارگزاری اور وسعت کارروائی سے بڑی ترقی ہوئی۔

جلوسی کے تعلق کے زمانہ میں انھوں نے اپنی لڑکی کی شادی الہ آباد سے کی تو اس میں جو الہ آباد کے سرکاری و غیر سرکاری تعلیم و غیر مسلم محض ان تینوں بھائیوں کی رواداری سے شریک ہوئے اُن میں وزیر اعظم مسٹر نہرو کے باپ (پنڈت موتی لال نہرو) مثال کے طور پر بیان کئے جا سکتے ہیں۔

شادیاں صرف تین کیں (حال آں کہ بیک وقت چار کر سکتے تھے اور تین اور اب بھی کر سکتے ہیں) ؎

مرد چوں پیر شود حرص جوانی گردد

(۱) خاندان میں بیرام پور سے ۱۰۰ بطن سے ایک لڑکی ہے جو کم سن فوت ہوئی۔

(۲) مسٹر خواجہ عبد الحمید بیرسٹر علی گڑھ کی ہمشیرہ۔ ان سے کئی اولادیں ہوئیں۔ جن میں تین طفولیت سے نہ بڑھیں۔ دو (مسٹر مصطفیٰ رشید اور ایک لڑکی) ماشاء اللہ اب خود گرہست ہیں۔

مسٹر رشید خاں بہادر رفیع القدر خاں مرحوم رئیس شاہ جہاں پور، ریٹائرڈ کلکٹر کے داماد ہیں۔ کاروباری تعلیم و تربیت کے سلسلے میں امریکہ اور جاپان بھی ہو آئے ہیں۔ اور اب کافی بڑے پیمانہ پر تجارت کرتے ہیں۔

لڑکی مع شوہر (جو اعلیٰ عہدہ دار ہیں) پاکستان میں ہے۔ مذکورہ بالا دونوں بیویوں کے بعد

(۳) خاندان حسرت احسان رئیس بریلی میں ہے۔ بیگم اُردو فارسی میں عمدہ استعداد رکھتی ہیں اور انگریزی سے بھی واقف ہیں۔ شاعر بھی ہیں اور مخفی تخلص کرتی ہیں۔

بحیثیت وزیر انھوں نے نہایت قابلیت اور بے لوثی سے کام کیا۔ اور چاپلوسیاں
علائق سے ان کا دور رہنا زبان زدِ خلائق رہا۔ مگر ان خوبیوں کے باوجود (بلکہ انھی
کی وجہ سے) انھیں گوناگوں مشکلات کا سامنا رہتا تھا۔ بار بار استعفےٰ دیتے تھے
مگر منظور نہ ہوتا تھا آخر کار بعض خانگی وجوہ سے اگست ۱۹۵۱ء میں آخری طور پر مستعفی ہوئے
جو حکومت نے بکراہت منظور کیا۔ یہاں تک کہ گزشتہ انتخاب کے موقع پر خود کھڑے
نہیں ہوئے البتہ ان کی بیگم صاحبہ منتخب ہوئیں۔

نثار احمد خاں سے چھوٹی بہن عالیہ خانم ہیں جو ہدایت اللہ خاں کنادہ کی
بیوہ ہیں۔

چھوٹے بھائی فدا احمد خاں شروانی تھے۔ انھوں نے بھی شروانی اسکول
چھرہ میں ابتدائی تعلیم پائی۔ علی گڑھ کالج میں ایف۔ اے میں پڑھ رہے تھے کہ اسی عرصہ
میں نان کوآپریشن کا غوغا بلند ہوا۔ اور انھوں نے بھی تعلیم کو خیرباد کہہ کر اول اپنے
بڑے بھائی مصطفیٰ احمد خاں شروانی کے نقشِ قدم بقدم چلے۔ مگر پھر انھی کی بنائی ہوئی اسکیم
(شکر سازی کے لئے شکر پالن پور ضلع ایٹہ) میں اپنے اسی فطری و عملی جوش
(مگر اس کے ساتھ نہایت قابلیت) کے ساتھ ایسے شریک ہوئے کہ اس کی روحِ رواں
یا برقی قوت اپنی ذات واحد سے وہی بن گئے اور اس وقت جو کچھ نظر آتا ہے
وہ انھی کی دست کاری اور پامردی کا نتیجہ ہے۔

شادی عبد الوحید خاں (عرف چھٹو بھائی) کنادہ کی لڑکی سلطان جہاں سے ہوئی جس
سے ایک لڑکا احمد رشید خاں ہے جو مسلم یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہے۔ ایک عقدِ ثانی بھی
بھی کیا۔ خاندان کے بچوں کو خصوصیت سے صنعتی تعلیم حاصل کرنے اور کاروباری زندگی اختیار
کرنے کے بڑے سرگرم حامی تھے۔ چنانچہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی صاحب کا قول
ہے کہ ان سے اکثر کہتے کہ "بھائی اپنے کم از کم ایک بچہ کو مجھے دے دیجئے"
[صاف گو

[دستیجئے]

صاف گو اور پاک باطن تھے ۔ مگر عمر نے وفا نہ کی ۔ اور ایک عصبی مرض میں مبتلا ہو کر
سنہ ۱۹۳۹ء میں عین عالم شباب میں انتقال کیا ۔ تیر نگر پائل کے ایک ممتاز قطعوں میں ہے ۔
شکر سازی کی صنعت میں اپنے تجربہ اور مطالعہ سے بڑی مہارت اور بصیرت حاصل کی
تھی ۔ حسنِ انتظام بے نظیر تھا ۔ انتقال پر بڑے بڑے انگریزی اخبارات میں خبر
چھپی تو اس کا عنوان تھا :-

"شوگر ایکسپرٹ ڈیڈ" (شکر کے ایک فنی نے رحلت کی)

اپنے منجھلے بھائی (نثار احمد خاں شیروانی) سے مل کر بڑے بھائی (تصدق احمد خاں مرحوم)
کی اکلوتی لڑکی کی شادی تگر پال سے بڑی دھوم دھام سے کی ۔ ساتھ کیا جس میں حکام اور خاص
برادری کے علاوہ ہندو مسلم احباب اور اونچے اونچے لیڈر بڑی کثرت سے شریک ہوئے ۔
خلاصہ یہ کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تینوں بھائی نہ صرف شاخ
خدا بخش خاں کے نام بلونہ کے وہ دماغ تھے ، بلکہ خاندان کے ، بلکہ کل
ہندوستان کے بیدار و کارگزار دل و دماغ اور روشن چشم و چراغ ہوئے ۔
خدا بخشے بہت سی خوبیوں کے مقبول حامل ہیں

شاخ سوم بلونہ

اس شاخ کے مورث اول و اعلیٰ کا باوجود کوشش اور کاوش کے کچھ پتہ نہ چل
سکا ۔ حاجی حافظ عبد الجمیل خاں اور مولوی ظفر حسن خاں کی یادداشتوں سے بھی کچھ
مدد نہیں ملی ۔ یہاں تک کہ سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم کے رسالہ میں (جو اب سے
چھیانوے سال پہلے یعنی سنہ ۱۳۰۷ھ میں بلونہ کے تمام افراد حاجی عبد الرشید خاں و
احمد علی خاں و حاجی منصور اللہ خاں و عبد الحمید خاں و فضل علی خاں مرحومین مغفورین کی زبانی
اور تحریری یادداشتوں سے مرتب ہوا) اس شاخ کو درمیان ہی سے چلا کر معذوری
کا اظہار کیا گیا ہے ۔ اور وہ یوں کہ ایک جد کی اولاد میں ایک بیٹے ولی محمد خاں ہوئے

جن کی اولاد (۱) احمد حسین خاں (۲) مجید النسا اور (۳) وزیر النسا تھیں۔ دوسرے بیٹے علی محمد خاں۔ ان کی اولاد (۱) سراج النسا (۲) بھکین خاں (۳) ننھّے خاں۔ (ان ضمنی رشتوں کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔

ان صاحبوں میں سے کسی نے اس زمانہ کی رسمی معمولی مکتبی تعلیم بھی حاصل نہ کی۔ احمد حسین اور بھکین خاں زمینداروں کی ملازمت کرتے رہے۔ ننھّے خاں کھیتی باڑی کے سر رہے۔

ننھّے خاں کی کئی اولاد (بیٹے بیٹی) ہیں۔ سب سے بڑے منشی ابراہیم خاں قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے رسمی تعلیم پاکر مولوی ظفر حسن خاں کی سرپرستی میں سیاق (زمینداری حساب کتاب) کی مشق بہم پہونچائی اور عرصہ تک ان کی ریاست میں کام کرتے رہے۔ کچھ مدت مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی کی ماتحتی میں ایم اے او کالج بک ڈپو میں کلرک رہے۔ اور پھر مولوی ظفر حسن خاں ہی کے پاس چلے گئے۔ اُن کے انتقال کے بعد حکیم الیاس خاں کے دست راست ہو گئے۔ اور اپنی ذاتی کاشت بھی پیدا کی۔ اور اس وقت باونہ میں شاید سب سے زیادہ بڑے رقبہ کی خود کاشت کے مالک ہیں۔ شادی صدیق احمد خاں کلو بی کی لڑکی سے ہوئی۔

بچوں میں دو بیٹوں (۱) آصف خاں اور (۲) عارف خاں اور لڑکی کو بھی تعلیم دلائی۔ لڑکے مسلم یونیورسٹی کے ایف اے تک کے تعلیم یافتہ ہیں لڑکی بھی لکھی پڑھی ہے۔ اور برکات احمد خاں عرف ننھّے میاں پسر عبد الوحید خاں کناوہ کے نکاح میں ہے۔ بچوں کی ماں بھی پڑھی لکھی ہیں۔ مزید حال شجرہ سے معلوم کیا جاسکے۔

بھیانوں

بھاموں

مورث خاندان بلوچ محمود خاں ابن یوسف خاں (ساکن راجپوتہ) کے ایک بھائی محمد خاں تھے جن سے بھاموں کے پٹھانوں کا شجرہ شروع ہوتا ہے۔ محمد خاں کے بیٹے واحد خاں تھے۔ یہ خوش حال اور ممتاز تھے۔ بھاموں کے قریب موضع واحد پور بسایا۔ یہاں کے پٹھانوں کے پاس کئی سو بیگھ اراضی معافی شاہی زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ کس صلہ میں اور کس نے دی۔ تعجب نہیں نوابان بنگش فرخ آباد نے دی ہو۔ مگر زمانہ حال میں حکومت سے اس پر لگان تشخیص ہو گیا۔

واحد خاں سے پانچویں پشت میں عبدالواحد خاں تھے۔ یہ اردو فارسی کے تعلیم یافتہ اور اپنے موضع میں سربرآوردہ تھے۔ آخر الذکر سے اور نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں سے موضع [illegible] کی زمینداری کے متعلق مقدمہ بازی رہی جس میں یہ موضع عبدالواحد خاں مرحوم کی زمینداری اور قبضہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد بھی وہ اس کا کام نواب بہادر مرحوم کے کارندے کی حیثیت سے دم واپسیں تک کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مولوی عبدالشاہد خاں۔ ان کے منجھلے بیٹے ہیں۔ ان کی پیدائش سنہ ۱۹۱۵ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کی نگرانی میں گھر پر ہوئی۔ والد کے انتقال کے بعد ان کے ماموں منشی عبدالمجید خاں شروانی نے (جو اس وقت ملحقہ موضع کنونڈی میں مولوی محمد عیان خاں کی طرف سے کارندے تھے) مولوی عبدالشاہد خاں کو داخل کے عربی کے مدرسہ [illegible] میں (جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے) داخل کرا دیا۔ پھر اس وقف کے متولی حاجی غلام محمد خاں مرحوم رئیس دادوں [illegible] کی سرپرستی سے عربی مدرسہ نیازیہ خیر آباد ضلع سیتاپور میں (جہاں کہ حاجی صاحب مرحوم اور ان کے والد صاحب مرحوم کے پیر و مرشد حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ ہے) داخل ہوئے۔ یہاں سے کچھ سال کے بعد اجمیر شریف چلے گئے۔ اور وہاں کے عربی مدرسہ میں مولانا معین الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے فاضل بزرگ سے تحصیل علم اور تکمیل کی۔ اجمیر ہی کے قیام میں عبدالشاہد خاں نے سیاسیات ملک میں تحریری اور تقریری [illegible] حصہ لینا شروع کیا۔ کانگریس، جمعیت الاحرار اور جمعیت العلماء وغیرہ کے رکن رہے۔ آزادی [illegible] کے سلسلہ میں ایک تقریر کے بعد پکڑے

گئے۔ بھاری ضمانت داخل کرکے چھوٹے کئی مہینہ تک مقدمہ ہوتا رہا۔ پھر زبان بندی کی گئی۔
اجمیر شریف سے آنے کے بعد کچھ دن تک اپنی پرانی عزیز درسگاہ مدرسہ داددوں میں مدرس
رہے۔ کچھ اعزازی کام حبیب گنج لائبریری میں کیا۔ ۱۳۶۱ھ میں حاجی عمران خاں شروانی
بھیکن پوری کی صاحبزادی سے شادی کی۔ اور اب ماشاء اللہ علاوہ صاحب تصانیف ہونے کے ساتھ
صاحب اولاد ہیں۔ بھیکم پوری میں ایک بڑا مکان رہائش کے لئے بنایا تھا۔ افسوس ہے کہ آپس
کی رنجش سے اس میں آگ لگادی گئی جس میں ان کا کئی سو روپیہ کا سامان جل گیا جس میں عمر
بھر کا سرمایہ بہت سی کتابیں بھی ہیں جو خدا کے فضل سے بچ رہیں۔ مدرسہ سعیدیہ داددوں
کے کام میں اب بھی اس کے موجودہ متولی مولوی حاجی محمد جان خاں کو مدد دیتے رہتے ہیں۔ یہ وہاں
ملازمت کا تعلق ترک کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی کی لٹن لائبریری میں امرٹیل اسسٹنٹ رہے۔ آج
کل مقامی انجمن ترقی اردو میں ہیں۔ مقامی جمعیت العلماء کے ناظم ہیں۔ یونیورسٹی کے ملازمین کی انجمن
کے رکن ہیں۔ کتاب "باغی ہندوستان" جس میں مولانا فضل الحق مرحوم خیرآبادی کے سوانح حیات
اور اپنے خاندان کے حالات ہیں ۱۹۴۷ء میں مدینہ پریس بجنور میں چھپوا کر شائع کی۔ نواب
صدر یار جنگ بہادر مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے دلچسپ خطوط کی تدوین کر کے
"کاروانِ خیال" کے نام سے ۱۹۴۶ء میں شائع کیا۔ اور اس کا دیباچہ لکھا جس میں ان
دونوں بزرگ اور باکمال ہستیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اردو فارسی اور عربی کے شاعر ہیں حضرت
ریاض خیرآبادی اور حضرت خلیل سے اصلاح سخن لی۔

مولوی عبدالشاہد خاں کی زوجہ ایم۔ بی (محمدی بیگم) سہ روزہ اخبار "جمہور" علی گڑھ کی
مالک ہیں۔ اور شوہر اس کے نگراں کار ہیں۔ اردو کا یہ اخبار سہ روزہ ہے۔ کانگریس اور جمعیت العلماء
کا حامی ہے۔ اس کا صدر یار جنگ نمبر عام طور پر مقبول ہوا۔

عبدالشاہد خاں کے بڑے بھائی عبدالماجد خاں عالم شباب میں ۱۹۴۲ء میں قضا
کر گئے۔ سب سے چھوٹے بھائی زاہد خاں نے کچھ عربی فارسی [illegible] حاصل کی۔ مگر بوجہ خرابی
صحت اس کی تکمیل [illegible] سیاسیات میں پڑ گئے۔ اور دہلی [illegible] کی مجلس احرار اسلام
کے سکریٹری [illegible] اور [illegible] وہاں ایک اخبار [illegible] ہے۔ شادات

میوات (پلول وغیرہ) کے زمانہ میں جمعیت العلماء کے کیمپ کے انچارج بنائے گئے۔ پھر جب حالات زیادہ نازک ہوئے تو زاہد خاں مع دیگر مسلمانوں کے پاکستان چلے گئے۔ چونکہ واپسی کی کوئی صورت نہ تھی دیگر تارکانِ وطن کے ساتھ بہاولپور میں مقیم ہو گئے۔ اور وہیں کے باشندے ہیں۔

عبدالشاہد خاں کے سب سے بڑے چچا عبدالواحد خاں صاحب کی ماشاء اللہ اب اسی سال کے قریب عمر ہے۔ آنکھوں اور کانوں سے بڑی حد تک معذور ہیں۔ یہ امانت النساء (عرف بھوجی صاحبہ مرحومہ) زوجہ حاجی فیض احمد خاں والدہ نواب اسمٰعیل خاں وغیرہ مرحومین رؤساء (دتاولی) کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ایک عرصہ تک ریاست ہائے دتاولی مرکیا زندہ رہے ہے۔ راقم الحروف کے والد بزرگوار سے ان کے مراسم تھے اس لیئے راقم الحروف کے مشفق رہے ہے۔ عبدالواحد خاں صاحب کے دو بھائی اور تھے یعنی عبدالجلیل خاں و عبدالقدیر خاں مرحومین۔ آخر الذکر اپنی خوش مزاجی و بذلہ سنجی میں مشہور تھے۔ کوئی ان سے اگر ایک کہتا تو دس سنتا۔ یہ راقم الحروف کے بھی کرم فرما تھے۔

کنوبی

اب موضع بھاموں سے ملحق موضع کنوبی پر ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ ایک زمانہ میں یہاں کے شروانی پٹھانوں کا بڑا عروج تھا۔ اور ان کا خاندان چوٹی کا سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کے شروانیان یوسف خاں راجھبوکی اولاد میں ہیں۔ اور کتاوہ سے آکر یہاں آبسے آخر الذکر سے چھٹی پشت میں پیروز خاں گذرے ان کے بیٹے رفعت خاں ہوئے (جن کا ذکر ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے آخر میں کیا ہے) رفعت خانی شروانیوں کا لقب انھیں کے نام سے ہے۔ یہ بڑے متمول اور صاحب جائداد تھے کئی ایک گاؤں کے زمیندار تھے۔ اس امر کی تائید اس مقدمہ کی تجویز عدالت سے ہوتی ہے جو ۱۸۲۸ء میں بدرالدین خاں مدعی اور عبداللہ خاں مدعا علیہ ساکن حسن پور کے درمیان ہوا۔ اس مقدمہ میں عبداللہ خاں کامیاب رہے۔ اور جائداد متدعویہ ان کے قبضہ میں رہی۔ رفعت خاں مرحوم کے

تین بیٹے تھے سب سے بڑے عزت خاں تھے جن کی اولاد حسن پور میں جا بسی۔ عزت خاں خود بھی وہیں چلے گئے۔ نظام خاں بورہ گانوں کی شادی کا قصہ انہیں عزت خاں کی بیٹی کے ساتھ پیش آیا۔ رفعت خاں کے منجھلے بیٹے عظمت خاں تھے۔ عظمت خاں کے بیٹے بہادر خاں تھے جن کی شادی بلوند کے شاہ محمد خاں کی بیٹی مدینہ بی بی کے ساتھ ہوئی۔ مگر وہ لاولد رہے۔ اور سلسلہ نسل منقطع ہوگیا۔ مدینہ بی بی شاہ محمد خاں رئیس بلوند کی بیٹی اور دلیل خاں کی بہن تھیں۔ اور بلوند سے اپنے ساتھ بڑی دولت لائی تھیں۔ اور جب جوان عمری میں بلا اولاد چھوڑے ہوئے ان کے بیٹے بہادر خاں کا انتقال ہوگیا تو مدینہ بی بی نے اپنی جائداد یا نصف موضع گنگھیری اور کل موضع ملسی گنگیری کھمرا پیرزادگان کو خیرات میں دیدیا جو حضرت مخدوم ثنائی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں۔ اب ان مواضعات کی آمدنی ہزار ہا روپیہ سالانہ ہے۔ مدینہ بی بی نے اپنے بیٹے بہادر خاں کے مقبرہ کے قریب ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جس پر یہ کتبہ ہے ؎

متصل روضہ بہادر خاں — بعمر اللہ مسجدے ست مکاں
سال تاریخ جستم از ہاتف — گفت: آراست از مدینہ نشاں

۱۱۸۰ھ

رفعت خاں کے سب سے چھوٹے بیٹے سعادت خاں ڈھولنہ میں جا رہے۔ مگر کچھ دن بعد پھر کنوبی میں واپس آگئے۔ ان کے بیٹے شمس الدین خاں، بدرالدین خاں، قطب الدین خاں کی اولاد بہت پھیلی۔ اس زمانہ میں حسن پور بھی رفعت خاں کی زمینداری میں شامل تھا۔ اسی وجہ مقدمہ بازی مندرجہ بالا کی ہوئی۔ رفعت خاں کے تعلقات نواب بنگش والی فرخ آباد سے تھے جس کی حکومت میں کنوبی شامل تھا۔ نواب محمد خاں بنگش فرخ آباد نے ہزار بیگھہ معافی رفعت خاں کو عطا کی جس کی سند رفعت خاں کے ورثا کے پاس تھی۔ مگر جب سنہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف دوندے خاں ساکن کونہ (بلند شہر) اور ان کے بھتیجے ناہر علی خاں ساکن املائی نے بغاوت کی اور باغیان اترولی اکوڑا گنج اور ملحقہ دیہات تک پہونچے اور کنوبی کے پٹھانوں کو اپنے موضع پر بھی حملہ کا اندیشہ ہوا تو سنہ ۱۲ فصلی میں موضع خالی کرنے کے

سلسلہ میں یہ سند کھو گئی۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں انگریزی عمال نے رفعت خاں کے ورثاء کو نوٹس دیا
کہ وہ وجہ ظاہر کریں کہ معافی کیوں ضبط نہ کی جائے۔ اس پر عذرداری کی گئی۔ جو مسموع ہوئی
اور معافی بدستور قائم رہی۔ یہ معافی اب تک ان کی اولاد خاندان حسن پور کے قبضہ میں ہے۔
رفعت خاں کا انتقال سنہ ۱۷۳۳ء میں (یعنی بہ زمانہ محمد شاہ بادشاہ) ہو گیا اور ان کے مرتے
ہی خاندان پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ رفعت خاں مرحوم کے پوتے شمس الدین خاں تھے اور
آخر الذکر کے پوتے وزیر خاں اور نجیب خاں بلوچ گذرے جن کی پانچ بیٹیاں تھیں۔ منجملہ ان کے ایک بیٹی
امانت فاطمہ والدہ رؤسائے اتراولی تھیں، دوسری نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں بھیکم پور کی والدہ
تھیں۔ وزیر خاں مرحوم کے بھائی عبدالاحد خاں مرحوم تھے جن کے بیٹے عنایت احمد خاں
گذرے اور ان کی ہمشیرہ شفقت بیگم مرحومہ عبدالرؤف خاں مرحوم دادوں کی زوجہ ہوئے
ہوئیں جن سے مولوی حاجی محمد جان خاں دادوں اور ان کی ہمشیرہ یعنی زوجہ اولی نواب لطف علی خاں
مرحوم پیدا ہوئے۔ حاجی عبدالواحد خاں بن محمد حیات خاں ابن اشرف خاں کی بیٹی نیازی بیگم
کی شادی علی گڑھ کے مشہور راہنما و نامور ایڈوکیٹ انیس خاں صاحب مرحوم کے ساتھ ہوئی جو خود بھی
ایک معزز گھرانے شروانی پٹھانوں کے خاندان کے رکن تھے اور علی گڑھ کی پبلک زندگی میں
پیش پیش اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ کوئی یا تو
ایک زمانہ میں یہ ایک بڑی ریاست کا مستقر اور مرکز تھا، یا رفعت خاں مرحوم کے انتقال کے کچھ ہی
دن بعد مقدمہ بازی، تقسیم در تقسیم اور اسراف کا یہ نتیجہ نکلا کہ انگریزی عملداری کے اوائل میں
یہ موضع بلبت لگایا مالگذاری نیلام ہوا تو حاجی داؤد خاں مرحوم رئیس بھیکم پور نے خرید لیا۔
جب سنہ ۱۸۳۷ء میں ریاست بھیکم پور شرکا میں تقسیم ہوئی تو یہ موضع ریاست دادوں کے
حصہ میں آیا۔

ہادی یار خاں صاحب مرحوم رئیس دادوں نے یہاں نیل سازی کا کارخانہ جاری کیا جو
کسی زمانہ تک قائم رہا۔ بعدہٗ یہ موضع ہادی یار خاں مرحوم کے پوتے مولوی حاجی محمد جان خاں
کے حصہ میں شامل کیا گیا۔ اور اب یہاں بھی دیگر مقامات کی طرح تباہی اور بربادی ہے۔
کچھ صاحبان یہاں سے پاکستان منتقل ہو کر چلے گئے۔

حسن پور

کا نام غالباً حسن خاں کی یادگار ہے جو نواب یوسف خاں راجپوت (بعدہٗ کناوہ) کے بیٹے تھے۔
یہاں کے حالات کے متعلق حافظ حاجی عبدالجلیل خاں صاحب حسن پوری نے ایک مفصل
یادداشت مرتب فرمائی ہے اور اس کا نام "یادگار حسن پور" رکھا ہے اور اسے
وہ خود چھپوانا چاہتے تھے۔ اور شجروں کے سلسلہ میں بھی اس کی مدد سے وہ کچھ اور زیادہ لکھیں گے۔
یہ یادداشت موصوف نے اپنی نانی صاحبہ کی زبانی روایتوں اور رشتہ کے دادا
اصغر علی خاں اور حقیقی تایا اسمٰعیل خاں کی تحریروں سے تیار کی ہے۔ یہ تحریریں ۱۸۶۵ء
سے ۱۹۲۱ء تک مسلسل باقاعدہ چلی ہیں۔

یہاں محض ربط کلام کے لئے ہم اتنا بتا دینا چاہتے ہیں کہ حسن پور کے مورث اول
عزت خاں ابن دولت خاں (ساکن کنوئی) تھے عزت خاں کے ایک بیٹے سربلند خاں
اُن کے بیٹے صاحب داد خاں، اُن کے بیٹے حاجی عبدالصمد خاں (۱۸۰۹ء تا ۱۹۰۴ء)۔
حاجی عبدالصمد خاں کی اولاد: (۱) عبداللطیف خاں (۲) عبدالمتین خاں (۳) اسمٰعیل خاں
(۴) عبدالجلیل خاں (والد عبدالجمیل خاں) (۵) حافظ حاجی زکریا خاں (والد حافظ مولوی
حاجی علی اکبر خاں و مسٹر محمد علی خاں) (۶) دختر زوجہ عبدالواحد خاں ڈھولنہ (۷) دختر
زوجہ حاجی عبدالشکیل خاں بالونہ۔

سربلند خاں کے دوسرے بیٹے اکبر علی خاں ان کے بیٹے اصغر علی خاں۔
عزت خاں کے دوسرے بیٹے عبداللہ خاں، ان کے بیٹے رجب علی خاں، ان
کے بیٹے [illegible] خاں، ان کے بیٹے (۱) خوش وقت علی خاں الم [illegible] فوت (۲)
اختر علی خاں (۳) حبیب اللہ خاں (۴) عبدالعزیز خاں عرف ارادت خاں (۵) نصیر اللہ خاں۔

ہم اپنے مستقل ناظرین کو اپنے محسن حافظ حاجی عبدالجلیل خاں صاحب کی کتاب مستطاب
کے لئے چشم براہ رکھ کر صرف چند ہستیوں کا ذکر کریں گے۔

حاجی عبدالصمد خاں بڑے دین دار، غیور اور منتظم تھے۔ اپنے عہد کے دستور کے

مطابق اچھے پڑھے لکھے تھے۔ خط نسخ و نستعلیق دونوں بڑے پاکیزہ تھے۔ بعض کتابیں
نقل کیں۔ ایک نسخہ کلام پاک کا نہایت عقیدہ کے ساتھ مکمل تحریر کیا۔ جس شاخ کے
وہ مورث بنے اس میں سنجھلے بیٹے **اسمٰعیل خاں** فہم و فراست اور با اصولی میں فرد تھے۔
روزنامچہ نہایت باقاعدہ رکھتے تھے جو ان کی تاریخ دوستی کی دلیل ہے۔ ڈائری
یا روزنامچہ لکھنا بھی بڑا احمق سمجھا جاتا ہے۔

حافظ حاجی زکریا خاں ۔ پہلا حج ماں باپ کے ساتھ رہ کر جوانی میں کیا۔ اور
دوسرا ۱۳۴۸ھ (۱۹۳۰ء) میں بیٹے علی اکبر خاں کو ساتھ لے کر بڑھاپے میں کیا۔ قرآن
بڑے اثر گیر اور اثر انداز لہجہ میں پڑھتے تھے۔

عبدالجمیل خاں نے جوانی میں قرآن حفظ کیا۔ اور بڑے جذبہ کے ساتھ حج کیا
اب بڑے انہماک کے ساتھ مصروف کاروبار ہیں۔ خداوند تعالیٰ برکت دے۔ آپ ہی
خاندان شروانی پیران کا احسان شجروں کی ترتیب سے ثابت ہے۔ فرزند یحییٰ خاں معروف ڈاکٹر

حافظ مولوی حاجی علی اکبر خاں انگریزی کے ایم اے ہیں۔ اردو، فارسی، عربی میں
خاص قابلیت رکھتے ہیں۔ اور ان زبانوں کے بڑے ماہر شاعر ہیں۔ وہ اور ان کے
سب خاندان والے معقول ہیں۔ مگر وہ پھولوں کی ٹوکری میں گویا چوٹی کا پھول ہیں۔

مسٹر محمد علی خاں ۔ ایف اے تک تعلیم یافتہ اور خاموشی سے زندگی بسر کرنے والے ہیں۔
اس خاندان کی از آدم تا ایں دم بلا استثنا ایک بڑی خصوصیت گوشہ گیری اور [illegible]
رہی ہے ؎

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو — دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا از نو
بچار گوشہ دیوار خود بخاطر جمع — کہ کس نگوید از ایں جا بخیز و آنجا رو

تدیّن معروف عام ہے۔ ماشاء اللہ جس تعداد میں یہ اصحاب حافظ، حاجی، [illegible] ہیں
خاندان میں بے بدل و بے مثل ہیں۔

اصغر علی خاں ۔ بڑے تعلقہ کے زمیندار ہوئے۔ قرضہ سے زیر بار اور اس حالت میں
زمینداری سے دست بردار ہوئے۔ مگر آن بان وہی رہی۔ منجھلے خاں صاحب (حاجی

عبدالشکور خاں) کی ذات سے بڑی پرورش ہوتی تھی۔ خانصاحب کے ساتھ کھاتے، برابر بیٹھتے، خدمتوں پر رعب جماتے، نیاز آجاتا تو خاں صاحب سے بہتر کپڑا اپنے لیے خرد لیتے۔ حسن پور میں ایک زمانہ میں اُن کا خوردونوش اُن کے خانہ زاد بھائی مولے بخش خاں کے گھر سے تھا جن کا کوئی لڑکا کھانا لاتا، ہاتھ دھلاتا، کھانا لگاتا، برتن بڑھاتا، اور پھر ہاتھ دھلا کر واپس جاتا۔ ایک روز برسات کی رات میں خاں صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ کھانا رکھ کر چلا گیا صبح جب برتن واپس لینے آیا تو کھانا اچھوتا رکھا ہوا تھا۔ ڈرتے ڈرتے سبب پوچھا تو للکار کر جواب دیا۔: "ہم کھانا خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کھاتے، استغفر اللہ"۔ بڑوں سے بزرگانہ ادب اور چھوٹوں سے خوردانہ آداب ملحوظ رکھ کر بات کرتے۔ مثلاً احمد سعید، مزمل، خلیل، جلیل، حبیب وغیرہ باوجود ان اوصاف کے لقب سے تھے۔ نہانے کے لیے مسجد سے باہر غسل خانہ تھا۔ غسل پورا ہونے کا معیار یہ تھا کہ پانی پوکھر میں پہونچ جائے قطب علی خاں کی شاخ میں ارادت خاں خوش عقیدہ با تدبیر تھے۔ زوجۂ اولیٰ (عابد النسا دختر وزیر خاں کنوبی) سے جتنے بیٹے تھے اپنی حیات میں ان سب کو اس تدبیر سے جائداد والا کیا کہ جس بیٹے کی شادی کرنی ہوتی اپنی "انگشتری سلیمانی" اس کی انگلی میں ڈال دیتے اور کسی صاحب جائداد بیٹی والی کے گھر چڑھ دوڑتے۔ ایک ان بیاہے بیٹے نور اللہ خاں کا جوان عمری میں پھراہی سے مجھلے خاں صاحب جبہ میں انتقال ہوا۔ ان مرحوم نور اللہ خاں سے چھوٹے صالح خاں بہت دل چسپ آدمی تھے۔ اُن کے بیٹوں میں حاجی فخر الزماں خاں (خولیش حاجی عیسیٰ خاں رئیس دتاولی) ماشاء اللہ جوان صالح ہیں۔ میٹرک تک تعلیم ہے۔ سب رجسٹراری پر آج کل تحصیل کھیر (ضلع علی گڑھ) میں تعینات ہیں۔ بہت رکھ رکھاؤ سے بسر کر رہے ہیں۔ ملازمت کے دوران میں باپ، بی بی اور بچی کو ہمراہ لے کر فریضہ حج ادا کیا۔ سوتیلی ماں سے برابر سعادتمندانہ فرزندانہ اور سوتیلی بہن کے ساتھ مشفقانہ برادرانہ برتاؤ رکھا۔ چھوٹے نصیر اللہ خاں بڑے مدبر، بڑے کاروباری، بڑے بامروت، بڑے صاف گو صاف باطن تھے۔ حاجی مصطفےٰ خاں رئیس لوہرہ گانوں کی درخواست پر ان کی ریاست کی سربراہی کی تو ان کے قرض خواہوں کا قرضہ خود ادا کر کے اور خانصاحب کو خود قرضہ دے کر ریاست کو

بہت خوبی سے پاک کر دیا۔ خود بھی معقول جائداد پیدا کی۔ غلّہ کی بڑی تجارت تھی۔ ہر سال
محفل میلاد بڑی عقیدت اور ایک چھوٹی موٹی شادی کی شان سے برپا کرتے۔ مسندی خاندان بھر میں
ضرب المثل تھا۔ علی گڑھ سے حسن پور لاری اور موٹر کے دور سے پہلے صرف وہی واپس آ سکتے
تھے۔ تقریبوں کے انتظام میں بھی وہ "آل انڈیا" منتظم سمجھے جاتے تھے۔ زوجۂ اولیٰ تمیز النساء (دختر
غلام مرتضیٰ خاں باونہ) سے **ادریس خاں** ہوئے۔ زوجۂ ثانیہ الٰہی بیگم (دختر احمد علی خاں بلونہ) سے دو لڑکیاں
اور دو لڑکے ہوئے۔ بڑے لڑکے زین العابدین خاں نے بچپن میں بعارضہ نمونیا قضا کی۔ چھوٹے **نور العابدین**
خاں ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔ ادریس خاں مثل باپ کے کاروباری، باتدبیر اور دوربین تو نہ تھے مگر صفائی دل
اور زبان کی تقریباً ویسی ہی رکھتے تھے۔ نکاحوں اور اولاد کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔ فرزندان نرینہ میں
سب سے بڑے **نصرت اللہ خاں** علی گڑھ کے بی اے ہیں۔ آج کل چیرکھاری ضلع ہمیرپور میں تحصیل دار ہیں۔
۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء میں خالہ (نور فاطمہ زوجہ چودھری عبد الحمید خاں رئیس سہاور) اور والدہ کے ساتھ حج و زیارت سے
مشرف ہوئے۔ حج (بماہ جون) سے پہلے ہی خالہ کے دست بکریمہ میں سرطان نکلا۔ اسی حالت میں حج،
حج کے بعد زیارت، زیارت کے بعد وطن کی معاودت (بماہ ستمبر) اور پھر رحلت (غالباً بماہ دسمبر) تک بھانجے
نے بڑی ہی بے جگری اور بے نفسی سے خدمت کی۔ یہ عمر، یہ مرض، پھر اونٹ کا سفر۔ اونٹ پر گود میں لے کر
چڑھاتے اور کندھوں پر چڑھا کر اتارتے، سامان وغیرہ کی ترتیب ملازموں اور جمالوں پر چھوڑ کر سب سے پہلے اپنی
ماں اور بہن کی بعض کیسے کر مرہم پٹی میں مصروف ہوتے۔ اس کے بعد پورے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو کر سامان دیکھنے
اور کھانے وغیرہ کے انتظام میں لگتے۔ علاج ایک فرشتۂ رحمت "خیر الناس من ینفع الناس" رفیق طارق
رامپوری حکیم حاذق کا تھا۔ نواب صدر یار جنگ اور مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی اس حصول سعادت کی نقول
سے کبھی نہ تھکتے۔ "ان اجرہ الا علی اللہ" اس کے بعد دو حج اور کر چکے ہیں۔ اب توجہ بجائے تحصیل مال کے کسب مآل
کی طرف بہت زیادہ ہے۔ چھوٹے **سردار بہادر خاں** بھی علی گڑھ کے بی اے ہیں۔ مولوی محمد جان خاں رئیس
دادوں کے خویش ہیں۔ آج کل لائل پور (مغربی پنجاب) میں بعہدہ سپرنٹنڈنٹ ایکسائز متعین ہیں۔ خلیق، بامروت،
علم دوست ہیں۔ نور العابدین خاں باپ کے بعد بھائی بہنوں کے مابین تقسیم جائداد کے مراحل طے کیے پیچھے پورے
انہماک سے کاروبار میں مصروف ہوئے اور خدا کے فضل سے خوب ترقی کی۔ چھوٹے بیٹے فصیح اللہ خاں کو ساتھ لے کر
فریضۂ حج سے فارغ ہوئے۔ دو بیٹے **نسیم اللہ خاں** اور حاجی فصیح اللہ خاں ماشاء اللہ کار آگاہ ہیں اور کاروبار
میں سالہا سال سے باپ کے زیر نگاہ ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

ڈھولنہ

موضع کنوبی کے قریب موضع ڈھولنہ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ کہنے کو تو چھوٹی سی بستی ہے مگر یہاں کی چند ہستیوں کی وجہ سے وہ جوار میں مشہور ہے۔ اس موضع کے سروا نیان رفعت خاں کنوبی متذکرہ بالا کی اولاد میں ہیں۔ مگر یہ بھی حقوق ملکیت کی مقدمہ بازی کا شکار رہے۔

بدرالدین خاں ابن سعادت خاں ابن رفعت خاں کنوبی کی شاخ میں اللہ یار خاں اور حاجی بھیکن خاں گذرے۔ ان کے اور بخش اللہ خاں (عرف منگل خاں) کے درمیان مقدمہ بازی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بخش اللہ خاں ہارے تو ان کی جائداد نیلام ہوئی۔ حاجی بھیکن خاں کی اولاد میں **مسیح اللہ خاں** بڑی آن بان اور شان کے رئیس گذرے۔ ضلع ایٹہ میں ان کی بڑی دھاک تھی۔ گھوڑے کی سواری اور شکار کے شائق تھے ان کے بیٹے مسیح الزماں خاں کی شادی اول سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس بلونہ کی منجھلی صاحبزادی کے ساتھ اور اس کے انتقال کے بعد مصلح الدین خاں رئیس عنایتی کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ اور اس وقت مسیح الزماں کا قیام عنایتی میں ہے۔ مسیح اللہ خاں کی ایک بیٹی ابراہیم خاں ابن حاجی یوسف خاں تادلی رئیس بڈہالسی کی زوجہ تھیں۔ مسیح اللہ خاں مرحوم شکار کے سلسلہ میں اپنے موضع گڈھی بنیدلہ میں مقیم تھے کہ یکایک ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور وہیں انتقال کر گئے موصوف کی ہمشیرہ کی شادی چودھری حمید اللہ خاں صاحب رئیس سہادر کے ساتھ ہوئی۔ چودھری صاحب ممدوح سے مسیح اللہ خاں مرحوم کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اور منجھلی (صالحہ بیگم) کی نواب سرمزمل اللہ خاں سے ہوئی جن کے بطن سے داؤد احمد خاں مرحوم پیدا ہوئے جن کا مزار بہرہ دولی میں ہے۔

مسیح اللہ خاں کے چھوٹے بھائی حاجی ضمیر الحسن خاں مرحوم تھے۔ یہ ایک فقیر منش عابد زاہد اور سیدھی سادھی زندگی بسر کرنے والے پٹھان تھے۔ ان کی شادی عابد خاں مرحوم حسن بیگم پور کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی۔ ضمیر الحسن خاں کے صاحبزادہ حاجی حبیب الحسن خاں ہیں۔ یہ ماشاءاللہ دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح

مذہب کے پابند گوشہ نشین۔ کفایت شعار اور مرنجان مرنج قسم کے آدمی ہیں۔ ان کی شادی
تصدق احمد خاں شروانی بیرسٹر ایٹ لا مرحوم کی بیٹی کے ساتھ زیر سرپرستی نثار احمد خاں اسلام و فدا احمد خاں مرحوم مگریا
میں بڑی شان سے ہوئی جس میں حکام ضلع اور کئی چوٹی کے لیڈر تصدق احمد خاں مرحوم کی یاد لئے ہوئے محبت آمیز
شوق اور عبرت حسرت انگیز ذوق کے ساتھ شریک ہوئے۔ بخش اللہ خاں مرحوم کے بیٹے عباس علی خاں و فضل الرحمن خاں
ہوئے۔ فضل الرحمن خاں ہردلعزیز آدمی تھے۔ عرصہ تک دونوں بھائی زندہ رہے دو نکاح کئے۔ ان کی صحبت میں بڑے لطف سے
وقت کٹ جاتا تھا۔ عباس علی خاں کے سالے حاجی حامد علی خاں ابن رضا علی خاں تھے۔ موصوف کی شادی بڑی دھوم دھام
سے مارچ ۱۸۹۹ء بی بی نور فاطمہ صاحبہ دختر حاجی فیض احمد خاں رئیس دتاولی
کے ساتھ ہوئی۔ اس موقع پر دونوں مقامات پر بڑی چہل پہل رہی۔ راقم الحروف بھی اس
میں شریک تھا۔ حاجی حامد علی خاں بڑے عابد و زاہد تھے۔ ہر وقت مصلے اور نماز سے واسطہ
تھا۔ مگر جوان عمری میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ موصوف کے بیٹے محمود علی خاں صاحب
ہیں جو پندرہ سولہ برس تک اسٹیٹ میں آنریری مجسٹریٹ اور منصف رہے۔ کانگریس کے سرگرم
رکن رہے۔ ایک زمانہ میں شکار اور موٹر بازی کے شائق تھے۔ مگر صحت اب اچھی نہیں ہے لہذا
مشغلہ چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنے مکان بیلی کوٹھی علی گڑھ میں مقیم ہیں۔ موصوف نے
شروانیوں کے مدح خیر میں ایک نظم خوب لکھی ہے۔ قطب الدین خاں متذکرہ بالا کے
پرپوتے اللہ یار خاں کے بیٹے یہاں کے رئیس حافظ رحمت خاں بھی تھے۔ جو بڑے جلال
اور شان کے پٹھان تھے۔ ان کی پہلی شادی موضع بلونہ میں مولوی ظفر حسن خاں مرحوم
کی منجھلی ہمشیرہ مسماۃ فاطمہ سے ہوئی۔ اور ان کی بہن زہرہ بیگم حاجی یوسف خاں رئیس دتاولی
اور پٹہ ہالسی کو بیاہی گئیں تھیں۔ ان کے چھوٹے بھائی عبدالرزاق خاں نے جوان عمری
میں قضا کی اور سب سے چھوٹی بہن رحمت الٰہی بھی جوان عمری میں ناکتخدا فوت ہوئیں۔
حافظ رحمت خاں کے بیٹے احمد اللہ خاں نے جو شروانی اسکول چھرہ میں طالب علم تھے جوان
عمری میں قضا کی۔ ایک بیٹا انشاء اللہ خاں اور بیٹی خاتون جہاں زوجہ حافظ عمران خاں چھوڑی۔

اب قبل اس کے کہ ہم اس موضع کی داستان ختم کریں یہاں کا ایک دلچسپ اور
پرانا قصہ (جو خاندانی روایات پر مبنی ہے) بیان کرنا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قطب الدین خاں

متذکرہ بالا کے بھائی بدرالدین خاں بڑے عالی ہمت اور بارعب زمیندار تھے۔ یہ اپنی زمینداری کے ملحقہ موضع بدھاری (بزرگ) کی گڑھی میں اکثر قیام کرتے تھے۔ اس گڑھی کے ایک برج پر کسی بزرگ کا مزار ہے۔ بدرالدین خاں نے اس گڑھی میں رات کو خواب دیکھا کہ ایک خونی بکری ان کے سامنے پھر رہی ہے۔ اس کی تعبیر انھوں نے یوں لی کہ ان کو موت کا یقین ہو گیا۔ اور یہاں کے ایک فقیر کو ساتھ لے کر ڈھولنہ کے قبرستان میں گئے۔ اس فقیر کو قبرستان میں ایک درخت اور جگہ بتا کر ہدایت کی کہ میری قبر بوقت مرگ اس جگہ بنائی جائے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر جب رات کے وقت یہ اس گڑھی میں سو رہے تھے تو ٹھاکروں نے گڑھی پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔ ان کی نعش ڈھولنہ لائی گئی۔ اور وصیت کے مطابق دفن کئے گئے۔ غالباً اس واقعہ کا (جو ۱۸۴۵ء کا بتایا جاتا ہے) کوئی سبب ہوگا۔

موضع برہرہ

اب ہم چلتے پھرتے ڈھولنہ کے اس موضع میں پہنچتے ہیں۔ برہرہ کے وارث اعلیٰ عالم خاں تھے جن کا خاندان بڑا تھا۔ تنگیٔ روزگار سے پورے موضع کی زمینداری احمد سعید خاں مرحوم کے پاس پہونچ گئی۔ اور یہاں کے دیگر شروانیان (جو زمانہ حال میں برادری میں باثر اور موثر تھے، مثلاً عبدالصمد خاں۔ رفیع اللہ خاں۔ حاجی نور احمد خاں۔ عبدالرزاق خاں۔ عبدالخلاق خاں وغیرہ) وہ اس موضع میں کاشتکارانہ اور معافی دارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اور اس کے علاوہ بیرونی شروانی ریاستوں میں کارندگی سے بھی گذر بسر کرتے تھے۔ احمد سعید خاں مرحوم (جو وجیہہ اور قدآور تھے) شروانیوں میں اور حکام میں باثر تھے۔ موصوف نے برہرہ میں ایک بڑی حویلی تعمیر کرائی جس کا نام محل رکھا۔ اور ایک پختہ نشست گاہ تعمیر کرائی۔ موصوف نے اپنی جائداد وقف علی الاولاد کی مگر ان کے بیٹے مظہر احمد خاں کی جوان عمری میں موت نے (جو باپ کے تقریباً بعد ہی واقع ہوئی) احمد سعید خاں مرحوم کی سب تجاویز اور انتظامات مندرجہ وقف نامہ درہم برہم کر دیئے۔ اور سچ

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

کا قصہ پیش آیا۔ احمد سعید خاں مرحوم کی ایک بیٹی تصدق احمد خاں شروانی بیرسٹر ایٹ لا مرحوم کی زوجہ ہیں جن کو تذکرے میں موضع بھرسولی (جہاں لوا سے آئے ہوئے شروانیان آباد ہوئے) ملا اور دوسری بیٹی حاجی سعید احمد خاں کی زوجہ ہیں جو حافظ مصلح الدین خاں ابن عبد الجلیل خاں کنادہ کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ اب یہی سعید احمد خاں احمد سعید خاں مرحوم کے وقف کے متولی ہیں اور بیر برہ میں بس گئے ہیں۔ احمد سعید خاں مرحوم کی ایک بہن حاجی عبد الرشید خاں بلونہ کو بیاہی گئیں جن سے تصدق احمد خاں مرحوم و نثار احمد خاں، ندا احمد خاں مرحوم اور ایک بیٹی پیدا ہوئی اور دوسری بہن عبد الرشید خاں بھیکم پور کو بیاہی گئیں جن سے عبد الحمید خاں عمران خاں اور ان کے بھائی پیدا ہوئے۔ اس موضع پر تباہی آئی اور یہاں کے بہت سے شروانیان پاکستان مغربی کو ہجرت کر گئے۔ اس موضع کے پٹھانوں میں برلہ کے شروانیان کی بھی رشتہ داری ہے۔ احمد سعید خاں مرحوم کے حاجی عبد الواسع خاں مرحوم برلوی سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ احمد سعید خاں مرحوم نے ایک غیر کفو خاندان میں دوسرا نکاح کیا اور ان اہلیہ سے بھی ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ اب بیر برہ کو دیکھ کر خدا کی خدائی نظر آتی ہے کہ زمانہ نے کیسا پلٹا لیا۔

کھوری نبرک

اب ہم بیر برہ سے فارغ ہو کر باوجود اپنی پیرانہ سالی اور شدت مرض وجع مفاصل پورب سے پچھم کو دوڑ لگاتے ہیں اور موضع کھوری پہونچتے ہیں، جو کہ ایک پرانا تاریخی مقام ہے کنادہ کی طرح سے کھوری بھی ان دیہات میں سے ہے جہاں سے کئی ایک مواضع کے شروانیوں کا نکاس ہوا۔ بھیکم پور، حبیب گنج، داملی، ہنڈولی کے شروانی مورثان سب سے پہلے یا بعد کھوری سے چل کر نہیں آکر بسے۔ اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ آخر الذکران کی قوم کی اور بڑھتی ہوئی مردم شماری کے لیئے بالکل ناکافی تھا۔ کھوری کی آبادی کے دو حصے مشہور ہوئے۔ یعنی کھوری مغربی جہاں مورث اعلیٰ ایدل خاں رہتے تھے۔ اور کھوری مشرقی جہاں کہ ایدل خاں سے چھٹی پشت میں جہان خاں پدر سنہرا خاں مورث بھیکم پور و پشتاہ ولی آباد تھے۔ جہان خاں کے بھائی ... خاں مورث ہنڈولی تھے۔ ایدل خاں عہد جہانگیر بادشاہ میں شاہی ملازم تھے

مگر تارک الدنیا ہو کر گنگھوری میں حضرت مخدوم ثنائی رحمۃ اللہ علیہ کے (جو غالباً لودی یا سوری پٹھانوں کی حکومت کے زمانہ میں اس مقام پر تشریف لائے) مزار پر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابدل خاں سے پانچویں پشت میں گھاسی خاں گذرے جن کی اولاد گھوری میں رہی۔ گھاسی خاں نواب مرزا ثابت خاں گورنر کول (عہد فرخ سیر محمد شاہ) کے ملازم تھے۔ نواب مرحوم نے ان کو موضع کسیرہ دیا اور موضع کھولاولی (حبیب گنج) ان کے ٹھیکہ میں رہا۔ گھاسی خاں کے بیٹے جمال خاں برلہ میں بیاہے گئے۔ اور اسی وقت سے برلہ اور گھوری اور سمراسے میں باہم رشتہ داریاں شروع ہوئیں۔ چھرہ کے ساتھ بیاں بھی راجہ سورج مل جاٹ کے خسر کے بیٹوں نے قلعہ بنانا شروع کیا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ مگر وہ نا مکمل رہا۔ جاٹوں کے بعد نواب مرزا نجف خاں گورنر کول و جاگیردار اترولی کے عامل نے اور پھر مرہٹوں کے عامل نے گھوری کے باز خاں مورث بھیکم پور اور دو دیگر پٹھانوں کو (جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اس موضع کے اور ملحقہ مواضعات کے پٹے اور ٹھیکے دیئے۔ جب بہادروں میں باز خاں مرحوم اور اچھلے ابیر سے لڑائی ہوئی تو بیاں کے اور سنڈول کے بعض سوریان باز خاں کی طرف سے اس لڑائی میں شریک رہے۔ اور اچھلے کی جماعت کو ہرایا۔ بھیکم پور حبیب گنج کا قدیم قبرستان یہیں ہے۔ اور سمر غزانہاں کے بیاں دفن کئے جانے کا قصہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ جب ۱۷۹۳ء میں باز خاں مرحوم نے مرہٹوں کے جنرل پیرون سے نادہ کا علاقہ ٹھیکہ پر لیا تو پور اعلاقہ گھوری نادہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہیں سے چل کر عبدالرشید خاں مرحوم پدر عبدالحمید خاں وغیرہ کا خاندان بھیکم پور میں جا کر بسا مگر ان کی زمینداری کسی نہ کسی طرح رؤسائے بھیکم پور کے قبضہ میں پہونچ گئی۔ اور اس خاندان کی محض دخیل کاری رہ گئی۔ مگر پہلی جنگ عظیم کے بعد تنزلی اسلئے اصلیہ کا مدفون ہوا۔ اور عبدالحمید خاں حکومت کے محکمہ آبکاری میں ایک بڑے عہدہ سے پنشن لے کر پھر گھوری آ رہے اور مکان تعمیر کرایا۔ بلونہ سے چل کر خلیل اللہ خاں مرحوم گھوری آ کر بسے اور اس موضع کے نمبرداروں میں بڑے حصہ داروں میں تھے۔ اب ان کے قائم مقام ان کے خویش صابر علی خاں صاحب ایم اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر بلونوی (جن کا ذکر خیر بالتشریح بلونہ کے سلسلہ میں کیا گیا ہے) یہیں بود و باش رکھتے ہیں۔ عبدالحمید خاں متذکرہ بالا کے چھوٹے بھائی حافظ حاجی عمران خاں (جو ایک زمانے میں نواب

سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں کے پرائیویٹ سکریٹری تھے اور موصوف کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے) اور عمران خاں ـــــــ کے بھائی غفران خاں و عبد المجید خاں مرحومین بھیکم پور ہی میں رہے ۔ آخر الذکر بڑے ہر دلعزیز اور مولوی محمد جان خاں کے کارندے تھے مگر افسوس ہے کہ غفران خاں اور عبد المجید خاں جوان عمری میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔

کھوری میں مولوی حاجی عبد الغنی خاں بہت پڑھے لکھے آدمی تھے ۔ مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی اور جلد از جلد اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا ۔ یہیں مولوی عبد الشاہد خاں بھاموں نے مکان بنایا جس میں آگ لگ جانے سے بہت نقصان اٹھایا ۔ اسی موضع کے بعض پٹھان رونا (؟) بھیکم پور ، دادوں ، حبیب گنج و قلعہ جدید کے ہم جلیس اور ہم صحبت رہے ۔ یہاں کے پٹھانوں کی رشتہ داریاں سہاور ، بھاموں اور کئی ایک دیگر مواضع میں ہیں جنکا حال شجرہ سے معلوم ہوگا تفصیل خاندان و دیگر دیہات سے آکر یہاں بسے ۔

کناوہ

موضع کناوہ کا ذکر اوپر بار بار آیا ہے ۔ اس لئے اگلے ہاتھوں ہم مختصر اس کا کچھ حال عرض کرتے ہیں ۔ نواب یوسف خاں شروانی (جنکا ذکر ہم نے اوپر کیا اور جن کی بابت ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے لکھا کہ وہ عہد شاہجہاں بادشاہ میں ان اطراف میں آئے) موضع کناوہ کے مورث اعلیٰ تھے اور ان کی نسل یہاں اور کئی دیگر ملحقہ مواضع میں جاکر بہت پھولی پھلی ۔ وہ اول راجمؤ میں آکر بسے جو نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم کی ریاست میں شامل رہا ۔ اور اس کے قریب شاہجہاں آباد تھی جسے ان کو شاہی دربار سے عطا ہوا ۔ موصوف کے چند آثار قبور راجمؤ میں موجود ہیں ۔ پھر وہ کسی وجہ سے راجمؤ کی سکونت ترک کر کے کناوہ میں آ بسے ۔ اور آخر دم تک یہیں رہے اور یہیں مدفون ہوئے ۔ ان کا مزار ایک چھوٹے سے گھنے جنگل کے اندر موجود ہے اور اس جگہ کا نام ہی لوگوں نے گھنا رکھ دیا ۔ نواب صاحب موصوف کی شان و شوکت کے بڑے قصے مشہور ہیں ۔

نواب موصوف کے چار بیٹوں میں سے حسن خاں کی اولاد کناوہ میں رہی ۔ خاندان بھیکم پور کے حالات کے سلسلہ میں ہم نے دکھایا ہے کہ حاجی عبد الشکور خاں (عرف شیخلے خاں صاحب) مرحوم کی تحقیقات کے مطابق (حسب یادداشت مرتبہ مولوی ظفر حسن خاں مرحوم

موجودہ کتب خانہ حبیب گنج) عہد شاہجہاں میں نواب یوسف خاں اور ان کے بیٹے
کئی ایک گاؤں کے زمیندار تھے یہاں کے حسن خاں متذکرہ بالا کے پرپوتے فاضل خاں کی اولاد میں آج
سے پچاس ساٹھ سال قبل عبدالجلیل خاں بڑے صاحب اقبال ہوئے یہ نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم رئیس دتاولی کے
مختار کل اور ناک کے بال تھے۔ عبدالجلیل خاں نے کناوہ کی سکونت ترک کر کے اپنی حقیقی خالہ زوجہ احمد حسین خاں کی آغوش میں
بمقام دتاولی اور پھر علی گڑھ میں سکونت اختیار کی اور محلہ سرائے حکیم میں بڑی پکی جائداد پیدا کی اور اپنے بھائی حاجی عبدالجمیل خاں
کی شادی حاجی فیض احمد خاں مرحوم اور ان کی بیوہ محترمہ بیگم کی منجھلی بیٹی (مطلقہ حاجی عبدالکفیل خاں بلونہ) کے
ساتھ اور اپنے بیٹے حافظ مصلح الدین خاں کی شادی انھیں عروسہ بیگم
بیوہ حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی منجھلی بیٹی کے ساتھ کی جس کی وجہ سے یہ حضرات ریاست
دتاولی میں حصہ دار ہو گئے۔ حافظ مصلح الدین خاں مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولوی حاجی
جلیل احمد خاں جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اب پاکستان
مغربی میں ایک عربی مدرسہ میں استاد ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی حاجی سعید احمد خاں ہیں جو بیرسٹر ہو کر
میں مقیم ہیں اور جن کا تذکرہ اس موضوع کے سلسلے میں اوپر ہو چکا ہے۔ حسن خاں مرحوم مذکورہ
بالا کے پرپوتے مہابت خاں کی شاخ میں منیڈو خاں مرحوم ہوئے۔ ان کی مالی حالت
معمولی تھی، مگر ملی اور قومی خدمات کے لحاظ سے وہ اکثر شروانیوں سے ممتاز تھے۔ موصوف نے
اپنی آخر عمر شروانی اسکول چھرہ کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس درسگاہ کے چلانے
میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ فقیروں کے بھیس میں اہل کرم کا تماشا دیکھتے اور ان سے اس
مدرسہ کے لئے مالی امداد حاصل کرتے۔ شروانیوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر منیڈو خاں
مرحوم کو خواہ کوئی تکلیف دے یا نہ دے وہ خود پہونچتے اور کھانے کا انتظام اپنے ذمہ لیتے
جس کا ان کو بڑا ملکہ تھا۔ اسی وجہ سے لوگ کہنے لگے تھے کہ منیڈو خاں کو زنجیروں سے باندھ
دو اور ایک دیگ کھٹکا دو، زنجیریں توڑ کر دیگ پر پہونچ جائیں گے۔ اور اپنی نسبت یہ کہ کارخانہ
بڑھنے کے بعد جو ملا کھا لیا، ورنہ غم کھایا۔ شعائر اسلام کے ایسے پابند تھے کہ جون کی دھوپ
میں کاشتکاری کا سخت سے سخت کام کرتے اور رمضان کا روزہ بھی رکھتے۔ تقریبات
پر آخر میں شروانی اسکول کے واسطے چندہ کی فرمائش ہوتی جس کو کوئی رد نہ کر سکتا تھا۔

موصوف کے بیٹے علی گڑھ کے مشہور اور ہر دلعزیز اور قابل یونانی طبیب حکیم شبیر احمد خاں
ہیں جو اب اس شہر کے محلہ پھپالہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ موصوف نے یہاں سکنی جائداد
پیدا کر لی ہے۔ اور قومی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ان کے بیٹے عزیز احمد خان
حکومت کے مرکزی ایکسائیز میں انسپکٹر ہیں اور معظم خاں صاحب رئیس قلعہ چھرہ کے
خویش ہیں۔ حکیم صاحب کے دوسرے بیٹے کراچی میں میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہیں۔
کنارہ کے چوتھائی حصہ کی مالک ہمت خاں کی اولاد ہوئی جو نواب یوسف خاں سے چوتھی
پشت میں تھے۔ ہمت خاں کی شاخ میں ہدایت اللہ خاں مرحوم گذرے جو خوشحال اور با اثر تھے
جن کی شادی نثار احمد خاں صاحب شروانی سابق وزیر حکومت صوبہ ہذا کی ہمشیرہ کے ساتھ
ہوئی۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم کے ایک داماد برلہ کے حاجی غلام مجتبےٰ خاں ہیں۔ اور دوسرے
صوبہ کی حکومت میں مرکزی ایکسائیز میں ملازم ہوئے۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم نے ایک باغ قلمی
انبہ کا لگایا اور پختہ مکانات تعمیر کرائے۔ غلام مجتبےٰ خاں برلوی کی شادی میں یہاں بڑا مجمع
اور بڑی چہل پہل تھی۔ یہاں کے عبدالوحید خاں (عرف چھٹو بھائی) مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی اسکول
میں راقم الحروف کے ہم جماعت تھے۔ بڑے ہنس مکھ اور با اثر تھے مگر افسوس ہے کہ ایک
بیٹی سلطان جہاں زوجہ نذر احمد خاں مرحوم اور ایک بیٹا برکات احمد خاں عرف "منجھلے میاں" چھوڑ کر جلد دنیا سے
رخصت ہو گئے۔ یہاں کے حاجی امین اللہ خاں کے حاجی مصطفےٰ خاں مرحوم رئیس بورہ کاول اور نواب حاجی اسمعیل خاں رئیس
دتاولی سے بڑے گہرے تعلقات تھے (دوستی تھی) سفر حضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے حاجی امین اللہ خاں مرحوم کے
بڑے بیٹے عظیم اللہ خاں نے کالجیٹ اسکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ چھوٹے صاحبزادے ظہور اللہ خاں
راقم الحروف کے ہم جماعت رہے ہیں۔ یہاں کے حاجی رحیم اللہ خاں کی رشتہ داری راقم الحروف
کے موضع سراے اور اس کے پاس چھوٹی خاندان میں ہوئی۔ یہاں کے حافظ عبدالسلام خاں
شروانی اسکول چھرہ میں استاد اور راقم الحروف کے کرم فرما تھے۔ ان کی خوش مزاجی یاد آتی
ہے۔ یہاں کے قدرت اللہ خاں پیر بخش کی وجہ سے قریب جوار کے اہیروں نے وسط
۱۸۹۹ء میں چڑھائی کی اور ان کو شہید کر دیا۔ الحمد للہ قاتلوں کو عبرتناک سزا دی گئی۔ خاندان میں ایک نااتفاقی
کا بڑا ہلکہ رہا۔ اب یہ موضع بھی تنزل کی یاد ہی کے تعبیر سے کھا رہا ہے خدا تعالےٰ فضل و کرم کرے۔

عنایتی

کناوہ سے پور کی جانب چلئے تو موضع عنایتی آجاتا ہے۔ یہ بھی ایک زمانہ میں آپس کی مقدمہ بازی میں مبتلا رہا۔ یہاں کے محمود خاں کی اولاد کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا۔ مگر ان کے بھائی کی اولاد میں محمد خاں گزرے۔ محمد خاں کے پانچ بیٹے ہوئے جن میں سب سے بڑے عنایت اللہ خاں تھے۔ عنایت اللہ خاں نے کچھ عرصہ تک حاجی مصطفیٰ خاں مرحوم رئیس بوڑہ گاؤں کے علاقہ طیب پور کا (جو آخر الذکر کی زوجہ مرحومہ کو ترکہ میں بیگم پور سے ملا تھا) انتظام کیا۔ عنایت اللہ خاں کے منجھلے بھائی شفاعت اللہ خاں تھے جن کے بیٹے شمس الضحیٰ خاں ہیں جو انٹرمیڈیٹ پاس کرکے گوالیار چلے گئے اور برسر روزگار ہو گئے۔ شادی بہار میں ہوئی۔ خدا نے چار بیٹے دیئے۔ بی بی نے اولاد کو بہت چھوٹا چھوڑا۔ لیکن شمس الضحیٰ خاں نے اس بچے ساتھ کو بڑے سلیقے سے بنایا۔ دوسری شادی نہ کی اور اپنی جوانی بچوں پر قربان کر دی۔ اعلیٰ تعلیم دلائی تین بیٹے (۱) شفاعت احمد (۲) عنایت احمد (۳) ریاض احمد ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں میں ماشاء اللہ نہایت اعلیٰ اور معزز عہدوں پر ہیں۔ (۴) چھوٹا اپنے بڑے بھائی کے پاس بھوپال میں زیر تعلیم ہے۔ خود بڑے دیندار عبادت گزار اور خدمت خلق خدا سے پاسدار ہیں۔ کاش شوہروں میں کم سے کم ایسے ثابت قدم اور جانثار بیٹے ہی ہوتے۔ عنایت اللہ خاں کے منجھلے بھائی ہدایت اللہ خاں بڑے عرصہ تک لمنی حاجی یونس خاں رئیس تاؤلی کے مختار عام اور کارندہ رہے۔ یہ راقم الحروف کے والد مرحوم کے دوست تھے۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم کے بیٹے مصطفیٰ اللہ خاں یہاں کے خوشحال اور بڑے زمیندار ہیں۔ انہوں نے علی گڑھ کالجیٹ اسکول میں مڈل تک انگریزی تعلیم حاصل کی۔ گھوڑے کی سواری کے شائق اور جوار میں با اثر ہیں۔ موصوف کے چھوٹے بھائی محمد شریف خاں مرحوم راقم الحروف کے ہم جماعت تھے۔ اور ان کی شرارتیں یاد آتی ہیں۔
عنایت اللہ خاں کے سنجھلے بھائی حمایت اللہ خاں کے چھوٹے بیٹے حکیم ارشاد اللہ خاں یونانی طبیب ہیں اور اب علی گڑھ میں مطب کرتے ہیں۔ ان بزرگ بھائیوں کی اولاد میں ابراہیم خاں (ابن کفایت اللہ خاں عرف تمیز خاں) راقم الحروف کے خاندان میں بیاہے گئے۔ اور اب پاکستان مغربی میں ہیں اور وہاں کاشت سے گزر بسر کرتے ہیں۔
یہاں کے کئی ایک حضرات نے شیروانی اسکول چھرہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور اب ان میں سے کئی ایک صاحبان پاکستان مغربی میں چلے گئے ہیں۔ عنایت اللہ خاں مرحوم کی اولاد میں کلیم اللہ خاں مرحوم بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ ایک شاعر کفو زوجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں کا قطعہ قد خوبصورت رہے۔ بڑا پکا ہی پہلے میں حکام میں نہایت باعزت تھے ان کی بہترین یادگار قصبہ اتلیہ کی خوبصورت جامع مسجد (معروف گولہ والی مسجد) ہے جس کے واسطے موصوف نے بڑی کوشش اور روپیہ خیرات سے روپیہ جمع کیا۔ اور جس کے وہ تاحیات متولی رہے۔

راقم الحروف کے بھی کرم فرما تھے۔ بڑے صادق مخلص اور زاہد و بے ریا تھے۔ دین کے
معاملہ میں بیٹوں تک کے روادار نہ تھے۔

گھنونہ

موضع عنایتی سے ذرا اور آگے پورب کی طرف بڑھئے تو موضع گھنونہ ملے گا۔
یہاں کے مورث اعلیٰ محمد کریم خاں بھیسولی سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ جگہ گھنونہ اسی وجہ سے کہلائی کہ یہاں ایک زمانہ میں جنگل جھاڑیاں بڑی گھنی تھیں۔
انیسویں صدی عیسوی کے شروع سے لے کر اس صدی کے وسط تک دیگر شروانی دیہات
کی طرح یہ موضع بھی آپس کی مقدمہ بازی کا شکار رہا جس سے آپس کے تعلقات پر بڑا
خراب اثر پڑا اور اب تک جاری رہا۔ یہاں کے نور اللہ خاں، کرامت اللہ خاں، شیراز خاں
برادری میں بہت با اثر اور باعزت تھے۔ نور اللہ خاں ریاست دادوں میں چند وضع کے
کارندے اور مختار عام رہے۔ احمد سعید خاں مرحوم بسہرہ کے بڑے دوستوں میں تھے،
ان کے بیٹے لطافت اللہ خاں ایک زمانہ میں شروانی اسکول چھرہ میں زیر تعلیم رہے۔
اور یہ مدرسہ اُن کی شرارتوں کا جولانگاہ تھا۔ شیراز خاں کی بیٹی عزیز الرحمن خاں ابن فقیر اللہ
خاں مرحوم ساکن پروره کو بیاہی تھیں۔ عزیز الرحمن خاں کے بیٹے امان الرحمن خاں اب
بسلسلہ تجارت کاسگنج ضلع ایٹہ میں مقیم ہیں۔ صاحب ثروت اور برادری اور حکام میں بارسوخ
ہیں اور وہاں مکانات تعمیر کرا لیے ہیں۔ یہاں کے محمد احمد خاں ایک عرصہ تک [illegible] شوگر
فیکٹری میں ملازم رہے۔ اور با اثر ہیں۔ امان الرحمن خاں کے بھائی مخلص الرحمن خاں نے بھی کاسگنج میں مکان تعمیر کرا لیا ہے
اور وہاں مقیم ہیں۔ یہاں کے کئی ایک شوقین حضرات نے موضع کے آس پاس عمدہ قسم کے قلمی انبہ
کے باغات لگائے ہیں۔ اس موضع کی جوار میں بڑی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے
کئی ایک شروانی حضرات سرطان کے پھوڑے کا بے مثل اور کامیاب علاج کرتے ہیں۔
ان حضرات کے ہاتھ ایک سستا نسخہ لگ گیا ہے۔ مگر جب مریض کا علاج کرتے
ہیں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ حتیٰ کہ ان کے یہاں کھانا بھی نہیں کھاتے۔ مگر
بلائے جانے پر جاتے فوراً ہیں۔ عبدالکافی خاں، عبدالباقی خاں، عبدالمتین خاں بھی با اثر بھائیوں میں سے ہیں۔

بھر سولی - طبال پور

اسی جوار میں شروانی دیہات بھر سولی اور طبال پور واقع ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی بستیاں چند مکانات کی ہیں۔ ان کے متعلق راقم الحروف کو کوئی خاص حالات اور شجرے معلوم نہ ہو سکے۔ بھر سولی کے نمبردار عبدالغفور خاں، عبدالحکیم خاں اور ان کے بھائی اسعد علی خاں مرحومین برادری میں بااثر تھے، اور ملنسار۔ کاشتکاری سے گذر بسر کرتے تھے۔ یہاں کی بڑی زمیندار تصدق احمد خاں مرحوم بیرسٹر ایٹ لا کی اہلیہ ہیں۔ یہاں کے حکیم حاجی شبیر احمد خاں مرحوم طبیہ کالج دہلی کے تعلیم یافتہ مشہور یونانی طبیب ہوئے۔ ایک عرصہ تک نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں کی ریاست میں امرا و غربا کے علاج سے لوگوں کی خدمت کرتے رہے۔ مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ ان کے بڑے بیٹے بشیر احمد خاں بھی یونانی حکیم ہیں۔

بھر سولی کے ملحقہ موضع طبال پور کی رشتہ داریاں راقم الحروف کے وطن میں ہیں۔ قدیم سے یہ رشتہ داریاں چلی آتی ہیں۔ یہاں کے دو صاحبوں نے شروانی اسکول چھرہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، مگر ان کی عمروں نے وفا نہ کی۔ یہ موضع بھی اب تباہ حال ہے۔ آخری زمانہ میں احمد یار خاں یہاں مشہور اور بااثر ہوئے۔ بھر سولی میں شروانی اٹوا سے آکر بسے۔

دھنساری

اب ہم پوربی شروانی علاقہ سے چل کر بھیکم پور میں آتے ہیں۔ یعنی قصبہ چھرہ رفعت پور کے قریب دھنساری میں جو ایک زمانہ میں بڑا با رونق تھا۔ مگر اب جہاں صرف چند شروانی گھرانے رہ گئے ہیں۔ بھیکم پور کے جد اعلیٰ سرفراز خاں کی شادی اسی موضع میں ہوئی تھی (جیسا کہ شروانی نامہ حصہ اول سے معلوم ہوگا)۔ اس موضع پر کبھی جاٹوں کا قبضہ رہا اور کبھی گوشائیوں کا۔ اور آخر میں گوشائیوں سے شروانیوں نے خریدا۔ اب اس حال میں یہ موضع نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی زمینداری میں رہا۔ جاٹوں نے یہاں ایک گڑھی کی بنیاد ڈالی تھی مگر وہ نامکمل رہی۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ اس موضع میں غوری پٹھان بھی آباد تھے۔ یہ غالباً کاشتکاری پیشہ ہوں گے۔

زمیندار نہ تھے۔ اس کے ملحقہ موضع کھوری میں عوزی قبیلہ کے کاشتکار موجود ہیں جو اب مفلوک الحال ہیں۔ اور "کسان" کہلاتے ہیں۔ اس موضع کی آراضی پر نواب محمد مزمل اللہ خاں مرحوم نے کپاس اور روئی کا کارخانہ کھولا جس نے بہت ترقی کی۔ اور موضع کی آراضی پر بازار احمد گنج قائم کیا۔ یہ سب اب غیروں کے قبضہ میں ہیں۔

حال میں یہاں ارشاد علی خاں اور بدرالہدیٰ خاں کے خاندان نمایاں ہوئے۔ ارشاد علی خاں گھوڑے کی سواری کے شایق تھے۔ بڑے خوش خلق اور با تدبیر تھے۔ اور نواب سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم سے گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ یہاں کے شروانیاں کی شاخیں شادی خاں سے جو ارشاد علی خاں کے دادا تھے اور ثابت خاں سے چلیں۔ آخر الذکر کی اولاد کا سلسلہ وسیع تھا۔ ارشاد علی خاں کے چچا نوازش علی خاں کے تعلقات رؤسائے دادوں، بھیکم پور سے گہرے تھے۔

چھترہ رفعت پور

ہم مغرب کی طرف موضع دھنساری کی حدود سے باہر قدم رکھتے ہیں تو پختہ سڑک علی گڑھ دادوں کی دوسری جانب ہم کو قصبہ چھترہ رفعت پور کی گنجان آبادی اور بازار ملتے ہیں۔ یہ تاریخی مقام ہے۔ یہ غالباً ایک ہزار صدی عیسوی کا وہی چھتر چھترا ہے جس کا ذکر اس سنسکرت کے کتبہ میں ہے جس کا ذکر ہم نے کول کے سلسلہ میں اور ابراہیم لودی کے عہد میں کیا ہے۔ اور جب گوگودند چندر راٹھور۔ راجہ قنوج نے مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے کچھ سال قبل ایک مہابرہمن کو دیگر مواضعات کے ساتھ یہاں کے موضع پر تین کیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ یا تو یہ چھتر چھتروں کا ایک نگر ا تھا یا اب قصبہ چھترہ رفعت پور ہے۔ رفعت پور کا نام بعد میں مسلمانوں کے عہد میں شامل ہوا جیسا کہ دیگر بستیوں کے ساتھ عمل ہوا۔ بقول شاعر

زمیں چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا!
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!!

اس قصبہ کے بازار سے ہم کو ذرا آگے بڑھتے تو جاٹوں کا بنایا ہوا پرانا قلعہ ملتا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس کی دو چار فصیلوں کے نشان رہ گئے ہیں۔ باقی دیواریں منہدم

ہوگئیں۔ زمانے نے تھا ایسے پلٹے کھائے کہ جاٹ حکومت اور جاٹوں کا قلعہ دونوں ٹھنڈے ہو گئے بلکہ ان کے جانشین گوسائیں اور مرہٹے اور اسلامی۔ انگریزی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ ۔ ۔ سے

بیک گردش چرخ نیلوفری
نہ نادر بجا ماند و نے نادری

خیر یہ تو معترضہ جملے ہیں۔ اسی قلعہ سے ملحق گوسائیوں کا وہ مندر ہے جس میں چور طاق پوشیدہ دفینہ رکھنے کے واسطے تھا۔ اسی قلعہ کے اندر شروانی اسکول چھرہ کی عمارت ہے۔ جس کا بورڈنگ ہاؤس تو شکستہ ہو گیا صرف تعلیم دینے کے کمرے باقی ہیں جن میں اب تک ایک اسلامیہ مکتب اور دیہاتی انگریزی، ہندی کی ابتدائی جماعتوں کا مدرسہ ہے۔ اس اسلامیہ مکتب کے قیام کے بارے میں مولانا فیض الدین ملکی کرلوی مشہور بانی اسلامی مسافر خانہ کی کوششیں قابل تحسین ہیں۔ اسی شکستہ قلعہ کے اندر یہاں کے زمیندران سابق یعنی شروانیان آباد ہیں۔ یہاں کے حال کے شروانیوں میں اللہ وردی خاں، سلیمان خاں، کفایت اللہ خاں، محمد یار خاں نمبردار، محمد علی خاں۔ ممتاز اور قابل ذکر ہوئے۔ بالخصوص سلیمان خاں اور محمد یار خاں مرحومین جنہوں نے شروانی اسکول کے واسطے مفت آراضیاں دیں۔ اور جو اس درسگاہ سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ اس کے روزانہ انتظام کی نگرانی رکھتے تھے۔ ان حضرات نے مدرسہ کو مالی امداد بھی بہت دی۔ سلیمان خاں صاحب مرحوم نے ایک رفیع الشان اور خوبصورت مسجد مع حوض، چاہ پختہ، اور حجرہ جات کے اس قلعہ میں تعمیر کرائی۔ اور وہ باہر کے کئی ایک خاندانوں کی پرورش کرتے تھے۔ سلیمان خاں صاحب اور محمد یار خاں صاحب مرحوم نے وسیع پختہ حویلیاں اور نشست گاہیں تعمیر کرائیں۔ فقرا و غربا ان کے یہاں سے فیض یاب ہوتے تھے۔ کفایت اللہ خاں مرحوم گوشہ نشین پرانی قطع وضع کے آدمی تھے۔ اور لوگوں سے ملنے جلنے میں گھبراتے تھے مگر شروانی اسکول کے وہ بھی ہمیشہ مددگار رہے۔ اللہ وردی خاں مرحوم وہی ہیں جن کے یہاں شادی کے موقع پر سب سے پہلے، داؤد خاں، خان زماں خاں مرحومین رؤسائے بھیکم پور کی تحریک پر خلاف شرع رسوم اور رقص و سرود کا ترک شروع ہوا جو بحمد اللہ اب تک جاری ہے اب یہاں حاجی مولوی عبد المجید خاں کی وجہ سے کچھ رونق باقی ہے۔ یہ دراصل خاندان برلہ

کے شروانی ہیں۔ اول ان کی شادی محمد یار خاں نمبردار کی بیٹی کے ساتھ ہوئی جن کے بطن سے محمد معظم خاں پیدا ہوئے۔ زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد سلیمان خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ حاجی عبد المجید خاں کا عقد ہوا۔ اور اول الذکر کی جائداد کے مالک اور منتظم وہی ہوئے اور چھیرہ میں آبسے۔ حاجی مولوی عبد المجید خاں کے بیٹے معظم خاں ہیں جو اپنے نانا محمد یار خاں مرحوم کے وارث اور اُن کی جائداد کے منتظم اور مالک ہوئے۔ معظم خاں بڑے اچھے شاعر ہیں۔ مشاعروں سے ان کو ذوق ہے۔ کلام اُن کا فصیح اور بابند ہے۔ اُن کے دم سے دو تین مرتبہ قلعہ چھیرہ میں مشاعروں کے پُررونق جلسے رہے۔ اور ان میں سے دو میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ علاوہ کافی داد پانے کے شعرا نے نغم گوناگوں اور اغذیہ بوقلموں سے خوب لطف اٹھایا۔ ایک مشاعرہ میں جو رات بھر رہا نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی صدر تھے۔ اس میں حاجی غلام محمد خاں فاضلی مرحوم رئیس دادوں، راقم الحروف کے عزیز حاجی محمد اسحاق خاں مائل بریلوی۔ مولانا محمد احسن مارہروی مرحوم بھی شریک تھے۔ بھانت بھانت کے شعرا نے لطف کو دوبالا کر دیا۔ چند سال کا واقعہ ہے کہ حکیم شبیر احمد خاں صاحب کولڑی کے صاحبزادہ کی برات معظم خاں کے یہاں آئی۔ تو وہ بارات رات کے گیارہ بجے پہونچی سب کی آنتوں نے قل ھو اللہ پڑھی۔ مگر دوسرے دن کی دعوت نے سب کسر پوری کر دی۔ اس موقعہ پر بڑی چہل پہل رہی۔ یہاں کی رونق سابق بھی منسوخی زمینداری کی وجہ سے چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح بدل گئی۔ یہاں کے کئی ایک شروانی گھرانے بن کر بگڑ گئے۔ اور ایسے بگڑے کہ اُن کے مکانات صرف کھنڈروں کی صورت میں ان کی یاد دلاتے ہیں۔ اس موضع کے پٹھانوں کی رشتہ داریاں، حسن پور، برلہ اور دیگر دیہات میں ہیں۔ مگر برلہ سے تعلقات گہرے ہیں جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا۔ سابقہ شروانی اکلوں کا ذکر جداودم ہے۔

برلہ وسرائے

اب یہاں سے چل کر ہم اپنے وطن برلہ میں پہونچتے ہیں۔ برلہ کا مزرعہ سرائے اُسس کے پاس ہے جو راقم الحروف کا مستقل الرہاس ہے۔ اگرچہ اب فروشاہ راقم الحروف کا قیام زیادہ تر علی گڑھ میں رہتا ہے۔ اپنے ضلع میاں سٹو بنا عیب ہے اس سے بلدی کا باتہ

اختصار سے کام لیا جاوے گا۔ اگرچہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ برلہ ایک زمانہ میں کئی ایک وجوہ سے برادری میں چوٹی کا موضع تھا۔ اور اب تو یہ حالت ہے کہ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

راقم الحروف کے وطن سرائے پر تو وبائے طاعون کا اثر پڑا جس نے اس کو ویران کر دیا۔ یہاں سے اور برلہ سے پرانے شرفا نیوں کے اٹھتے ہی افلاس نے قبضہ جمایا اور دونوں موضعوں کی بہاریں خزاں سے بدل گئیں صرف چند پختہ مکانات باقی رہ گئے۔
حال میں کچھ لوگ دونوں جگہوں سے ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ برلہ اور سرائے کے پٹھانوں سے جو مقدمہ بازی ملکیت جائداد کے بارے میں انیسویں صدی کے اول ربع میں ہوئی اس کا حال ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ غالباً برلہ کے مورثان اور اس مقدمہ کے مدعا علیہم کی یہ ذمہ داری کہ ان مواضعات کے مورث اعلیٰ ایک ہی نہ تھے، ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی اس روایت کی ذمہ دار ہے کہ برلہ کے پٹھان سنواتی نہیں ہیں۔ بلکہ درانی ہیں جن کو احمد شاہ درانی نے جنگ پانی پت سے قبل اور کول سے واپس جاتے وقت ان اطراف میں چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے خود اوپر دکھایا ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ اور قرین قیاس نہیں۔ اس کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اور بالآخر عدالت نے بھی قرار پایا کہ دونوں ایک ہی خاندان کے ہیں۔ اور دونوں کو جائداد متدعویہ میں حصہ ملا۔ برلہ کے مورثان میں زمانہ سابق میں چند ہستیاں ممتاز ہوئیں جیسا کہ صفت اللہ خاں ہیں جنہوں نے محلہ موضع الہ پور لے لیا جو عرصہ تک برلہ والوں کی زمینداری میں رہا۔ اور پھر اعیاز کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور ننگو خاں جنہوں نے ننگو پور آباد کیا جو اب تک برلہ سرائے کے شروانیوں کی زمینداری میں رہا۔ ان دونوں بزرگوں کی اولاد میں امام خاں (جو ہادی یار خاں رئیس دادوں کے خسر تھے) اور ان کے بیٹے حافظ نور خاں اور شاہ محمد خاں مشہور ہیں۔ حافظ نور خاں مرحوم کے تین بیٹوں میں حاجی عبدالواسع خاں مرحوم چند سال قبل تک زندہ رہے اور شاہ محمد خاں کے بیٹے حاجی اسحاق خاں مائل تخلص کا انتقال بھی حال ہی میں ہوا۔ زمانہ حال میں حاجی عبدالواسع خاں بلا شبہ با اثر و ہر دلعزیز تھے اکثر لوگوں کے تنازعات فیصل کرتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک سیاستدانوں میں سرگرم رہے۔ اپنی نیل کی کوٹھی چلائی۔ مگر اس میں نقصان کی وجہ سے

اپنی جائداد کو مقروض چھوڑا۔ موصوف نے ایک پختہ حویلی تعمیر کرائی باغ لگایا جو اُن کے ورثا کے قبضہ میں ہے۔ حاجی محمد اسحاق خاں مائلؔ مرحوم ہادی یار خاں مرحوم رئیس دادوں کے خولیش تھے۔ اور اس ریاست سے اُن کی اہلیہ مرحومہ کو ترکہ ملا۔ موصوف متواضع خلیق خوش پوشاک اور خوش خوراک تھے۔ مہمان داری کا سلسلہ اُن کے یہاں رہتا تھا۔ ایک عرصہ تک آنریری مجسٹریٹ رہے۔
اُن کی ایک بیٹی مولوی حاجی محمد جان خاں دادوں کی زوجہ اولی تھیں۔ اور دوسری بیٹی نواب ابو بکر خاں مرحوم کی بیوہ ہیں۔ موصوف نے وسیع پختہ حویلی اور کوٹھی برلہ میں تعمیر کرائی۔ اور باغ لگایا جو ختم ہو گیا۔ موصوف اچھے اُردو کے شاعر تھے اور داغؔ سے تلمذ حاصل کیا۔ ایک دیوان اور حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ طیبہ کا سفر نامہ اپنی یادگار چھوڑے۔ موصوف نے دو ایک مرتبہ برلہ میں بڑے زور کے مشاعرے منعقد کئے۔ ان دونوں حضرات کے زمانہ میں برلہ میں بڑی رونق رہتی تھی۔ حاجی عبدالواسع خاں مرحوم نے چار بیٹے چھوڑے یعنی سب سے بڑے محمد عزیز خاں اور اُن سے چھوٹے شعیب خاں نیزؔ مرحوم اُن سے چھوٹے راقم الحروف کے خولیش ادریس خاں ہیں جو برلہ میں مقیم ہیں۔ اُن سے چھوٹے مغیث احمد خاں۔ آخر الذکر مشرقی پاکستان میں ریلوے میں بجلی کے انجینیر ہیں اور وہیں کے ہو رہے۔
حاجی محمد اسحاق خاں کے بیٹے حاجی غلام مجتبےٰ خاں کا قیام برلہ میں ہے۔ ان کا بڑا بیٹا پاکستان مغربی یعنی سندھ میں ملازم ہے۔ حاجی عبدالواسع خاں مرحوم کے بھانجے عبدالواحد خاں، عبدالقدیر خاں اور عبدالکبیر خاں مرحوم تھے۔ اور عبدالماجد خاں عبدالقدیر خاں ایک عرصہ تک ریاست ہائے دادوں دلنواب سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم میں کارندے رہے۔ مگر افسوس کہ ان کو اور اُن سے چھوٹے بھائی حافظ عبدالکبیر خاں کو چند بدمعاشوں نے بیک وقت شہید کر دیا۔ راقم الحروف کے عزیز اور ساتھ کے کھیلے ہوئے۔ عبدالماجد خاں حاکم نے شروانی اسکول چھرہ اور مدرستہ العلوم علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ اور پھر سب انسپکٹر پولیس مقرر کئے گئے۔ مگر ایک زمانہ میں جو شیلے تھے اور آدمی مذہبی تھے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں خلافت کی تحریک کے سلسلہ میں استعفیٰ دے دیا۔ سب افسران نے استعفا واپس لینے کے واسطے اصرار کیا مگر ایک نہ سنی پھر درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمتہ بہرائچ کے منیجر ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ راقم الحروف کے بزرگ مولوی حاجی شمس الدین خاں جو ایک عرصہ تک

مکہ معظمہ میں رہے۔ اپنے علم اور تقدس کی وجہ سے جوار میں مشہور تھے۔ اُن کے بھائی قطب الدین خاں (جو اپنے اوراد کی وجہ سے پیر جی مشہور تھے) خوب آدمی تھے۔ انگریزوں سے بڑی نفرت رکھتے تھے۔ اُن کے بیٹے برار میں مشہور پہلوان ہوئے۔ مولوی حاجی شمس الدین خاں کی شاخ میں اب صرف منعم خاں نمبردار اور دو چار پٹھان برار میں رہ گئے ہیں۔ کچھ پاکستان کو ہجرت کر گئے۔ اور کچھ اس دنیا سے سدھار گئے۔ یہاں ایک زمانہ میں عبد الحمید خاں اور اُن کے بھائی سعید خاں نمبردار مرحوم بڑے متمول اور منتظم گذرے۔ سعید خاں مرحوم کے بڑے بیٹے حاجی مولوی عبد المجید خاں حیدرآباد میں جا کر بس گئے۔ اور اس موضع کے سلسلہ میں ان کا تذکرہ اوپر آیا ہے۔ یہاں کے عمر خاں میاں مرحوم کے بیٹے عبد الرزاق خاں مرحوم مشہور ہوئے۔ ایک زمانہ میں عرب گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ اُن کے بیٹے **حاجی عبد السلام خاں** (جو راقم الحروف کے خاندان میں شادی کی وجہ سے سراسے میں بس گئے ہیں) ممتاز ہوئے۔ ماشاء اللہ دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں مرحوم کے آگرہ اور علی گڑھ میں کارندہ رہے۔ زمانہ سابقہ میں رونق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں انگریزوں کی تجارت پیشہ (مگر آخر کی ملک گیر) ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ سے یہاں انگریز تاجروں کی نیل کی کوٹھی اور کارخانے رہے۔ ان کی وجہ سے انگریز حکام اور بعض زمانے شہر دوستان یہاں آتے رہتے تھے۔ اور عیسائی تیوہار کرسمس میں تو بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ برار میں شورش ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں بڑی لوٹ مار اور دھوم رہا۔ یہاں کا اس وقت کا لوٹ بانی انگریز بھاگ گیا۔ اور ایک مالدار تجارت پیشہ بنیا قتل کیا گیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ برار سراسے کے پٹھان اس شورش سے اپنا دامن بچا کر دیگر مقامات پر چلے گئے۔ ورنہ وہ بھی انگریزوں کی داروگیر سے محفوظ نہ رہتے۔ اسپاہل کا کارخانہ تو ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر انگریزوں کی کوٹھی شکستہ حالت میں ابھی موجود ہے جس میں اب اردو کا مدرسہ ہے۔ جو ابتدا میں عربی فارسی مذہبی تعلیم کے واسطے مدرسہ عربیہ یعقوبیہ کے نام سے قائم ہوا۔ اور ایک حصہ میں سرکاری مڈل اسکول ہے۔ اس عربی فارسی کے مدرسہ کے بانی راقم الحروف کے چھوٹے (مگر اس سے علم و فضل میں بڑے) حقیقی بھائی مولوی حاجی **الیاس خاں** مرحوم تھے۔ مرحوم نے سنہ ۱۳۴۰ھ میں اس تعلیم گاہ کی بنا ڈال کر

ہم سب پر احسان کیا۔ موصوف کے زمانہ میں اس درسگاہ نے بڑی ترقی و رفاقت کی خدمت کی۔ حاجی موسےٰ خاں مرحوم رئیس دتاولی اور ان کی ایک ہمشیرہ اور مریم بیگم دختر عروسہ بیگم متذکرہ بالا نے اس مدرسہ کے حق میں اُن اراضیات کو وقف کر دیا جو کارخانہ نیل کی کوٹھی کے احاطہ کے اندر ان کی ملکیت میں تھیں۔ ایک زمانہ میں ان سب اراضیات کے مالک دراصل بیلے کے زمینداران تھے۔ مگر ان انگریزوں نے جبرودستی سے اُن پر قبضہ کر لیا ہوتا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی جو اُن سے نکالتا۔

جب یہاں کا آخری انگریز اہتمام لے سے چلنے لگا تو اپنی اس ملکیت کو حاجی یعقوب خاں مرحوم رئیس دتاولی کی ریاست کے کورٹ آف وارڈس کو کلکٹر ضلع کی مدد سے فروخت کر گیا۔ جب حاجی یعقوب خاں مرحوم کا انتقال ہوا تو یہ کوٹھی اور اراضیات اُن کے ورثار کے حصّہ میں آئیں۔ جن میں سے بعض حضرات نے مدرسہ کے حق میں اپنے حصّہ وقف کر دیئے۔ جو اب تک قائم رہے۔ مگر حکومت کی نئی اسکیم میں معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم مدرسہ عربیہ دیوبند کے فارغ التحصیل تعلیم یافتہ تھے۔ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حاجی مولوی الیاس خاں مرحوم کی جانفشانی، دلچسپی اور حسن انتظام کی وجہ سے اس درسگاہ کے سالانہ جلسوں میں ایک مرتبہ نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم نے اور ایک مرتبہ حاجی موسےٰ خاں مرحوم نے صدارت فرمائی۔ اور دونوں حضرات نے بڑے بصیرت افروز مفید خطبے دیئے۔ شروع میں یہاں فارغ التحصیل عالم مذہبی عربی تعلیم کے واسطے تعینات تھے۔ مگر چونکہ اس تعلیم گاہ کی جڑ کمزور تھی۔ چند دن پر اس کا کام چلتا تھا۔ اس لئے مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم کے انتقال کے بعد وہ اپنی ابتدائی حالت پر قائم نہ رہ سکا۔ اور نہ پھر اس کو کوئی مولوی صاحب مرحوم جیسا مہتمم مل سکا۔ اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ مولانا فیض الدین بلخی صاحب کولوی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ کچھ سرکاری امداد ملتی ہے۔ اور کچھ مولانا موصوف انجمن حزب اللہ علی گڑھ کے سرمایہ سے اخراجات کو کسی نہ کسی طرح پورا کرتے ہیں۔ مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم کے بعد کچھ دن تک اس مدرسہ کا کام شبیب خاں مرحوم برلوی نے انجام دیا۔ اور پھر کچھ نگرانی حاجی عبدالسلام خاں رکھتے رہے۔ مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم کا وقت عبادت الٰہی۔ پند و نصائح

وعظ اور مدرسہ کے انتظام میں گذرتا تھا۔ موثر مقرر تھے۔ تحریر کے بھی دھنی تھے مگر عمر نے وفا نہ کی۔ اور قریب پچپن سال کی عمر میں رمضان المبارک ۱۹۲۷ء میں ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ حج بیت اللہ شریف سے واپسی کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور ان کاموں کو چھوڑ کر باہر بہت کم جاتے تھے۔ برلہ سے ملحق راس کا مزرعہ سراے ہے جو راقم الحروف کا مولد اور وطن ہے۔ اس بستی کی پرانی تاریخ تو بتانا مشکل ہے مگر جیسا کہ نام سے ثابت ہے مسلمانوں کی بسائی ہوئی جگہ ہے۔ یہاں کچھ پرانی عمارتوں کے آثار موجود ہیں۔ اور اس سے ملحق اور موضع کی حد کے اندر ایک پرانا گنج شہیداں ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ شہدا کے یہ مزارات کس زمانہ کے ہیں۔ اسی گنج شہیداں سے آگے بڑھ کر ایک پرانا کھیڑا ہے جس پر قدیم آبادی کے نشانات موجود ہیں اور گوسائیوں کا ایک مندر بھی تھا۔

ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ برلہ سراے کے سب خاندانوں کا اور پروہ وغیرہ کے شیر خانیوں کا نکاس ایک ہی مورث اعلیٰ سے بتایا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ یہاں کے شجروں سے جو اس کتاب کے آخر میں درج ہیں معلوم ہوگا۔ یہاں کے مورث اعلیٰ بھی دیگر شیر خانیوں کی طرح پٹھان بادشاہوں کی حکومت کے زمانہ میں ان اطراف میں آئے۔ یہاں کی مقدمہ بازی کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اس مقدمہ بازی کے زمانہ میں سراے کے سب سے زیادہ ممتاز پٹھان راقم الحروف کے پردادا گل خاں تھے جن کی پیدائش اس مقدمہ کی تجویز کے مطابق ۱۷۷۰ء کے لگ بھگ قرار پاتی ہے۔ گل خاں مرحوم کے چار بیٹے ہوئے جن میں سب سے بڑے راقم الحروف کے نانا حاجی سرفراز خاں تھے جو امام خاں برلہ کے خولیش اور ہادی یار خاں رئیس دادوں کے ہم زلف تھے۔ حاجی سرفراز خاں مرحوم برادری میں ممتاز اور با اثر تھے۔ و تادلی کے چند مواضعات حاجی سرفراز خاں مرحوم اور ان کے بھائیوں کے ٹھیکے میں تھے۔ اور ان مواضعات کی دیکھ بھال کا کام راقم الحروف کے والد بزرگوار حافظ عبدالحئی خاں مرحوم کرتے تھے۔ حاجی سرفراز خاں سے چھوٹے حاجی خان مرحوم راقم الحروف کے دادا تھے۔ مرحوم کو کئی ایک دستکاریوں میں ملکہ تھا۔ بڑھئی کا کام معمار کا کام کپڑے چھاپنے کا کام گھڑی سازی جانتے تھے نیل کے کارخانے چلانا بھی جانتے تھے۔ نین طباخی اور طرح طرح کی مٹھائیاں بنانے میں

مشہور تھے۔ خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔ اور اُن کے حصہ کی سب آمدنی اسی میں صرف ہوتی تھی۔ راقم الحروف کے خاندان کے مسکونہ مکانات سے ملحق گلابی باغ انھیں کی یادگار تھا۔ موصوف کشتے اعلیٰ درجہ کے پھونکتے تھے۔ اور بالآخر ایک کشتہ زیادہ مقدار میں کھا جانے سے گزشتہ ہوئے۔ برادری (خصوصاً دتاولی) کی شادیوں میں باورچی خانہ کا انتظام کرتے تھے۔

حاجی خاں مرحوم سے چھوٹے **جمعیت خاں** مرحوم تھے۔ جو اپنے تن و توش کی وجہ سے موٹے میاں مشہور تھے۔ یہ بڑے نیک سیدھے سادھے اور رقیق القلب تھے۔ ایک مدت تک نواب حاجی اسماعیل خاں اور حاجی عیسیٰ خاں مرحومین کے کارندہ رہے۔ ان سے چھوٹے، **ہدایت اللہ خاں** تھے۔ بے تحاشہ خرچ تھے۔ اور اپنی جائداد کو مقروض چھوڑا۔ ہر لہ کے انگریز اسمتھ کو ہر بار کرسمس کے موقع پر بیش قیمت ڈالیاں دیتے تھے جن کی چیزوں میں راقم الحروف اور اس کے ہم عمروں کو بھی حصہ ملتا تھا۔ اور جن کا بجز اسراف کے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ کلکتہ میں نیل کی فروخت میں ماہر تھے۔ اور اسی وجہ سے نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کا نیل اکثر یہی فروخت کرتے تھے۔ کلکتہ سے طرح طرح کی چیزیں لاتے اور ہم سب کو بانٹتے تھے۔ راقم الحروف کے والد بزرگوار **حافظ عبدالحی خاں** بڑے نیک دل اور جفا کش تھے۔ راقم الحروف کو شروع میں خود ابتدائی عربی کا درس دیتے تھے۔ مگر میری بدقسمتی سے وہ جاری نہ رہ سکا اور بالآخر کالیجیٹ اسکول میں داخل کرا دیا۔

راقم الحروف کے والد مرحوم ایک مدت تک مولوی حاجی یونس خاں مرحوم رئیس دتاولی کے کارندہ اور مختار عام رہے۔ اس ریاست کا جو بار احسان راقم الحروف کے خاندان پر ہے اس سے ہم کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ راقم الحروف کے ماموں **عبدالملک خاں** مرحوم جوانی میں اس دنیا سے سدھار گئے۔ اُن کا بڑا بیٹا حبیب الرحمٰن خاں اب پاکستان میں ہے۔ جمعیت خاں مرحوم کے بڑے بیٹے **وفاتی خاں** مرحوم بڑے جلال کے آدمی تھے۔ ایک مدت تک حاجی یوسف خاں مرحوم رئیس دتاولی کے کارکن رہے۔ برادری میں بااثر اور ہر دلعزیز تھے۔ وفاتی خاں مرحوم کے بیٹے **عبداللطیف خاں** اور اُن کے چچا زاد بھائی **حبیب الرحمٰن خاں** ابن عبدالجبار خاں مرحوم موضع سرائے میں خاندان کی طرف سے

معاملات میں پیش پیش رہتے ہیں ۔ اول الذکر کول میں ایک وکیل صاحب کے محرر ہیں ۔ اور آخر الذکر حاجی مونس خاں مرحوم کی ریاست کا کام کرتے ہیں ۔ خدا تعالےٰ ان کو خوش وخرم اور عرصہ تک سلامت رکھے ۔ ہدایت اللہ خاں کے بیٹے جلد دنیا سے اٹھ گئے ۔

راقم الحروف کے ایک چچازاد بھائی یامین خاں اور ایک ماموں زاد بھائی کاشتکاری سے گذر کر رہے ہیں ۔ کچھ افراد پاکستان چلے گئے ۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم کے ایک پوتے مطیع اللہ خاں بلند شہر میں محکمہ زراعت کے ہیڈ کلرک ہیں ۔ اس موضع سرہے کے دیگر شروانی حضرات اب انحطاط کی حالت میں ہیں ۔ اور کاشت کاری پر گذر بسر ہے

راقم الحروف اپنی بابت کیا عرض کرے ۔ بجز اس کے وہ ننگ خاندان ہے اور اس ناچیز کتاب کے ذریعہ شروانیوں کی گذشتہ عظمت ، حال کی تباہی کا حال اور اسلاف کی داستانیں سنا کر اپنا دل بہلاتا رہتا ہے اور سے

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کی رٹ لگائے ہوئے ہے ۔ راقم الحروف کی پیدائش سنہ ۱۸۹۳ء کی ہے ۔ اپنے گھر پر ایک عزیز حافظ مرحوم سے کلام پاک پڑھ کر فارسی کی ابتدائی تعلیم شیخ حبیب اللہ مرحوم کولوی سے حاصل کی ۔ اور خاندانی رواج کے خلاف کالیجیٹ اسکول علی گڑھ کی ابتدائی جماعت میں انگریزی تعلیم کے واسطے داخل کر دیا گیا ۔ شروع میں اپنے شفیق بزرگ جمعیت خاں مرحوم کے ساتھ ڈگی والی کوٹھی (حال نشاط) میں مقیم رہا ۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء سے کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں اقامت اختیار کی ۔ اور یہیں سے سنہ ۱۹۰۴ء میں بی اے کی سند حاصل کی ۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں چند ماہ تک نواب حاجی حبیب الرحمٰن خاں صدر یار جنگ مرحوم کی شفقت کی وجہ سے اعزازی طور پر شروانی اسکول چھپرہ میں ہیڈ ماسٹری کی خدمات انجام دیں ۔ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء میں بعض شروانی زعمار اور رؤسا کی سفارش پر صوبہ کی حکومت نے راقم الحروف کو نائب تحصیلدار مقرر کر دیا ۔ چند روز تک تحصیلدار اور سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ اور دیگر بکار ہائے خاص پر تعینات رہ کر سنہ ۱۹۲۰ء سے جنوری سنہ ۱۹۳۶ء تک ڈپٹی کلکٹر رہا ۔ مگر دوران جنگ کی کارکردگی میں چند دوسیانی دھوں

کو پے درنگ چھوڑ کر اوپر کے درجوں پر ترقی پائی۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک راقم الحروف اور صابر علی خاں صاحب شروانی ایم اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر اور نثار احمد خاں شروانی (سابق سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات و وزیر محکمہ زراعت صوبہ) فتح گڈھ میں تعینات تھے۔ اس اتحاد ثلاثہ سے بڑے لطف کا زمانہ گذرا۔ راقم الحروف اس وقت اول سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ اور پھر ریکارڈنگ افسر وغیرہ اور پھر تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر تھا۔ مگر اس اتحاد ثلاثہ کو فلک کج رفتار کی ایسی نظر لگی کہ تینوں منتشر ہو گئے۔ ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک بہرائچ میں درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ کے مزار کی خدمات بہ حیثیت پریسیڈنٹ کمیٹی راقم الحروف نے انجام دیں۔ اس زمانہ کے عرس کی رونقیں یاد آتی ہیں تو کلیجا منہ کو آتا ہے۔ اسی زمانہ میں میرے عزیز اور دوست عبدالماجد خاں بریلوی کا تقرر بہ حیثیت منیجر ہوا۔ موصوف کچھ عرصہ کے بعد اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے مگر پھر مقرر ہو کر ۱۹۵۲ء میں وفات تک تعینات رہے اور وہیں مدفون ہوئے۔ راقم الحروف کی مطبوعہ کتاب "حیات مسعودی" (سید سالار مسعود غازی کی سوانح عمری) کی بنا یہیں پڑی تھی۔ وہ ۱۹۳۴ء میں مکمل ہوئی۔

۱۹۳۸ء کے اوائل میں پنشن لینے کے بعد ۱۹۳۹ء میں راقم الحروف حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوا۔ خداتعالیٰ اپنے حبیب پاک صلعم کے صدقہ میں قبول فرمائے۔ اور راقم الحروف کے گناہ بخشے آمین۔ ۱۹۴۱ء میں قریب ایک سال کے راقم الحروف ضلع فیض آباد میں ایک بڑی تعلقہ داری ریاست کا منیجر رہا۔ یہاں سے استعفیٰ کے بعد جولائی ۱۹۴۲ء میں مرکزی سنی وقف بورڈ لکھنؤ نے اپنے سکریٹری کی خدمات راقم الحروف کے سپرد کیں جن کو اس نے ۱۹۴۶ء تک انجام دیا۔ چوں کہ راقم الحروف کو زراعت اور شکار سے شوق رہا اس لئے ہلدوانی ضلع نینی تال اور ریاست رامپور میں زراعت کے فارم شروع کئے۔ مگر دونوں جگہ مالی نقصان اور خرابی صحت کی وجہ سے راقم الحروف نے سبکدوشی حاصل کی۔ ۱۹۳۹ء ۔ ۱۹۴۰ء میں دودھ پور کے قریب علی گڈھ میں راقم الحروف نے پنشن لینے کے بعد دو کوٹھیاں

تعمیر کرائیں جن کو اپنی دختر (نور جہاں سلمہا زوجہ اویس خاں برلوی) کے نام منتقل کر دیا۔ اب یہاں بفضلہ مقیم ہے۔ خدا تعالے کے فضل و کرم اور اس کے احسان کا ہر دم وظیفہ ہے۔ اس کا شکر ہے کہ راقم الحروف کی نواسی ایم ایس سی میں تعلیم پا رہی ہے اور نواسے یونیورسٹی اسکول میں زیر تعلیم ہیں۔ ناظرین اکتا گئے ہوں گے اس سے زیادہ اپنی رام کہانی اور کیا سناؤں۔ صرف اس قدر عرض کروں گا ؎

طمع فاتحہ از خلق ندارم ننیاز
عشقم اندر پس من فاتحہ خوانم باقی است

نیز ایک جدید کتاب "تاریخ التواریخ ہند" کی تصنیف میں مشغول ہے انجام بخیر باد۔ یہاں کے حافظ حاجی نصیر اللہ خاں بھی قابل ذکر ہیں۔

پیرورہ

برلہ سرا سے کی رشتہ داریاں علاوہ دیگر دیہات کے قریب کے موضع پیرورہ میں بھی ہیں۔ اس لیے ہم اب آخر الذکر پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ یہ موضع بھی کالی ندی کے قریب دتاولی سے پورب میں اور اس سے متصل پرانی آبادی ہے۔ اور اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ بسانے والے کا پروار یعنی خاندان یہاں آکر رہا ہوگا۔ ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ خاندانی روایات (یادداشت نواب صدر یار جنگ مرحوم حبیب گنج لائبریری) کے مطابق عہد سکندر لودی کے محمد میر خاں شروانی اور ان کی اولاد پیرورہ میں آکر بسے۔ اور یہاں سے ملحقہ مواضعات میں پھیلی۔ اور یہیں سے دتاولی کے مورث حاجی مراد خاں نے نکل کر دتاولی سے جاٹوں کو نکالا۔ اور اس پر قبضہ کیا یہاں کی زمینداری تو خاندان دتاولی میں رہی۔ مگر پیرورہ کے شروانیان ذیلی کاری کاشت کاری سے گذر کرتے رہے۔ ان میں بعض حضرات خوش حال تھے اور چھوٹے زمینداران سے ایک زمانہ میں ان کی مالی حالت بہتر تھی۔ شروانی خاندان دتاولی کا پرانا قبرستان پیرورہ میں موجود ہے۔ اور حال کے ایک شفع کے مقدمہ میں جو مولوی حاجی یونس خاں مرحوم نے اپنے بڑے بھائی نواب حاجی اسماعیل خاں مرحوم زمیندار پیرورہ کے خلاف دائر کیا ایک بنائے دعوائے یہ بھی تھی کہ یہاں دتاولی کا قبرستان ہے۔ اگرچہ یہ دعوے

کامیاب نہ ہوا۔ زمانہ حال میں اس موضع کے فقیر اللہ خاں اور ان کے لڑکے عزیز الرحمٰن خاں پاسو خاں حسن رضا خاں دوست محمد خاں مرحوم مشہور افراد ہوئے۔ عزیز الرحمٰن خاں نواب حاجی اسماعیل کے کارندے رہے۔ ان سے چھوٹے راقم الحروف کے دوست اور ساتھ کے کھیلے ہوئے عبدالغفار خاں مرحوم تھے۔ یہ دونوں صاحبان عبدالرزاق خاں بیراوی کے بھانجے تھے۔ عزیز الرحمٰن خاں کی شادی موضع گنگورہ میں ہوئی۔ اور ان کی ان اہلیہ کی اولاد کا ذکر ہم نے گنگورہ کے سلسلہ میں کیا ہے کیوں کہ وہ وہیں جا بسی۔ پاسو خاں مرحوم روپیہ کا لین دین بھی کرتے تھے۔ حسن رضا خاں مرحوم مولوی حاجی یونس خاں مرحوم رئیس دتاولی کے ہم جلیس تھے۔ اور نیاڈو خاں مرحوم ساکن کنادہ کے انتقال کے بعد شروانی اسکول کے واسطے روپیہ وصول کرنے کا کام کچھ دن تک حسن رضا خاں مرحوم نے کیا دتاولی کے پروردہ عنایت خاں مرحوم ایک زمانہ میں مشہور پہلوان جوار میں تھے اور ہڈی کی ٹوٹ پھوٹ کا علاج آخر وقت تک مفت اور خوب کرتے تھے۔ احمد رضا خاں مرحوم کے پوتے حاجی ضیاء الرحمٰن خاں ہیں (جو اپنے ننھیال موضع سرائے میں آباد ہو گئے ہیں) دہلی میں ایک برقی پریس کے مالک ہیں۔ ماشاء اللہ خوش حال ہیں۔ حج بیت اللہ شریف سے فائز ہوئے۔ اپنے عزیز بستر نیر ولا کو پریس کے کام میں لگائے رکھتے ہیں یہاں سے دوست محمد خاں موضع سنہرا میں جا بسے تھے۔

قطب پور

اس موضع کے دکھن میں اور کالی ندی کے دوسری پار یہ موضع قطب پور ہے جس کی آبادی اب قریب قریب ویران ہے۔ یہاں کے شروانیان ترک سکونت کر گئے کچھ پاکستان چلے گئے۔ اور کچھ دیہاتی سے چل بسے۔ ایک زمانہ میں زمیندار ان دتاولی کی نیل کی کوٹھی تھی جو اب منہدم ہو گئی۔ راقم الحروف کے چچا عبدالغنی خاں مرحوم کی شادی یہاں کے ایک ممتاز شروانی وارث علی خاں کے یہاں ہوئی تھی۔ اب آخر الذکر کا خاندان سہاور میں جا بسا جہاں سے وہ ابتداً یہاں آئے تھے۔ یہ بڑے کاشتکار اور صاحب تھے۔ یہاں کے حنیف خاں مرحوم کی ہمشیرہ عبدالرزاق خاں بیراوی کی زوجہ تھیں اور ان

ترکہ میں دخیل کاری کا بڑا رقبہ حاجی عبدالسلام خاں ہروی اور ان کے بھائیوں کو ملا
حافظ مصلح الدین خاں ابن عبدالجلیل خاں اکناوہ نے یہاں مکان تعمیر کرائے
اور آخر الذکر کے بہنوئی چودھری ابراہیم خاں سہاوری اور خیراتی خاں نے (جو نواب
حاجی اسماعیل خاں کے کارندے تھے) یہاں حویلیاں تعمیر کرائیں۔ مگر ان کی اولاد
نے یہاں کی سکونت ترک کر کے علی گڑھ میں رہائش اختیار کی۔ چودھری ابراہیم خاں
مرحوم کے بیٹے راقم الحروف کے ہم جماعت چودھری شفیع الرحمن خاں علی گڑھ میں مقیم ہیں
اور چھوٹے جو سیاق میں بہت مشہور ہیں سہاور میں ہیں۔ شفیع الرحمن خاں کے بیٹے
حکیم انوار احمد خاں کی شادی راقم الحروف کے خاندان میں ہوئی۔ اور اب وہ لکھنؤ میں
سرکاری یونانی شفا خانہ جات دیہاتی کے انسپکٹر ہیں اور چھوٹے بیٹے پاکستان میں ہیں یہاں کے بڑے
زمیندار رحمان زماں خاں کا ترکہ وارث علی خاں و قطب علی خاں سہاوری کو بھی ملا۔ وہ خاندان کھوری اور سہاور میں
آکر بسے۔

کھیرسہ ۔ لوشہ

پروہ سے ملحق اور شمال میں کالی ندی کے متصل ایک چھوٹا سا موضع کھیرسہ
ہے جو خاندان دتاولی کی زمینداری میں اور یہاں کے شروانیان دخیل کار کاشت کار
رہے ہیں۔ بعض ان میں خوش حال گذرے۔ مثلاً بدر الدین خاں۔ قطب الدین خاں۔ علی مردان
خاں۔ شمس الدین خاں وغیرہ تھے۔ راقم الحروف کے دیرینہ دوست اور عزیز حاجی فقیر اللہ خاں
ساکن سراسے کی ننھیال یہاں ہے۔ یہاں سے انھوں نے بھی دخیل کاری میں
حصہ پایا۔ راقم الحروف کے کرم فرما اور شروانی اسکول چھرہ کے استاد ماسٹر عبدالعلیم خاں
مرحوم بھی یہیں بمجبوری سے ترک وطن کر کے بوجہ شادی آ بسے تھے۔ بڑی دخیل کاریوں
کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو گئے۔ اس لئے اب یہاں کے کچھ پٹھان ملازمتوں میں
بسر کر رہے ہیں۔ راقم الحروف کے موضع سراسے سے ملحق اور اس سے دکھن میں
موضع لوشہ ہے۔ باوجود کوشش کے اس موضع کے پٹھانوں کے شجرے اور
حالات دستیاب نہ ہوسکے۔ اس موضع میں خاندان دتاولی بھی زمینداری میں شریک تھا
راقم الحروف کی یاد سے پہلے یہاں حکیم محمد خاں مرحوم طبیب حاذق گذرے۔ زمانہ

حال میں مولوی محمد عمر خاں بھی ممتاز ہوئے۔ اب یہاں حاجی محمد شاہ خاں جن کے والد نواب سر فیض اللہ خاں مرحوم کے کارندے تھے اور حکیم حبیب اللہ خاں جو طبیہ کالج دہلی کے سند یافتہ اور جوار میں مشہور ہیں سربرآوردہ ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس موضع کے پٹھانوں کی شادی بیاہ اب غیر شرفائی خاندانوں میں ہونے لگے ہیں۔ ایک شاخ کی رشتہ داری قصبہ علی گنج ضلع ایٹہ کے پٹھانوں میں ہوئی جس کی وجہ سے وہاں سے ہدایت اللہ خاں سخاوت اللہ خاں مرحوم یہاں آ بسے۔ ان کی کچھ اولاد یہاں ہے اور کچھ علی گنج میں مقیم ہے مگر زمانہ کی دست برد سے پریشان حال ہیں۔ بدقسمتی سے آپس کے نفاق اور لڑائی جھگڑا اور مقدمہ بازی میں یہ موضع مشہور ہے۔ خدا تعالیٰ فضل و کرم کرے اور راہِ راست پر لائے۔ اس موضع کے ایک صاحب پاکستان میں ایک بڑے معزز عہدے پر ملازم ہیں۔ مولوی محمد عمر خاں کے خوش نویس لکھنؤ میں ادویہ کی فروخت کا سلسلہ رکھتے ہیں۔

بہرام پور

کالی ندی سے جنوب اور قصبہ جلالی سے متصل موضع بہرام پور ہے۔ جو پرانی آبادی ہے۔ ملک بہرام خاں یہاں کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ اب یہ موضع قریب اجاڑ ہے۔ کچھ حضرات پاکستان چلے گئے۔ کچھ دنیا سے گزر گئے۔ اور کچھ مفلوک الحال ہو گئے۔ فقط ملک کا بھی نام سے اڑ گیا۔ جب مالکیت ہی نہ رہی تو ملک کیسا۔ زمانہ حال میں برادر نور اللہ خاں اور ان کے بھائی ظہور اللہ خاں مشہور ہوئے۔ نور اللہ خاں مرحوم گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے ان کی نسل کشی سے مستفید ہوتے تھے۔ ایک زمانہ میں نمائش علی گڑھ میں ان کے گھوڑے جاتے تھے۔ متواضع خلیق اور برادری میں بااثر تھے۔ ان کے بیٹوں میں یوسف خاں، عابد خاں ممتاز ہوئے۔ مگر رعایا سے مقدمہ بازی اور حکومت کے جبر و تشدد کی وجہ سے اب علی گڑھ میں مقیم ہیں۔

ظہور اللہ خاں صوفی منش تھے ان کے بیٹے حکیم صالح خاں علی گڑھ میں مطب کرتے

ہیں۔ خدا نے دست شفا دیا ہے۔ ساتھ ہی بڑے با اخلاق اور صوفی منش ہیں۔ کبھی نسخہ بغیر بسم اللہ پڑھے نہیں لکھتے۔ اور جب مریض کو تھماتے ہیں تو بھی کچھ پھونک دیتے ہیں۔ ہر موسم میں فجر کی نماز تقریباً دو میل چل کر یونیورسٹی کی مسجد میں پڑھتے ہیں۔ علم اخلاق بہت وسیع ہے۔ کتب بین ہیں اور ادب کا اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ طفل صالح تھے اب جوان صالح ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ بڑھاپے میں بھی پیر صالح رہیں۔ آمین۔

علی محمد خاں کے بیٹے عیوض خاں نے یہاں بڑے ٹھاٹھ باندھے۔ مگر بقول نذیر اکبر آبادی "

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

بنجارا یہاں سے لاد گیا۔ اور ٹھاٹھ پڑا رہ گیا۔ ان کی زمینداری ایک عرصہ ہوا ختم ہو گئی۔ اور مکان کھنڈر ہو گیا۔ یہاں کے حافظ اسمٰعیل خاں جو ایک زمانہ میں کبوتر بازی میں مشہور تھے پاکستان چلے گئے اور اب پال کبوتر (یا شاید فاختہ) اڑا رہے ہیں۔ آپ کی رشتہ داری کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔

شاہجہاں آباد رسولپور

موضع شاہجہاں آباد اور رسولپور کے شجرے اور حالات ہم کو معلوم نہ ہو سکے مگر ہم یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ ان مواضع کے پٹھانوں کی نسلیں نصف شروانی اور نصف غیر کفو خاندانوں سے چلیں۔ رسولپور میں آجکل حاجی شاہ زماں خاں اور ان کے بھائی بدیع الزماں خاں یہاں کے بڑے کاشتکاروں میں ہیں۔ کیونکہ زمینداری کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

اول الذکر نے تجارت سے ایک زمانہ میں بہت فائدہ اٹھایا۔ اور راقم الحروف کے کرم فرما اور شکار کے ساتھی اور کبوتر بازی کی پرواز میں حریف، حاجی محمد جہاں خاں رئیس دادوں کے ہم جنس باہم جنس رہتے۔ مگر

میری ان کی رسم الفت اٹھ گئی
مدتیں گذریں زمانہ ہو گیا!

کا مضمون ہے۔ ایک زمانہ میں شاہجہاں آباد میں بھی نذر علی خاں اور ان کے بھائی کے بڑے ٹھاٹ تھے۔ مگر یہ بھی ختم ہو گئے

آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

خاندان علی گنج ضلع ایٹہ کی رشتہ داری یہاں بھی ہے ۔ افسوس! اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے ۔

سہاور

اب ہم شروانیان اضلاع علی گڑھ وایٹہ کی داستان پاستان ختم کر کے سہاور ضلع ایٹہ کے بٹنی پٹھانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ کیوں کہ رشتہ داری اور آپس کے تعلقات کی وجہ سے اب شروانی اور یہاں کے بٹنی خاندان ایک جان دو قالب ہیں ۔
افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے اس قدیم قصبہ کے مکمل تاریخی حالات ہم کو نہ مل سکے ، مگر یہاں کے رئیس چودھری عبدالقیوم خاں اور چودھری عبدالواحد خاں کی مہربانی سے جو شجرہ دستیاب ہوا، ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ و علی گڑھ و چودھری صاحبان شیخ عبدالواحد خاں سے جو حالات مل سکے اور جو باتیں راقم الحروف کے علم میں تھیں اُن سے یہاں کا خاکہ مرتب کر کے پیش کیا جاتا ہے ۔ اگر اس میں کوئی غلطی نظر آئے تو یہاں کے حضرات ہم کو معاف کریں ۔

اس قصبہ کا تاریخی سلسلہ محمد بن سام شہاب الدین غوری کے زمانہ تک پہونچتا ہے مگر واقعات کی درمیانی کڑیاں غائب ہیں ۔ اس وجہ سے تسلسل قائم نہ ہو سکا ۔ اس لئے جو کچھ معلوم ہو سکا ہدیۂ ناظرین ہے ۔ ورنہ کچھ عرصہ کے بعد ان پر تاریکی کا پردہ پڑ جائے گا اور آئندہ نسلیں اپنے اسلاف کے حالات سے بالکل ہی بے خبر ہو جائیں گی ۔ شروانیوں کی تاریخ میں سہاور کے بٹنی پٹھانوں کا تذکرہ لازمی ہے اگرچہ تاریخی مسالہ کی کمی کی وجہ سے وہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو ۔

یہ تو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ پٹھانوں کے مورث اعلیٰ دنو مسلم پٹھان قیس عبدالرشید کی اولاد میاں بٹن عرف شیخ بیٹ اپنے تقدس کی وجہ سے مشہور تھے ۔ یہ لودی اور شروانی پٹھانوں کے ماموں تھے ۔ لودیوں اور شروانیوں کی والدہ بی بی متو نے اپنے بھائی بٹن کے خاندان کے ساتھ پرورش پائی ۔ یہ چولی دامن کا ساتھ اب تک چلا آ رہا ہے ۔ علاوہ ازیں

سہاور میں آکر بسنے کے بعد ٹھٹیوں نے دیکھا کہ بجز اس قصبہ کے قرب وجوار کے ٹھٹی آبادی اور کہیں نہیں ہے۔ اس لئے شروع میں ان کی رشتہ داریاں بدایوں کے لودیوں میں رہیں جہاں اب تک لودی آباد ہیں۔ بلکہ ایک محلہ لودی پورہ کے نام سے موجود ہے۔ اور پھر علی گڑھ اور ایٹہ کے ملحقہ شروانی دیہات میں ان کی رشتہ داریاں شروع ہوگئیں۔ کئی ایک شروانی دیہات کی لڑکیاں بذریعہ شادی بیاہ سہاور میں گئیں اور سہاور کی کئی ایک لڑکیاں اسی طرح شروانی دیہات میں آئیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے

ممکن ہے کہ ہندوستان میں خال خال دیگر مقامات پر ٹھٹی پٹھان موجود ہوں جو دوسروں سے بے خبر اور جن سے دوسرے ناواقف ہیں۔ مگر اب سہاور کے علاوہ مغربی پاکستان سے ملحق آزاد قبائل کے علاقہ میں وزیریوں سے ملے ہوئے اور افغانستان میں ٹھٹی پٹھان موجود ہیں۔ اکبر کی مار دھاڑ کے بعد ہندوستان سابق کے پنجاب سے پٹھانوں کا منتشر ہو جانا کچھ عجائبات سے نہیں ہے۔ ہمارے لئے یہ بتانا ناممکن ہے کہ بروئے تاریخ یہاں ٹھٹی پٹھان سب سے پہلے کس زمانے میں آکر آباد ہوئے۔ البتہ اس بارے میں چند روایات اور قیاسات ہیں جو ذیل میں ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی شورش کے سلسلہ میں یہاں آگ لگا دینے کی وجہ سے یہاں کے ایک ممتاز ٹھٹی خاندان کے کاغذات تلف ہوگئے۔ اس لئے اور بھی زیادہ تاریکی یہاں کی تاریخ پر چھا گئی۔ پھر سابق شروانیوں کی طرح سے یہاں کے پٹھان بھی اہل قلم نہ تھے بلکہ اہل سیف کی روایتوں کے حامل تھے۔ غنیمت ہے کہ یہاں کے ٹھٹیوں کی تیرہ چودہ پشتوں کے شجرے دو ایک صاحب کے پاس موجود ہیں جن کو دیکھ کر ہمارے کرم فرما چودھری عبدالواحد خاں صاحب اور دو ایک دیگر احباب نے مورثوں کے نام بہم پہنچائے۔ اگرچہ یہ شجرہ جو کتاب ہذا کے آخر میں درج ہے نامکمل اور کسی قدر غیر مسلسل اس وجہ سے ہو گیا کہ اس میں مستورات کے نام تحریر نہیں ہیں اور نہ پیدائش اور وفات کی تاریخیں درج ہیں۔

اس سے معلوم ہوگا کہ یہاں کے ٹھٹیوں کے مورث اعلیٰ جن کا نام معلوم ہے ملک مغیث خاں تھے۔ تاریخی اصول کے مطابق اگر فی پشت اوسط زمانہ تیس سال رکھا جائے تو آج سے ملک مغیث خاں

کا زمانہ لودی اور سوری بادشاہان ہند کا ہم عصر قرار پاتا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ پٹھان یہاں اس سے قبل موجود ہوں۔ اگرچہ یہ قرین قیاس اس وجہ سے نہیں ہے۔ کہ بہلول لودی سے قبل ہندوستان میں پٹھانوں کی کوئی بڑی آبادیاں نہ تھیں۔ اگرچہ پٹھان تغلق خاندان اور اس سے قبل بھی اس ملک میں موجود تھے۔ جیسا کہ شروانیوں کے سلسلہ میں ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ قصبہ سہاور میں آبادی سے جانب شمال ملک تاج الدین علیہ الرحمتہ اور ان کے بھائی مرحوم کے پرانے اور پرجلال مزارات موجود ہیں۔ جن کی عمارت پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ البتہ یہ مقامی روایت سینہ بہ سینہ سالہا سال سے چلی آتی ہے کہ وہ سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری کی فوج کے سرداروں میں تھے۔ اور یہاں آکر شہید ہوئے یا انتقال کیا۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ و دیگر تواریخ ضلع ایٹہ اور سہاور کے جوار میں بہلول لودی اور سکندر لودی شرقی بادشاہان جونپور لڑتے رہے۔ اور ایٹہ کے قریب سونہار میں شرقیوں کو آخری اور فیصلہ کن شکست دی۔ سکیٹ ضلع ایٹہ کے قریب لودیوں اور مقامی راجپوت راجوں سے لڑائیاں رہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ ان آویزشوں میں شروانی اور ٹلٹی دونوں نے لودیوں کا ساتھ دیا اور دونوں میں سے کچھ بالآخر ان علاقوں میں بس گئے۔ سہاور میں پٹھانوں کے آکر بسنے کی ایک بڑی وجہ تو یہی ہے کہ شہاب الدین غوری کے زمانے سے یعنی بارھویں صدی عیسوی کے آخر سے سہاور میں مسلمان موجود تھے۔

سہاور کی تاریخ پر ہمارے کرم فرما چودھری عبدالواحد خاں ٹلٹی نے کچھ روشنی اس مضمون میں ڈالی ہے جو ۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء کے اخبار جمہور علی گڑھ (نواب صدر یار جنگ نمبر) میں شائع کرایا۔ اگرچہ یہ روشنی دھندلی ہے مگر راقم الحروف نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چودھری صاحب موصوف کے مضمون کے مطابق اس قصبہ کا پرانا نام سکیت نگری تھا جب شہاب الدین غوری کے عہد میں قطب الدین ایبک نے ان اطراف کو فتح کیا تو یہاں کے راجہ نور نگ دیو سے مقابلہ ہوا۔ آخر الذکر کو شکست ہوئی۔ اور وہ بھاگ گیا۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ نور نگ دیو نے راجہ پاسٹر کے یہاں پناہ لی۔ اور اسی کی مدد سے سہاور کو فتح کیا اور اس کا نام نور نگ آباد رکھا۔ اس نام کے بارے میں تو یہ روایت قابل قیاس ہو سکتی ہے۔

کہ لفظ نورنگ آباد کا آخری جز یعنی "آباد" اسلامی ہے جو مسلمانوں سے قبل رائج نہ تھا۔
ہاں یہ ممکن ہے کہ شکھ حسین نگری والی روایت صحیح ہو۔ بقول گزٹیر مذکور سہاور اس
وجہ سے نام ہوا کہ راجہ نے دوبارہ اس مقام کو سہباوں کی مدد سے فتح کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
بہرحال ہندو حکومت یہاں زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی۔ ورنہ ملک تاج الدین کے مزار
کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ ہم نے اوپر بہ سلسلہ عہد اکبری دکھایا ہے کہ بہار اور بنگال میں
جو پٹھان اکبر سے لڑتے رہے ان میں بٹنی پٹھان بھی شامل تھے۔ اور ان کے سرداروں
کے نام بھی بتائے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ہم نے اوپر یہ بھی دکھایا ہے کہ جب پنجاب سالقہ
کے دورہ میں اکبر نے بہت سے پٹھانوں کو اس صوبہ سے نکال کر منتشر کیا تو ان میں چودھریان
بٹنیان کا خاص طور سے ابوالفضل نے اکبر نامہ میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ ان کے سرداروں کے
نام نہیں بتائے ہیں۔ ہماری ناقص رائے میں اس زمانہ میں کچھ بٹنیان یہاں آکر ضرور آباد ہوئے
ہوں گے۔ کیوں کہ یہاں پیشتر سے پٹھان موجود تھے۔ وہ اپنی زمینداریوں، زراعتوں
اور تجارتوں کو بڑھانے میں مشغول رہے۔ اور بخلاف علی گڑھ کے شروانیوں کے جاٹوں اور
گوشائیوں کی زد سے باہر رہے۔ اگرچہ مرہٹے سہاور کے آس پاس چکر لگاتے رہے۔
اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ علاقہ دہلی کی کمزور مرکزی حکومت اور ان اقوام کی سازشوں
سے کسی قدر دور اور عام شاہراہوں سے ہٹا ہوا تھا۔ اور پھر بھوڑ کا علاقہ وہ سرسبزی کہاں
جو شروانیوں کے یہاں تھی۔ پھر یہاں نوابان بنگش فرخ آباد کا اور ان کا چراغ گل ہونے کے
بعد نواب وزیر اودھ کا دور دورہ تھا۔ پہلو میں رہیلے تھے۔ اس لئے جاٹوں اور گوسائیوں
کے سبز قدم یہاں تک نہ پہونچ پائے۔ خاندان بنگش کے بارے میں ایک قصہ عرض کر دینا
ضروری ہے۔ منور علی خاں نے اپنی فرخ آباد کی تاریخ "لوح تاریخ" مصنفہ ۱۲۵۵ھ
(قلمی لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی) میں درج کیا ہے کہ جب اورنگ زیب کے آخری عہد میں
اکبر آباد کے صوبیدار رشید خاں نے معمور رشید آباد (مابین شمس آباد و قائم گنج ضلع فرخ آباد)
آباد کیا تو وہاں جو فوج رہتی تھی اس میں ایک رسالہ عین خاں شروانی کا تھا۔ ملک سارنگ خاں
بنگش ملک بنگش افغانستان سے آکر اسی عین خاں شروانی کے رسالہ میں سب سے اول نوکر ہوئے

اس وقت سے بنگش پٹھانوں نے اس قدر ترقی کی کہ جابجا ان کی فوجی رسالوں اور ٹولیوں کی مانگ تھی۔ یہاں تک کہ عہد فرخ سیر میں (۱۱۲۴ھ لغایۃ ۱۱۳۱ھ میں) نواب محمد خاں بنگش نے فرخ آباد آباد کیا۔ اور اس کے اور ملحقہ علاقہ کے حکمراں تسلیم کر لئے گئے۔ جیسے شروانیوں نے بودلوں اور سوریوں کی جڑ جمائی اسی طرح بنگشوں نے بھی ان سے امداد حاصل کی۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ القصہ اسی وقت سے سہاور کے پٹھانوں اور فرخ آباد کے بنگشوں کے گہرے تعلقات قائم ہوئے۔ یہ بات اس امر سے بھی ثابت ہے کہ نوابان فرخ آباد نے بلونہ کے ایک شروانی صاحب کو جو سہاور میں جا کر بس گئے اور رحمت خاں کنونی کو معافیاں دیں۔ آخر الذکر معافی سے کچھ رقبہ ان کی اولاد شروانی پٹھانان حسن پور کے قبضہ میں چلا آتا ہے اور کچھ بیرگان تشخیص ہو گیا۔ اس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنگش فوج میں مختلف قبائل کے پٹھان ملازم تھے۔ اور ان کے علاقہ کی حدود قصبہ کول سے صرف پندرہ میل جانب مشرق رہ جاتی تھیں۔

اب یہاں ایک خاندانی روایت کا درج کرنا بھی ضروری ہے جس کو **سمیع اللہ خاں صاحب** مرحوم رئیس بلونہ نے اپنی تحریری یادداشت مورخہ ۱۳۰۶ھ میں درج کیا ہے اور جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بلونہ کے ممتاز مورث شاہ محمد خاں کے پوتے شادی خاں اور رحمت خاں فرخ آباد کے نواب بنگش کے یہاں ملازم ہوئے۔ اور کارکردگی کے سلسلہ میں تین سو بیگھہ اراضی کی معافی سہاور میں پائی اور جو عرصہ تک ان کے خاندان میں رہی اور یہ دونوں بھائی سہاور ہی میں بس گئے۔ اور ان میں سے ایک صاحب نے خاندان بنگش میں شادی بھی کی۔ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ بلونہ کے شاہ محمد خاں مذکور اور کول کے گورنر نواب ثابت خاں کا زمانہ ایک تھا۔ (یعنی ۱۱۳۱ھ لغایۃ ۱۱۴۶ھ) اس لئے بلونہ کے شادی خاں اور رحمت خاں اسی زمانہ میں یا اس کے بعد فرخ آباد میں جا کر ملازم ہوئے ہوں گے۔

دوسری روایت جو سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم موصوف نے اپنی یادداشت محولہ بالا میں درج کی وہ یہ ہے کہ نواب ثابت خاں گورنر کول نے جب شاہ محمد خاں کو پیام دیا کہ وہ آخر الذکر کے لڑکے دلیل خاں کی شادی نواب موصوف کی دختر کے ساتھ کر دیں اور شاہ محمد خاں نے دھن

دولت پر لات مار کر اس پیمانہ کو اس وجہ سے ٹھکرا دیا کہ نواب ثابت خاں
مغل غیر کفو تھے تو ان پر دوسری افتاد یہ پڑی کہ سہاور کے بہرم خاں نے (جو حاکو مت
بنگش میں دخیل اور با اثر تھے) شاہ محمد خاں سے کہلا بھیجا کہ وہ دلیل خاں کی شادی سہاور میں
ان کی لڑکی کے ساتھ کر دیں۔ اس سے بھی شاہ محمد خاں نے انکار کیا تو حاکومت بنگش کی
طرف سے بقایا مالگذاری کی علت میں بہرم خاں بٹی نے خود شاہ محمد خاں شروانی کی جگہ اُن کے بیٹے
دلیل خاں کو گرفتار کرا لیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ بیٹے کی محبت میں آخر کار شاہ محمد خاں نے اپنے بیٹے
دلیل خاں کی شادی بہرم خاں کی لڑکی کے ساتھ کر دی۔ مگر بہو خان کی توہم پرستی چل گئی پر چلا نہ گیا۔
جب سہاور سے جہیز آیا تو گھر سے باہر ڈلوا دیا۔ اور جو کوٹ دھوئی گئی۔
سہاور کے شجرے میں بہرم خاں کا نام مورث اعلیٰ سے چوتھی پشت میں ملتا ہے۔ مگر ان کا
سلسلہ نسل منقطع ہے۔ غالباً شروانی اور بٹی خاندان میں سب سے پہلی شادی جس کا حال
معلوم ہو سکا یہی تھی۔ اور اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔
بہرم خاں کا زمانہ بھی اصول مندرجہ بالا کے مطابق نواب ثابت خاں کے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔
جب یہ خطہ بشمول تمام پرگنات مع سہاور داخل ہے انگریزوں کے قبضہ میں ۱۸۰۲ء میں آیا تو اس کے
انتظام میں انگریزی حکومت کو وہی دقت پیش آئی جو دوسرے اضلاع ملحقہ میں پیش ہوئی۔
یعنی مکمل مالی کاغذات کا موجود نہ ہونا۔ صحیح آمدنی کا پتہ نہ چلنا۔ ملک میں بدامنی۔ زراعت
میں کمی اور زمینداروں اور کاشتکاروں میں پریشانی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی حالت
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سہاور اور موجودہ ضلع ایٹہ تھوڑے دن تک کبھی اٹاوہ میں شامل رہے
کبھی مین پوری میں۔ کچھ حصہ فرخ آباد میں اور کول علی گڑھ میں اور کچھ سہسوان بدایوں میں رہا۔
چونکہ اس خطہ میں بدامنی بہت تھی ایک یورپین افسر بطور انچارج ماتحت ضلع کے اول پٹیالی
اور پھر بلسڑ میں تعینات رہا۔ ۱۸۲۳ء میں آئین ہفتم کے مطابق پہلا باقاعدہ بندوبست سہاور
کا ضلع مین پوری کے صدر مقام سے کیا گیا۔ اہیر اور اہیڑیوں کی شورش۔ ڈاکوں کے مشکلات
کی کثرت نے رعایا کو پریشان کیا تو ۱۸۴۷ء میں یہ تجویز کیا گیا کہ سہاور کا علاقہ ایک
سب ڈویژنل افسر پٹیالی کے ماتحت کیا گیا۔ جو آخری احکام ہر ایک حصہ کی بابت اس ضلع کے کلکٹر

سے لیتا تھا۔ جس ضلع کے حدود کے ماتحت وہ حصہ ہوا۔ یہ چوں چوں کا مربہ ۱۸۵۲ء تک
رہا جب کہ ایٹہ جی ضلع قایم کیا گیا۔ اس نئے انتظام کو پانچ برس ہوئے تھے کہ ۱۸۵۷ء
میں اس شورش اور جنگ آزادی کا زمانہ آگیا جس کا نام انگریزوں نے اور ان کے دیکھا دیکھی
اوروں نے غدر رکھ دیا۔ اس شورش کے زمانہ میں ضلع ایٹہ کے خطہ میں اور سہاور کے
آس پاس بڑی بدامنی رہی جس کے قصے ضلع کا گزیٹیر اور انگریزی تواریخ بھری پڑی ہیں
نواب محمد خاں۔ قایم خاں۔ احمد خاں بنگش فرخ آباد کے نام لیوا اس وقت کے نواب فرخ آباد
نے بھی ہاتھ پیر نکالے اور کوشش کی کہ ملک پھر ہاتھ آجائے۔ ان کے کارکن علی گنج۔
کاسگنج۔ پٹیالی وغیرہ میں تعینات رہے۔ اور نومبر ۱۸۵۷ء میں بلوائیاں اور نواب فرخ آباد
کی نام نہاد فوج پٹیالی سے سہاور پر بڑھی۔ انگریز بھی اس کی کاٹ چھانٹ میں لگے ہوئے
تھے۔ اس کا مفصل قصہ تو ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ اس زمانہ میں چودھری
محمد علی خاں ٹیپی پٹھان بہال کے ممتاز اور بڑے زمیندار تھے۔ انھوں نے چوک میں عالیشان
مکانات تعمیر کرائے تھے ان پر الزام لگایا گیا کہ انگریزی افسران فلیس، ہال اور براملی کو
کوئی مدد نہیں دی۔ اور جب وہ پٹیالی سے آگرہ کو جانا چاہتے تھے تو بد خلقی کا برتاؤ کیا
اور چودھری صاحب موصوف نے باغیوں کو مدد دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چودھری صاحب موصوف کو
پھانسی دی گئی۔ اور ان کا علاقہ بحق سرکار ضبط کیا گیا۔ مکان کا بھاٹک ہاتھیوں سے تڑوایا
گیا۔ آگ لگائی گئی۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ ان شہیدِ ملت کو اپنے وطن اور ملک
پر جان نثار کر دینے کا سرٹیفکیٹ ملا۔ ان کے اعزا حیات علی خاں، ولایت علی خاں،
ناصر علی خاں اور مظہر علی خاں کو بھی شہید کیا گیا۔ انگریز تو اس وقت حواس باختہ تھے اور
اپنے سایہ سے بھڑکتے تھے۔ خوشامدی لوگ رائی کا پربت بناتے تھے۔ یہی غنیمت
ہوا کہ موصوف شہید چودھری صاحب کے ساتھ علاوہ مندرجہ بالا اصحاب کے خاندان کے اور
لوگوں پر مصیبت نہیں آئی۔ اور وہ انگریزوں کی داروگیر سے محفوظ رہے۔ اور جو
جائداد بچ رہی اس میں بعد کو ترقی ہوگئی۔ مگر زمانہ کی نیرنگی نے رنگ دیدنی ہے کہ انگریز نہ رہے تو بھی جائداد نہ رہی۔
اب ہم مختصر طور پر فرداً فرداً چند حضرات سے ناظرین کتاب ہذا کو روشناس کراتے ہیں۔

چودھری محمد علی خاں مرحوم شہید کے دو بیٹے تھے۔ چودھری نور اللہ خاں و چودھری ظہور اللہ خاں
مرحومین۔ آخر الذکر کے کچھ حالات ہم کو معلوم نہ ہو سکے۔ جب سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی وجہ سے
چودھری محمد علی خاں کی زمینداری اور جائداد ضبط ہوئی تو چودھری امام خاں مرحوم کی جائداد ان کے نواسے

چودھری نور اللہ خاں } کو ملی۔ آخر الذکر سنہ ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے "مظہر علی" ان کا تاریخی نام تھا۔ اپنے گھر پر رہ کر بزرگوں کی صحبت اور نگرانی
میں رسمی تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے کاروبار کو سنبھالا۔ مذہبی امور کے بڑے پابند تھے۔ اور
خواہ کیسا ہی موسم کیوں نہ ہو بلاناغہ مسجد میں نماز با جماعت ادا فرماتے تھے خوش خلق کم سخن
خوش صورت پرانی قطع وضع کے رئیس اگرچہ باوجود ریاست کے سیدھی سادھی زندگی بسر
کرنے والے تھے۔ راقم الحروف مرحوم کی زیارت سے مشرف ہوا ہے مستقل مزاج مخیر اور
غرباء نواز تھے۔ خفیہ اور علانیہ ان کی فیاضی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ایٹہ، بدایوں، بریلی
فرخ آباد کے سائلان کا ان کے یہاں جمگھٹ رہتا تھا۔ مگر غصہ کو پاس نہ آنے دیتے
تھے۔ شروانی اسکول چھرہ کو بھی ایک سو بیس (۱۲۰) روپیہ سالانہ امداد دیتے تھے۔ ان کے
خلق اور اسلامی اخوت کی یہ حالت تھی کہ جب دو سال تک سہاور میں وبائے طاعون کا
زور رہا تو اپنا گھر چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے بھروسے پر کہیں نہیں گئے۔ اور ہر شخص کی تجہیز و تکفین
میں شریک ہوتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ بلا تفریق ملت ملنساری کا برتاؤ تھا۔ البتہ
حتی الوسع انگریزوں سے ملاقات کرنے میں گریز کرتے تھے۔ پھلوں کی کاشت کا شوق تھا
اور سہاور کی ریتیلی زمین کو باغات سے گلزار بنا دیا جس کی پیروی دوسروں نے بھی
کی۔ موصوف کی فیاضی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ریاست مقروض ہوگئی۔ اور کورٹ آف وارڈس کے
انتظام میں آئی۔ مگر مثل مشہور ہے کہ دریا میں روٹی ڈالو تو تم کو واپس ملے گی۔ موصوف کے منجھلے
صاحبزادے چودھری عبد الحمید خاں مرحوم کورٹ آف وارڈس کی طرف سے مقروض ریاست کے
منیجر مقرر ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے باپ بیٹوں کی نیک نیتی کا یہ پھل دیا
کہ قرضہ جلد بے باق ہوگیا۔ اور ریاست نہ محض واگذار ہوئی بلکہ آخر میں اس کی آمدنی دو چند
ہوگئی۔ چودھری نور اللہ خاں مرحوم سنہ ۱۹۱۱ء میں بہ حیثیت سرکاری معزز مہمان کے دہلی دربار

میں شرکت کی تیاری میں مشغول تھے کہ یکایک بیمار ہوئے اور چند روز مرض میں مبتلا رہ کر اس
دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے "نور اللہ تربتہ" سے ان کی تاریخ وفات برآمد
ہوتی ہے۔ سہاور میں مدفون ہوئے۔ چودھری صاحب موصوف کے بڑے بیٹے

چودھری عزیز اللہ خاں مرحوم

تھے۔ یہ رئیسوں کا مزاج رکھتے تھے۔ حکام سے میل
جول تھا۔ آنریری مجسٹریٹ اور آنریری منصف رہے۔ ان
کی وجہ سے سہاور میں چہل پہل رہتی تھی۔ شروع میں کچھ دن تک انسپکٹر پولیس رہے۔
مگر اس کام میں اور ریاست کی آن بان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے جلد استعفیٰ
دے دیا۔ اور پھر سہاور میں قیام رہا۔ یہیں عدالت کا کام انجام دیتے تھے۔ البتہ کبھی
کبھی اپنے اعزا سے ملنے بھیکم پور، حبیب گنج، دتاولی یا اکبرہ نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم کے
یہاں چلے جاتے تھے۔ موصوف کی پہلی شادی نواب صدر یار جنگ حاجی حبیب الرحمٰن خاں
مرحوم کی چھوٹی ہمشیرہ مسعودہ بیگم کے ساتھ ہوئی۔ اور ان اہلیہ کے بطن سے خانصاحب احمد اللہ خاں
صاحب بی اے پیدا ہوئے۔ زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد عزیز اللہ خاں مرحوم نے دوسری
شادی رابعہ بیگم دختر حاجی فیض احمد خاں دتاولی کے ساتھ کی۔ اور ان کے بطن سے چودھری
انوار اللہ خاں عرف اقبال میاں مرحوم اور ایک بیٹی (زوجہ ابراہیم خاں بڈہ باسنی) پیدا
ہوئے۔ رابعہ بیگم مرحومہ کو ریاست دتاولی سے چند دیہات جہیز میں ملی۔ ان کا کام کچھ عرصہ تک
راقم الحروف کے والد مرحوم نے بھی انجام دیا۔ چودھری عزیز اللہ خاں مرحوم مرنجاں مرنج قسم کے
بزرگ اور ریاست کے کام سے زیادہ دلچسپی لینے والے نہ تھے۔ البتہ اپنے والد مرحوم کے
بعد کیمیا کی بے حد لت اور دھت رہی۔ مگر آخر تک وہی ایک آنچ کی کسر رہی۔ ان کے بھائیوں
سے تعلقات اچھے رہے اس لئے ان کی حیات میں بھی ریاست کا کام ان کے منجھلے بھائی
چودھری عبدالمجید خاں مرحوم انجام دیتے رہے۔ آرام سے زندگی بسر کر کے چودھری عزیز اللہ خاں
مرحوم نے ۱۹۲۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے نام لیوا دو بیٹے یعنی احمد اللہ خاں
صاحب اور اقبال میاں مرحوم چھوڑے۔ چودھری نور اللہ خاں مرحوم کے منجھلے بیٹے

عبدالمجید خاں صاحب

تذکرہ بالا تھے۔ وہ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی

کی تعلیم اچھے درجہ تک گھر پر حاصل کی ۔ مولوی امیر حسن سہسوانی مرحوم چودھری صاحب کے استادوں میں رہے ۔ چودھری صاحب موصوف بزرگان دین سے عقیدت رکھتے تھے ۔ اور مولانا شاہ عبدالغفور صاحب نقش بندی مجددی شاہ جہاں پوری سے بیعت حاصل کی ۔ صوم وصلوٰۃ کے اپنے والد بزرگوار کی طرح پابند تھے ۔ اور فقہ اور حدیث کا مطالعہ وسیع تھا ۔ چنانچہ فقہ میں ایک کتاب "کنز الآخرت" نظم میں تصنیف کی اور چھپوا کر مفت تقسیم کیا ۔ اس کتاب کو عالم متبحر مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم بریلی نے بہت پسند کیا ۔ چودھری صاحب مرحوم اردو فارسی کے فصیح و بلیغ شاعر تھے ۔ ان کے عزیز دوست نواب صدر یار جنگ مرحوم سے کبھی کبھی منظوم خط و کتابت رہتی ۔ دنیاوی مشاغل میں شطرنج اور شکار سے شوق تھا ۔ اچھی بندوق اور اچھا نشانہ اور احباب کی اچھی خاطر تواضع سرکاری حکام اور دیگر حضرات کو ان کا مہمان بناتی تھی ۔ اس کا تماشا خود راقم الحروف نے ایک مرتبہ سوروں میں دیکھا جب کہ کمشنر آگرہ ڈویژن اور چودھری صاحب کا شکار میں ساتھ تھا ۔ ان کے علاقہ میں گنگا کا کھادر شکار گاہ تھی ۔ جہاں اور خوبیاں ان میں تھیں وہاں خدا تعالےٰ نے موصوف کو ریاست کا عمدہ انتظام کرنے کی صلاحیت بھی دی تھی ۔ چنانچہ اپنی ریاست کو قرضہ سے پاک کیا ۔ اور آخر وقت تک اپنے اور اپنے بھائیوں کے کام انجام دیتے ۔ باوجود ان مشاغل اور ریاست کے سیدھی سادھی زندگی بسر کی اور اخراجات پر قابو رکھا ۔ بلا سود قرض دے کر بعض عزیزوں کی مدد کی ۔ اور ایک موقع پر بلا دریغ اپنے ایک عزیز کی جو قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھے ایک لاکھ روپیہ کی نہ صرف خود ضمانت کر لی ، بلکہ اپنے بھتیجے چودھری احمد اللہ خاں سے بھی اسی قدر یعنی ایک لاکھ کی ضمانت کرائی ۔ اور عام پیروی میں جان لڑائی ۔ قصبہ سے باہر ایک عمدہ قلمی آموں کا باغ لگایا ۔ جہاں خوبصورت مسجد اور کوٹھی تعمیر کرائی ۔ افسوس ہے کہ کوٹھی شکستہ ہو گئی ۔ وہ صاحب اولاد نہ تھے ۔ امور خیر کے واسطے اپنی جائداد وقف کی ۔ بیمار ہو کر علاج کے واسطے علی گڑھ آئے مگر وقت آخر آ گیا تھا ۔ جانبر نہ ہو سکے ۔ اور اپنے حبیب نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی کوٹھی حبیب منزل میں انتقال کیا ۔ اور اپنے وطن میں مدفون ہوئے ۔ سنہ ۱۳۵۵ھ میں ان کے انتقال پر نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم نے ایک پر درد مقالہ لکھا جو "مقالات شروانی" میں درج ہے ۔

محمد شعیب خاں صاحب

مرحوم موصوف کے چھوٹے بھائی چودھری محمد شعیب خاں صاحب ہیں جن کے دم سے سہاور کی رہی سہی بات اور تھوڑی بہت رونق باقی ہے۔ موصوف ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ اور گھر پر رہ کر رسمی تعلیم پائی۔ جوان ہوئے تو اپنے بڑے بھائی مرحوم کی تقلید کی اور پولیس ٹریننگ اسکول مرادآباد کا کورس پورا کر کے چند روز آگرہ میں سب انسپکٹر رہے۔

راقم الحروف اس زمانہ میں اس ضلع میں نائب تحصیلدار تھا اور دیکھا تھا کہ چودھری صاحب موصوف جو خاندانی روایات کے مطابق خلق مجسم تھے اپنی تنخواہ اور گھر کی آمدنی احباب کی دعوتوں پر خرچ کرتے تھے۔ سب انسپکٹری کے واسطے وہ قطعاً موزوں نہ تھے؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس عہدے سے استعفا دیا اور گھر چلے آئے۔ دنیا کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہنے والے سنجیدہ اور متین بزرگ ہیں۔ گوشہ عافیت میں آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔ کبھی کبھی اپنے اعزا سے ملنے باہر چلے جاتے ہیں۔ لوگ ان کی سیر چشمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ موصوف کی ہمشیر خاں بہادر مولوی خلیل الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور کو بیاہی گئی تھیں۔ اور آخر الذکر سے گہرے تعلقات تھے۔ چودھری صاحب کی پہلی شادی عبدالشکور خاں صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جن کے بطن سے جو صاحبزادی ہوئیں وہ خاں بہادر حاجی عبید الرحمٰن خاں رئیس حبیب گنج کو بیاہی گئیں۔ اور چھوٹی صاحبزادی حاجی صالح خاں کی بہن کے بطن والی اقبال میاں مرحوم متذکرہ بالا کی بیوہ ہیں۔ چودھری محمد شعیب خاں صاحب نے بھی اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد وعلی الخیر کر دیا ہے اور خود متولی ہیں۔ راقم الحروف کو اس ناچیز کتاب کی اشاعت میں موصوف سے بیش قیمت امداد ملی۔ خدا تعالیٰ موصوف کو عرصہ تک زندہ اور خوش و خرم رکھے؎

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

ہم نے اوپر چودھری خاں صاحب احمد اللہ خاں صاحب والی ... سے ابن چودھری عزیز اللہ خاں کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ایک عرصہ تک اپنی ننھیال حبیب گنج میں اور بارہ سال سہاور میں آنریری مجسٹریٹ رعب داب اور جاہ و جلال کے ساتھ رہے۔ اور ان کے فیصلوں کی دھوم تھی۔

اوقات کے پابند تھے۔ حکومت نے ان خاں صاحب کو "خانصاحب" کا خطاب دے کر خدمات کا اعتراف کیا ؎

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

کا مضمون ہوا۔ اب خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب جوار بھاٹا آنریری مجسٹریٹی کے ساتھ ختم ہوگیا۔ وطن سے باہر کم جاتے ہیں۔ صحت کچھ اچھی نہیں ہے۔ کتب اور اخبار بینی سے شوق اور سیاسیات پر گفتگو کرنے کا ذوق ہے۔ مگر یہ ذوق صرف بات چیت تک محدود ہے۔ خلیق اور متواضع ہیں۔ اور انتظام خانہ داری میں ماہر۔ راقم الحروف سے کرم فرما ہیں۔ شادی نواب صدر یار جنگ بہادر کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔ سہاور میں ابتدائی تعلیم کا ایک مدرسہ بھی چلایا۔

موصوف کے چھوٹے بھائی انوار اللہ خاں عرف اقبال میاں مرحوم نے بھرپور عمر میں بلا اولاد چھوڑے ہوئے اس دنیا کو خیر باد کہا۔ اور اپنی عمر کا بڑا حصہ کبوتر بازی کے شوق کی نذر کیا۔

احمد اللہ خاں صاحب موصوف کے ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں یعنی ثناء اللہ خاں عرف احمد میاں جن کی شادی سسوان ضلع بدایوں کے ایک پٹھان خاندان میں ہوئی اور دوسرے محمد اللہ خاں عرف محمد میاں دونوں جوان صالح ہیں۔ اور اپنے کاروبار میں مصروف ہیں احمد میاں صاحب کو ادبیات سے بھی لگاؤ رہا ہے اور کچھ عرصہ تک علی گڑھ میں ایک مکتبہ کے مالک رہے ہیں۔ اب تجارت میں لگے رہتے ہیں۔ احمد اللہ خاں کی صاحبزادی عفیفہ خاتون غلام جیلانی خاں عرف اعجاز میاں ابن حاجی مولوی محمد جان خاں صاحب رئیس دادوں کی اہلیہ ہیں اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

اس چوٹی کے خاندان کے علاوہ قصبہ سہاور میں کئی ایک دیگر پٹھان حضرات بھی ممتاز اور باثر ہیں جن کے پورے حالات کے لئے دفتر چاہیئے۔ ہم صرف مختصر اچند حضرات کا تذکرہ کریں گے۔ یوں تو سہاور کے پٹھان حضرات ایک جدی ہیں۔ مگر تین ساڑھے تین سو برس کے عرصہ میں مردم شماری کے اضافہ سے خاندانوں میں آپس میں کئی کئی پشتوں کا فرق ہوگیا۔ پھر دنیا کے قاعدہ اور قانون قدرت کے مطابق ان میں سے مختلف وجوہ سے بعض حضرات

خوش حال ہوئے بعض متوسط طبقہ میں اور بعض افلاس میں جا پڑے ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

کا مضمون ہے۔ یہاں کے بعض پٹھانوں نے حکومت برطانیہ کی ملازمتوں میں بڑا حصہ لیا۔ اور معزز عہدوں پر تعینات رہے۔ منیر احمد خاں مرحوم ایک مدت تک پولیس سب انسپکٹر اور انسپکٹر رہے۔ کانپور کے بارعب اور [illegible] کوتوال رہے۔ کانپور میں ۱۹۱۳ء کا مسجد مچھلی بازار کا ہندو گیر ہنگامہ انھیں کے دور دورہ میں ہوا۔ بعد پنشن سہاور میں گھر پر مقیم رہے۔ ایک پختہ حویلی اور کوٹھی تعمیر کرائی۔ نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم سے گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ اپنی پوتی کی شادی صابر علی خاں صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے کے ساتھ دھوم دھام سے کی۔ برادری کے معززین شریک تھے۔ راقم الحروف بھی حاضر تھا اس موقع پر دیکھا کہ یہاں کے پٹھانوں میں رواج ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں قصبہ کے اہل برادری شادی اور دعوتوں میں تو شریک ہوتے ہیں مگر لڑکی والے کے یہاں کھانا نہیں کھاتے معلوم نہیں کہ یہ رواج افغانستان اور پنجاب سے ساتھ آیا یا ہندوستان کے دیگر رسوم کا جزو ہے۔ دوسرا رواج یہ بھی دیکھا کہ اکثر و بیشتر لڑکیوں کو باپ کی جائداد غیر منقولہ سے ترکہ نہیں ملتا۔

چودھری حامد علی خاں مرحوم بھی ایک مدت تک پولیس سب انسپکٹر اور شہری کوتوالیوں کے انچارج رہے۔ سہاور میں اس طرز کا پختہ مکان بنایا کہ بوقت ضرورت اس کے کئی حصے باہم اور بے [illegible] ہو سکتے ہیں۔ بڑا اچھا باغ قلمی انبہ کا لگایا زمینداری تو ختم ہوگئی باغ خدا کرے قائم رہے۔ موصوف کے یہاں [illegible] ان کی مہمان نوازی راقم الحروف کبھی نہ بھولے گا علی گڑھ میں بھی سکنی جائداد حاصل کی اور بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کی۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔

موصوف کے بڑے بھائی ادریس خاں مرحوم بڑے ملنسار اور خلیق اور متواضع تھے۔ صاف ستھرا مکان۔ تھوڑی آمدنی میں اس انتظام سے رہتے تھے کہ بڑے زمیندار معلوم ہوتے تھے۔ چونکہ براہ کے حاجی عبد الواسع خاں مرحوم کے وہ خالہ زاد بھائی تھے اس لئے دونوں کا

ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا رہتا تھا۔ اور کبھی کبھی راقم الحروف کا بھی سہسوار میں موصوف کے یہاں قیام اور ان کی مہمان نوازی سے مستفید ہوتا تھا۔ موصوف کی بیوہ ہمشیر راقم الحروف پر بڑی شفقت کرتی تھیں۔ افسوس کہ ؎

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

موصوف کے بڑے بیٹے حافظ مقبول احمد خاں اور دیگر اولاد گھر پر مقیم ہے اور شاید راقم الحروف سے واقف بھی نہ ہوں تجارت اب اُن کا ذریعہ معاش ہے۔

موصوف کے چچا زاد بھائی چودھری تقی خاں مرحوم کا ایک عرصہ تک ریاست دادوں سے تعلق رہا۔ ان کے بیٹے الیاس خاں اب گھر پر مقیم ہیں۔ ادریس خاں مرحوم سے بڑے اُن کے چچا زاد بھائی محمد سعید خاں مرحوم ہوئے۔ ان کے بیٹے چودھری عبدالقیوم خاں اپنی خصوصیات اور راقم الحروف سے لڑکپن کے زمانے سے تعلقات کی وجہ سے قابل ذکر ہیں۔ علاوہ قدیم رشتہ داری کے (جس کا اب کوئی سلسلہ ہم دونوں کی بدقسمتی سے باقی نہیں ہے) راقم الحروف اپنی ملازمت کے زمانہ میں اور بعد کو بھی ان کی غضب ناک محبت اور طعن و تشنیع کے مظاہرہ سے لطف اٹھاتا رہا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ بحمد اللہ اب بھی چل رہے ہیں۔ ان کو ضعف بصارت اور بقول بعض حضرات ضعف دماغ کی شکایت ہے اور بندہ کو ضعف سماعت کی اور ضعف اعصاب کی۔ اب حالت یہ ہے کہ ؎

میری ان کی رسم اُلفت مٹ گئی
مدتیں گذریں زمانہ ہوگیا

خدا کے شکر میں سے میری اور ان کی عمر یب قریب ہے۔ ان کے خاندان کے کچھ لوگ پاکستان میں ہجرت کر گئے ہیں ...[illegible] تقی خاں مرحوم کے بھائی رُکنی خاں بھی خوب آدمی تھے۔ اولاد کا حال مجھے معلوم ہوگا۔ حبیب اللہ خاں مرحوم کے بیٹے حبیب اللہ خاں مرحوم کے خاندان میں موجود ہیں۔ توصیف اللہ خاں صاحب راقم الحروف کے کرم فرما ہیں۔ پولیس سب انسپکٹری سے ترقی کی۔ لکھنؤ کی نمائش کے زمانہ میں راقم الحروف نے شاہ جہاں پور سے جا کر موصوف کی مہمان نوازی سے ایک دو ہفتہ کو ترال لکھنؤ میں تعیناتی سے فائدہ اٹھایا۔ اور پھر تین سال تک موصوف کا ہم سایہ رہنے کا ساتھ رہا اس وقت

رہا جب کہ راقم الحروف ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک بطور سکریٹری سنی مرکزی وقف بورڈ لکھنؤ میں
تعینات رہا۔ اس زمانہ کا لطف صحبت اور قصبہ دلوا میں جہاں موصوف کے عزیز ڈاکٹر جمیل الرحمن خاں
تعینات تھے لطف شکار ہمیشہ یاد رہے گا۔ اب موصوف آگرہ میں اڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس
ہیں۔ اللہم زدفزد، خداتعالے ان کے مدارج میں ترقی دے۔

موصوف کے بڑے بھائی رحمت اللہ خاں سے اس وقت سے ملاقات تھی جب کہ وہ
مرحوم شیروانی اسکول حیرہ میں زیر تعلیم تھے۔ موصوف کے دو بھائی حکیم حشمت اللہ خاں حکیم سعادت اللہ خاں
طبابت کا پیشہ کرتے ہیں۔ اور ایک بھائی اطیع اللہ خاں صاحب میرس روڈ علی گڑھ پر قیام رکھتے ہیں
مگر کچھ عرصہ سے صحت خراب ہے خداتعالے موصوف کو صحت عاجل دکامل عطا فرمائے۔

چودھری مسیح اللہ خاں صاحب مرحوم اور چودھری اسرائیل خاں صاحب جو بلند خاں ودیم
کی شاخ میں ہیں محکمہ آبکاری میں انسپکٹر رہے۔ اول الذکر کی عمر نے وفا نہ کی۔ راقم الحروف
آخر الذکر کا احسان مند ہے کہ ان سے سابق ڈگی والی کوٹھی علی گڑھ اور حال نشاط کے قیام میں
اپنے طالب علمی کے زمانہ میں درس میں امداد لی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ سے صلاح وتقویٰ میں
ممتاز تھے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد حافظ ہوئے حاجی ہوئے اور اب گھر پر مقیم ہیں
موصوف کے ایک صاحبزادے ایم۔اے ہیں اور اب پاکستان میں ہیں۔

اسی خاندان میں چودھری عبدالعزیز خاں اور چودھری حاجی روح اللہ خاں صاحب ممتاز اور
با اثر حضرات میں ہیں۔ چودھری روح اللہ خاں صاحب کے تعلقات ملازمت ایک عرصہ تک
ریاست بھیکم پور سے رہے۔ اور چودھری عبدالعزیز خاں صاحب کا تعلق ریاست ملک پور
سے رہا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے۔

انھی بلند خاں ودیم کی شاخ میں راقم الحروف کے کرم فرما اور ہم سبق چودھری
شفیع الرحمن خاں صاحب ہیں جن کا قیام کچھ دن تک قطب پور میں رہا۔ اور اب علی گڑھ میں
قیام ہے گوشہ عافیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ موصوف کے والد چودھری ابراہیم خاں
ایک عرصہ تک نواب اسماعیل خاں رئیس دتاولی کے کارندے رہے۔ شفیع الرحمن خاں صاحب
کے چھوٹے بھائی حبیب الرحمن خاں صاحب بھی ریاستوں میں کارندے رہے اور ریٹائر ہونے

زمانہ کے ریاستی کاغذات کی ترتیب اور سیاق میں اور اپنی سخت ایمان داری میں مشہور
ہیں۔ شفیع الرحمٰن خاں صاحب کے بڑے بیٹے حکیم انوار احمد خاں صاحب ہیں جن کی شادی
راقم الحروف کے خاندان میں ہوئی۔ یہ آجکل حکومت صوبہ میں یونانی اور ویدک شفاخانہ جات
کے ڈویژنل انسپکٹر ہیں۔ اور لکھنؤ میں تعینات ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو
خوش وخرم رکھے۔ آمین۔ دوسرے چھوٹے بیٹے پاکستان میں ہیں۔

یہاں کے مشہور یونانی اطبا میں حکیم محمد الیاس خاں صاحب ہیں جو طبیہ کالج دہلی
کے تعلیم یافتہ اور حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کے صحبت یافتہ ہیں۔ مسلم یونیورسٹی میں سابق
طبیہ شفاخانہ کے انچارج رہے۔ دہلی میں طبیہ کالج کے اساتذہ میں رہے۔ قرول باغ
میں تقسیم ہند سے قبل ایک دوسرے یونانی طبیہ کالج کی بنا ڈالی۔ اور وہاں سکنی جائداد
حاصل کی۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد کے واقعات سے دہلی میں ان کی جائداد کو نقصان
پہونچا۔ باونہ میں بذریعہ اپنی بیوی منول فاطمہ ہمشیرہ مولوی ظفر حسن خاں مرحوم سنہ ۱۹۲۹ء سے
اگست سنہ ۱۹۵۲ء تک کے ہر قسم کے تنازعات کے بعد زمینداری پائی جو اب ختم ہوگئی۔ اب محلہ
بلی ماران دہلی میں مطب کرتے ہیں۔ موصوف کے صاحبزادے حکیم الیاسین خاں نے اعلیٰ درجہ
کی انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یونانی طبی تعلیم پائی۔ اپنے والد بزرگ کے مطب میں تجربہ حاصل
کرنے کے بعد اب حیدر آباد دکن میں ایک یونانی شفاخانہ کے انچارج ہیں۔

ریاست داروں کے ہادی یار خاں مرحوم کی ہمشیرہ عفت فاطمہ اور جنت فاطمہ بہادر
میں حمایت علی خاں و ولایت علی خاں کو بیاہی گئیں۔

اس شاخ میں چودھری عبدالحمید خاں ریاست داروں کے علاوہ موہن پور ضلع ایٹہ
کے منتظم رہے۔ اور اس خاندان کے دیگر حضرات کا بھی اس ریاست سے تعلق رہا۔

یہاں کے جتنی پٹھانوں کی کسی شاخ میں جن کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا راقم الحروف
کے کرم فرما چودھری عبدالواحد خاں صاحب مذکورہ بالا ہیں۔ ان کے تذکرہ کے بغیر بہادر کا یہ خاکہ
نامکمل رہ جاوے گا۔ موصوف نے بہم فراہمی شجرہ جات اور اس ناچیز تصنیف میں مدد کی جس
کے واسطے ہم ان کے احسان مند ہیں۔ موصوف نے انگریزی کی کچھ تعلیم حاصل کی اور پھر گھر پر کر

اخبار اور کتب بینی سے اپنے علم میں اضافہ کیا۔ ایک زمانہ میں یہاں کی سیاسیات میں بڑا حصہ
لیا۔ اور اب موجودہ حکومت کے حامی ہیں۔ پکے مسلمان اور خلیق ہیں۔ ان کی صحبت میں آدمی گھبراتا نہیں ہے بلکہ
بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہیں
کسی وجہ سے چودھری محمد علی خاں شہید کے [illegible] دوسرے بیٹے [illegible]
کو چودھری امام خاں کی جائداد سے ترکہ نہیں ملا۔ مگر خاندان میں تعلقات اچھے رہے۔ [illegible]
ظہور اللہ خاں کی بیٹی جو کفایت علی خاں (والد چودھری عبدالواحد خاں) کو بیاہی گئیں اتنی
صاحب جائداد نہ ہو سکیں جس قدر کہ چودھری نور اللہ خاں مرحوم کا خاندان۔ چودھری عبدالواحد خاں
اب گوشۂ عافیت میں پڑے ہیں۔ ابھی حال میں ان کا ایک جوان صالح تعلیم یافتہ بیٹا ان
کو اور اعزا کو داغ مفارقت دے گیا۔ خدا مغفرت کرے۔ ماشاء اللہ کثیر الاولاد ہیں۔ [illegible]
عرصہ تک ان کو خوش و خرم رکھے۔

چودھری نور اللہ خاں مرحوم کے بھائی، اولاد عظیم اللہ خاں مرحوم (خلف ظہور اللہ خاں مرحوم) [illegible] ان کے
بھائی مجتبیٰ خاں باشرکوں میں تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جوان عمری میں اس دنیا سے چل بسے۔
ان دونوں حضرات کے بھائی ماشاء اللہ خاں صحیح معنی میں ماشاء اللہ اپنے بھائیوں کے
جانشین ہیں۔ خوش مزاج اور خوش خلق ہیں۔ ان کی صاحبزادی کی شادی حکیم الیاس خاں کے
صاحبزادہ کے ساتھ ہوئی تو بڑی چہل پہل رہی۔ اور عمدہ کھانوں کی بہار رہی۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم
بھی اس میں شریک تھے۔

بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ بخلاف شرفائے دہلی کے یہاں کے پٹھانوں کو تجارت سے
بھی رغبت ہے۔ چنانچہ منور خاں ابن ہادی خاں کی شاخ میں چودھری حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم
ایسے لوگوں کے تاجر اعظم تھے۔ اور پختہ اینٹوں کے بھٹوں اور تجارت سے پورا فائدہ حاصل
کیا۔ بعض دیگر حضرات بھی دکانداری اور چھوٹی چھوٹی تجارتوں سے اس نازک زمانہ میں
اپنا پیٹ پال کر عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

یہاں کی ایک شاخ میں بلند خاں اول مشہور ہوئے۔ ان کے نام سے یہاں
پٹھانوں کی آبادی میں چوک بلند خاں اب تک ان کے نام کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ اس شاخ

میں قطب علی خاں اور وارث علی خاں تھے۔ وارث علی خاں قطب پور میں جا کر بس گئے۔ قطب پور کے خان زماں خاں جو یاسین خاں کی اولاد میں تھے۔ لاولد تھے۔ مگر ایک ثلث قطب پور کے زمیندار تھے۔ یہ قطب علی خاں اور وارث علی خاں کے غالباً پھوپا تھے اور چونکہ لاولد تھے وارث علی خاں کی پرورش کی۔ اُن کے متروکہ سے قطب علی خاں کو شاہ گڈھ میں کئی سو بیگہ دخیل کاری اراضی ملی۔ اور وارث علی خاں نے بھی حصہ پایا۔ وارث علی خاں کی اولاد میں عبد الصمد خاں پور سہادر چلے آئے۔

اور قطب علی خاں کی اولاد میں طفیل احمد خاں ہیں جو راقم الحروف کے کرم فرما ہیں۔ اور ایک زمانہ میں شیروانی اسکول چھرہ میں تعلیم پاتے تھے۔ سہاور میں برا بر رہے ہیں۔ قطب علی خاں کی شادی بھاملہ میں عبد الرحمٰن خاں کی ہمشیر کے ساتھ ہوئی۔ اور طفیل احمد خاں کی شادی نقی خاں صاحب سہاور کی دختر کے ساتھ ہوئی۔ جیسا کہ شجروں سے معلوم ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ شاہ گڈھ کی دخیل کاری کا بڑا حصہ ہاتھ سے نکل گیا۔

بلند خاں اول، چودھری ابراہیم خاں۔ حاجی روح اللہ خاں۔ چودھری عبد العزیز خاں۔ چودھری اسرائیل خاں وغیرہ کی شاخ کے مورث تھے۔ جیسا کہ شجرے سے معلوم ہوگا۔ مگر جیسا کہ دوسرے مقامات پر ہو رہا ہے اب پٹھان بلندی سے پستی کی طرف مائل ہیں۔ خدا اپنا فضل و کرم کرے۔ آمین۔

یہاں کے ایک خاندان کا مختصر ذکر بھی ضروری ہے یعنی شادی خاں ابن ہادی داد خاں کی شاخ۔ شادی خاں ٹنڈولی میں جا کر بسے اُن کے کچھ بیٹے سہاور میں رہے اور ایک بیٹے بھیکن خاں ٹنڈولی میں رہے۔ بھیکن خاں کے بیٹے شریف خاں رکھال میں چلے گئے۔ اور پھر وہاں سے اُن کے بیٹے ایوب خاں کو آخر الذکر کی خالہ عزیز النساء زوجہ مظہر علی خاں شہید نے پرورش کیا اور موہن نگلہ دیا۔ اس لیے رکھال سے ایوب خاں موہن نگلہ متصل سہاور میں چلے گئے جہاں اُن کی اولاد مقیم ہے۔ ایوب خاں کی شادی حلیمہ بیگم دختر ہدایت اللہ خاں ہمشیر امانت اللہ خاں وغیرہ بلونہ سے ہوئی۔

ایوب خاں کی اولاد میں عبید اللہ خاں ہیں جو ایک زمانہ میں علی گڑھ میں انگریزی تعلیم حاصل کرتے تھے

جب کہ راقم الحروف ملازمت کے سلسلے میں وہاں تعینات تھا۔ اب یہاں سربرآوردہ اور ممتاز ہیں
راقم الحروف کے کرم فرما ہیں۔ اگرچہ ملاقات بہت کم ہوتی ہے۔ اس خاندان کے نام شجرہ سے معلوم ہوں گے
راقم الحروف کو یہ حسرت ہی رہی کہ کبھی موہن نگلہ کے ریت اور خنک آب و ہوا سے دوچار نہ ہوا۔
شروانیوں کی طرح سہاور کے بعض حضرات خصوصاً نوجوان بغرض ملازمت پاکستان چلے گئے
اور معلوم نہیں کس حال میں ہیں۔ اب ہم اس داستان کو ختم کرتے ہیں ؎

شب آخر گشت و افسانہ از افسانہ می خیزد

ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ شروانیاں اور پٹھانیاں کہاں کہاں آباد ہیں۔ علی گڑھ اور ایٹہ سے باہر رہنے والے ان قبیلوں کے پٹھانوں کے واسطے ایک علیحدہ کتاب چاہیئے جس کے واسطے اب حالات سازگار نہیں ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ باہر کے شروانیوں اور پٹھانوں میں اب دوسرے قبیلوں اور خیلوں اور ذاتوں کے خون کی آمیزش ہوگئی ہے۔ کہیں کہیں تو صرف شروانیوں کے محلوں کے نام رہ گئے ہیں اور وہاں شروانی آبادی نہیں ہے۔ جیسے راپڑی ضلع مین پوری۔ یا بہرائچ اودھ میں یا بہار سے اور ایٹہ ضلع کے دیہات۔ الوا۔ ڈوڑی۔ رکھالہ۔ بہادرپور۔ اللہ داد پور وغیرہ میں۔

اب ہم سابق ریاست مالیرکوٹلہ پنجاب اور سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ کے شروانیوں کا مختصر ذکر کریں گے۔ کیونکہ یہاں ہی دو ایک نام لیوا شروانی خاندان باقی رہ گئے ہیں۔ ریاست مالیرکوٹلہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہی۔ قسام ازل نے اتنے ہی دن کی ترقی اور چند روزہ عروج اور پھر زوال اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ آئندہ کا علم عالم الغیب والشہادۃ کو ہے۔ بقول شاعر ؎

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

راقم الحروف کہاں کہاں جائے اور ناظرین کے لیے کہاں کہاں سے شروانیوں اور پٹھانوں کی داستانیں لائے۔ زمانہ کی حالت پر یہ مضطرب زار زار روتا ہے اور بقول شاعر کہتا ہے ؎

جہاں بھر میں ہیں تنکے بکھرے کہاں کہاں سے چنوں
صبا نے کر دیا کیا حال آشیانے کا

ریاست مالیرکوٹلہ

(پنجاب)

اور اس کے فرماں روایان

اب یہاں ریاست مالیرکوٹلہ پنجاب کے شروانی فرماں رواؤں کے مختصراً کچھ حالات درج کئے جاتے ہیں۔ مفصل تاریخ کے واسطے ایک علیحدہ کتاب چاہیئے۔ یہ تفصیل ریاست کے گزیٹیر مصنفہ ۱۹۰۴ء اور سردار محمد حیات خاں صاحب کی کتاب "حیات افغانی" سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ ریاست پنجاب کے ضلع لودھیانہ سے جنوب مشرق میں واقع ہے اور اس کے حدود ریاست پٹیالہ سے بھی ملتے ہیں۔ یہ پنجاب کی چھوٹی سی ریاستوں میں سے اور واحد اسلامی ریاست تھی جو تقسیم ہند کے بعد پنجاب مشرق کی ریاستوں کی یونین میں شامل کر دی گئی اور اس کی خود مختاری زمانہ کی نیرنگی سے ختم ہوگئی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے عہد بہلول لودی میں ایک شروانی بزرگ حضرت صدر جہاں ابن شیخ زندہ پیر شروانی جو حضرت شیخ متال شروانی ملک (وہ افغانستان کی اولاد میں سے تھے) پنجاب میں دریائے ستلج کی ایک شاخ کے کنارے موضع بھومسی میں جہاں اب مالیرکوٹلہ واقع ہے اس جگہ کی تنہائی اور خاموشی کو پسند کر کے آ بسے۔ یہ حضرت صدر جہاں علیہ الرحمۃ حضرت رکن عالم ملتانی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ جو حضرت رکن الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے بہلول لودی اپنے مہمات کے سلسلے میں جب اس موضع کی طرف آ نکلا تو اس نے حضرت صدر جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے تقدس اور ریاضت کا حال سنا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد چندے بہلول لودی نے اپنی لڑکی کا نکاح حضرت صدر جہاں کے ساتھ کر دیا۔ بارہ بڑے اور کچھ چھوٹے مواضعات بطور جہیز اپنی لڑکی کے حضرت صدر جہاں کو بطور معافی کے دیئے۔ انہیں مواضعات سے بعد آنے والے زمانہ میں ریاست مالیرکوٹلہ کی بنا پڑی۔ اس کے ابتدائی رقبہ میں دیگر علاقوں کے شمول

مسلسل اضافہ ہوا۔ مگر آخر میں پھر کچھ علاقہ اس ریاست سے نکل گیا۔ حضرت صدر جہاں مالیری
کے تین بیٹے ہوئے جن میں سب سے بڑے عیسیٰ خاں تھے۔ اور دوسرے بیٹے حسن خاں
تھے۔ عیسیٰ خاں شروانی ابن حضرت صدر جہاں کی اولاد سے موجودہ حکمراں خاندان ریاست
مالیر کوٹلہ ہے۔ اور حسن خاں شروانی کی اولاد میں حضرت صدر جہاں علیہ الرحمۃ کے مزار کے
خلفاء اور سجادہ نشین ہیں۔ جب ۱۵۱۵ء میں حضرت صدر جہاں اس دنیا سے عالم جاودانی
کو رخصت ہوئے تو ان کی اولاد میں تقسیم ترکہ پدری پر تنازعہ ہوا۔ صوبے کے حاکم وقت نے فیصلہ
کر کے جائداد کا بڑا حصہ عیسیٰ خاں کو دلایا۔ آگے چل کر صوبیدار سرہند کسی وجہ سے مخالف ہو گیا
تو اس خاندان پر مصیبت آئی اور عیسیٰ خاں کو مالیر کوٹلہ چھوڑنا پڑا۔ راجہ سون پت کے یہاں
انھوں نے پناہ لی۔ جب شیر شاہ سوری کا زمانہ آیا تو عیسیٰ خاں کے بیٹے محمد شاہ خاں نے
صوبیدار سرہند کو ہموار کر کے اور کچھ دے کر اپنا علاقہ واپس پایا۔ حضرت صدر جہاں رحمۃ اللہ علیہ
سے پانچویں پشت میں بایزید خاں ابن فتح خاں تھے۔ انھوں نے ۱۶۵۷ء میں مالیر کے
قریب قصبہ کوٹلہ بسایا۔ قلعہ بنایا اور بادشاہ دہلی کے دربار میں رسوخ حاصل کیا۔ بادشاہ
نے ان کے علاقہ میں اضافہ کیا اور نواب کا خطاب عطا کیا۔ اب اس ریاست کی ترقی شروع
ہوئی۔ ۱۶۵۹ء یعنی عہد اورنگ زیب میں بایزید خاں کے انتقال پر ان کے بیٹے فیروز خاں
جانشین ہوئے۔ اور ان کے بعد ۱۶۷۲ء میں شیر محمد خاں ریاست کے مالک اور نواب
ہوئے۔ یہ بہت بہادر اور اپنے زمانے کے ممتاز فوجی سرداروں میں تھے۔ بادشاہ وقت
کی طرف سے بہار کی طرف فوجی مہم پر بھیجے گئے۔ اور اس میں کامیابی کے صلہ میں سات
دیگر دیہات جاگیر میں ملے۔ انہی میں موضع شیر پور تھا جہاں انھوں نے قلعہ بنایا۔ مگر یہ
علاقہ آخر زمانہ میں ریاست مالیر کوٹلہ سے نکل کر پٹیالہ ریاست کے قبضہ میں ہو گیا۔
مگر یہ زیادہ دن تک چین سے نہ بیٹھنے پائے تھے کہ ملحقہ علاقوں کے سکھوں نے ہاتھ
پیر نکالے۔ اور اپنی طاقت بڑھانا شروع کر دی۔ انھوں نے ریاست مالیر کوٹلہ کے خلاف
زور اور قوت آزمائی کی۔ اس مخالفت کا سلسلہ بہت دن تک جاری رہا۔ کبھی نواب
جیتے اور کبھی ہارے۔ مگر اس خلفشار کا خراب اثر ریاست مالیر کوٹلہ پر پڑا۔ موضع چھپکوڑ کی

حدود میں نواب شیر محمد خاں اور سکھوں کے گورو تیغ بہادر سے لڑائی ہوئی۔ نواب کامیاب ہوئے۔ مگر اُن کے خاندان کے کئی ایک افراد شہید ہو گئے۔ گورو گرفتار ہوئے تو نواب نے ان کو دہلی بھیج دیا۔ یہ چھیڑ سکھوں کی طرف سے محض ریاست سے ہی نہ تھی بلکہ در اصل اورنگ زیب کے خلاف تھی۔ اس لڑائی کے صلہ میں ان کی ریاست میں اور بھی اضافہ ہوا۔ مگر اُن کا وقت آ چکا تھا۔ سنہ ۱۷۱۳ء میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کے بیٹے غلام حسین خاں گدی پر بیٹھے۔ دہلی کی مرکزی حکومت تنزل میں تھی۔ اور شاہ عالم بہادر شاہ کے بیٹے جہاندار شاہ کا زمانہ تھا۔ بادشاہ کو اپنے عیش و طرب سے فرصت نہ تھی۔ سادات بارہہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ اس کو دین و دنیا کی خبر نہ تھی۔ عثمان یار خاں روہیلہ نے ریاست مالیرکوٹلہ پر حملہ کیا۔ مگر اس میں اور غلام حسین میں صلح ہو گئی۔ نواب غلام حسین خاں نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے مقابلہ میں اپنے بھائی جمال خاں کو ترجیح دی۔ اور ریاست آخر الذکر کے سپرد کر کے خود پانچ گاؤں پر اکتفا کیا۔ یہی نواب جمال خاں حال کے فرماں روایان ریاست کے مورث تھے۔ سکھ گورو تیغ بہادر کے زمانہ اور واقعہ سے سکھ اس ریاست سے خار کھائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور موقعہ کے منتظر تھے۔ چنانچہ راجہ پٹیالہ نے اس ریاست پر حملہ کر دیا۔ اور سنگھ گڑھ میں لڑائی ہوئی تو راجہ جیتا اور مالیرکوٹلہ کے بہت سے علاقہ پر اُس نے قبضہ کر لیا اسی علاقہ میں موضع ...... تھا جس کو امر سنگھ راجہ پٹیالہ نے تھوڑے دن کے لئے اپنی راجدھانی بنایا۔ سنہ ۱۷۴۷-۴۸ء میں احمد شاہ درانی نے نواب جمال خاں سے سکھوں کے خلاف امداد طلب کی تو نواب جمال خاں نے اپنے بیٹے کے ساتھ سکھوں کے خلاف فوج بھیجی اور سکھ ہار گئے۔ مگر کچھ دن بعد رائے کوٹ کے راجہ سے اور پٹیالہ کے راجہ امر سنگھ سے ان بن ہوئی۔ تو جمال خاں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے مواضعات واپس لینے کی کوشش میں رائے کوٹ کا ساتھ دیا۔ مگر قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ اور پھر تقدیر کے تماشے دیکھنا پڑے۔ گو بالآخر ہوئی۔ پٹیالہ کو اس لڑائی میں کامیابی ہوئی۔ تو پائل ریاست مالیرکوٹلہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر نواب نے بدلہ لیا۔ کہ پٹیالہ کے مواضعات بھی واڑہ اور روپڑ کو دبا لیا۔ اور شطرنج کی یہ چالیں جاری تھیں

جب احمد شاہ درانی کے ہندوستان سے واپس چلے جانے کے بعد مرکزی حکومت دہلی کے فوجدار صوبیدار ادینہ بیگ نے دیگر سکھوں سے صلح کر لی۔ تو سکھوں نے پھر نواب موصوف سے بدلہ لیا۔ وہ خود شہید ہوئے۔ اور روپڑ ریاست مالیر کوٹلہ کے قبضہ سے نکل گیا۔ نواب جمال خاں نے پانچ بیٹے چھوڑے۔ جن میں سے سب سے بڑے نواب بھیکن خاں گدی پر بیٹھے۔ ان کے تعلقات سکھوں سے بیتی ۲۲ وانتوں کے درمیان زبان کی طرح تھے۔ کبھی اچھے رہے کبھی خراب۔ یہ شطرنج کی چالیں جاری تھیں۔ کہ احمد شاہ درانی نے دوبارہ ہندوستان پر حملہ کیا۔ نواب نے احمد شاہ درانی کا ساتھ دیا۔ اور روہیرہ میں سکھوں سے لڑ کر اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کا کچھ حصہ واپس لے لیا۔ احمد شاہ درانی نے نواب موصوف کو اپنا سکہ جاری کرنے کی اجازت دی۔ مگر جب احمد شاہ درانی کی پشت پناہی ختم ہوئی اور وہ پانی پت میں مرہٹوں کو ہرا کر پھر افغانستان کو واپس ہوا تو ریاست پٹیالہ کے راجہ نے نواب موصوف سے بدلہ لیا۔ سانہ کے قریب کالا جھاڑ پر لڑائی ہوئی۔ تو نواب ہار گئے۔ اور میدان جنگ سے مالیر کوٹلہ کو واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک سکھ نے ان کو شہید کر دیا۔ نواب بھیکن خاں کے دونوں بیٹے نابالغ تھے۔ ان کے ولی سرپرست بھیکن خاں کے بھائی بہادر خاں نوابی اور گدی کے مالک بن بیٹھے۔ مگر خزانہ پر نواب بھیکن خاں کی بیوہ بیگم نے قبضہ نہیں ہونے دیا۔ اس خاندان کے آپس کے تعلقات کی کشیدگی سے سکھوں نے فائدہ اٹھا کر پھر ریاست پر حملہ کیا۔ اور موضع جمال پر لڑائی میں نواب بہادر خاں شہید ہو گئے۔ کچھ اور علاقہ ریاست کے قبضہ سے نکل گیا۔ نواب بہادر خاں نے دو بیٹے چھوڑے یعنی ہمت خاں اور دلیر خاں آخر الذکر نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا۔ نواب بہادر خاں کے بعد ان کے بھائی گدی پر بیٹھے۔ ان کو بھی سکھوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور لڑائی کے سلسلے جاری رہے مگر راے کوٹ کے راجہ نے ان آئے دن کے جھگڑوں قضیوں اور خون خرابہ کو ختم کرنے کے لئے درمیان میں پڑ کر مالیر کوٹلہ اور پٹیالہ میں صلح کرا دی جس کی شرائط کی رو سے بہت سا علاقہ مالیر کوٹلہ کو واپس مل گیا۔

نواب بہادر خاں کے بھائی کے انتقال کے بعد ان کے بھائی اسد اللہ خاں نے

گدی سنبھالی۔ اُن کے اور سکھوں [illegible] ت اچھے رہے۔ اسد اللہ خاں کے انتقال
کے بعد پھر ریاست کی گدی جمال خاں کے خاندان میں لوٹی۔ اور جمال خاں کے پانچویں
بیٹے عطاء اللہ خاں ریاست کے مالک اور نواب ہوئے۔ ان کے عہد میں بھی سکھوں سے
ان بن رہی۔ اور سکھوں کا جھنڈا مالیر تک پہونچ کر اس پر قریب قریب قابض ہو چلا تھا
کہ زخمی ہو جانے کی وجہ سے اُس نے اپنی فوج وہاں سے ہٹالی۔ سنہ ۱۷۸۸ء سے لے کر
انگریزوں کے آنے تک ستلج اور دریائے جمنا کے درمیانی علاقہ سکھوں کی تاخت و
تاراج میں تھا۔ اور اُن کے اثر تسلط میں کیوں کہ مرکزی سلطنت کمزور اور بے دست و پا
تھی۔ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھی۔

جب سنہ ۱۸۰۳ء میں کول میں انگریزی فوج کے جنرل لارڈ لیک نے [illegible] سندھیا
کی فوج کو اور سنہ ۱۸۰۵ء مرہٹہ راجہ ہولکر کو اور بھرت پور کے جاٹ راجہ کو شکست دی تو سکھوں
کی آنکھیں کھلیں۔ ان موقعوں میں ریاست مالیر کوٹلہ کے نواب عطاء اللہ خاں نے انگریزوں
کو مدد دی۔ سنہ ۱۸۰۸ء میں رائے کوٹ کے راجہ کو بے دخل اور اس [illegible]
کی ریاستوں میں تقسیم کرنے کے بعد لاہور کے مہاراجہ رنجیت سنگھ [illegible]
مگر نواب عطاء اللہ خاں نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ دے کر اس کو [illegible]
ساتھ ادا نہ ہو سکنے کی وجہ سے ریاست کے پانچ گاؤں مہاراجہ [illegible]
کے قبضہ میں بطور رہن دینے پڑے۔ مگر رنجیت سنگھ نے [illegible]
کرنے کے بہانے سے اس علاقہ میں اپنی چوکیاں قائم کیں۔ اور [illegible]
اور تحصیلدار مقرر کئے۔ مگر سنہ ۱۸۱۰ء میں انگریز یہاں تک پہونچ گئے [illegible]
اختر لونی نے ریاست کی حدود سے سکھوں کو نکالا۔ اور ریاست کو انگریزی حفاظت
میں لے لیا۔ گویا پورے کے ساتھ [illegible] نے اپنا [illegible]

سنہ ۱۸۱۰ء میں نواب عطاء اللہ خاں کا انتقال ہوا۔ آپس میں گدی نشینی [illegible]
محض افغانستان سے آئی ہوئی نسل کے پٹھان اس کے بازو سکتے تھے۔ ان کا تو
روزمرہ کا مشغلہ اور کھیل یہی تھا۔

نواب بھیکن خاں کے بیٹے وزیر خاں کے اس دعوے پر کہ گدی نواب بہادر خاں کی اولاد میں نہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ انھوں نے بھیکن خاں کے انتقال پر ناجائز طور سے آخر الذکر کی اولاد کو بے دخل کر دیا تھا۔ انگریزی حکومت کی طرف سے ریاست نواب وزیر خاں کو دلائی گئی۔ انھوں نے احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ یہ اور ان کے بیٹے انگریزی فوج کو مدد دیتے رہے۔ اور انگریزوں کی طرف سے گورکھوں کے خلاف لڑے ۱۸۲۱ء میں نواب وزیر خاں کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ اور نواب امیر خاں ان کے جانشین ہو گئے۔ انھوں نے ۱۸۳۵ء میں کابل کی پہلی لڑائی میں اور پھر گورکھوں کے خلاف دوسری لڑائی میں انگریزوں کو مدد دی۔ جس پر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے دو گاؤں ان کو دے کر ریاست میں اضافہ کیا۔ ۱۸۴۶ء میں یہ نواب بھی دنیا سے چل بسے تو نواب محبوب خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں وہ انگریزوں کے طرفدار رہے۔ اور نہ معلوم کچھ صلہ پایا یا نہیں۔ مگر اس کے دو سال بعد ہی وہ انتقال کر گئے۔ ان کے بیٹے سکندر علی خاں گدی پر بیٹھے۔ مگر ان کے تعلقات اپنے خاندان سے اچھے نہیں رہے۔ اگرچہ انھوں نے اس حالت کے سنبھالنے کی کوشش کی اور ریاست میں ہی ابراہیم علی خاں ولد دلاور علی خاں کو جو نواب عطاء اللہ خاں کی شاخ میں تھے سرکار انگریزی کی اجازت سے ولی عہدی کے عہدے پر نامزد کیا تھا۔ چوں کہ نواب جلال خاں کی اولاد میں ریاست کی توالی اور ترکہ کے بابت کشمکش اور تنازعہ تھا۔ اس لیے انگریزوں نے اس امر کے تصفیہ کے لیے ایک پنچایت مقرر کی۔ ۱۸۷۱ء میں سکندر علی خاں کا انتقال ہو گیا۔ اور نامزد شدہ ولی عہد ابراہیم علی خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ مگر چوں کہ [illegible] اس لیے ریاست کا انتظام ایک [illegible] کے سپرد [illegible] [illegible] ۱۹۰۰ء میں انگریزوں نے آخری [illegible] [illegible] ریاست [illegible] اپنے دیہات میں خود مختاری [illegible] [illegible] وہ [illegible] اب ریاست نے [illegible] ترقی [illegible] ریاست کے [illegible]

مگر شومیٔ قسمت دیکھیئے کہ کچھ دن بعد نواب صاحب کی بیگم صاحبہ اور بڑے بیٹے کے قبل از وقت انتقال کی وجہ سے نواب صاحب موصوف کی صحت اور اُن کے دماغ پر خراب اثر پڑا۔ تو انگریزی حکومت نے خرابیٔ انتظام کی وجہ سے ۱۹۰۳ء تک ریاست کو ایک نگران کار کے انتظام میں رکھا۔ آخری نگران کار سر امیر الدین خاں مرحوم والیٔ ریاست لوہارو تھے ۱۹۰۳ء میں نواب موصوف کے انتقال پر اُن کے بیٹے نواب احمد علی خاں ریاست کے مالک اور جانشین ہوئے۔ راقم الحروف نے موصوف کو دیکھا ہے۔ وہ اپنے کام میں ہوشیار اور خلیق تھے۔ اُن کے زمانہ میں مالیرکوٹلہ کے شیروانیوں سے اور دتاولی ضلع علی گڑھ کے شروانی خاندان سے رشتہ داری کے تعلقات اس طرح پر قائم ہوئے کہ نواب موصوف کے بھائی صاحبزادہ جعفر علی خاں صاحب کی شادی حاجی یوسف خاں مرحوم رئیس دتاولی ریڈ ہاؤس کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔

ممدوح شان و شوکت کے ساتھ علی گڑھ میں بارات لائے۔ نواب سر فیاض علی خاں صاحب لال خانی رئیس پہاسو کی عالیشان کوٹھی پر بارات ٹھہرائی گئی۔ ریاست کا بینڈ باجہ ساتھ تھا۔ اور اسی کے ساتھ نواب ممدوح کے ساتھ رقص و سرود کے طائفے بھی تھے چونکہ یہاں کے شیروانیوں میں یہ خلاف شرع اور فضول خرچی کی رسم داؤد خاں صاحب مرحوم رئیس بھیکم پور کے زمانہ سے بند کردی گئی تھی (جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے) اس لئے جانبین میں رد و قدح کے بعد یہ طے پایا کہ دولت کی پارٹی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے جائے قیام پر رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرائے۔ مگر دولہن کے مکان پر (نواب اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم کی ڈگی والی کوٹھی پر) یہ جلسے نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ اسی پر عمل درآمد ہوا۔ علی گڑھ کے شائقین نے بارات کے قیام کی جگہ پر بڑے لطف اٹھائے۔

محمدن اینگلو اورینٹل کالج (حال مسلم یونیورسٹی) کی طرف سے نواب ممدوح کو ایڈریس پیش کیا گیا۔ اور نواب ممدوح نے کچھ روپیہ کالج کو عطا کیا۔

حاجی یوسف خاں مرحوم رئیس دتاولی اس رواج کے خلاف تھے کہ یہاں کے شروانیوں کی شادیاں علی گڑھ اسٹیٹ کے شروانی قبیلہ میں بھی کی جائیں۔ اس لئے اُن کے پوتے

یعنی قرا ہیم خاں کے لڑکے مراد ابراہیم خاں عرف لاڈلے میاں کی شادی مالیر کوٹلہ میں حاجی صاحب کے داماد صاحبزادہ جعفر علی خاں صاحب کے گھرانے میں ہوئی۔ ایک لڑکی کی شادی ریاست ٹونک میں صاحبزادہ ولی احمد خاں کے ساتھ اور ایک لڑکی کی شادی قائم گنج ضلع فرخ آباد ایک ممتاز یوسف زئی خاندان میں یعنی جان عالم خاں کے صاحبزادے فردوس عالم خاں کے ساتھ ہوئی۔

القصہ ریاست مالیر کوٹلہ ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جس کی کل سالانہ آمدنی چھ لاکھ کے قریب ہے۔ عام مصطفٰے خاں صاحب ابن حاجی مصطفٰے خاں صاحب مرحوم رئیس بورہ گانوں کے صاحبزادہ کامل مصطفٰے خاں صاحب کی بارات بھی مالیر کوٹلہ گئی تھی۔ کیوں کہ اس زمانہ میں آخر الذکر کے خسر صاحب خواجہ محمد یسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا ریاست مالیر کوٹلہ میں چیف جسٹس کے عہدے پر تعینات تھے۔ اس موقع پر نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم نے بھی اہل بارات کو عصرانہ پر اپنی کوٹھی پر مدعو کیا۔ اور بہت خاطر تواضع سے پیش آئے تقسیم ہند کے بعد نواب احمد علی خاں صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور اب ان کے لڑکے نواب افتخار علی خاں صاحب برائے نام گدی پر ہیں۔ کیوں کہ نئے انتظام میں حکومت ہند کے ماتحت یہ ریاست پنجاب کی ریاستہائے کی یونین میں شامل کر دی گئی ہے۔ اور نواب صاحب کی تنخواہ مقرر کر دی گئی ہے۔

اس خاندان کی ایک شاخ اب تک شیعہ مذہب پر چلی آتی ہے۔ اور ان میں نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب انگریزی حکومت کے آخری دور میں ممتاز گذرے ہیں۔ ایک زمانہ میں اس ریاست میں کتب خانہ اچھا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نواب ابراہیم خاں نے اپنی دماغی حالت کی خرابی کے زمانہ میں بہت سی بیش قیمت اور کمیاب کتابیں جلوا دیں۔ ان میں اس خاندان کے حالات پر بھی کتابیں تھیں۔

شروانی خاندان قصبہ سکندرہ راؤ

مالیر کوٹلہ کے شروانیان کے اس مختصر اور مجمل تذکرہ کے بعد ہم کچھ ذکر شروانیان

سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ کا بھی کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان شروانی حضرات کے قرابتی تعلقات رشتہ داری اضلاع علی گڑھ و ایٹہ کے ان شروانیان سے نہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس قصبہ میں کئی ایک خیل اور قبیلوں کے پٹھان آباد ہیں۔ اور ان سب میں آپس میں شادی بیاہ ہوتے ہیں جس سے ان کی نسلوں پر یہ اثر پڑا کہ وہ مخلوط ہو گئے ہیں۔ اس قصبہ کے شروانیوں کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور بابری عہد کے داؤد خاں عرف راؤ خاں ممتاز شروانی سردار کے بعد ان کے خاندان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عہد اکبری میں یہاں افغان قبیلے آباد تھے جیسا کہ ابو الفضل کی آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ان کے خیل معلوم نہیں ہیں۔ مغلیہ کے آخری دور میں بھی یہاں دو چار شروانی ممتاز تھے۔

جب سنہ ۱۸۰۲ء میں نواب وزیر اودھ نے وہ علاقہ جس میں سکندرہ راؤ شامل تھا انگریزوں کو دے دیا، تو مواضعات دلیری، نور خیل اور پورا کا علاقہ یہاں کے نواز خاں شروانی کو مستاجری پر دیا گیا۔ مگر سنہ ۱۸۱۰ء میں ان کا دیوالہ نکل گیا۔ ان کے خاندان کا شجرہ اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ وہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ مسند خاں شروانی سے تیسری پشت میں تھے۔ یہ شجرہ احمد یار خاں صاحب شروانی کا تیار کیا ہوا ہے جو عدالت کے پیش کار تھے اور جن کے صاحبزادے احمد اللہ خاں شروانی اب کلکٹری علی گڑھ میں عدالت مال کے مختار ہیں۔ با اثر اور علی گڑھ کی موجودہ پبلک زندگی میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اس قصبہ کے پٹھان بھی عیش و عشرت کی زندگی، بے جا مصارف، شادی بیاہ میں فضول خرچی کی رسوم میں گرفتار تھے اور ہیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت خراب اور زمینداریاں غیروں کے قبضہ میں چلی گئیں۔ ایک زمانہ میں وہ قصبہ میں ممتاز اور حکومت میں با اثر تھے مگر افسوس کہ امتیاز اور اثر زائل ہو گئے۔

اس قصبہ کے خاندان شروانی میں وکیل اور حکومت کے ممتاز عہدوں پر بھی حضرات بھی رہے ہیں۔ یہاں کے شروانی خاندان میں ایک صاحب محمد نور خاں نے [illegible] عدالت سنبھالی تھی۔ مگر وہ بھی اس دنیا سے جلد رحلت کر گئے۔ مشرف علی خاں صاحب [illegible] ڈپٹی کلکٹر

اور ارشاد علی خاں صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اس خاندان کی یادگار ہیں۔ مگر اول الذکر نے اس ضلع کے دیگر شروانیوں کی طرح سے علی گڑھ میں سکونت اختیار کر لی ہے۔

قصبہ سکندرہ راؤ کے شجرہ متذکرہ بالا کے بابتہ ہم کو صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ اس کے عنوان اور تحت کے نوٹوں میں تاریخی غلطیاں ہیں یعنی اول تو لفظ "شیروانی" بجائے شروانی کے درج ہے۔ شیروانی کی وجہ تسمیہ درج نہیں ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ شیروار علاقہ شیراز سے مورث اعلیٰ آئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ شیروار سے آئے تھے تو شیروانی کیوں کہلائے۔

مورث اعلیٰ سید شاہ حسین کا اس شجرے میں اور نیز راقم الحروف کی اس ناچیز کتاب میں ایک نام مشترک ضرور ہے۔ مگر ان کی اولاد میں سید جمال اور سید کمال کا وجود ہم کو کسی مستند تاریخ کی کتاب میں نہیں ملا۔ اور پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو شمار پشتوں کا اس شجرہ میں درج ہے اس کا حساب تاریخی اصول کے مطابق فی پشت ۳۰ سال کے مطابق کرانے سے اس شجرہ کا لوٹ صحیح قرار نہیں پاتا۔ پھر یہ شجرہ نو دس پشتوں سے آگے نہیں جاتا۔

گر خیر جو کچھ بھی ہے غنیمت ہے تھوڑے دن کے بعد یہ نام بھی کسی کو یاد نہ رہیں گے۔ اور اسی وجہ سے ہم نے یہاں کے شروانیوں کا تذکرہ قلمبند کرنے کے لئے اپنا ٹوٹا پھوٹا قلم اٹھایا۔

یہاں کے شروانی خاندان کے مشرف علی خاں ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس ایم اے جن کے والد مرحوم سرفراز علی خاں صاحب علی گڑھ میں وکیل تھے اور حضرت شاہ جمال علیہ الرحمۃ کے پاس مدفون ہوئے۔ مشرف علی خاں صاحب اب علی گڑھ میں مقیم ہیں۔ اور علاوہ شہر کی بڑی سکنی جائداد کے میرٹھ وڈیرہ میں بھی جائداد کے مالک ہیں مرفہ الحال ہیں۔ مگر گوشہ نشین ہیں اسکول میں راقم الحروف کے ہم عصر تھے۔

یہاں کے شروانی خاندان کے متعلق یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں حاجی عبدالشکور خاں صاحب عرف مجھلے میاں شروانی رئیس بھیکم پور نے سکندرہ راؤ کے احمد نور خاں مرحوم کو خط لکھا کہ وہ اس قصبہ کے شروانیوں کے حالات مجھلے میاں مرحوم کو لکھیں۔ تو احمد نور خاں ولد محمد نور خاں شروانی نے جواب دیا کہ ان کے یہاں کی خاندانی یادداشتیں سنہ ۱۸۵۷ء کی شورش

میں تلف ہوگئیں۔ وہ صرف اس قدر بتا سکتے ہیں کہ اس خاندان کے مورث مسند خاں تھے اور اُن کے مورث اعلیٰ سادات میں سے تھے۔ یہ محمد نور خاں وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے جن کا نام اُس شجرہ میں بھی آتا ہے جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔

راقم الحروف کو بھی باوجود کوشش کے متقدمین اور موخرین شروانیان سکندرہ راؤ کی بابتہ اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ حبیب میاں مرحوم کے خط کا مضمون اور احمد نور خاں مرحوم کا جواب کتاب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ قصبہ سکندر لودی بادشاہ کے عہد میں بسایا گیا۔ جب کہ لودی اور شروانیوں کا زور تھا۔ اس لیے یہاں شروانی خاندان کا بسنا تعجبات سے نہیں ہے۔

سطور مندرجہ بالا سے معلوم ہوگا کہ ایک زمانہ میں خاندان شروانی ہندوستان سابق بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ اُس کے بڑے حصّہ نے اضلاع علی گڑھ و ایٹہ کو پٹھانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد اپنا مسکن بنایا اور آج تک یہاں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کی موجودہ مردم شماری میں تقسیم ملک کی وجہ سے ان اضلاع میں کچھ کمی ہوگئی ہے۔

شروانیان کشمیر، صوبہ سرحدی، پنجاب (پاکستان)

ہم نے ضمناً اوپر ذکر کیا ہے کہ کچھ شروانیان علاقہ چھچھ (راولپنڈی) اور کشمیر اور صوبہ سرحد شمال مغرب (پاکستان) میں آباد ہیں۔ ہم وہاں تک نہ پہونچ سکے۔ اور نہ اُن کے حالات معلوم ہو سکے۔ تقسیم ہند کے بعد اور بھی شروانی خاندان اب صوبہ سرحدی اور پنجاب پاکستان میں جاکر پناہ گزیں ہوئے ہیں۔

ماہ جولائی ۱۹۵۳ء میں محترمی غلام محمد خاں صاحب شروانی بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول سرگام (بولاب) کشمیر کے خطوط سے کشمیر میں بسنے والے شروانیاں کا مختصر سا حال معلوم ہوا ہے۔ اس بارہ میں ہم موصوف کے مشکور ہیں۔ اُن کا پہلا خط حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کو موصول ہوا۔ اور دوسرا عنایت نامہ راقم الحروف کو۔ ہم ان دونوں کے

اقتباسات ناظرین شروانی نامہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ روشنی دھندلی سی ہے
مگر کچھ تاریکی تو رفع ہوئی۔ انشاء اللہ آئندہ حالت سنبھلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ موصوف ماشاء اللہ
پڑھے لکھے اور صاحب ذوق ہیں امید ہے کہ وہ اپنے تاریخی تجسس کو جاری رکھیں گے اور
ہمیں مطلع فرما کر ممنون کریں گے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان اطراف کی اس شکستہ حال قوم
اور باہر کے شروانیان میں رابطہ محبت اور تعلقات برادرانہ قائم ہوں۔

خط نمبر ۱۔ (بنام مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خان شروانی) "ہمارے سلسلہ کا حال آپ جاننا چاہتے
ہیں۔ میں اس بارے میں ثبوت کو ملحوظ رکھ کر کوئی کارآمد واقفیت بہم پہونچانے سے قاصر ہوں۔ البتہ
میرا ذاتی قیاس یہ ہے کہ جب ہندوستان کی پہلی اصلاحی تحریک کے (مولانا) سید محمد اسماعیل شہیدؒ
مجاہدین کو لے کر ریاست جموں و کشمیر کی حدود کے اندر داخل ہوئے تو ان دینی اور خدا پرستوں میں کوئی
مرد غازی شروانی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ جب سید اسماعیل شہیدؒ بالاکوٹ کے مقام پر
جہاد میں کام آئے تو مجاہدین کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ قسم قسم کی
سختیاں تکالیف اٹھائیں یا جام شہادت پینے پڑے۔ پھر بھی بہت سے مجاہدین کشمیر کے مختلف
پہاڑی مقامات میں پناہ اور امان لینے میں کامیاب ہوئے۔ میں نے مظفر آباد (حال کشمیر پاکستانی)
میں ۱۹۴۳ء میں (مولانا) سید احمد بریلویؒ اور سید اسماعیل شہیدؒ کے خستہ اور گمنام قبرستان کو
دیکھا ہے۔ مسلمانوں میں تو نسل سے پڑھے ہوئے حضرات پانچ فی صدی ہوں گے۔ ہمارے
خاندان کے تقریباً تمام افراد قصبہ بارہ مولا میں ہی آباد ہیں۔ اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے
اسلاف ایک پہاڑی مقام سے (جو کہ اوڑی وزارت مظفر آباد میں ہے) تقریباً اسی پچاسی
سال پیشتر یہاں آکر مقیم ہوئے۔ خاندان کے افراد مذہبی قسم کے ہیں۔ ذریعہ معاش تجارت رہا ہے
اور ہے۔ ذہین اور سمجھدار ہیں۔ تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں پھر بھی اس مادی
دور میں درمیانی طبقہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ کچھ نوجوان سری نگر اور پشاور میں بھی عرصہ چند سال
سے مقیم ہیں۔ بہرحال یہ ہے سرسری واقفیت۔"

خط نمبر ۲۔ (بنام راقم الحروف) میں نے ایک خط بنام محترم مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خان صاحب شروانی
میں ذکر کیا تھا کہ کشمیر میں شروانی خاندان کے اسلاف ہندوستان کی تحریک تجدید امامت کے سلسلہ

میں ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) سے جب کہ حضرت سید صاحبؒ (مولانا اسمٰعیل شہید) کی شہادت ہوئی پہلے پہونچ گئے ہوں گے۔ کیوں کہ مجاہدین میں صوبۂ سرحدی کے شروانی مجاہدین کبھی ضرور شامل ہونے بعید از قیاس نہیں۔ سید اسماعیل شہیدؒ کا مزار کشمیر کی سرحد سے زیادہ دور نہیں ہے۔ بالاکوٹ کے مقام پر ہے جو کہ ہری پور ہزارہ کی راہ پر واقع ہے۔ بے شمار مجاہدین نے جو کہ معرکۂ جہاد سے واپس ہوئے کشمیر کو اپنا مسکن بنایا۔ انھیں میں سے شروانی خاندان کے افراد صوبۂ کشمیر کی وادی میں تقریباً ایک صدی سے آباد ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات پردۂ خاموشی میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس خاندان کو متعدد مشکلوں اور تکلیفوں سے گذرنا پڑا۔ کبھی "شروانی" کے لفظ کو حذف بھی کیا گیا۔ کبھی گوشہ نشینی پر مجبور کیا گیا۔ لیکن اس خاندان میں عالم دین، متقی اور خود دار بزرگ ہو چکے ہیں۔ کشمیر کی قومی تحریک میں محمد مقبول شروانی (میرا چچیرا بھائی) سنہ ۱۹۴۷ء کی گڑبڑ میں شہید ہوا۔ اس مجاہد کے متعلق گاندھی جی نے اپنی پرارتھنا میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور علی گڑھ کے شروانیوں کے بارے میں بھی ذکر کیا۔ اس وقت شروانیوں کی حالت ٹھیک ہے۔ زیادہ تر ذریعۂ معاش تجارت ہے۔ راقم کا برادر اصغر غلام حسین شروانی بی ایس سی اس وقت زیدہ (مردان) صوبۂ سرحد میں مقیم ہے۔ دوسرے نونہال زیر تعلیم ہیں (اللھم زد فزد) ہمارے بزرگ عربی فارسی پڑھے لکھے ہیں اور فارسی میں ماہر ہیں۔

راقم الحروف آثم عباس شروانی کی ناقص رائے میں صوبۂ سرحدی اور پنجاب مغربی کے شروانیان اسی وقت اپنے اصلی وطن سے آکر ان علاقوں میں آباد ہوئے تھے جب کہ افغانستان سے باہر نکل کر انھوں نے ان علاقوں کی اور ہندوستان کی آب و ہوا کا تجربہ کیا ہو گا جس کا حال اس کتاب کے حصہ اول میں درج کیا گیا ہے۔ آئندہ واللہ اعلم بالصواب۔

تمام شد حصہ دوم "شروانی نامہ" بعونہ تعالےٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروانی نامہ

(حصہ سوم شجرے)

خدائے حلّ المشکلات کا شکر ہے کہ ہم اس ناچیز تالیف کے متن کے دشوار گزار (تاہم گونہ ہموار) حصوں سے بقدر طاقت و ہمت گزر کر اب اس کے تیسرے حصہ پر آتے ہیں جو اپنی اصطلاح شجرہ یعنی درخت کی طرح شاخ در شاخ ہے۔ بلکہ ذاتی جھاڑ دار پُر خار ہے۔

حتیٰ کہ اس کے مادّہ (شجر) سے اور کلمے جو نکلتے ہیں ان میں سے اور بھی کئی اپنے اندر کلفت اور مصیبت ہی کا مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ مثلاً بھالے سے زخم پہونچانا آپس میں جھگڑنا وغیرہ وغیرہ۔

مگر حافظ عبد الجلیل خاں [illegible] قلم کی تیشہ زنی نے اپنا کام کر کے ہماری گام زنی کے راستہ کو بہت کچھ صاف کر دیا ہے۔ ہم [illegible] شروع ہی میں (السلسلۃ شجرہ یادین صـ ۹)

سب سے پہلے ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اور اس موقع پر بھی اُن کی بنیادی محنت و
کاوش کا مکرر دل سے اعتراف کرتے ہیں۔

یہ ظاہر کر دینا بھی از بس ضروری ہے کہ میدان قرطاس کی کوتاہی اور اس کی وجہ
سے لکھائی، چھپائی اور وقت کی کفایت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے شجروں کو بجائے
"شجر" کی لہلہاتی شاخوں میں دکھانے کے عبارت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں لکھا ہے اور کہیں کہیں اپنی ذاتی معلومات
اور تحقیقات کو بھی دخل دیا ہے۔ تاہم ان کی سو فیصدی صحت کا دعوے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔
کم از کم پانچ ۵ فیصدی غلطیوں کا یقینی احتمال ہے۔

تاہم اس کو یوں غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ اگر یہ شجرے اب بھی مرتب نہ ہوتے تو
ہماری نسل کے بعد طاقِ نسیاں پر پہنچ کر بالکل نسیاً منسیاً ہو جاتے۔ لہذا ناظرین
سے (اور حافظ صاحب موصوف سے) بجائے کسی بدگمانی کے عفو درگزر کی درخواست ہے

آں چہ ہموز دمن نہ کردم بے
عجب آں بر من ست دشنہ بر دے

نوٹ :- شجروں کے مطالعہ کے وقت ان علامات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ف :- فرع
ش : شاخ
( ) : قوسین کے اندر اولاد کا شمارہ
پ : پیدائش
و : وفات

۱۔ بھیکم پور

ف اول مورث جہاں خاں ساکن بھوری شرقی ابن خان جہاں خاں ابن دلاور خاں ابن یحییٰ خاں ابن مصاحب خاں ابن مکارم خاں ابن ایدل خاں عرف عبداللہ خاں ساکن بھوری غربی جو گنگیری میں مزار حضرت مخدوم شاہ ثنائی سے متصل مدفون ہوئے۔

اولاد جہاں خاں ۔ سرفراز خاں زوجہ خاندان پرویز خاں دھنسارکی اولاد سرفراز خاں (۱) تاج خاں لاولد (۲) یار خاں پ ۱۸۰۵ء تقریباً ف ۱۸۳۰ء بمقام بردوہ زوجہ مدینہ دختر نصیب خاں ہمشیرہ بھوری خاں ڈوری ۔ (۳) حفیظہ خاتون زوجہ محمد حیات خاں بھوری (۴) حمیدہ خاتون زوجہ حاجی مراد خاں دتاولی ۔ اولاد یار خاں (۱) حاجی داؤد خاں پ ۱۸۲۵ء و ۱۸۹۶ء زوجہ لاڈو بیگم دختر سربلند خاں حسن پور (۲) خان زماں خاں پ ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء و ۱۲۷۱ھ زوجہ دختر خواجہ علی خاں سہادر ۔ (۳) حاجی غلام محمد خاں مورث دادوں (دیکھو شجرہ دادوں) (۴) فضل النساء زوجہ رحم علی خاں بوڑہ گاؤں (۵) دختر زوجہ حسن رضا خاں بوڑہ گاؤں (۶) وزیر النساء زوجہ عبدالرحمٰن خاں دتاولی ۔

شاخ الف اولاد حاجی محمد داؤد خاں (۱) حاجی غلام احمد خاں و ۱۸۸۲ء زوجہ اول وحید النساء ہمشیرہ محمد علی خاں سہادر ۔ زوجہ دوم ہمشیرہ نور اللہ خاں سہادر ۔ زوجہ سوم کفایت النساء دختر وزیر خاں کنولی (۲) عنایت اللہ خاں و ۱۸۸۶ء زوجہ حیات بیگم دختر خان زماں خاں بھیکم پور (۳) قمر النساء زوجہ علی رضا خاں بوڑہ گاؤں (۴) ولی النساء زوجہ محمد حسین خاں دتاولی اولاد حاجی غلام احمد خاں ۔ (۱) فرخندہ بیگم زوجہ حاجی عبدالشکور خاں بھیکم پور (۲) حاجی احمد سعید خاں و ۱۹۲۲ء زوجہ امۃ الہادی دختر فیض احمد خاں دتاولی لاولد (۳) ام سعید فاطمہ زوجہ محمد اسحاق خاں ابن حاجی یوسف خاں دتاولی ۔ (۴) فاطمہ صغریٰ بیگم زوجہ مولوی حاجی یونس خاں دتاولی ۔ (۵) نواب حاجی سر محمد مزمل اللہ خاں پ ۱۸۶۴ء و ۱۹۳۸ء زوجہ اول حاجی بیگم دختر کریم اللہ خاں بوڑہ گاؤں زوجہ ثانیہ صالحہ بیگم دختر مسکین خاں ڈھولنہ

زوجہ ثالثہ منظور فاطمہ دختر محمد سمیع اللہ خاں بلوند۔
اولاد عنایت اللہ خاں ۔ (۱) فخر النساء زوجہ حاجی کریم اللہ خاں بوڑہ گانوں۔ (۲) صفیہ بیگم زوجہ حاجی مصطفٰے خاں بوڑہ گانوں۔ اولاد نواب فضل اللہ خاں۔ زوجہ اولیٰ سے (۱) احمدی بیگم تخلص نکہت زوجہ عبد المقیت خاں بوڑہ گانوں (۲) زاہدہ خاتون تخلص نزہت شاعرہ شہیرہ صاحبہ دیوان موسوم "فردوس تخیل" پ ۱۸۹۴ء و ۱۹۲۲ء (۳) محمد احمد اللہ خاں پ ۱۳۱۴ھ و ۱۹۱۶ء تا کتخدا (۴) طفل شیر خوار فوت۔
(۵) زوجہ ثانیہ سے داؤد احمد خاں پ ۱۹۰۴ء جوانا مرگ مدفون بمقام دہرہ دون (۶) زوجہ ثالثہ سے ایک لڑکا عرف مراد میاں بچپن میں فوت ہوا۔ (۷) محمدی بیگم عرف ننن بولو زوجہ غلام الثقلین عرف افضال میاں بی ایس سی پسر محمد جان خاں دادوں (۸) نواب رحمت اللہ خاں عرف حیات میاں پ ۱۹۲۹ء زوجہ مرتضائی بیگم دختر مولوی محمد جان خاں دادوں (۸) دختر حجازیہ بیگم بچپن میں فوت ہوئی۔
اولاد نواب رحمت اللہ خاں دختر تہمینہ نکہت خانم پ ۱۹۵۱ء

شاخ ۲

اولاد خان زماں خاں ابن باز خاں (۱) حاجی ہدایت اللہ خاں پ ۱۲۳۵ھ و ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء زوجہ اشرف بیگم دختر حسن رضا خاں بوڑہ گانوں۔ (۲) حاجی عبد الشکور خاں عرف منجھلے میاں پ ۱۸۳۰ء و ۱۹۰۷ء بمقام جدہ زوجہ فرخندہ بیگم دختر غلام احمد خاں بھیکم پور (۳) محمد تقی خاں مورث حبیب گنج (دیکھو شجرہ حبیب گنج)
اولاد حاجی ہدایت اللہ خاں ۔ (۱) عائشہ بیگم زوجہ عبد الغفور خاں بھیکم پور (۲) حاجی بیگم زوجہ حاجی یعقوب خاں دتاولی۔
اولاد حاجی عبد الشکور خاں ۔ (۱) عبد الغفور خاں زوجہ عائشہ بیگم دختر حاجی ہدایت اللہ خاں بھیکم پور (۲) عبد الجبار خاں و ۱۸۸۶ء زوجہ محمودہ بیگم دختر محمد تقی خاں حبیب گنج لاولد (۳) حاجی عبد الستار خاں و ۱۸۹۰ء زوجہ امۃ الرحمٰن دختر نبی خاں بھیکم پور۔ (۴) مریم خاتون زوجہ سلیم اللہ خاں بوڑہ گانوں۔ (۵) خان بہادر مولوی خلیل الرحمٰن خاں و ۱۹۴۳ء زوجہ امۃ الحفیظ

دختر چودھری نور اللہ خاں سہادر لاولد (۶) عبد الجلیل خاں زوجہ قدسیہ بیگم دختر حاجی
کریم اللہ خاں بوڑہ گانوں۔ (۷) آسیہ بیگم زوجہ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں۔ (۸)
فاطمہ بیگم زوجہ محمد شعیب خاں سہادر۔

اولاد عبد الغفور خاں۔ (۱) حاجی محمد صالح خاں و ۱۹۴۲ء زوجہ اول اصفیہ بیگم دختر حاجی
یعقوب خاں دتاولی زوجہ دوم امۃ الکبیر دختر ادریس خاں حسن پور۔ (۲) محمد عمر خاں زوجہ صغریٰ بیگم
دختر عبد الستار خاں بھیکم پور۔ (۳) اختری بیگم زوجہ عبد الحلیم خاں بعدہٗ عابد خاں بھیکم پور (۴)
مدینہ خاتون زوجہ ثانی شعیب خاں سہادر۔

اولاد حاجی عبد الستار خاں (۱) حافظ عبد الحلیم خاں ف بہ جوان عمری ۱۹۱۳ء زوجہ اختری بیگم
دختر عبد الغفور خاں بھیکم پور لاولد (۲) التقیہ بیگم زوجہ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں۔
(۳) امۃ القدیر زوجہ حاجی ضمیر الحسن خاں ڈھولنہ (۴) صغریٰ بیگم زوجہ محمد عمر خاں بھیکم پور۔
(۵) عابد خاں و بہ جوان عمری ۱۹۳۲ء زوجہ اختری بیگم بیوہ عبد الحلیم خاں لاولد۔ (۶) نور جہاں
و بہ عمر ۱۰ سال۔

اولاد عبد الجلیل خاں۔ پسر عمر چند ماہ پیدا و ۱۸۹۳ء۔ اولاد حاجی صالح خاں۔ حامدہ خاتون
و ۱۹۲۰ء ناکتخدا۔ اولاد محمد عمر خاں۔ عبد الصبور خاں عرف آبادمیاں بی۔ اے
زوجہ امۃ الکبیر بیوہ حاجی صالح خاں۔ اولاد عبد الصبور خاں۔ (۱) فضل الصبور خاں پیدا
۱۹۴۶ء

ف دوم

مورث محمد نصیب خاں ابن رشید خاں ابن قالن جہاں خاں مندرجہ
بالا اول زوجہ دختر خان عالم خاں بریہرہ۔

اولاد نصیب خاں (۱) بھوگی خاں زوجہ ہمشیرہ منگل خاں طبالپوری (۲) ظریف خاں ف ۱۲۷۲ھ
زوجہ خاندان خان عالم خاں بریہرہ موضع ڈوریٔ میں جا رہے۔ (۳) بی بی مدینہ زوجہ بازخان بھیکم پور
(۴) دختر زوجہ حاجی حسن علی خاں ٹنڈولی۔ (۵) دختر ہمشیرہ والدہ ولی محمد خاں دتہساری۔
اولاد ظریف خاں۔ رفعت خاں زوجہ دختر حاجی طالمند خاں ٹنڈولی لاولد۔
اولاد بھوگی خاں۔ (۱) غلام رسول خاں ف ۱۸۶۳ء زوجہ مہر النساء ہمشیرہ ہمت خاں بھاموں

(۲) ظہور احمد خاں ف ۱۸۸۲ء زوجہ اول مستغیث النساء دختر عبد اللہ خاں حسن پور زوجہ دویم مریم دختر سہراب خاں سہاور (۳) نور احمد خاں زوجہ اول امتیاز دختر ابراہیم خاں تادلی زوجہ دویم دختر قمر الدین خاں کھجوری (۴) حرمت النساء زوجہ یوسف خاں کنوبی۔ (۵) افضل النساء زوجہ الہ دردی خاں کنوبی (۶) رحیم النساء زوجہ علی محمد خاں حسن پور اولاد غلام رسول خاں (۱) محمد نبی خاں زوجہ محمدی بیگم دختر فان زماں خاں بھیکم پور (۲) نیاز النساء زوجہ مداری خاں کنوبی

(۳) حاجی عبد اللطیف خاں غیر کفو زوجہ سے دخیل حسن پور ف ۱۹۲۵ء۔

اولاد ظہور احمد خاں (۱) عبد العزیز خاں ف ۱۹۰۷ء زوجہ حفیظہ خاتون دختر بخش اللہ خاں کنادہ دخیل کھجوری۔ (۲) عبد الرشید خاں ف ۱۹۱۹ء زوجہ خاتون دختر حسین علی خاں بریہرہ (۳) محمود خاں ف ۱۹۰۷ء زوجہ اول خاتون دختر عبد الرحیم خاں جھجھ زوجہ دویم ابرار فاطمہ دختر عبد العزیز خاں بھاموں (۴) دیاجا زوجہ علی احمد خاں سہاور (۵) الطاف بیگم زوجہ بخش اللہ خاں ڈھولنہ (۶) امت الرسول زوجہ صدیق خاں حسن پور۔ اولاد نور احمد خاں ممتاز بیگم زوجہ حمید اللہ خاں حسن پور

اولاد محمد نبی خاں۔ (۱) امت الرحمن زوجہ عبد الستار خاں بھیکم پور۔ (۲) و (۳) و (۴) امت الحبیب۔ اقبال بیگم۔ رقیہ بیگم یکے بعد دیگرے زوجہ نواب اسمٰعیل خاں دتاولی (۵) ہدایت النساء زوجہ رضا علی خاں ڈھولنہ (۶) احمدی بیگم زوجہ فرزند علی خاں ڈھولنہ۔

اولاد عبد العزیز خاں۔ عزیز فاطمہ زوجہ عبد الحمید خاں بھیکم پور دخیل کھجوری۔

اولاد عبد الرشید خاں (۱) عبد الحمید خاں زوجہ اول عزیز فاطمہ دختر عبد العزیز خاں بھیکم پور زوجہ دویم غیر کفو (۲) غفران خاں و ۱۹۳۷ء زوجہ دختر یعقوب خاں بہرام پور (۳) حاجی عمران خاں زوجہ اول سعید فاطمہ دختر فضل الرحمن خاں ڈھولنہ۔ زوجہ دویم خاتون جہاں دختر احمد اللہ خاں ڈھولنہ۔ زوجہ سویم غیر کفو۔ (۴) عبد المجید خاں ف ۱۹۵۱ء زوجہ اشرفی بیگم و مسعودی بیگم یکے بعد دیگرے دختران عنایت احمد خاں کنوبی زوجہ سویم دختر عبد الواحد خاں بھاموں

(۵) اسما بیگم زوجہ مذکور اللہ خاں ننداولی۔

اولاد عبد الحمید خاں۔ اعجاز احمد خاں بی اے دخیل پاکستان (۲) حامد رشید خاں (۲) انیس فاطمہ زوجہ حکیم سطیع اللہ خاں ننداولی۔ (۴) ظہور فاطمہ زوجہ حافظ غلام فرید خاں

اولاد غفران خاں۔ دختر ذخیل پاکستان
اولاد حاجی عمران خاں۔ (۱) ظل الرحمٰن خاں (۲) خالد رشید خاں۔
اولاد عبدالمجید خاں۔ اظہار احمد خاں (۲) حسن رشید خاں۔ (۳) محمود رشید خاں۔
(۴) احمد رشید خاں (ضروری۔ تتمہ بھیکم پور سکیں پہلے دیکھو صفحہ ۴۳۴)

۲۔ حبیب گنج

مورث محمد تقی خاں ابن خان زماں خاں مندرجہ بالا بھیکم پور ق۔ ایس ۲ پ ۱۸۳۲ء و ۱۹۰۵ء زوجہ (۱) ہمشیرہ چودھری نور اللہ خاں سہادر زوجہ (۲) تسلیم النساء دختر غلام مرتضیٰ خاں بلونہ

اولاد محمد تقی خاں۔ (۱) نواب صدر یار جنگ ڈاکٹر حاجی حبیب الرحمٰن خاں پ ۱۸۶۶ء از زوجہ دوئم و ۱۹۵۰ء زوجہ (۱) آسیہ بیگم دختر عبدالشکور خاں بھیکم پور زوجہ (۲) النقیہ بیگم دختر عبدالستار خاں بھیکم پور زوجہ (۳) زینب بیگم عرف نفیس دولہن دختر مولوی عبدالغنی خاں عالم گنج فرخ آباد۔ (۲) محمودہ بیگم زوجہ عبدالجبار خاں بھیکم پور۔ (۳) مسعودہ بیگم زوجہ چودھری عزیز اللہ خاں سہادر

اولاد نواب صدر یار جنگ حاجی حبیب الرحمٰن خاں۔ (۱) محبوب الرحمٰن خاں از زوجہ اول ناکتخدا و ۱۹۱۴ء (۲) خان بہادر حاجی عبید الرحمٰن خاں از زوجہ اول پ ۱۳۱۵ھ زوجہ اکرام فاطمہ دختر چودھری محمد شعیب خاں سہادر (۳) مولوی مسعود الرحمٰن خاں از زوجہ دوئم پ ۱۹۰۵ء زوجہ عزت السبحان دختر سمیع اللہ خاں بلونہ۔ (۴) رضیہ بیگم از زوجہ اول زوجہ چودھری احمد اللہ خاں سہادر (۵) حجازہ فاطمہ از نکاح اول زوجہ خان بہادر حاجی مولوی محمد مونس خاں دتاولی۔

اولاد خان بہادر حاجی عبید الرحمٰن خاں۔ (۱) ریاض الرحمٰن خاں ایم۔ اے (۲) محب الرحمٰن خاں ایم اے (۳) رضی الرحمٰن خاں عرف سعید میاں فوت۔ (۴) ذاکرہ خاتون و ناکتخدا بمقام لاہور (۵) فائقہ خاتون۔

۳۔ دادوں

مورث حاجی غلام محمد خاں ابن باز خاں مندرجہ شجرہ بھیکم پور ورق اول و ۱۲۶۳ھ زوجہ (۱) و (۲) دختران سفری خاں وتاولی زوجہ سوئم غیر کفو عرب نکہ منقطعہ۔

اولاد حاجی غلام محمد خاں مورث (۱) محمد ہادی یار خاں از نکاح سوئم پ ۱۸۳۹ء و ۱۸۹۵ء زوجہ علی النساء دختر امام خاں برلہ (۲) عفت فاطمہ از نکاح سوئم زوجہ اول چودھری حمایت علی خاں سہادر بعد فوتی حمایت علی زوجہ دوئم غیر کفو۔ (۳) جنت فاطمہ از نکاح سوئم زوجہ چودھری ولایت علی خاں سہادر

اولاد محمد ہادی یار خاں۔ (۱) محمد احمد سعید خاں و ۱۹۰۹ء ۱۳۲۷ھ زوجہ امین فاطمہ دختر چودھری حمایت علی خاں سہادر (۲) عبد الرؤف خاں و ۱۸۹۷ء زوجہ اول شفقت بیگم دختر عبد الاحد خاں کنول۔ لعبہ زوجہ دوئم سکینہ بیگم دختر فرزند علی خاں ڈہولت (۳) امت الغنی زوجہ حاجی محمد اسحاق خاں مائل برلہ

اولاد احمد سعید خاں۔ (۱) نواب ابوبکر خاں و ۱۹۳۵ء زوجہ (۱) احمدی بیگم دختر عبد الرؤف خاں دادوں زوجہ (۲) امت الرب دختر حاجی اسحاق خاں برلہ (۲) حاجی غلام محمد خاں و ۱۹۲۳ء بمقام خیر آباد ضلع سیتاپور زوجہ سکینہ بیگم دختر فرزند علی خاں ڈہولنہ بعد وفات عبد الرؤف خاں

اولاد عبد الرؤف خاں۔ (۱) مولوی حاجی محمد جان خاں از نکاح اول زوجہ (۱) امت النور دختر حاجی اسحاق خاں برلہ زوجہ دوئم جیلانی بیگم دختر حاجی غلام محمد خاں دادوں (۲) احمدی بیگم از نکاح اول زوجہ اوسکے نواب ابوبکر خاں دادوں۔

اولاد نواب ابوبکر خاں امت المقتدر عرف پیاری بیگم زوجہ احمد رؤف خاں عرف آبلہ میاں دادوں حنیل پاکستان۔

اولاد حاجی غلام محمد خاں۔ جیلانی بیگم زوجہ مولوی حاجی محمد جان خاں دادوں۔

اولاد مولوی حاجی محمد جان خاں۔ (۱) از نکاح اول احمد رؤف خاں پ ۱۹۱۲ء زوجہ امت المقتدر دختر نواب ابوبکر خاں دادوں پاکستان (۲) غلام اکرم خاں عرف

پیارے میاں از نکاح اول زوجہ ناجیہ خاتون دختر عبدالمقیت خان بوڑہ گھانوں پاکستان (۳) غلام جیلانی خاں عرف اعجاز میاں از نکاح دوئم زوجہ عقیقہ خاتون دختر چودھری احمد اللہ خاں سہاور۔ (۴) از نکاح دوئم احمد جان خاں عرف فیاض میاں (۵) غلام السبطین خاں عرف افضال میاں زوجہ عطیہ مہدی بیگم دختر نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بھیکم پور قلعہ جدید (۶) از نکاح دوئم غلام الثقلین خاں عرف ناظم میاں زوجہ دختر حامد علی خاں تاریں پٹھان شاہجہاں پور (۷) غلام الحسنین خاں عرف عارف میاں زوجہ دختر محمد عزیز خاں برلہ (۸) از نکاح اول امت الحبیب زوجہ سردار بہادر خاں حسن پور پاکستان (۹) مرتضائی بیگم زوجہ نواب رحمت اللہ خاں بھیکم پور قلعہ جدید۔ (۱۰) از نکاح دوئم خورشید خانم۔

اولاد احمد رؤف خاں۔ (۱) محمد رؤف خاں (۲) و (۳) دختران کمسن پاکستان۔

اولاد غلام اکرم خاں۔ (۱) مرتضے علی خاں (۲) ارتضے علی خاں (۳) و (۴) دختران پاکستان

اولاد غلام السبطین خاں دختر کمسن۔

اولاد غلام جیلانی خاں (۱) مصطفے علی خاں (۲) اصطفا علی خاں (۳) خاتون کمسن

اولاد غلام الثقلین خاں۔ دختر کمسن۔

اولاد چودھری حمایت علی خاں سہاور وعفت فاطمہ ہمشیرہ محمد ہادی یار خاں دخیل دادوں۔ (۱) عبدالرشید خاں لاولد (۲) انیس فاطمہ زوجہ احمد سعید خاں دادوں۔

اولاد عفت فاطمہ ہمشیرہ ہادی یار خاں زوجہ چودھری ولایت علی خاں سہاور خاتون زوجہ عبدالرشید خاں دادوں۔

بی بی عفت فاطمہ نے بعد فوتی شوہر اول حمایت علی خاں کے دوسرا نکاح ایک غیر کفو مولوی نسب سے کیا ان سے ایک دختر امت اللہ پیدا ہوئی۔ امت اللہ کا نکاح عمر خاں پٹھان کے ساتھ ہوا جو اسی قصبے کے معززین میں تھے۔

اولاد عمر خاں زوجہ (۱) حافظ ابوالظفر مرحوم (۲) مولوی الحسن خاں بی۔ اے ایل۔ ایل بی مرحوم ایڈوکیٹ علی گڑھ زوجہ نیازی بیگم دختر عبدالاحد خاں کنزلی (۳) دختر قیصر زوجہ سلیمان خان سہاور۔

۴۔ دتاولی

عمر خاں ابن گھاسی خاں ابن کالے خاں۔ ابن بایزید خاں ابن جلال الدین خاں ابن علاء الدین خاں ابن حسن خاں ابن فیروز خاں ابن سید حسن خاں مورث اعلیٰ دتاولی۔

اولاد عمر خاں (۱) شجاعت خاں زوجہ دختر رفعت خاں کنوبی۔ (۲) دائم خاں نابینا

شاخ اول

اولاد شجاعت خاں (۱) نظام خاں (۲) حاجی مراد خاں پ سنہ ۱۲[illegible]ھ و سنہ ۱۸۳۲ء بعمر ۱۲۰ سال زوجہ حمیدہ خاتون دختر سرفراز خاں بھیکم پور

اولاد نظام خاں۔ کاظمہ بیگم زوجہ مداری خاں دتاولی۔

اولاد حاجی مراد خاں عبدالرحمٰن خاں و سنہ ۱۸۳۸ء زوجہ وزیر النساء دختر باز خاں بھیکم پور

اولاد عبدالرحمٰن خاں (۱) محمد حسین خاں پ سنہ ۱۸۱۰ء و سنہ ۱۸۲۹ء زوجہ ولی النساء دختر حاجی داؤد خاں بھیکم پور لاولد (۲) حاجی فیض احمد خاں پ سنہ ۱۲۴۲ھ و سنہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء بمقام طائف حجاز زوجہ اول دختر حسن رضا خاں بوڑہ گاؤں۔ زوجہ دوئم امانت فاطمہ دختر وزیر خاں کنوبی زوجہ سوم عروسہ بیگم شاہی خاندان افغانستان (مکہ معظمہ میں یہ دو نکاح کئے) (۳) بخشی بیگم زوجہ احمد رضا خاں بوڑہ گاؤں۔

اولاد حاجی فیض خاں۔ (۱) نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں از نکاح دوئم پ سنہ ۱۸۵۵ء و سنہ ۱۹۲۲ء بمقام آگرہ زوجہ اقبال بیگم، رقیہ بیگم، امۃ الحبیب دختران نبی خاں بھیکم پور یکے بعد دیگرے (۲) حاجی یعقوب خاں از نکاح اول پ سنہ ۱۲۷۳ھ و سنہ ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء زوجہ حاجی بیگم دختر ہدایت خاں بھیکم پور دخیل کول علی گڑھ (۳) حاجی محمد اسحاق خاں از نکاح دوئم زوجہ امۃ السعید دختر غلام محمد خاں بھیکم پور لاولد۔ (۴) حاجی محمد یوسف خاں از نکاح دوئم پ سنہ ۱۲۷۱ھ و سنہ ۱۹۲۸ء زوجہ (۱) امۃ السعید بیوہ محمد اسحاق خاں زوجہ (۲) زہرہ بیگم دختر اللہ یار خاں دھولنہ (۵) حاجی مولوی محمد یونس خاں از نکاح دوئم پ سنہ ۱۲۸۲ھ و سنہ ۱۹۳۸ء زوجہ فاطمہ صغرا بیگم دختر غلام احمد خاں بھیکم پور (۶) حاجی محمد موسےٰ خاں پ سنہ ۱۲۸۹ھ و سنہ ۱۹۴۳ء زوجہ مشرفی بیگم دختر رضا علی خاں دھولنہ (۷) حاجی محمد عیسیٰ خاں پ سنہ ۱۲۹۱ھ و سنہ ۱۹۴۸ء زوجہ صفورا بیگم دختر عباس علی خاں دھولنہ (۸) امۃ القیوم از نکاح اول زوجہ محمد عظمت اللہ خاں جری (۹) امۃ السادی از نکاح

حاتم خاں زوجہ محمدی بیگم دختر حاجی صالح خاں حسن پور۔ (۳) حاجی محمد لوط خاں زوجہ غیر کفو ضلع بلند شہر۔ (۴) ذوالکفل خاں (۵) عبدالسلام خاں ناکتخدا فوت۔ (۶) حجن عذرا خاتون زوجہ نجم الزماں خاں حسن پور سب رجسٹرار۔ (۷) سعادت فاطمہ زوجہ چودھری مشیر احمد خاں عرف عزیز میاں سہاور۔

اولاد فرا ابراہیم خاں۔ (۱) از نکاح اول مراد ابراہیم خاں ڈپٹی پاکستان زوجہ دختر صاحبزادہ جعفر علی خاں مالیر کوٹلہ۔ (۲) رقیہ بیگم از نکاح اول زوجہ نواب اقتدار علی خاں دو جانہ ریاست پنجاب (۳) عبدالرحمٰن خاں از نکاح دوئم پ ۱۹۳۴ء پاکستان۔

اولاد پروفیسر حاجی ہارون خاں۔ (۱) محمد مصطفےٰ کمال خاں پ ۱۹۲۴ء زوجہ خدیجہ خاتون دختر عبدالمقیت خاں بوڑھ گانوں۔ (۲) مسعود احمد خاں پ ۱۹۲۶ء زوجہ نفیسہ سلطانہ دختر حاجی مولوی محمد یونس خاں دتاولی۔ (۳) خالدہ بیگم زوجہ ڈاکٹر محمد یحییٰ خاں حسن پور (۴) حامد بیگم ایم اے زوجہ مرزا جواد بیگ پسر راحیلہ خاتون شہوانیہ ومرزا یحییٰ بیگ۔

اولاد حاجی شبیت خاں۔ محمد فیض مراد خاں پ ۱۳۶۳ھ

اولاد آدم خاں۔ دو دختران۔ اولاد حاجی لوط خاں۔ دختر

شاخ دوئم

اولاد دائم خاں۔ ابن عمر خاں مندرجہ بالا شاخ اول پر بشارت خاں۔

اولاد بشارت خاں۔ (۱) مصری خاں۔ (۲) سعد اللہ خاں لاولد (۳) مداری خاں زوجہ کاظمہ بیگم دختر نظام خاں دتاولی۔ (۴) حبیبہ بیگم زوجہ عبداللہ خاں حسن پور۔

اولاد مصری خاں (۱) محمد ابراہیم خاں زوجہ ظہور النساء دختر نجیب خاں ۔۔۔ (۲) عبداللہ خاں زوجہ امیر النساء دختر یعقوب خاں کنوبی۔ (۳) و (۴) دختران زوجہ یکے بود بیگ ۔۔۔ حاجی غلام محمد خاں دادوں۔ اولاد مداری خاں۔ سکینہ بیگم زوجہ رجب علی خاں حسن پور۔

اولاد محمد ابراہیم خاں۔ (۱) احمد رضا خاں و ۱۸۹۸ء زوجہ اول عنایت بی بی دختر حسن علی خاں بلونہ زوجہ دوئم رونق النساء دختر کالے خاں کمادہ (۲) دختر اعتبار النساء ناکتخدا فوت۔

اولاد عبداللہ خاں۔ حاجی احمد حسین خاں ۱۸۰۹ء جہاز میں بعد حج زوجہ عنایت بیگم دختر یونس خاں کنوبی زوجہ دوئم کفایت النساء دختر ارادت خاں بربرہ۔ (۲) طالب حسین خاں زوجہ عنایت بیگم

دختر باز خاں بھیکم پور ۔ (۲) حسن رضا خاں زوجہ دختر باز خاں بھیکم پور (۳) عصمت خاتون زوجہ فیروز خاں کناوہ دختیل بھیکم پور ۔ (۴) حرمت النساء زوجہ حسن علی خاں بلوند ۔ (۵) زینب النساء زوجہ تاج خاں کناوہ ۔

اولاد رحم علی خاں (۱) محمد علی رضا خاں و ۱۲۶۲ھ زوجہ قمر النساء دختر داؤد خاں بھیکم پور (۲) احمد رضا خاں زوجہ اول بختی بیگم دختر عبد الرحمن خاں دتاولی زوجہ دویم صفت النساء دختر حرمت خاں کناوہ ۔

اولاد علی رضا خاں ۔ (۱) محمد رحیم اللہ خاں ۔ و ۱۹۰۳ء زوجہ سعید النساء دختر بخت خاں ڈھولنہ ۔ (۲) حاجی کریم اللہ خاں و ۱۹۱۳ء زوجہ فخر النساء دختر عنایت اللہ خاں بھیکم پور

اولاد احمد رضا خاں ۔ حاجی مصطفےٰ خاں و ۱۹۱۸ء زوجہ صفیہ بیگم دختر عنایت اللہ خاں بھیکم پور ۔

اولاد رحیم اللہ خاں ۔ (۱) محمد سلیم اللہ خاں زوجہ مریم خاتون دختر عبد الشکور خاں بھیکم پور (۲) خدیجہ بیگم زوجہ عبد اللطیف خاں حسن پور زوجہ دویم اسمٰعیل خاں حسن پور (۳) سلمےٰ بیگم زوجہ محمد حیات خاں بھوری ۔

اولاد حاجی کریم اللہ خاں ۔ (۱) حجاجی بیگم زوجہ نواب سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں بھیکم پور (۲) قدسی بیگم زوجہ عبد الجلیل خاں بھیکم پور ۔

اولاد حاجی مصطفےٰ خاں ۔ عامر مصطفےٰ خاں پ ۱۸۸۴ء و ۱۹۳۶ء بمقام دہرہ دون زوجہ امۃ القدوس دختر نواب حاجی اسمٰعیل خاں دتاولی ۔

اولاد سلیم اللہ خاں ۔ (۱) خان بہادر عبد المقیت خاں پ ۱۸۹۵ء زوجہ احمدی بیگم عظمت دختر نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بھیکم پور ۔ (۲) ذکیہ بیگم زوجہ سمیع اللہ خاں ڈھولنہ ۔

اولاد عامر مصطفےٰ خاں ۔ (۱) احمد کامل مصطفےٰ خاں ۔ پ ۱۹۰۸ء زوجہ دختر ڈاکٹر محمد یٰسین امرتسری بار ایٹ لاء جج ریاست الکوٹلہ ۔ (۲) محمد کامل مصطفےٰ خاں [illegible] فوت و مدفون ۔

اولاد خان بہادر عبد المقیت خاں ۔ (۱) محمد نعیم اللہ خاں عرف نعمت میاں پ ۱۹۲۶ء

(۲) تاجیہ خاتون زوجہ غلام اکرم خاں دادوں (۳) راشدہ خاتون زوجہ احتشام الدین شیلانگ آسام۔ (۴) خدیجہ بیگم زوجہ مصطفےٰ کمال خاں دتاولی ذیل حیدرآباد دکن۔

اولاد حسن [illegible] خاں ۔ ابن نظام خاں (۱) اشرف بیگم زوجہ ہدایت اللہ خاں بھیکم پور (۲) صالحہ بیگم زوجہ غازی الدین خاں بھیوری (۳) دختر زوجہ حاجی فیض احمد خاں دتاولی (۴) صالح محمد خاں ناکتخدا فوت۔

۶ - بلونہ

میارز خاں ابن مبارک خاں ابن تحفہ خاں۔ ابن عبد اللہ خاں ابن محمود خاں ذیل بلونہ ابن نواب یوسف خاں ساکن راجپو بدو کناوہ زوجہ بیرم خاں سہادر۔

اولاد میارز خاں۔ (۱) شاہ محمد خاں (۲) محمد خاں اولاد محمد خاں ۔ آزاد خاں ذیل سہاور۔

اولاد شاہ محمد خاں۔ (۱) اعظم خاں (۲) دلیل خاں (۳) بی بی بیبی خاتون زوجہ محمد عظمت اللہ خاں کنولی۔

اولاد اعظم خاں ۔ الہ داد خاں ۔ اولاد الہ داد خاں ۔ دختر سالن بی بی زوجہ عاشور خاں بیرلہ

اولاد دلیل خاں ۔ (۱) نصرت خاں لاولد (۲) رشید خاں (زوجہ دختر دلیل خاں کھیوری) (۳) مریم عرف مٹھا زوجہ نظیر خاں کناوہ ۔ (۴) حبیب النساء زوجہ بہادر خاں کنولی۔

اولاد رشید خاں۔ (۱) نجیب خاں سوسن ۱۲۲۳ھ زوجہ اول تاج النساء دختر نادر داد خاں کھیوری۔ زوجہ دوئم خیر النساء دختر مراد خاں بھیامئی (۲) خدا بخش خاں زوجہ صغرا بیگم دختر منگل خاں سرہرہ (۳) بدر النساء زوجہ داؤد خاں [illegible]۔

| شجرہ اول [illegible] | اولاد نجیب خاں ۔ (۱) حاجی حسن علی خاں از نکاح اول وسن ۱۲۶۵ھ زوجہ اول حرمت النساء دختر نظام خاں بوڑہ گاؤں زوجہ دوئم سیادن بی بی دھماری۔

(۲) غلام مرتضےٰ خاں از نکاح اول سن ۱۸۵۵ھ زوجہ معراج بی بی دختر بدر الدین خاں ڈھولنہ ۔ (۳) عبد المجید خاں از نکاح دوئم زوجہ ہدایت النساء سہاور۔ نیز مستفیض النساء دختر اشرف خاں کنولی لاولد (۴) [illegible] النساء از نکاح اول زوجہ صاحب داد خاں حسن پور۔ (۵) ظہور النساء از نکاح اول زوجہ پیر ابراہیم خاں دتاولی ۔ (۶) [illegible] النساء از نکاح اول زوجہ نذیر خاں کنولی۔

(۲) کریم النسا زوجہ غلام نبی خاں بہادر۔ اولاد امداد علی خاں۔ یونس خاں ولد ۱۸۹۱ء لاولد (۲) آمنہ بیگم زوجہ امانت اللہ خاں کنادہ (۳) سکینہ بیگم زوجہ صفی اللہ خاں بھاؤں۔ اولاد اسد علی خاں۔ (۱) بلقیس رضا کتخدا ولد ۱۸۵۷ء (۲) حاجی عبدالرشید خاں زوجہ سعودی بیگم دختر حسین علی خاں بہیرہ۔ اولاد حاجی عبدالرشید خاں (۱) تصدق احمد خاں ایم اے پی ایچ ڈی ولد ۱۹۳۵ء زوجہ اسرار فاطمہ دختر احمد سعید خاں بہیرہ (۲) نثار احمد خاں بی اے ایل ایل بی سابق منسٹر صوبہ اتر پردیش زوجہ اول دختر محمد عوض خاں بیرام پور زوجہ دوم ہمشیرہ عبدالمجید خواجہ بار ایٹ لا علی گڑھ زوجہ سوم خاندان قمر شاہ خاں بریلی (۳) عائشہ خاتون زوجہ حبیب اللہ خاں کنادہ (۴) فدا احمد خاں زوجہ سلطان جہاں بیگم دختر عبدالوحید خاں کنادہ زوجہ دوم غیر کفو۔ اولاد تصدق احمد خاں۔ خالدہ خانم زوجہ حاجی حبیب الحسن خاں ڈیرہ دون۔

اولاد نثار احمد خاں۔ مصطفیٰ رشید خاں از نکاح دوم زوجہ دختر خان بہادر رفیع القدر خاں کلکٹر رئیس شاہجہانپور (۲) طلعت جہاں زوجہ غیر خاندان ریٹائر افسر پاکستان۔ اولاد فدا احمد خاں۔ احمد رشید خاں۔

شاخ سوئم | مورث اعلیٰ کا نام دستیاب نہیں ملا۔ ان کی اولاد میں۔ (۱) بخش اللہ خاں (۲) بذیبہ النسا (۳) اکبر خاں لاولد (۴) علی محمد خاں (۵) صاحبداد خاں۔ (۶) ولی محمد خاں۔ اولاد صاحبداد خاں۔ (۱) کالے خاں (۲) دختر۔ اولاد علی محمد خاں۔ بیکن خاں زوجہ بنت کالے خاں سرائے بریلی۔ (۲) شفیع خاں زوجہ دختر غلام رسول خاں بریلی (۳) سراج النسا زوجہ جمعیت خاں سرائے بریلی۔ اولاد ولی محمد خاں۔ (۱) محمد حسین خاں زوجہ دختر اکبر خاں بریلی ان کی اولاد ہاجرہ بیگم زوجہ شفیع خاں پسر عبدالمجید خاں کنولی۔ (۲) جمیلہ النسا زوجہ غلام محمد خاں۔ سہاور (۳) نذیر النسا زوجہ عبدالحمید خاں کنولی اولاد بیکن خاں نور ابراہیم خاں زوجہ احسان فاطمہ دختر شفیع خاں۔ اولاد شفیع خاں۔ (۱) ابراہیم خاں زوجہ دختر صدیق خاں کنولی (۲) شفیع الرحمٰن خاں زوجہ طیبہ خاتون دختر محمد خاں نادلی (۳) احسان فاطمہ زوجہ ابراہیم خاں بیوہ (۴) انعام فاطمہ اولاد نور ابراہیم خاں۔ (۱) آصف خاں۔ (۲) عارف خاں۔ (۳) دختر زوجہ برکات احمد خاں کنادہ

۷ ۔ بھاموں

شاخ اول | مورث و احمد خاں ۔ ابن محمد خاں علی بھاموں بن نواب یوسف خاں ماجد لبیبہ کنادہ۔

اولاد احمد خاں۔ (۱) رستم خاں (۲) محسن خاں عرف نجف خاں (۳) لطف خاں (۴) مراد خاں۔ اولاد رستم خاں۔ حسن علی خاں اولاد حسن علی خاں۔ (۱) منگل خاں (۲) پیرو خاں (۳) دختر۔ اولاد منگل خاں۔ (۱) محمد علی خاں (۲) غلام مصطفیٰ خاں (۳) یوسف خاں لاولد۔ اولاد محمد علی خاں (۱) احمد علی خاں ولد ۱۹۰۶ء زوجہ امراؤ بیگم لاولد (۲) دختر۔ اولاد غلام مصطفیٰ خاں۔ (۱) گھاسی خاں (۲) غازی الدین خاں ولد ۱۹۱۱ء۔ اولاد گھاسی خاں (۱) حبیب الرحمٰن خاں دختران لاولد بیوہ۔ حسینا زوجہ لیاقت خاں سہاور۔ ٹونا زوجہ قطب علی خاں سہاور۔ عیدن بیگم زوجہ عبدالعزیز خاں بھاموں نبی بیگم زوجہ عیوض خاں بیرام پور۔ قدرت النسا زوجہ حمایت علی خاں سہاور۔ جھولی بیگم زوجہ ولی احمد خاں کنولی

بیوہ ببون خاں بھوری ۔ اولاد عبدالرحمٰن خاں از زوجہ غیر کفو ہمشیرہ اعظم علی بھاموں (۱)
عزیز الرحمٰن خاں زوجہ غیر کفو (۲) مجیب الرحمٰن خاں زوجہ غیر کفو (۳) فضل الرحمٰن خاں زوجہ غیر کفو
اولاد عزیز الرحمٰن خاں ۔ (۱) انیس الرحمٰن خاں (۲) شفیع الرحمٰن خاں (۳) حبیب الرحمٰن خاں
(۴) عنایت الرحمٰن خاں (۵) دختر ۔ اولاد مجیب الرحمٰن خاں ۔ (۱) محمد الرحمٰن خاں (۲)
احمد الرحمٰن خاں (۳) دختر ۔ اولاد فضل الرحمٰن خاں (۱) افضال احمد ۔ (۲) دختر
اولاد غازی الدین خاں ۔ (۱) محمد خاں د ۱۹۳۹ء دخیل کنادہ (۲) دختر
اولاد پیروز خاں ابن حسن علی خاں عبداللہ خاں زوجہ حلیم النساء دختر فضل علی خاں بلونہ ۔
اولاد عبداللہ خاں ۔ (۱) صفی اللہ خاں عرف شفیع اللہ خاں د ۱۹۰۶ء زوجہ سکینہ بیگم دختر امداد علی
خاں بلونہ (۲) ظہور اللہ خاں (۳-۴) دختران صفی النساء زوجہ منیبہ خاں کنادہ ۔ ظہور النساء
اولاد صفی اللہ خاں ۔ (۱) پسر [illegible] لاولد (۲) دختر زوجہ ریاض خاں زوجہ حاجی مسلم خاں ٹنڈولی
اولاد ظہور اللہ خاں ۔ (۱) شفیع اللہ خاں فوت ۱۹۳۱ء لاولد (۲) توصیف اللہ خاں پ ۱۹۲۵ء
لاولد (۳) احمد اللہ خاں زوجہ [illegible] (۴) مستفیض اللہ خاں زوجہ [illegible] (۵) صباحت اللہ خاں
زوجہ کنوئیں ۔ (۶) دختر زوجہ [illegible] کنوئی دخیل بھاموں (۷) حبیب فاطمہ زوجہ [illegible]
[illegible] ۔ (۸) بی بی فاطمہ زوجہ شکیل احمد خاں دھناری ۔ اولاد احمد اللہ خاں ۔ عزت اللہ خاں
اولاد استعمار احمد خاں ۔ دخیل بھاموں دختر ۔

شاخ دوم | اولاد محسن خاں عرف نجف خاں ابن داعد خاں (۱) خداوند خاں
زوجہ شریف النساء دختر محمد منیر خاں ثانی کنادہ لاولد ۔ (۲) ہمت خاں
زوجہ زینب النساء دختر داؤد خاں کنادہ (۳) مہر النساء زوجہ غلام رسول خاں [illegible]
اولاد ہمت خاں ۔ (۱) کرامت النساء زوجہ عنایت خاں کنادہ (۲) [illegible] النساء زوجہ [illegible]
دھناری ۔ (۳) عنایت حسین خاں زوجہ رسولاً دختر [illegible] خاں بھوری ۔
اولاد عنایت حسین خاں ۔ عبدالعزیز خاں د ۱۹۰۵ء زوجہ اول معرفت النساء دختر وزیر خاں
کنوئی ۔ زوجہ دوم میومی بیگم دختر گھاسی خاں بھاموں
اولاد عبدالعزیز خاں ۔ (۱) ابرار فاطمہ از نکاح اول زوجہ محمود خاں بیگم لید (۲) عبدالواحد خاں

از نکاح اول زوجہ دختر فیض محمد خاں سہاور (۳) عبد الجلیل خاں از نکاح اول و ۱۹۲۸ء
زوجہ امت الجلیل دختر ولی احمد خاں کنوئی (۴) عبد القدیر خاں از نکاح اول زوجہ دختر فیض محمد خاں
سہاور (۵) عبد الکبیر خاں از نکاح اول ف ۱۹۱۵ء لاولد۔ (۶) عبد الواحد خاں از نکاح دوم زوجہ
زبیدہ بیگم دختر محمود خاں بھیکم پور (۷) عبد الباسط خاں از نکاح اول زوجہ زاہدہ بیگم دختر عمر خاں
کھوری۔ اولاد عبد الواحد خاں۔ دختر زوجہ عبد الجبار خاں بھاموں۔
اولاد عبد الجلیل خاں۔ دختر صابرہ بیگم زوجہ افتخار احمد خاں بعدہٗ انتصار احمد خاں کنوئی۔
اولاد عبد القدیر خاں۔ دختر۔ زوجہ انوار احمد خاں بھاموں۔ اولاد عبد الواحد خاں۔ (۱) عبد الماجد
خاں مرحوم زوجہ امت الرحمٰن دختر فیض محمد خاں برولی (۲) مولوی عبد الشاہد خاں زوجہ مہدی بیگم
دختر عمران خاں بھیکم پور۔ (۳) محمد زاہد خاں دخیل بھاولپور پاکستان (۴) زاہدہ بیگم زوجہ عبد المجید خاں
مرحوم بھیکم پور۔ اولاد عبد الماجد خاں۔ (۱) محمد ساجد خاں (۲) امت السبحان زوجہ شفیع احمد خاں
سنبرا دخیل گھونہ (۳) دختر کم سن۔
اولاد مولوی عبد الشاہد خاں۔ (۱) محمد مجاہد خاں ۶ سال (۲) محمد شاہد خاں ۴ سال (۳)
شاہدہ بیگم عمر ایک سال۔
اولاد عبد الباسط خاں۔ (۱) محمد شاکر خاں (۲) عابدہ بیگم زوجہ محمد نجیب خاں عرف اچھن دھساری

شاخ سوئم

اولاد نظام خاں ابن واحد خاں سنہ جہ بالا۔ خان زماں خاں۔
اولاد خان زماں خاں۔ جیون خاں لاولد۔

شاخ چہارم

اولاد مردان خاں۔ ابن واحد خاں (۱) رحمت خاں (۲) محمد رضا خاں
(۳-۴-۵-۶) دختران۔

اولاد رحمت خاں۔ (۱) کرامت النساء زوجہ یوسف خاں بھاموں۔ (۲) جیون بی بی زوجہ شفیع خاں
دھساری (۳) وحیدالنساء زوجہ عبد اللطیف خاں برہرہ اولاد محمد رضا خاں۔ (۱) شادی خاں
(۲) اسد علی خاں۔ (۳) دختر زوجہ جعفر خاں دھساری (۴) دختر۔
اولاد شادی خاں۔ دختر۔
اولاد اسد علی خاں۔ (۱) صفدر خاں۔ (۲) دختر۔

۸ ـ کنوبی

شاخ اول | مورث رفعت خاں پ سنہ ۱۹۴۰ھ و ۱۷۳۳ء (زمانہ اورنگ زیب عالمگیر) ابن بہروز خاں پ سنہ ۱۶۳۰ء و ۱۷۰۸ء ابن الف خاں ابن محمد حسن خاں ابن نواب یوسف خاں راجپوت لودگرنادہ ۔ رفعت خاں کی اولاد شیروانیاں رفعت خانی کہلائی ۔ رفعت خاں نے دو نکاح کئے مگر زوجگان اور زوجگان کے مورثان کے نام نہیں معلوم ۔

اولاد رفعت خاں ۔ از نکاح اول (۱) عظمت خاں زوجہ مدینہ بی بی دختر شاہ محمد خاں بلوسنہ (۲) از نکاح دوم عزت خاں مورث حسن پور (دیکھو شجرہ حسن پور) (۳) از نکاح دوم سعادت خاں مورث کنوبی و دھولت ۔ (۴) از نکاح دوم دختر

اولاد عظمت خاں ۔ بہادر خاں و سنہ ۱۸۰۱ء مدفونہ مقبرہ کنوبی زوجہ مستجیب النساء دختر دلیل خاں بلوسنہ لاولد سلسلہ منقطع ۔ اولاد سعادت خاں ۔ (جنہوں نے دو نکاح کئے یعنی پہلا بھاول میں دوسرا البالپور میں) (۱) از نکاح اول شمس الدین خاں متوطن کنوبی ۔ (۲) از نکاح دوم قطب الدین خاں دخیل ڈھولنہ (دیکھو شجرہ ڈھولنہ) (۳) از نکاح دوم بدرالدین خاں دخیل ڈھولنہ (دیکھو شجرہ ڈھولنہ) اولاد شمس الدین خاں ۔ از نکاح اول (۱) یعقوب خاں (۲) الہوردی خاں از نکاح اول زوجہ افضل النساء دختر بھوگی خاں بھیکم پور (۳) از نکاح اول عبدالواحد خاں زوجہ اول ۔ زوجہ دوم شفیع خاں بہیرہ (۴) کالے خاں از نکاح دوم (۵) از نکاح دوم خواجہ علی خاں زوجہ موجسولی لاولد (۶) از نکاح دوم سردار خاں زوجہ گستی بیگم اولاد یعقوب خاں ۔ (۱) امیر النساء زوجہ عبداللہ خاں دتاولی (۲) حوران زوجہ محمود خاں لاولد (۳) یونس خاں زوجہ حرمت النساء دختر بھوگی خاں بھیکم پور (۴) نصیر خاں زوجہ عمر النساء دختر نجیب خاں بلوسنہ و سنہ ۱۸۴۵ء (۵) عبدالاحد خاں و سنہ ۱۸۹۸ء زوجہ پیاران دختر شمس الدین خاں شندولی ۔ اولاد یونس خاں ۔ (۱) حمایت بیگم زوجہ حاجی احمد حسین خاں دتاولی ۔ (۲) عنایت بیگم زوجہ طالب حسین خاں دتاولی ۔ (۳) اسد علی خاں و سنہ ۱۸۹۹ء زوجہ مریم فاطمہ دختر عنایت خاں ڈھولنہ ۔ اولاد اسد علی خاں (۱) عمر علی خاں زوجہ شفیع النساء دختر مرادی خاں

کنوبی - (۲) قمر علی خاں د ۱۸۹۵ء زوجہ رؤف النساء دختر غلام نبی خاں ٹنڈولی -
اولاد قمر علی خاں - (۱) امت الرب زوجہ عبدالواحد خاں کنوبی - (۲) محمد حنیف خاں د ۱۹۳۲ء
زوجہ مبین فاطمہ دختر الہ دیوی خاں کھیرسہ - (۳) بشیر یا شبیر احمد خاں زوجہ امت الشافی دختر
سیف خاں کنادہ - اولاد قمر علی خاں - (۱) امت التقیب زوجہ عبدالمعید خاں سہادر (۲) عزیز خاں
زوجہ شاہی بیگم دختر الیاس خاں سہادر (۳) جمیل الرحمن خاں ناکتخدا فوت (۴) فضل الرحمن خاں
ناکتخدا فوت - اولاد حنیف خاں - (۱) عمر اسعد اللہ خاں زوجہ مدینہ خاتون دختر عبدالوحید خاں
شاہجہاں آباد (۲) محمد علی خاں زوجہ فہمیدہ دختر زکریا خاں نوشہ - (۳) احمد علی خاں کم سن (۴)
حامد علی خاں کم سن (۵) جینو بیگم زوجہ ننھے خاں نوشہ (۶) حنیف فاطمہ زوجہ سمیع اللہ خاں شاہجہاں آباد
اولاد بشیر احمد خاں یا شبیر احمد خاں - (۱) بنی بیگم زوجہ اشرف حیات خاں کنوبی - (۲) فخری بیگم
زوجہ سلیمان خاں کنوبی - (۳) جینو بیگم زوجہ فصاحت اللہ خاں بھاموں (۴) منو بیگم زوجہ عبدالعزیز خاں
سہادر - (۵) فصیح اللہ خاں کم سن (۶) عنایت اللہ خاں کم سن (۷) بدو خاں کم سن -
اولاد وزیر خاں - (۱) محمد عانت فاطمہ عرف بھوری د ۱۹۲۱ء زوجہ حاجی نفیس احمد خاں قلادلی (۲)
کفایت بیگم زوجہ غلام احمد خاں بھیکم پور (۳) بدر النساء زوجہ ارادت علی خاں حسن پور (۴) رؤف النساء
زوجہ عبدالعزیز خاں بھاموں (۵) نواز النساء زوجہ علی احمد خاں کنوبی
اولاد عبدالاحد خاں - (۱) شفقت بیگم زوجہ عبدالرؤف خاں دادون نکاح ۱۸۸۳ء (۲)
حیات بیگم زوجہ فیاض علی خاں ڈھولنہ بیوہ فرزند علی خاں ڈھولنہ - (۳) احمد علی خاں زوجہ نواز النساء
دختر وزیر خاں کنوبی لاولد (۴) ولی احمد خاں د ۱۸۸۳ء زوجہ چھوٹی بیگم دختر گھاسی خاں بھاموں - (۵)
عنایت احمد خاں ف ۱۹۱۵ء زوجہ کنیز فاطمہ دختر ارادت علی خاں حسن پور -
اولاد ولی احمد خاں - امت الجلیل زوجہ عبدالجلیل خاں بھاموں
اولاد عنایت احمد خاں - (۱) افتخار احمد خاں د ۱۹۲۹ء زوجہ صابرہ بیگم دختر عبدالجلیل خاں
بھاموں (۲) اقتدار احمد خاں زوجہ صابرہ بیگم بیوہ افتخار احمد خاں (۳) انتصار احمد خاں زوجہ
اختری بیگم دختر ظہور اللہ خاں بھاموں - (۴) مسعودی بیگم زوجہ عبدالمجید خاں بھیکم پور (۵) اشرفی بیگم
زوجہ عبدالمجید خاں بھیکم پور بعد انتقال مسعودی بیگم (۶) محمودی بیگم ناکتخدا فوت ۱۹۳۵ء

اولاد افتخار احمد خاں ۔ (۱) اقبال احمد خاں ناکتخدا فوت ۔

اولاد اقتدار احمد خاں (۱) عنایت اللہ خاں کم سن (۲) اعانت اللہ خاں کم سن

اولاد انتصار احمد خاں ۔ شجاعت احمد خاں کم سن (۲) شفاعت احمد خاں کم سن (۳) فدا احمد خاں کم سن (۴) آمنہ حیات بیگم عرف طاہرہ حیات ۔

اولاد الہ وردی خاں ۔ ابن شمس الدین خاں ۔ (۱) کرامت النساء زوجہ محمد حیات خاں کنوبی ۔ (۲) مداری خاں زوجہ نیاز النساء دختر غلام رسول خاں بیگم پور ۔ (۳) اشرف خاں زوجہ اول بیگا دختر سہراب خاں سہادر زوجہ دوئم شجاعت النساء دختر شجاعت خاں دھنساری ۔

اولاد مداری خاں ۔ شفیع النساء زوجہ عمر علی خاں کنوبی ۔

اولاد اشرف خاں ۔ (۱) مجیبہ النساء زوجہ الہ یار خاں ۔ ڈھولنہ (۲) مستقیمن النساء زوجہ عبدالمجید خاں بلوند ۔ (۳) آمنہ بیگم زوجہ امین اللہ خاں کناوہ (۴) محمد سعید خاں زوجہ امیر بیگم عرف چھوٹی ۔ دختر غلام قادر خاں منڈل (۵) محمد حیات خاں د ۱۸۹۵ء زوجہ مُلا بیگم دختر رحیم داد خاں کنوبی ۔ (۶) امین اللہ خاں فوت ۱۹۰۶ء لاولد (۷) عبدالعزیز خاں زوجہ امت الوہاب دختر نجیب خاں کناوہ (۸) عبدالشکور خاں د ۱۹۲۸ء زوجہ شرافت النساء دختر منور خاں دھنساری ذیل عنایتی ۔ اولاد محمد سعید خاں ۔ سلطان احمد خاں زوجہ دختر عبدالوحید خاں سہادر ۔

اولاد سلطان احمد خاں ۔ (۱) آسیہ بیگم زوجہ تدبیر احمد خاں کناوہ (۲) کافیہ بیگم زوجہ حافظ عزیز اللہ خاں کناوہ ۔ (۳) سلیمان خاں زوجہ مغربی بیگم دختر شبیر احمد خاں یا بشیر احمد خاں کنوبی ۔ اولاد سلیمان خاں ۔ (۱) غلام سعید خاں ناکتخدا (۲) عبدالرافع خاں ناکتخدا ۔ (۳) عصمت جہاں ناکتخدا ۔ (۴) نصرت جہاں ناکتخدا ۔ اولاد محمد حیات خاں ۔ (۱) ہاجرہ بیگم زوجہ عنایت خاں حسن پور (۲) حاجی عبدالاحد خاں د ۱۸۲۳ء زوجہ اول مریم بیگم دختر اشرف بہادر خاں تلولی زوجہ دوئم امت الرب دختر عمر علی خاں کنوبی (۳) محمد صادق خاں زوجہ دختر عنایت خاں کہرسہ اولاد عبدالواحد خاں (۱) نیازی بیگم زوجہ محمد الیاس خاں ایم اے ہیڈ ماسٹر علی گڑھ ۔ (۲) انور فاطمہ زوجہ شوکت اللہ خاں کنوبی ۔ (۳) اشرف حیات خاں زوجہ نبی فاطمہ دختر شبیر احمد خاں کنوبی ۔ اولاد اشرف حیات خاں ۔ عزیز فاطمہ کم سن ۔

اولاد محمد صادق خاں ۔ (۱) صغیرہ بیگم زوجہ ابراہیم خاں بلوند (۲) مشرقی بیگم زوجہ عظمت اللہ خاں کہرسہ

(۳) زبیدہ بیگم زوجہ ولی اللہ خاں طیال پور (۳) اشرف رضا خاں زوجہ عبدالمنان خاں کھیرسہ ۔ (۴) رفیع اللہ خاں زوجہ کھیرسہ ۔ اولاد اشرف خاں ۔ (۱) نصیبہ بیگم کمسن (۲) منور جہاں کمسن ۔ (۳) حسین بانو کمسن (۴) فریدہ خاتون کمسن ۔ اولاد رفیع اللہ خاں ۔ (۱) زبیدہ بیگم کمسن (۲) سعیدہ بیگم کمسن (۳) رفیع الزماں خاں کمسن ۔ (۴) رفیع الحیات خاں کمسن ۔ اولاد عبدالعزیز خاں ۔ ظہور فاطمہ زوجہ علیم اللہ خاں کنادہ ۔ اولاد عبدالرشید خاں ۔ (۱) صفیہ بیگم زوجہ حاجی شمس الحسن خاں بلونہ (۲) محمد شوکت اللہ خاں زوجہ اعجاز فاطمہ دختر عبدالواحد خاں کنوبی ۔ اولاد شوکت اللہ خاں (۱) مختار حسن خاں کمسن ۔ (۲) غضنفر اللہ خاں کمسن (۳) ام سلمہ زوجہ عبدالحلیم خاں مومن نگلہ (۴) رشیدہ خاتون لاکتخدا ۔ اولاد عبدالواحد خاں ۔ (۱) منصب دار خاں زوجہ عطیہ النساء دختر کرامت خاں بسہرہ لاولد (۲) رحیم داد خاں زوجہ الفت بیگم دختر عبداللہ خاں ٹنڈولی ۔ (۳) ننھے خاں زوجہ سلیما دختر کالے خاں کنوبی ۔ اولاد رحیم داد خاں ۔ تلا بیگم زوجہ محمد حیات خاں کنوبی ۔ اولاد ننھے خاں ۔ عبدالحمید خاں زوجہ زبیر النساء دختر ولی محمد خاں بلونہ ۔ اولاد عبدالحمید خاں ننھے خاں زوجہ ہاجرہ بیگم دختر احمد دین خاں بلونہ ۔

شاخ دوم

اولاد کالے خاں ابن شمس الدین خاں از نکاح دوم مندرجہ بالا (۱) سلیما زوجہ ننھے خاں کنوبی ۔ (۲) رضا خاں زوجہ چھترہ ۔

اولاد رضا خاں ۔ (۱) رحمت النساء زوجہ ظہور خاں کنوبی ۔ (۲) علیما زوجہ ہدایت علی خاں کنوبی ۔

خواجہ علی خاں ابن شمس الدین خاں مندرجہ بالا از نکاح دوم لاولد ۔ اولاد سردار خاں ابن شمس الدین خاں مندرجہ بالا از نکاح دوم (۱) ہدایت علی خاں زوجہ علیما دختر رضا خاں کنوبی لاولد ۔ (۲) ظہور خاں ۱۸۸۶ء زوجہ رحمت النساء دختر رضا خاں کنوبی ۔ (۳) نور خاں زوجہ کالی دختر رحم علی خاں برلہ (۴) مردان خاں ۔ (۵) ناہر خاں فوت ۱۸۶ء زوجہ طیال پور ۔

اولاد ظہور خاں ۔ (۱) دختر زوجہ کھیرسہ ۔ (۲) پسر فوت کمسن ۔ اولاد نور خاں (۱) عبدالغنی خاں ۔ (۲) ننھے خاں عرف غفور خاں زوجہ بلونہ لاولد ۔

اولاد مردان خاں ۔ لاڑو بیگم زوجہ علی مردان خاں کھیرسہ ۔ اولاد ناہر خاں (۱) ظفر علی خاں فوت ۱۹۲۰ء زوجہ طیال پور لاولد ۔ (۲) دختر زوجہ وزیر خاں چھترہ ۔

۹ - حسن پور

موضع حسن پور بھی ایک زمانہ میں آبادی اور سرسبزی کے لحاظ سے شروانی دیہات میں چوٹی کا گاؤں تھا۔ وہاں کے حالات سے متعلق حاجی عبدالجمیل خاں صاحب حسن پوری نے ایک مفصل یادداشت مرتب کی اور اس کا نام "**یادگار حسن پور**" رکھا ہے چونکہ ان اوراق کے "**نئے شروانی نامہ**" میں کافی گنجائش نہ تھی اس لئے حاجی صاحب موصوف کا ارادہ ان شاء اللہ اس کو علیحدہ شائع کرنے کا ہے۔ حاجی صاحب موصوف نے یہ یادداشت اپنی نانی صاحبہ مرحومہ سے اور اپنے رشتہ کے دادا اصغر علی خاں صاحب مرحوم اور اپنے تایا اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم کے روزنامچوں سے (جو سنہ ۱۸۶۵ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک مسلسل لکھے گئے) تحریر کی ہے۔ یہ بی بی صاحبہ اور دونوں اصحاب بڑے لائق تھے۔ خاندان شروانی کے شجرہ جات جو شروانی نامہ کے ساتھ مرتب ہوئے حاجی الجمیل خاں صاحب نے دیہات شروانی کا گشت لگا کر مرتب کئے اور اس کام میں ایک حد تک حافظ حاجی علی اکبر خاں صاحب ایم۔ اے حسن پوری ان کے ساتھ رہے۔ حاجی صاحب نے محمد یار خاں صاحب نمبردار چھپرہ سے بھی مدد لی جو بڑے لائق تھے۔ حسن پور سے متصل اور کھیڑہ موسومہ تاسولی کے قریب سنہ ۱۸۶۱ء میں حاجی عبدالصمد خاں اور قطب علی خاں مرحوم نے نیل کی کوٹھی تعمیر کرائی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں حاجی عبدالصمد خاں مرحوم نے موضع اسمٰعیل پور اپنے لڑکے اسمٰعیل خاں کے نام سے آباد کیا۔ وہاں بھی کوٹھی نیل اور چاہ پختہ کلاں تعمیر کرائے۔ اور باغ انبہ نصب کرایا۔ حسن پور کی آبادی میں بجانب پورب راستہ سے ملحق بی بی سکینہ بی بی (عرف چھمن بی بی) زوجہ رجب علی خاں حسن پور دختر مداری خاں دتاولی نے ایک مسجد پختہ دو درجوں کی اپنے باپ دادا کی تعمیر کردہ مسجد واقع دتاولی کے نمونہ پر تعمیر کرائی۔ یہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ رحمت خاں کنولی کو نواب بنگش فرخ آباد کی طرف سے جو معافی ملی وہ ان کی اولاد ذیل حسن پور کے قبضہ میں آئی۔ حسن پور میں ایک پرانی گڑھی تھی جس میں عبداللہ خاں مرحوم حسن پوری کی اولاد مقیم ہوئی اور اس کی وجہ سے خاندان کی یہ شاخ گڑھی والی کہلائی۔ مسجد سے متصل صاحب داد خاں کی حویلی تعمیر ہوئی اور ان کی اولاد اسی

نسبت سے حویلی الی کہلائی۔ اگرچہ یہ موضع آبادی کے لحاظ سے چھوٹا ہے۔ مگر موجودہ تعلیمی حالت اور یہاں کے بعض افراد کے سرکاری عہدوں پر تعیناتی کی وجہ سے برادری میں ممتاز ہے۔ جیساکہ شروانی نامہ حصہ دوم سے معلوم ہو چکا۔

چوں کہ یہ حالات دیر میں ملنے کی وجہ سے شروانی نامہ حصہ دوم میں درج ہونے سے رہ گئے اس لئے اب ہم نے ان کو یہاں درج کیا ہے۔ یہ حاجی عبدالجمیل خاں صاحب موصوف کی تحریری یادداشت سے لئے گئے ہیں۔ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے تفصیلات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس موضع کا نام غالباً ان حسن خاں کی یادگار ہے جو نواب یوسف خاں ساکن راجھو (الہندہ کناوہ) کے بیٹے تھے اور کناوہ میں دخیل ہوئے۔

اب حسن پور کا شجرہ ملاحظہ ہو۔

مورث عزت خاں۔ ابن رغبت خاں ساکن کنولی ابن بہروز خاں سندھجہ کنولی ابن الف خاں ابن حسن خاں ابن یوسف خاں ساکن راجھو و کناوہ

اولاد عزت خاں ۔ (۱) سربلند خاں فوت ۱۸۰۸ء زوجہ صبیح النساء دختر سعادت خاں ڈھولنہ۔ (۲) عبداللہ خاں و ۱۸۳۵ء زوجہ بیج بیگم دختر بشارت خاں دتاولی۔ (۳) محمدی بیگم زوجہ نظام خاں بوڑہ گانوں (۴) ماجرہ عرف ہجو بیگم زوجہ بدرالدین خاں ڈھولنہ۔

شاخ اول

اولاد سربلند خاں ۔ (۱) صاحب داد خاں پ ۱۷۷۳ء و ۱۸۵۸ء زوجہ زیب النساء دختر نجیب خاں بلونہ (۲) علی محمد خاں زوجہ رحیم النساء دختر بھوگی خاں بھیکم پور۔ (۳) اکبر علی خاں و ۱۸۶۸ء زوجہ مجیب النساء دختر عبداللہ خاں حسن پور (۴) جمعیت خاتون زوجہ قمرالدین خاں بھیوری (۵) لاڈو بیگم زوجہ حاجی داؤد خاں بھیکم پور (۶) زیب النساء زوجہ طیب خاں کناوہ۔ **اولاد صاحب داد خاں** ۔ (۱) امام النساء پ ۱۸۰۷ء و ۱۸۹۶ء زوجہ وارث علی خاں حسن پور (۲) حاجی عبدالصمد خاں پ ۱۸۰۹ء و ۱۹۰۴ء زوجہ امراؤ بیگم دختر دوندے خاں ڈھولنہ۔ **اولاد حاجی عبدالصمد خاں** ۔ (۱) عبداللطیف خاں پ ۱۸۲۱ء و ۱۸۸۹ء زوجہ خدیجہ بیگم دختر رحیم اللہ خاں بوڑہ گانوں۔ (۲) عبدالمتین خاں پ ۱۸۲۴ء

وسنہ ۱۸۷۹ء زوجہ عالیشہ بیگم دختر وارث علی خاں حسن پور۔ (۳) اسمٰعیل خاں پ سنہ ۱۸۵۰ء
وسنہ ۱۹۲۲ء زوجہ اول رفیع النساء دختر غازی الدین خاں کھوری زوجہ دوم بیوہ عبداللطیف خاں
(۴) عبدالجلیل خاں پ سنہ ۱۸۵۶ء وسنہ ۱۹۰۱ء زوجہ حمیرہ بیگم دختر منگل خاں عرف بخش اللہ خاں
کناوہ دخیل کھوری۔ (۵) حاجی حافظ زکریا خاں پ سنہ ۱۸۵۹ء وسنہ ۱۹۴۸ء۔ زوجہ زینب خاتون دختر
منگل خاں عرف بخش اللہ خاں کناوہ کھوری۔ (۶) رابو بیگم پ سنہ ۱۸۵۱ء وسنہ ۱۸۷۱ء زوجہ عبدالکفیل خاں
بلونہ مہاجر مدینہ طیبہ۔ (۷) امت الکریم پ سنہ ۱۸۶۱ء وسنہ ۱۹۲۲ء زوجہ عبدالواجد خاں ڈھولٹ۔

اولاد عبداللطیف خاں۔ (۱) مجتبیٰ خاں۔ (۲) عبدالقدوس خاں ہر دو کم سن فوت (۳)
حافظ محمد شعیب خاں پ سنہ ۱۸۷۵ء وسنہ ۱۹۲۵ء زوجہ امت العلیم دختر محمد حیات خاں کھوری لاولد۔

اولاد عبدالمتین خاں۔ (۱) عبدالعلیم خاں پ سنہ ۱۸۷۵ء وسنہ ۱۸۸۶ء (۲) عبدالواسع خاں
پ سنہ ۱۸۷۸ء زوجہ اول صفیہ بیگم بیوہ زوجہ دوم محبت بتول فاطمہ ہر دو دختران عبدالجلیل خاں
حسن پور۔ اولاد عبدالواسع خاں۔ (۱) شفیع اللہ خاں عرف آبادمیاں پ سنہ ۱۹۱۵ء
وسنہ ۱۹۴۸ء زوجہ ناصرہ بیگم دختر ہدایت اللہ خاں کناوہ۔ (۲) حافظ غلام فرید خاں پ سنہ ۱۹۱۷ء زوجہ
ظہور فاطمہ دختر عبدالحمید خاں عقیل بیگم پور دخیل کھوری۔ (۳) حاجی حافظ علی وارث خاں پ سنہ ۱۹۱۹ء

اولاد شفیع اللہ خاں۔ امت المتین بیگم فوت کم سن۔ اولاد حافظ غلام فرید خاں غلام
شہید خاں عرف رضا حسنت میاں پ سنہ ۱۹۴۴ء اولاد عبدالجلیل خاں (۱) صفیہ بیگم پ سنہ ۱۸۸۳ء
وسنہ ۱۹۰۹ء زوجہ اول عبدالواسع خاں حسن پور۔ (۲) حافظ حاجی عبدالجمیل خاں پ سنہ ۱۸۸۴ء دخیل
دارالانس علی گڑھ زوجہ محبت مرحمت فاطمہ دختر حافظ حاجی زکریا خاں حسن پور (۳) حافظ حاجی مسلم خاں
پ سنہ ۱۸۸۶ء شادی نہیں کی۔ (۴) محبت بتول فاطمہ پ سنہ ۱۸۹۰ء زوجہ دوم عبدالواسع خاں حسن پور

اولاد عبدالجمیل خاں۔ (۱) حبیب الرحمن خاں کم سن فوت۔ (۲) ڈاکٹر محمد یحییٰ خاں پ سنہ ۱۹۲۱ء
دخیل دارالانس علی گڑھ زوجہ خالدہ قائم دختر پروفیسر حاجی ہارون خاں دتاولی دخیل حیدرآباد
(دکن) اولاد ڈاکٹر محمد یحییٰ خاں۔ (۱) محمودہ خاتون پ سنہ ۱۹۴۸ء (۲) خالد جمیل خاں
پ سنہ ۱۹۵۰ء (نام تاریخی)

اولاد حاجی حافظ زکریا خاں۔ (۱) جمال فاطمہ (۲) امت الحبیب ہر دو ناکتخدا فوت

(۳) حاجی حافظ علی اکبر خاں ایم ۔ اے شاعر پ سنہ ۱۸۹۰ء زوجہ حجن ملکہ بیگم دختر مولوی حاجی یونس خاں دتاولی ۔ (۴) محمد علی خاں پ سنہ ۱۹۰۴ء زوجہ فرحت جہاں دختر حکیم شبیر احمد خاں کناوہ ذیل علی گڑھ (۵) حجن رحمت فاطمہ پ سنہ ۱۸۸۵ء زوجہ حاجی عبدالجمیل خاں حسن پور ذیل علی گڑھ ۔ (۶) حجن ام کلثوم پ سنہ ۱۹۰۲ء زوجہ حاجی عبدالماجد خاں ڈھولنہ ذیل علی گڑھ ۔

اولاد حاجی حافظ علی اکبر خاں ایم ۔ اے ۔ (۱) حاجی حافظ علی اکرم خاں تاریخی نام راحت میاں پ سنہ ۱۹۳۶ء (۲) حاجی حافظ اسلم خاں تاریخی نام فرحت میاں پ سنہ ۱۹۳۹ء

اولاد محمد علی خاں ۔ طلعت پروین پ سنہ ۱۹۴۴ء ۔

اولاد علی محمد خاں ابن سربلند خاں مندرجہ بالا ۔ (۱) سلامت خاتون زوجہ فرزند علی خاں ڈھولنہ ۔ (۲) وارث علی خاں پ سنہ ۱۸۰۹ء و سنہ ۱۸۹۵ء زوجہ امام النساء دختر صاحب داد خاں حسن پور ۔ اولاد وارث علی خاں ۔ (۱) ایوب خاں کم سن فوت ۔ (۲) عائشہ بیگم و سنہ ۱۹۱۹ء زوجہ عبدالمتین خاں حسن پور ۔ اولاد اکبر علی خاں ابن سربلند خاں ۔ (۱) اللہ رکھی ناکتخدا فوت (۲) اصغر علی خاں و سنہ ۱۹۰۷ء زوجہ وزیر النساء دختر عنایت خاں ڈھولنہ ۔

اولاد اصغر علی خاں ۔ (۱) عبدالرحمن خاں ناکتخدا فوت بعمر ۲۰ سال ۔ (۲) سلطان احمد خاں پ سنہ ۱۸۶۴ء و سنہ ۱۹۰۶ء ناکتخدا (۳) حافظ عبدالعلی خاں و سنہ ۱۹۲۰ء زوجہ مشرف ... دختر ننھے خاں دھنساری ذیل بھامول ۔ (۴) سلیمان خاں و سنہ ۱۹۳۸ء زوجہ کافیہ بیگم دختر احمد رضا خاں دتاولی (۵) عثمان خاں زوجہ ماجدہ بیگم دختر محمد حیات خاں کنوبی ۔ (۶) ظہور فاطمہ زوجہ علی احمد خاں دھنساری ۔ (۷) ماجدہ بیگم عرف ننھی بیگم زوجہ احمد سعید خاں بربرہ ۔

اولاد حافظ عبدالعلی خاں ۔ ولی محمد خاں پ سنہ ۱۸۸۷ء و سنہ ۱۹۴۹ء زوجہ اول مقیم فاطمہ دختر عبدالغفور خاں بھبرولی ۔ زوجہ دوم اسلام فاطمہ دختر فقیر اللہ خاں بھامول ۔

اولاد ولی محمد خاں ۔ (۱) حافظ علی محمد خاں پ سنہ ۱۹۳۳ء از نکاح دوم (۲) قدسیہ بیگم از نکاح دوم پ سنہ ۱۹۳۱ء زوجہ جمال احمد خاں دھنساری ۔

اولاد سلیمان خاں ۔ (۱) علی اصغر خاں پ سنہ ۱۹۲۲ء زوجہ ماجدہ خاتون دختر اشفاق احمد خاں بربرہ ۔ پاکستان ۔ (۲) صافیہ بیگم زوجہ بدیع الزماں خاں حسن پور ۔ (۳) قدسی بیگم زوجہ

ذاکر علی خاں بہرام پور۔ اولاد علی اصغر خاں۔ دختر عمر ۳ سال پاکستان۔
اولاد عثمان خاں ابن اصغر علی خاں۔ معزی بیگم کم سن فوت۔

شاخ دویم اولاد عبداللہ خاں ابن عزت خاں مندرجہ بالا۔ (۱) حبیب علی خاں و ۱۸۸۷ء بمقام ڈتاولی زوجہ سکینہ بیگم دختر بداری خاں ڈتاولی لاولد
(۲) قطب علی خاں و ۱۸۶۵ء زوجہ عزت النسا دختر بہرام خاں کناوہ (۳) مجیب النسا زوجہ اکبر علی خاں حسن پور۔ (۴) مستجیب النسا زوجہ ظہور احمد خاں بھیکم پور۔
اولاد قطب علی خاں۔ (۱) خوشوقت علی خاں کم سن فوت۔ (۲) حمید اللہ خاں و ۱۸۶۹ء زوجہ ممتاز بیگم دختر نور احمد خاں بھیکم پور لاولد (۳) اختر علی خاں پ ۱۸۳۷ء و ۱۸۹۰ء زوجہ منیر النسا دختر عنایت خاں دھولنہ۔ (۴) ارادت علی خاں عرف عبدالعزیز خاں و ۱۹۰۳ء زوجہ اول بدر النسا دختر وزیر خاں کنولی۔ زوجہ دویم وحید النسا دختر طالب حسین خاں ڈتاولی۔
(۵) نصیر اللہ خاں پ ۱۲۵۰ فصلی و ۱۹۲۰ء زوجہ اول تمیز النسا دختر غلام مرتضےٰ خاں بلونہ۔ زوجہ دویم الٰہی بیگم دختر احمد علی خاں بلونہ۔
اولاد اختر علی خاں۔ (۱-۲) دو پسران کم سن فوت۔ (۳) اسحاق خاں و ۱۹۴۴ء زوجہ تفضیل النسا دختر احمد حسین خاں ڈتاولی۔ اولاد اسحاق خاں۔ (۱) حامد خاں پ ۱۸۸۴ء زوجہ محسن قریشی بیگم دختر ادریس خاں حسن پور۔ (۲) احمد خاں پ ۱۸۸۹ء زوجہ فضل النسا دختر سمیع اللہ خاں دھولنہ (خلع شدہ بحکم عدالت) (۳) ادریس خاں پ ۱۹۰۲ء زوجہ حامدہ خاتون دختر عزیز الرحمٰن خاں سہاور۔ اولاد حامد خاں از زوجہ ظہیر کنو۔ (۱) اسلام نبی خاں پاکستان (۲) دختر زوجہ مبارک پور۔ اولاد احمد خاں منظور احمد خاں پ ۱۹۲۶ء پاکستان۔
اولاد ارادت علی خاں عرف عبدالعزیز خاں۔ (۱) مبین اللہ خاں و ۱۹۲۹ء از نکاح اول زوجہ منتی بیگم دختر بخش اللہ خاں کناوہ (۲) صدیق احمد خاں از نکاح اول زوجہ امت الرسول دختر ظہور احمد خاں بھیکم پور۔ (۳) صادق علی خاں از نکاح اول زوجہ چھیتی بیگم دختر کفایت اللہ خاں چھرہ رفعت پور ختمل چھرہ (۴) حاجی نور اللہ خاں از نکاح اول و ۱۹۰۷ء در جدہ بعدہ حج۔ (۵) صالح خاں از نکاح اول زوجہ اول حسنیہ بیگم دختر کفایت اللہ خاں چھرہ زوجہ دویم اولیا بیگم

دختر نصیر اللہ خاں حسن پور ۔ (۶) عبدالودود خاں از نکاح اول د ۱۹۲۴ء زوجہ عائشہ بیگم دختر کفایت اللہ خاں چھپرہ ذیل چھپرہ ۔ (۷) وحید الزماں خاں از نکاح دویم پ ۱۸۸۵ء زوجہ معیت فاطمہ دختر چودہری حبیب اللہ خاں سہاور ۔ (۸) بدیع الزماں خاں از نکاح دویم پ ۱۸۹۰ء زوجہ صافیہ بیگم دختر سلیمان خاں حسن پور (۹) کنیز فاطمہ از نکاح دویم پ ۱۸۸۶ء زوجہ عنایت احمد خاں کنوبی ۔ (۱۰) انیس فاطمہ از نکاح دویم زوجہ امداد علی خاں کنوبی ۔ (۱۱) اصغری بیگم از نکاح دویم زوجہ حاجی نور العابدین خاں حسن پور (۱۲) ہاشمی بیگم از نکاح دویم زوجہ احمد اللہ خاں عنایتی ۔ (۱۳) نیاز فاطمہ از نکاح دویم زوجہ حاجی عبداللہ خاں منڈولی

اولاد مبین اللہ خاں ۔ اعانت اللہ خاں پ ۱۸۸۴ء زوجہ عظیم فاطمہ دختر رحمت اللہ خاں کناوہ ۔ (۲) نثار فاطمہ زوجہ رفیق محمد خاں گھنونہ ۔ (۳) عزیز فاطمہ زوجہ رفیق محمد خاں گھنونہ بعد انتقال نثار فاطمہ ۔ اولاد اعانت اللہ خاں ۔ (۱) رشید الزماں خاں عمر ۱۸ سال (۲) شفیع الزماں خاں عمر ۱۶ سال (۳) ریاضی بیگم ۷ سال ۔ اولاد صدیق احمد خاں طاہرہ بیگم د ۱۹۳۷ء زوجہ عاقل خاں چھپرہ ۔ صادق علی خاں اور عبدالودود خاں کی اولاد چھپرہ رفعت پور میں درج کی گئی ۔

اولاد حاجی صالح خاں ۔ (۱) فخر الزماں خاں سب رجسٹرار از نکاح اول پ ۱۹۰۶ء زوجہ عزیز النساء خاتون دختر حاجی عیسیٰ خاں دتاولی ۔ (۲) فرخ زماں از نکاح اول پ ۱۹۱۳ء زوجہ تصدقی بیگم دختر صدیق خاں سہاور ۔ (۳) فرحت زماں خاں از نکاح اول پ ۱۹۱۶ء (۴) محمودی بیگم از نکاح دویم پ ۱۹۲۶ء زوجہ حاتم خاں دتاولی ۔

اولاد فخر الزماں خاں ۔ (۱) خورشید زماں خاں ۹ سال ۔ (۲) فہیم زماں خاں عمر ۵ سال ۔ (۳) فلاح الزماں خاں عمر ۷ سال ۔ (۴) فائق الزماں خاں عمر ۲ سال (۵) فوزیہ بیگم پ ۱۹۳۰ء (۶) فرزانہ بیگم عمر ۶ سال ۔

اولاد فرخ زماں خاں ۔ (۱) فہمیدہ خانم پ ۱۹۴۹ء ۔ (۲) صالحہ خانم پ ۱۹۵۱ء

اولاد وحید الزماں خاں ۔ (۱) حکیم حمید الزماں خاں پ ۱۹۱۱ء زوجہ دختر خلیل خاں برلہ ۔ پاکستان ۔ (۲) سعید الزماں خاں پ ۱۹۱۵ء زوجہ حسینہ بیگم دختر چودھری عبدالواحد خاں

سہادر پاکستان ۔ (۳) حکیم فریدالزماں خاں پ سنہ ۱۹۱۷ء ۔ (۴) حافظ اختر زماں خاں پ سنہ ۱۹۲۲ء زوجہ معززی بیگم دختر سلیم اللہ خاں سہادر (۵) کریم الزماں خاں پ سنہ ۱۹۲۸ء (۶) زاہدہ خاتون پ سنہ ۱۹۳۰ء (۷) راشدہ خاتون پ سنہ ۱۹۳۳ء

اولاد حکیم حمید الزماں خاں ۔ معین الاسلام خاں پ سنہ ۱۹۴۶ء پاکستان ۔

اولاد سعید الزماں خاں ۔ (۱) سعیدہ خانم پ سنہ ۱۹۴۸ء پاکستان (۲) مشوق خانم پ سنہ ۱۹۵۲ء پاکستان ۔ (۳) قمر الاسلام خاں پ سنہ ۱۹۵۰ء پاکستان ۔

اولاد حافظ اختر زماں خاں ۔ حمیدہ خانم پ سنہ ۱۹۵۲ء

اولاد بدیع الزماں خاں ۔ (۱) عابدہ خاتون پ سنہ ۱۹۲۹ء زوجہ عقیل احمد خاں دھناری پاکستان ۔ ناصرہ خاتون پ سنہ ۱۹۳۱ء زوجہ عرف ثمن پسر طفیل احمد خاں سہادر ۔ (۳) عارفہ خاتون پ سنہ ۱۹۳۶ء (۴) رفیع الزماں خاں پ سنہ ۱۹۳۳ء ۔

اولاد نصیر اللہ خاں ابن قطب علی خاں ۔ (۱) از نکاح اول محمد ادریس خاں پ سنہ ۱۹۳۱ء زوجہ اول عباسی بیگم دختر محمد حیات خاں بھوری ۔ زوجہ دوئم امت القدیر دختر سبکتگین خاں دھولنہ ۔ (۲) حاجی نور العابدین خاں از نکاح دوئم پ سنہ ۱۸۹۰ء زوجہ اصغری بیگم دختر ارادت علی خاں حسن پور ۔ (۳) از نکاح دوئم ولیہ بیگم پ سنہ ۱۸۸۸ء زوجہ حاجی شمس الحسن خاں باونہ (۴) اولیا بیگم از نکاح دوئم پ سنہ ۱۸۸۳ء زوجہ عبد الغفار خاں بھوری بعدہٗ حاجی صالح خاں حسن پور

اولاد محمد ادریس خاں ۔ از نکاح اول محسن قریشی بیگم پ سنہ ۱۸۹۴ء زوجہ حامد خاں حسن پور (۲) فاروقی بیگم از نکاح اول پ سنہ ۱۸۹۳ء زوجہ اول مولوی ظفر حسن خاں بلونہ ۔ بعدہٗ مطیع اللہ خاں سہادر بعد انتقال مولوی ظفر حسن خاں ۔ (۳) حاجی نصرت اللہ خاں بی ۔ اے تحصیلدار چرکھاری ضلع ہمیر پور از نکاح دوئم پ سنہ ۱۹۰۲ء زوجہ آمنہ خاتون دختر حاجی نور العابدین خاں حسن پور ۔ (۴) نصیب اللہ خاں عرف اچھن میاں از نکاح دوئم پ سنہ ۱۹۰۵ء زوجہ رقیہ بیگم دختر ایوب خاں موہن نگلہ (۵) امت الکبیر بیگم زوجہ حاجی صالح خاں بھیکم پور بعدہٗ عبد الصبور خاں بھیکم پور ۔ (۶) سردار بہادر خاں بی ۔ اے پ سنہ ۱۹۱۰ء زوجہ امت الصبور دختر حاجی محمد جان خاں دادوں پاکستان ۔ اولاد حاجی نصرت اللہ خاں تحصیلدار ۔ امت النصیر بیگم

پ ۱۹۴۷ء ۔ اولاد نصیب اللہ خاں ۔ (۱) خولہ خاتون پ ۱۹۳۸ء (۲) رحمت خاتون پ ۱۹۴۰ء (۳) سعید النساء ۱۹۴۶ء ۔

اولاد سردار بہادر خاں بی اے (علیگ) سنٹرل اکسائز انسپکٹر حال متعینہ لائل پور پاکستان ۔ (۱) وجیہہ بیگم پ ۱۹۴۲ء (۲) امت الصبوح عمر ۶ سال (۳) سلیمان ادریس خاں عمر ۳ سال ہر سہ ذخیل پاکستان ۔ اولاد حاجی نور العابدین خاں ۔ (۱) نسیم اللہ خاں زوجہ عزیزہ خاتون دختر حنیف خاں بلوننہ (۲) حاجی فصیح اللہ خاں زوجہ ناصرہ خاتون دختر شکر اللہ خاں بلوننہ (۳) آمنہ خاتون و ۱۹۴۸ء زوجہ حاجی نصرت اللہ خاں حسن پور

اولاد نسیم اللہ خاں ۔ (۱) حنیفہ خاتون پ ۱۹۴۴ء (۲) شمس العابدین پ ۱۹۴۶ء (۳) انیسہ خاتون پ ۱۹۴۸ء ۔ اولاد حاجی فصیح اللہ خاں ۔ (۱) صبیرہ خاتون پ ۱۹۴۵ء (۲) نور النصیر خاں پ ۱۹۴۸ء ۔ (۳) قطب النصیر خاں پ ۱۹۵۱ء ۔

۱۰۔ موضع ڈھولنہ

مورث اعلیٰ سعادت خاں ابن رفعت خاں ساکن کنولی کے دو بیٹے یعنی قطب الدین خاں و بدر الدین خاں ڈھولنہ میں آکر رہے ۔ اور انہیں سے یہاں کا سلسلۂ نسب چلتا ہے۔ صحیح سن نہیں معلوم مگر وہ یہاں اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر یا انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں آئے ۔ کیوں کہ بدر الدین خاں ۱۸۲۷ء میں شہید کئے گئے جیسا کہ اس کتاب کے حصۂ دوئم میں درج ہے ۔

شاخ اول قطب الدین خاں از نکاح دوئم زوجہ صبیح بیگم دختر خیر اندیش خاں بھوری ۔ اولاد قطب الدین خاں ۔ (۱) عنایت خاں زوجہ مستجیب النساء دختر مردان خاں بھاسوں ۔ (۲) دختر بیارن ناکتخدا فوت ۱۲۸۶ف ۔

اولاد عنایت خاں ۔ (۱) الہ یار خاں و ۱۸۸۸ء زوجہ مجید النساء دختر اشرف خاں کنولی۔ (۲) حاجی مسکین خاں و ۱۸۲۰ء زوجہ مقبول فاطمہ دختر غازی الدین خاں بھوری ۔ (۳) حبیب النساء زوجہ بخش اللہ خاں ڈھولنہ ۔ (۴) مریم فاطمہ زوجہ اسد علی خاں کنولی ۔ (۵) وزیر النساء زوجہ اصغر علی خاں حسن پور

(۶) منیر النساء زوجہ اختر علی خاں حسن پور (۷) لاڈو بیگم ناکتخدا فوت۔

اولاد الہ یار خاں۔ (۱) حافظ محمد رفعت خاں زوجہ اول عروس فاطمہ دختر حاجی مغفور اللہ خاں بلونہ زوجہ دوئم بخشی بیگم دختر مغفور اللہ خاں سہاور (۲) زہرہ خاتون د ۱۹۳۶ء زوجہ حاجی یوسف خاں (داماد) بدہانسی۔ (۳) عبد الرزاق خاں ناکتخدا فوت۔ (۴) رحمت الٰہی ناکتخدا فوت۔ اولاد حافظ رفعت خاں۔ (۱) از نکاح اول احمد اللہ خاں د ۱۹۲۹ء زوجہ کنیز فاطمہ دختر فضل الرحمٰن خاں ڈھولنہ۔ اولاد احمد اللہ خاں۔ (۱) انشاء اللہ خاں (۲) خاتون جہاں زوجہ دوئم عمران خاں بھیکم پور۔ (۳) سلطان جہاں زوجہ خلیل احمد خاں غیر کفو آگرہ سب جج۔

اولاد حاجی بھیکن خاں۔ (۱) مسیح اللہ خاں د ۱۹۱۵ء زوجہ زکیہ بیگم دختر سلیم اللہ خاں بوڑہ گاؤں۔ (۲) حاجی ضمیر الحسن خاں د ۱۹۲۱ء زوجہ اول ظہور فاطمہ دختر عظمت اللہ خاں کھوری زوجہ دوئم حجن امت القدیر بیگم دختر عبد الستار خاں بھیکم پور (۳) حجن نور فاطمہ زوجہ چودھری عبد الحمید خاں سہاور۔ (۴) حجن امت القدیر بیگم زوجہ ادریس خاں حسن پور (۵) صالحہ بیگم زوجہ دوئم نواب بہادر حاجی سرفضل اللہ خاں بھیکم پور۔ (۶) احمد شفیع خاں ناکتخدا فوت ۱۸۸۴ء۔ (۷) محمد ابراہیم خاں ناکتخدا فوت بعمر چھ برس سنہ ۱۳۱۰ھ (۸) عالیہ خاتون ناکتخدا فوت

اولاد مسیح اللہ خاں۔ (۱) مسیح الزماں خاں زوجہ اول سلطان فاطمہ دختر عزیز خاں بلونہ زوجہ دوئم زینت النساء دختر مصلح الدین خاں عنایتی۔ (۲) فضل النساء عرف پیاری بیگم زوجہ اول احمد خاں حسن پور (فسخ نکاح بعدالت) (۳) امت الثانی زوجہ فرخ ابراہیم خاں بدہانسی (۴) صابرہ بیگم زوجہ عبد الواجد خاں سہاور۔ اولاد حاجی ضمیر الحسن خاں۔ حاجی حبیب الحسن خاں پ ۱۹۱۳ء زوجہ خالدہ خانم دختر تصدق احمد خاں بیرسٹر بلونہ

شاخ دوئم

بدر الدین خاں شہید سنہ ۱۸۲۷ء ابن سعادت خاں ابن رفعت خاں متوفی زوجہ ماجدہ بیگم دختر عزت خاں حسن پور

اولاد بدر الدین خاں۔ (۱) دوندے خاں د ۱۸۳۸ء زوجہ مشرف النساء دختر سہراب خاں سہاور۔ (۲) رحمت خاں زوجہ بی بی بنّو دختر سہراب خاں سہاور۔ (۳) معراج فاطمہ زوجہ غلام مرتضٰے خاں بلونہ۔ اولاد دوندے خاں محبت اللہ خاں عرف ننگل خاں د ۱۸۸۶ء

وفات ۱۹۰۹ء زوجہ محبت نور فاطمہ دختر حاجی فیض احمد خاں دتاولی (۲) امت العزیز بیگم زوجہ عباس علی خاں ڈھولنہ (۳) محسن شرفی بیگم زوجہ حاجی موسے خاں دتاولی۔

اولاد حاجی حامد علی خاں۔ (۱) محمود علی خاں پیدائش ۱۹۰۰ء زوجہ اول آمنہ خاتون دختر حاجی موسے خاں دتاولی۔ زوجہ دویم حامدہ خاتون دختر عبدالودود خاں چھپرہ رفعت پور (۲) محسن محمدی بیگم زوجہ (۱) منظور احمد خاں بربہرہ زوجہ دویم سعید احمد خاں کنادہ قطب پور۔ بربہرہ زوجہ سویم بعد طلاق شدہ غیر کفو ضلع میرٹھ۔ (۳) احمدی بیگم زوجہ محمود علی خاں از مقصود علی خاں رئیس سہارنپور۔

اولاد محمود علی خاں۔ (۱) از نکاح دویم مشہود علی خاں پیدائش ۱۹۳۲ء (۲) از نکاح دویم مجاہدہ بیگم۔ اولاد حاجی فیاض خاں۔ ابن رحمت خاں تعیش علی خاں ناکتخدا فوت۔

۱۱۔ بربہرہ

مورث اعلیٰ عالم خاں جن کے والد کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

اولاد عالم خاں۔ (۱) دختر زوجہ شائستہ خاں بھیکم پور (۲) شاہ محمد خاں (۳) دختر زوجہ نصیب خاں بھیکم پور۔ اولاد شاہ محمد خاں۔ (۱) حسن خاں (۲) دختر زوجہ کالے خاں بھوری۔ اولاد حسن خاں۔ (۱) منگل خاں (۲) شفیع خاں۔

اولاد منگل خاں۔ (۱) مصری بی بی زوجہ خدا بخش خاں پلھنہ (۲) شہزادی بیگم زوجہ ہمت خاں سہاور (۳) حسن علی خاں زوجہ دختر شفیع خاں بربہرہ۔

شاخ اول

اولاد حسن علی خاں۔ (۱) الفت خاں لاولد۔ (۲) ارادت خاں وفات ۱۸۸۶ء۔ اولاد ارادت خاں۔ (۱) جیون بی بی زوجہ اسد علی خاں بلونہ (۲) سعید النساء زوجہ خورشید علی خاں کنادہ (۳) حسین علی خاں (۴) کفایت النساء زوجہ احمد حسین خاں دتاولی۔ (۵) عبداللطیف خاں زوجہ وحید النساء دختر رحمت خاں بجاہول۔ (۶) عنایت النساء زوجہ محمد سعید خاں سہاور (۷) کفایت اللہ خاں زوجہ رجب النساء دختر شادمہ حسین خاں سہاور۔ (۸) مقبول فاطمہ زوجہ ممتاز علی خاں

کنادہ دخیل برہرہ - اولاد حسین علی خاں - (۱) احمدی بیگم زوجہ عبد الجلیل خاں کنادہ
علی گڑھ - (۲) مسعودی بیگم زوجہ حاجی عبد الرشید خاں بلوٹہ (۳) خاتون زوجہ عبد الرشید خاں
بھیکم پور - (۴) احمد سعید خاں ت ۱۹۳۳ء زوجہ اول مسرور فاطمہ دختر کفایت اللہ خاں برہرہ
نکاح ت ۱۸۷۵ء زوجہ دویم ماجدہ بیگم دختر اصغر علی خاں حسن پور -
اولاد احمد سعید خاں - (۱) از نکاح اول اسرار فاطمہ زوجہ تصدق احمد خاں بیرسٹر بلوٹہ
(۲) مظہر احمد خاں از نکاح دویم پ ت ۱۹۰۰ء و ت ۱۹۳۳ء زوجہ محمدی بیگم دختر حاجی حامد علی
خاں ڈھولنہ - لاولد (۳) اظہار فاطمہ از نکاح دویم زوجہ سعید احمد خاں کنادہ قطب پور برہرہ
اولاد حاجی سعید احمد خاں دخیل برہرہ - (۱) حبیب احمد خاں ناکتخدا فوت (۲) پسر فوت ولد پ [illegible]
اولاد عبد اللطیف خاں - امت القیوم زوجہ عبد الرزاق خاں برہرہ -
اولاد کفایت اللہ خاں - مسرور فاطمہ زوجہ احمد سعید خاں برہرہ -
اولاد ممتاز علی خاں کنادہ دخیل برہرہ (۱) امت الودود زوجہ نیاز احمد خاں
سہاور (۲) عبد الرزاق خاں زوجہ امت القیوم دختر عبد اللطیف خاں برہرہ - (۳)
عبد الخلاق خاں زوجہ اول امت القدوس دختر محمد سعید خاں سہاور - زوجہ دویم امت المعبود
دختر رفیع اللہ خاں برہرہ - اولاد عبد الرزاق خاں - (۱) ایوب خاں زوجہ اول سبحان فاطمہ
دختر نیاز احمد خاں سہاور زوجہ دویم شمی بیگم دختر انوار احمد خاں جاجولی - (۲) اکرام فاطمہ
زوجہ شفیع اللہ خاں عنایتی - (۳) انعام فاطمہ زوجہ فیاض خاں سہاور دخیل قطب پور -
اولاد ایوب خاں - از نکاح دویم دختر عمر ۲ سال - اولاد عبد الخلاق خاں - (۱) اشفاق احمد خاں
از نکاح اول زوجہ ساجدہ بیگم دختر ارشاد علی خاں دھنساری پاکستان (۲) از نکاح اول
ہرمل فاطمہ زوجہ اسرائیل خاں سہاور - (۳) از نکاح دویم طاہر خاں زوجہ فخر زمانی بیگم دختر
ارشاد علی خاں دھنساری پاکستان - (۴) اسلام احمد خاں از نکاح دویم زوجہ عبیدہ بیگم
دختر لطافت اللہ خاں گھونہ پاکستان - (۵) عاقل خاں از نکاح دویم زوجہ نذیر فاطمہ
دختر کامل خاں برہرہ - (۶) عافیہ بیگم از نکاح دویم زوجہ عبد المالک خاں کنادہ (۷)
شافیہ بیگم از نکاح دویم زوجہ نور الہدیٰ خاں بحر سولی -

اولاد اشفاق خاں ۔ (۱) ابرار احمد خاں ۔ پاکستان ۔ (۲) افضال احمد خاں پاکستان ۔ (۳) ماجدہ بیگم زوجہ علی مظفر خاں حسن پور پاکستان (۴) صفدر جہاں بیگم زوجہ ضیاء الرحمٰن خاں بریرہ ۔ اولاد طاہر خاں ۔ (۱) طٰہٰ خاں پاکستان (۲) طٰہٰ حسین خاں پاکستان ۔ (۳) طارق خاں پاکستان ۔ (۴) طالب خاں پاکستان ۔ (۵) شاہ زمانی بیگم زوجہ کفایت نبی خاں عباسی پاکستان ۔ (۶) صبیحہ بیگم (۷) صابرہ بیگم (۸) عصمت خانم ہر سہ دختران کم سن پاکستان اولاد اسلام احمد خاں ۔ (۱) ہلال احمد خاں ۔ (۲) اجلال احمد خاں (۳) تسلیم خانم ۔ (۴) بشرا خانم ۔ ہر چہار پاکستان ۔

اولاد عاقل خاں ۔ (۱) عزیز احمد خاں (۲) سہیل احمد خاں ۔ (۳) رضیہ سلطانہ ہر سہ پاکستان ۔

شاخ دویم | اولاد شفیع خاں ابن حسن خاں مندرجہ بالا ۔ (۱) دختر زوجہ عبد اللہ خاں منڈولی (۲) دختر زوجہ عبد الواحد خاں کنزلی ۔ (۳) جیرا بی بی زوجہ رحمت خاں نعمانوں (۴) رحمت خاں ، زوجہ ہمشیرہ خادم حسین خاں سہاور (۵) کرامت خاں زوجہ ہمشیرہ خادم حسین خاں سہاور ۔ (۶) دختر زوجہ حسن علی خاں بریرہ ۔

اولاد رحمت خاں ۔ (۱) کریم اللہ خاں زوجہ حمیدا دختر خادم حسین خاں سہاور (۲) مرتضیٰ خاں زوجہ حمیدا دختر کرامت خاں بریرہ ۔ (۳) مصطفےٰ خاں زوجہ دختر امام خاں گلفوٹہ ۔

اولاد کریم اللہ خاں ۔ (۱) دختر زوجہ عبد الوحید خاں بریرہ ۔ (۲) دختر زوجہ عبد الحمید خاں سہاور ۔ (۳) محمد خاں ۔ اولاد محمد خاں ۔ غلام احمد خاں زوجہ اول حبیب فاطمہ دختر ظہور احمد خاں بریرہ زوجہ دویم مشرقی بیگم دختر طاہر خاں دھنساری ۔

اولاد غلام احمد خاں ۔ (۱) خولہ خانم ناکتخدا فوت ۔ (۲و۳) پسران ناکتخدا فوت ۔

اولاد مرتضےٰ خاں ۔ نیازا زوجہ ارادت خاں ۔ دھنساری ۔

اولاد مصطفےٰ خاں ابن رحمت خاں ۔ (۱) عبد الاحد خاں زوجہ سلیم النسا دختر غلام نبی خاں گلفوٹہ (۲) عبد الصمد خاں دختر شاہ دل خاں دھنساری ۔ (۳) عبد الوحید خاں زوجہ ہمشیرہ محمد خاں بریرہ (۴) رفیع اللہ خاں زوجہ رفیع النسا دختر غلام نبی خاں گلفوٹہ ۔

اولاد عبدالاحد خاں ۔ (۱) علیم اللہ خاں عرف کلو خاں زوجہ احسان فاطمہ دختر عزیز احمد خاں بربہرہ ۔ **اولاد علیم اللہ خاں** ۔ انیس احمد خاں زوجہ دختر زاہد خاں سہاور

اولاد عبدالصمد خاں ۔ (۱) کامل خاں زوجہ دختر شاہ دل خاں بہاول (۲) عزیز احمد خاں زوجہ عالیہ بیگم دختر رفیع اللہ خاں ۔ بربہرہ (۳) حاجی نور احمد خاں زوجہ اول ہمشیرہ ارشاد علی خاں دھنساری ۔ زوجہ دوئم خاتون بیگم دختر احمد رضا خاں دتاولی ۔ (۴) رالبعہ بیگم زوجہ ظہور احمد خاں بربہرہ ۔ **اولاد کامل خاں** ۔ (۱) شاکر خاں زوجہ دختر عبداللہ خاں سہاور پاکستان (۲) عزیزی بیگم زوجہ شفیع احمد خاں دھنساری ۔ (۳) نذیر بیگم زوجہ عاقل خاں بربہرہ ۔

اولاد شاکر خاں ۔ (۱) سعید انور خاں کم سن پاکستان ۔ (۲) رشید انور خاں کم سن پاکستان ۔ **اولاد عزیز احمد خاں** ۔ (۱) ابرار احمد خاں زوجہ دختر غازی خاں برلہ پاکستان (۲) احسان فاطمہ زوجہ علیم اللہ خاں بربہرہ (۳) قربان بیگم زوجہ برلہ ۔

اولاد ابرار احمد خاں ۔ (۱) وحید الزماں خاں (۲) سعید الزماں خاں (۳) دختر ... پاکستان ۔ **اولاد حاجی نور احمد خاں** ۔ (۱) حبیب الرحمٰن خاں زوجہ امت الحبیب بیگم دختر ارشاد علی خاں دھنساری ۔ (۲) منظور احمد خاں لاولد ۔ (۳) شفیع الرحمٰن خاں زوجہ فیاضی بیگم دختر فیض احمد خاں سہاور دخیل قبیلہ پاکستان (۴) احمد زماں خاں لاولد فوت (۵) ضیاء الرحمٰن خاں زوجہ سلطان جہاں دختر اشفاق احمد خاں بربہرہ ۔

اولاد حبیب الرحمٰن خاں ۔ (۱) اختر زماں خاں کم سن (۲) شفیق احمد خاں کم سن بردو پاکستان ۔ (۳) شاہدہ بیگم زوجہ حسن احمد خاں گنگوہ ۔

اولاد شفیع الرحمٰن خاں ۔ (۱) سعید الرحمٰن خاں ۔ (۲) حفیظ الرحمٰن خاں بردو کم سن پاکستان ۔ **اولاد ضیاء الرحمٰن خاں** ۔ (۱) غیاث الرحمٰن خاں (۲) ریاض الرحمٰن خاں بردو کم سن ۔ **اولاد عبدالوحید خاں** ۔ (۱) ظہور احمد خاں زوجہ رالبعہ بیگم دختر عبدالصمد خاں بربہرہ لاولد (۲) عبدالہادی خاں زوجہ امت الجمیل ہمشیرہ مشکور احمد خاں دھنساری

اولاد عبدالہادی خاں ۔ خدیجۃ الکبریٰ زوجہ اشفاق احمد خاں بہاول دخیل کمانہ ۔

اولاد رفیع اللہ خاں ۔ (۱) صابر علی خاں زوجہ امت السلام دختر عبدالحفیظ خاں برلہ ۔

(٢) عائشہ بیگم زوجہ عزیز احمد خاں برہرہ (٣) امت الصبور زوجہ عبدالخلاق خاں برہرہ۔

اولاد کرامت خاں ابن شیخ خاں ۔ (١) عمر النساء زوجہ منصب دار خاں کنزلی ۔ (٢) رضیا زوجہ مزاج خاں برہرہ (٣) دختر زوجہ حافظ احمد خاں سہاور ۔ (٤) مجتبیٰ زوجہ حافظ نور خاں برلہ۔

١٢- بھموری بزرگ

شروانیان علی گڑھ / ایٹہ کی تاریخ کے لحاظ سے یہ موضع برادری میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ شروانیان بہادرپور رتھوی سے قبل کہ سب سے پہلے یہاں آباد ہوئے۔ اس موضع کے شروانیاں کی چند شاخیں ہوئیں یعنی بھیکم پور۔ حبیب گنج۔ دادوں۔ منڈولی یہ سب سے اول جاٹوں پھر گوشائیوں اور پھر مرہٹوں کی زد میں رہا۔ بھموری۔ بھیکم پور منڈولی کے موضعات بزم و رزم میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ جب شروانیوں کو ان کی جائدادیں واپس ملیں تو بھموری بھی شریک رہا۔

بالآخر بھموری کی زمینداری کا ایک بڑا حصہ بھیکم پور کے خاندان میں پہونچا۔ کتاب ہذا کے حصہ اول و دوئم میں بار بار اس کا ذکر آیا ہے۔ اب ہم اس کا شجرہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

شجرہ۔ مورث اعلیٰ عبداللہ خاں عرف ابدل خاں جو شاہجہاں بادشاہ کے ہم عصر بتائے جاتے ہیں اور جنہوں نے شاہی ملازمت چھوڑ کر گنگیری ضلع علی گڑھ میں حضرت مخدوم ثنائی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر سکونت اختیار کی اور وہیں مدفون ہوئے۔ یہ بھموری مغربی میں رہتے تھے (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے) ان کے بیٹے مکارم خاں تھے اور ان کے بیٹے مصاحب خاں ہوئے۔ مصاحب خاں کے بیٹے بھیکن خاں اور اختر اللہ کے بیٹے قطب خاں ہوئے۔ قطب خاں کے دو بیٹے تھے یعنی (١) خان جہاں خاں اور (٢) گھاسی خاں۔

گھاسی خاں کی اولاد بھموری میں رہی۔ (١) خان جہاں خاں کی اولاد بھیکم پور، حبیب گنج

دادول۔ بھجوری۔ ٹنڈولی میں پھیلی۔

اولاد خان جہان خاں۔ (۱) جہان خاں مورث بھیکم پور۔ (۲) رشید خاں مورث بھیکم پور۔ (۳) دلیل خاں مورث بھجوری۔ (۴) شاہ دل خاں عرف شادل خاں مورث بھجوری۔ (۵) امانت خاں مورث ٹنڈولی۔ اب ہم یہاں صرف بھجوری کی شاخوں کو لیتے ہیں۔

شاخ اول

اولاد دلیل خاں۔ (۱) خیر اندیش خاں زوجہ ہمشیرہ نظام خاں اسلگواں جہاں اب کوئی شیروانی خاندان نہیں ہے (۲) دختر زوجہ رشید خاں بلونہ۔ **اولاد خیر اندیش خاں**۔ (۱) زکریا خاں زوجہ دختر صاحب داد خاں ٹنڈولی۔ (۲) کالے خاں زوجہ دختر شاہ محمد خاں برہرہ۔ (۳) صبح بیگم زوجہ قطب الدین خاں ڈھولنہ۔ **اولاد زکریا خاں**۔ (۱) مصاحب خاں و ۱۸۷۴ء زوجہ دختر طالع مند خاں ٹنڈولی۔ (۲) یحییٰ خاں۔ **اولاد مصاحب خاں**۔ (۱) خیراتی خاں زوجہ لاڈو بیگم دختر شمس الدین خاں ٹنڈولی۔ **اولاد خیراتی خاں**۔ حجاب بیگم زوجہ شیراز خاں بلونہ

اولاد یحییٰ خاں۔ (۱) نیاز آرزوجہ چھوٹے خاں ٹنڈولی۔ (۲) رسولاً زوجہ بنا بیت حسن خاں بھاموں۔ **اولاد کالے خاں**۔ (۱) غازی الدین خاں و ۱۸۸۱ء زوجہ اول صالحہ بیگم دختر حسن رضا خاں لوڑہ گالوں۔ زوجہ دوئم علیم النساء دختر رحم علی خاں کنادہ (۲) گھاسی خاں و ۱۹۰۰ء بعمر ۰۰ اسال زوجہ نواز آ دختر حسن علی خاں ٹنڈولی (یہ بڑے نساب تھے)

(۳) جیونی بی بی زوجہ نجو خاں سہادر (۴) مجتبیٰ زوجہ محمد یار خاں بھجوری۔

اولاد غازی الدین خاں۔ از نکاح اول (۱) رفیع النساء زوجہ اسماعیل خاں حسن پور (۲) از نکاح اول مقبول فاطمہ زوجہ بھیکن خاں ڈھولنہ۔ (۳) جمال فاطمہ زوجہ چودھری نور اللہ خاں سہادر۔ (۴) حاجی عظمت اللہ خاں از نکاح اول و ۱۲۹۶ھ زوجہ امت القیوم دختر حاجی فیض احمد خاں دادلی۔ (۵) از نکاح دوئم حافظ عبد اللطیف خاں پ ۱۲۷۵ھ و ۱۹۳۸ء۔ شادی نہیں کی۔ (۶) از نکاح دوئم عبد الرحمن خاں زوجہ بنت الحفیظ دختر غلام نبی خاں ٹنڈولی۔ (۷) از نکاح دوئم مولوی عبد الغنی خاں و ۱۹۱۲ء تا نبہ اجوان عمر

اولاد عبدالغفار خاں ۔ احمد مختار خاں پ ۱۹۰۷ء کم سن فوت ۔

شاخ سوئم

اولاد گھاسی خاں ابن قطب خاں مندرجہ بالا (۱) دختر زوجہ صاحب داد خاں ٹنڈولی (۲) جمال خاں زوجہ ہمشیرہ سعادت خاں برلہ ۔ اولاد جمال خاں ۔ (۱) دختر زوجہ خادم حسین خاں سہادر (۲) قائم خاں زوجہ دختر احمد خاں کناڈہ ۔ (۳) جھنڈے خاں زوجہ وحیدالنساء دختر حسن خاں برلہ ۔

اولاد قائم خاں ۔ (۱) نور بی بی زوجہ محمد علی خاں بھامول ۔ (۲) دختر زوجہ حکمت علی خاں سہادر ۔ (۳) دختر زوجہ صاحب داد خاں سہادر ۔ (۴) دختر زوجہ گھاسی خاں بھامول ۔ (۵) خداوند خاں زوجہ اول دختر جھنڈے خاں کھبوری زوجہ دوئم امداد بی بی دختر محمد حسین خاں کناڈہ

اولاد خداوند خاں ۔ (۱) محفوظ النساء زوجہ ہدایت اللہ خاں غنائتی ۔ (۲) دختر زوجہ احسان اللہ خاں سہادر ۔ اولاد جھنڈے خاں ابن جمال خاں ۔ (۱) ہدایت علی خاں زوجہ جنت فاطمہ دختر عنایت خاں برلہ ۔ (۲) دختر زوجہ خداوند خاں کھبوری ۔ اولاد ہدایت علی خاں ۔ (۱) محمد عمر خاں زوجہ خاتون برلہ ۔ (۲) قمر الزماں خاں زوجہ عائشہ بیگم دختر عبدالرؤف خاں چھپرہ ۔

اولاد محمد عمر خاں ۔ (۱) محمد طاہر خاں ۔ (۲) احمد جان خاں (۳) محمد جان خاں (۴) زاہدہ بیگم زوجہ عبدالباسط خاں بھامول ۔ اولاد قمر الزماں خاں ۔ (۱) بنی الزماں خاں (۲) نور الزماں خاں ۔

شاخ چہارم

اولاد محمد حیات خاں ابن مراد خاں کناڈہ خیل کھبوری زوجہ حمیدہ خاتون دختر سرور خاں بیگم پور ۔ (۱) محمد طیب خاں زوجہ زینت خاتون دختر بلند خاں حسن پور ۔ (۲) فیروز خاں و ۱۲۷۵ھ زوجہ عصمت خاتون دختر نظام خاں بوڑہ گاؤں ۔ (۳) اکبر خاں زوجہ بخشی النساء ہمشیرہ سہراب خاں سہادر لادلہ ۔ (۴) زہرہ بیگم زوجہ فیروز خاں بھامول ۔ (۵) صبح بیگم زوجہ محسن خاں بھامول ۔

اولاد طیب خاں ۔ (۱) خدا یار خاں و [illegible] زوجہ اول امۃ اللہ دختر فیروز خاں کھبوری ۔ زوجہ دوئم سراج النساء ہمشیرہ حسن رضا خاں [illegible] ۔ (۲) کرامت فاطمہ زوجہ عبداللہ خاں بھامول ۔ اولاد فیروز خاں ۔ (۱) احمد یار خاں و [illegible] زوجہ نور بی بی دختر حسن علی خاں بلونہ

(۲) ہدایت اللہ خاں عرف منگل خاں عرف بخش اللہ خاں و ۱۹۰۹ء زوجہ جگن امانت فاطمہ دختر رحمت خاں ڈھولنہ۔ (۳) امت اللہ زوجہ خدا یار خاں کھوری۔

اولاد احمد یار خاں۔ زبیدہ بیگم زوجہ چودھری عزیز اللہ خاں سہاور

اولاد ہدایت اللہ خاں۔ عرف منگل خاں (۱) حمیرا بیگم زوجہ عبد الجلیل خاں حسن پور (۲) حفیظہ خاتون زوجہ عبد العزیز خاں حکیم پور دخیل کھوری۔ (۳) زینب خاتون زوجہ حافظ زکریا خاں حسن پور۔ **اولاد عبد العزیز خاں** دخیل کھوری۔ عزیز فاطمہ زوجہ عبد الحمید خاں حکیم پور دخیل کھوری۔

اولاد عبد الحمید خاں۔ (۱) انیس فاطمہ زوجہ حکیم مطیع اللہ خاں شنڈولی پاکستان (۲) ظہور فاطمہ زوجہ حافظ غلام فرید خاں حسن پور۔ (۳) اعجاز احمد خاں بی۔اے پاکستان (۴) رشید احمد خاں۔

شاخ پنجم

اولاد امام خاں جن کے باپ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ (۱) مردان خاں۔ (۲) جنگ باز خاں زوجہ برلہ (۳) بچو خاں۔

اولاد مردان خاں۔ (۱) عبد الغفور خاں۔ (۲) عبد القدیر خاں لاولد۔

اولاد عبد الغفور خاں۔ مفقود... دخیل سہاور۔ **اولاد جنگ باز خاں۔** (۱) عبد الکفیل خاں عرف جگھن خاں (۲) گھاسے خاں لاولد۔ (۳) فردوس بیگم زوجہ عبد الغنی خاں طبال پور (۴) امت اللہ زوجہ عبد الرحمن خاں طبال پور۔ **اولاد عبد الکفیل خاں۔** (۱) طفیل احمد خاں زوجہ دختر رحمت اللہ خاں سہاور پاکستان۔ (۲) سہیل احمد خاں۔ (۳) ارسطو بیگم زوجہ شمس الرحمن خاں ابن عبد الرحمن خاں طبال پور۔ **اولاد بچو خاں۔** (۱) عظیم خاں۔ (۲) عظمت اللہ خاں لاولد۔ اولاد عظیم خاں۔ (۱) پیاری بیگم زوجہ سہیل احمد خاں کھوری (۲) احمد خاں۔ (۳) نعمت خاں۔ (۴) لاڈلی بیگم ہمشیرہ اکبر (؟)۔

۱۳۔ کناوہ

کنولی کی طرح سے موضع کناوہ بھی کئی شیروانی خاندانوں کے مورثوں کا شہر ہو ہے صدی عیسوی کے وسط میں گہوارہ تھا۔ مورث اعلیٰ نواب یوسف خاں تھے (جو عہد شاہ جہانی میں

راجپوتوں میں آکر رہے۔ اور پھر یہ اپنے خاندان کے بعض افراد کے کسی وجہ سے وہاں کی سکونت ترک کر کے کناوہ میں آ بسے جہاں ان کا مزار ہے، یوسف خاں نے چار بیٹے چھوڑے یعنی (۱) رحمت خاں عہد شاہجہانی کے زمیندار گمران کا سلسلہ آگے نہیں بڑھا۔ (۲) محمد حسین خاں۔ (۳) محمد خاں (۴) محمود خاں۔ نمبران (۳) و (۴) کھجاموں و باوضہ کے ششرو اتیان کا سلسلہ چلا۔ (۲) محسن خاں کے دو بیٹے ہوئے۔ یعنی (۱) الف خاں اور (۲) اللہ داد خاں۔ الف خاں کی اولاد میں بڑے بیٹے مرزیر خاں اور الف خاں کے بھائی اللہ داد خاں سے کناوہ کا سلسلہ چلا۔

الف خاں کے دوسرے اور تیسرے بیٹوں سے کنوبی، بوڑہ گانوں کا اور کنوبی سے حسن پور ڈھولنہ کے سلسلے چلے۔ اب ہم کناوہ کر لیتے ہیں۔

اولاد مرزیر خاں۔ (۱) مہابت خاں۔ (۲) شجاعت خاں۔ (۳) فاضل خاں (۴) محبت خاں۔

شاخ اول

اولاد مہابت خاں۔ (۱) علو خاں۔ (۲) عبداللہ خاں۔

اولاد علو خاں۔ (۱) بہرام خاں زوجہ اول۔ زوجہ دوئم ہمشیرہ منو خاں غنایتی۔ (۲) یحییٰ خاں زوجہ غیر کفو۔ **اولاد بہرام خاں۔** (۱) عزت النسا زوجہ قطب علی خاں حسن پور۔ (۲) دختر زوجہ یوسف خاں کناوہ۔ (۳) بی بی زوجہ محمد علی خاں بیدہ۔ سرائے۔ (۴) دختر حاجی بخش اللہ خاں دخیل کناوہ۔ (۵) کالے خاں زوجہ اول چاند بی بی دختر نعمت خاں کناوہ۔ زوجہ دوئم عنایت النسا دختر منو خاں غنایتی (۶) علاجی خاں زوجہ طیال پور۔ (۷) بہادر خاں زوجہ جماعت النسا دختر شادی خاں بلوچ دخیل سہاور (۸) دختر

اولاد کالے خاں۔ (۱) شکر النسا زوجہ شجاعت خاں عنایتی۔ (۲) روحت النسا زوجہ احمد رضا خاں دتاولی۔ (۳) حابیت علی خاں زوجہ قدرت النسا دختر گھاسی خاں بھاموں۔ (۴) محمد سعید خاں زوجہ اول رضیتا دختر ولی داد خاں سہاور۔ زوجہ دوئم آقلیما دختر بیگل خاں سہاور۔ (۵) غلام قادر خاں عرف بدھو خاں زوجہ جیون بیگم دختر عبدالواحد خاں پیرورہ

اولاد حمایت علی خاں ۔ فرحت اللہ خاں زوجہ اول انعام فاطمہ دختر سعید خاں کناوہ
زوجہ دوم دختر امانت اللہ خاں ازروجہ غیر کفو ۔ **اولاد فرحت اللہ خاں** ۔ دختر راحت فاطمہ
اولاد محمد زاہد خاں ۔ (۱) چینی بیگم (۲) سعید احمد خاں ۔ **اولاد محمد عمر خاں** ۔ (۱) عزیز احمد
خاں ۔ (۲) حسینی فاطمہ (۳) سعید فاطمہ (۴) دختر کم سن ۔

اولاد محمد سعید خاں ۔ (۱) زاہد خاں زوجہ دختر امداد علی خاں سہاور ۔ (۲) محمد عمر خاں
زوجہ امیری بیگم دختر رفیق محمد خاں گھنوہ (۳) عبدالواحد خاں ۔ زوجہ ننھو دختر عبدالغفار خاں
سہاور لاولد (۴) انعام فاطمہ زوجہ فرحت اللہ خاں کناوہ ۔ (۵) امۃ الشافی زوجہ
شبیر احمد خاں کنوئی ۔ **اولاد غلام قادر خاں** ۔ عبدالحفیظ خاں زوجہ رقیہ دختر
علی مردان خاں پرورہ لاولد ۔ **اولاد غلام نبی خاں** (۱) کلثوما زوجہ دلی محمد خاں سہاور
(۲) معصوما زوجہ حاجی بچھے خاں بی اے برلہ (۳) منیڈو خاں وسط ۱۹۱۷ء زوجہ شفیع النساء
دختر عبداللہ خاں عباسوئی ۔ (۴) رفعت خاں زوجہ زینب دختر تقی خاں سہاور ۔ (۵)
رحمت اللہ خاں زوجہ حسین فاطمہ دختر حاجی حکیم اللہ خاں کناوہ ۔

اولاد منیڈو خاں ۔ (۱) حکیم شبیر احمد خاں ۔ دخیل علی گڑھ ۔ زوجہ غنیمت فاطمہ دختر خیراتی خاں
کناوہ دخیل قطب پور ۔ (۲) محمد شعیب خاں زوجہ اقبال فاطمہ دختر رفعت خاں کناوہ ۔ (۳)
انیس بیگم زوجہ لطافت اللہ خاں گھنوہ ۔

اولاد حکیم شبیر احمد خاں ۔ (۱) عزیز احمد خاں بی ۔ اے زوجہ شافیہ بیگم دختر معظم خاں
چھروان سکنڈ اکیبائیر (۲) جمیل احمد خاں بی ۔ اے پاکستان ۔ (۳) فرحت جہاں
زوجہ محمد علی خاں حسن پور ۔ **اولاد عزیز احمد خاں** ۔ شمشاد احمد خاں کم سن (۲) پروین فاطمہ
کم سن ۔ **اولاد محمد شریف خاں** ۔ (۱) عبدالمعبود خاں زوجہ مصطفیٰ بیگم دختر لطافت اللہ خاں
گھنوہ (۲) محمد ہاشم خاں ۔ (۳) کوثر جہاں زوجہ شفیق احمد خاں بکھرسولی (۴) نصرت جہاں (۵)
رفعت جہاں ۔ (۶) کوثر جہاں ۔ **اولاد رفعت خاں** ۔ (۱) اقبال فاطمہ زوجہ محمد شریف خاں
کناوہ (۲) اسرار فاطمہ زوجہ عبداللہ خاں کناوہ پاکستان ۔

اولاد رحمت اللہ خاں ۔ (۱) حسینت فاطمہ زوجہ رفیع اللہ خاں سسرا سے لیدرہ عبدالجبار خاں برلہ

(۳) عظیم فاطمہ زوجہ اعانت اللہ خاں حسن پور۔ (۳) محبوب فاطمہ زوجہ ادریس خاں دھساری
(۴) نذیر احمد خاں و ۱۹۳۹ء زوجہ اصغری بیگم دختر عبدالرؤف خاں چھپرہ زوجہ دوئم دختر
سلطان خاں کتوپی دخیل سندولی لاولد (۵) عباد اللہ خاں زوجہ اسرار فاطمہ دختر رفعت خاں
کناوہ پاکستان۔ **اولاد عباد اللہ خاں** ۔ فاروق احمد خاں۔
اولاد بچن خاں ۔ ابن علو خاں۔ (۱) طالعور خاں (۲) دختر۔ **اولاد طالعور خاں** (۱) عبدالعزیز خاں
(۲) صاحب خاں۔ **اولاد عبداللہ خاں ابن مہابت خاں** ۔ داؤد خاں زوجہ بدر النساء
دختر رشید خاں بادنہ۔ **اولاد داؤد خاں** ۔ (۱) سعید النساء زوجہ دلاور خاں کناوہ (۲)
رحیب النساء زوجہ ہمت خاں بھامول۔ (۳) رحم علی خاں (۴) رحمت خاں
زوجہ نجیب النساء دختر خدابخش خاں بلونہ۔ **اولاد رحم علی خاں** (۱) ولایت النساء زوجہ اشرف خاں
کناوہ۔ (۲) علیم النساء زوجہ غازی الدین خاں بھوری۔ (۳) دختر۔
اولاد رحمت خاں ۔ (۱) سلامت خاتون زوجہ محمد حسین خاں کناوہ (۲) اشرف خاں
زوجہ ولایت بیگم دختر کناوہ۔ (۳) عنایت خاں و ۱۹۰۱ء زوجہ کرامت النساء دختر ہمت خاں
بھامول۔ (۴) قمر علی خاں زوجہ مقصودا دختر ولی محمد خاں بادنہ۔ زوجہ دوئم دختر چھپرہ
اولاد اشرف خاں ۔ (۱) قدرت اللہ خاں شہید۔ زوجہ مقصودا دختر غازی الدین خاں
بھوری۔ (۲) حبیب فاطمہ زوجہ حمایت خاں عنایتی۔ **اولاد عنایت خاں** ۔ (۱) عثمان خاں
زوجہ ابرار فاطمہ دختر شفاعت خاں عنایتی۔ (۲) نور فاطمہ زوجہ حسن رضا خاں کناوہ (۳)
منیر فاطمہ زوجہ عیوض خاں بہرام پور۔ **اولاد قمر علی خاں** ۔ (۱) اکرام اللہ خاں زوجہ (۱)
انوار فاطمہ دختر عبدالستار خاں کناوہ زوجہ دوئم اکرام فاطمہ دختر سعید خاں کناوہ (۲) اسرار فاطمہ
زوجہ صدیق خاں سیہلور۔ **اولاد اکرام اللہ خاں** ۔ از نکاح اول پیاری بیگم زوجہ ظفر احمد خاں
بہرام پور۔ **اولاد بہادر خاں** ۔ ابن بہرام خاں ابن علو خاں۔ دختر نیازی بیگم زوجہ
حاجی بخش اللہ خاں بلونہ دخیل کناوہ۔ **اولاد حاجی بخش اللہ خاں** ۔ ننھی بیگم زوجہ
حبیب اللہ خاں حسن پور۔

شاخ دوئم

اولاد شجاعت خاں ابن ممریز خاں ۔ (۱) آزاد خاں (۲) اعظم خاں ۔ اولاد آزاد خاں ۔ افضل خاں

اولاد افضل خاں ۔ تاج خاں دخیل بوڑہ گاؤں زوجہ زینب النساء دختر نظام خاں بوڑہ گاؤں

اولاد تاج خاں ۔ (۱) امام النساء زوجہ عوض خاں بھوری ۔ (۲) نعیم النساء زوجہ عمر اللہ خاں یا محمد علی خاں سہادرہ ۔ (۳) رحیم النساء زوجہ نصرت خاں کنادہ ۔

اولاد اعظم خاں ۔ (۱) سہراب خاں ۔ (۲) نصیب خاں ۔

اولاد سہراب خاں ۔ (۱) لطیف خاں لاولد ۔ (۲) منور خاں ۔

اولاد منور خاں ۔ (۱) مجیدًا زوجہ نور محمد خاں المرا ۔ (۲) حسینًا زوجہ تفضل حسین خاں کنادہ

(۳) رجب علی خاں زوجہ مریم بیگم دختر اکبر خاں طبال پور (۴) مداری خاں

(۵) کریم اللہ خاں عرف سکھن خاں زوجہ (۶) محمد رضا خاں زوجہ

(۷) احمد رضا خاں لاولد ۔ اولاد رجب علی خاں ۔ (۱) رفیقًا زوجہ عبدالشکور خاں بہرام پور ۔ (۲) عبدالستار خاں زوجہ حافظہ بیگم دختر فیض محمد خاں سہادرہ (۳) ماسٹر عبدالغفار خاں وسط ۱۹۱۹ء استاد شیروانی اسکول جھیرہ ۔ زوجہ عائشہ بیگم دختر فیض محمد خاں سہادرہ ۔ اولاد مداری خاں ۔ (۱) عزیزًا زوجہ مراد علی خاں کنادہ (۲) نوازًا زوجہ وارث علی خاں سراسے برلہ ۔ (۳) حاجی رحیم اللہ خاں زوجہ بنی بیگم دختر صاحب داد خاں برلہ (۴) حبیب اللہ خاں زوجہ حفیظًا دختر غوث علی خاں کنادہ ۔

اولاد عبدالستار خاں ابن رجب علی خاں ۔ (۱) عبدالجبار خاں زوجہ اقرار فاطمہ دختر عبدالواحد خاں بھیکول ۔ (۲) عبدالمنان خاں زوجہ ذکیہ بیگم دختر عبدالحمید خاں طبال پور ۔ (۳) کنیز فاطمہ زوجہ عزیز محمد خاں سیھرا (۴) انوار فاطمہ زوجہ اکرام اللہ خاں کنادہ ۔

اولاد عبدالجبار خاں ۔ (۱) محمد احمد خاں ۔ (۲) حامد خاں ۔ (۳) شمس الاسلام خاں (۴) مشرقی بیگم (۵) دختر ۔ اولاد محمد احمد خاں ۔ شمیم احمد خاں ۔

اولاد عبدالمنان خاں ۔ (۱) دختر (۲) اسلام احمد خاں ۔

اولاد حاجی رحیم اللہ خاں ۔ (۱) سمیع اللہ خاں زوجہ زہرا دختر وارث علی خاں سراسے برلہ لاولد

(۲) سمیع اللہ خاں زوجہ احسان فاطمہ دختر حبیب اللہ خاں کناوہ (۳) عزیز اللہ خاں زوجہ کافیہ بیگم دختر سلطان خاں کنوبی ڈنڈولی لاولد (۴) حبیب اللہ خاں زوجہ مشرفی بیگم دختر حبیب اللہ خاں کناوہ (۵) مبین فاطمہ زوجہ رحمت اللہ خاں کناوہ (۶) عباسی بیگم زوجہ الیاس خاں پرورہ ۔ (۷) کنیز فاطمہ زوجہ عبدالستار خاں پرورہ ۔ (۸) صغرا بیگم زوجہ محمد خاں برہرہ ۔ **اولاد حبیب اللہ خاں** ۔ (۱) حبیب احمد خاں (۲) لبیب (۳) حبیب فاطمہ (۴) حامدہ بیگم ۔ **اولاد حبیب اللہ خاں** برادر حاجی رحم اللہ خاں (۱) احسان فاطمہ زوجہ سمیع اللہ خاں کناوہ ۔ (۲) مشرفی بیگم زوجہ حبیب اللہ خاں کناوہ

اولاد کرم اللہ خاں ۔ ابن منور خاں (۱) علیم اللہ خاں زوجہ کبیر ـــــ (۲) صابر خاں دخیل طبال پور ۔ (۳) سعید خاں دخیل طبال پور ۔

اولاد محمد رضا خاں ابن منور خاں ۔ (۱) عظمت اللہ خاں دخیل طبال پور ۔ (۲) عبدالحمید خاں دخیل طبال پور ۔ زوجہ دختر ... خاں کھوری ۔ **اولاد عبدالحمید خاں** ۔ دختر ۔

اولاد نصیب خاں پسر اعظم خاں ابن شجاعت خاں ۔ (۱) دختر زوجہ قادر داد خاں کھوری ۔ (۲) احمد خاں زوجہ **اولاد احمد خاں** ۔ (۱) دختر زوجہ ناظم خاں کھوری ۔ (۲) محمد حسین خاں زوجہ سعادت خاتون دختر رحمت خاں کناوہ ۔

اولاد محمد حسین خاں ۔ (۱) امداد بی بی زوجہ خداوند خاں کھوری (۲) امانت اللہ خاں زوجہ آمنہ بیگم دختر امداد علی خاں بادنہ (۳) تفضل حسین خاں زوجہ حبیبا دختر منور خاں کناوہ ۔ (۴) کالے خاں زوجہ نابیت فاطمہ دختر منور خاں عنایتی ۔ **اولاد امانت اللہ خاں** امۃ الہادی زوجہ عبدالوحید خاں کناوہ **اولاد تفضل حسین خاں** ۔ (۱) نصیر احمد خاں زوجہ کنیز فاطمہ دختر حفیظ محمد خاں ... (۲) عباس خاں ناکتخدا فوت ۔ (۳) بشیر احمد خاں شادی ... ۔ **اولاد بشیر احمد خاں** ۔ (۱) نثار احمد خاں (۲) دختر زوجہ ... خاں برام پور (۳) دختر ... بیگم ۔ (۴) دختر ... بیگم ۔ **اولاد نثار احمد خاں** ۔ دختر ۔

اولاد کالے خاں ۔ (۱) عبدالرشید خاں ... زوجہ مبین فاطمہ دختر شفاعت اللہ خاں عنایتی لاولد ۔ (۲) عبدالوحید خاں عرف جھبڑو میاں ۔ زوجہ امۃ الہادی دختر امانت اللہ خاں

کناوہ - (۳) حدیث فاطمہ زوجہ رفیق اللہ خاں عنایتی - **اولاد عبدالوحید خاں** (۱) برکات احمد خاں عرف ننھے میاں زوجہ دختر ابراہیم خاں بلونہ - (۲) سلطان جہاں زوجہ اول فدا احمد خاں بلونہ بعدہٗ گھنو نہ -

اولاد برکات احمد خاں - (۱) پسر (۲) دختر

شاخ سوئم

اولاد فاضل خاں ابن ممریز خاں (۱) گھاسی خاں لاولد (۲) مراد خاں (۳) صلابت خاں لاولد

اولاد مراد خاں - (۱) محمد حیات خاں ذخیل کھموری زوجہ دختر سرفراز خاں بھیکم پور (دیکھو شجرہ کھموری) (۲) قایم خاں زوجہ مریم دختر دلیل خاں بلونہ - (۳) دایم خاں لاولد (۴) امانت خاں لاولد -

اولاد قایم خاں - (۱) ممریز خاں ثانی زوجہ دختر ہمت خاں بلونہ دخیل سہاور - (۲) محمود خاں زوجہ حور النسا دختر یعقوب خاں کنڈیلی - (۳) یوسف خاں زوجہ بہتا بی بی دختر بیرام خاں کناوہ - (۴) دلاور خاں زوجہ سعیدہ دختر داؤد خاں کناوہ (۵) امام خاں زوجہ

اولاد ممریز خاں ثانی - (۱) شریف النسا زوجہ فدا حسن خاں بھانول - (۲) خوشوقت علی خاں زوجہ سعیدہ دختر ارادت خاں بربرہ دخیل قطب پور (دیکھو شجرہ قطب پور) (۳) نور خاں زوجہ (۴) قطب علی خاں زوجہ

اولاد نور خاں - (۱) ناصر خاں (۲) طفیل محمد خاں - (۳) خیراتی خاں دخیل قطب پور (دیکھو شجرہ قطب پور)

اولاد قطب علی خاں - (۱) دختر زوجہ (۲) حفیظ اللہ خاں زوجہ (۳) کالے خاں زوجہ (۴) ممتاز علی خاں زوجہ مقبول فاطمہ زوجہ دختر ارادت علی خاں بربرہ دخیل بربرہ -

اولاد محمود خاں - (۱) منیر النسا زوجہ علی مردان خاں سہاور (۲) الف خاں زوجہ ہمشیرہ عنایت خاں طیال پور (۳) غوث علی خاں زوجہ برکت النسا دختر امام خاں کناوہ

اولاد الف خاں - (۱) ننھے خاں زوجہ بیٹیا بھتیجی عنایت خاں سہاور - (۲) کریما زوجہ دلاور خاں سہاور -

اولاد ننھے خاں - (۱) حافظ عبدالسلام خاں استاد شیروانی اسکول چھپرہ - زوجہ اول دختر اسماعیل خاں بھرسولی - زوجہ دوئم دختر نور اللہ خاں ہرام پور - زوجہ سوئم دختر عبدالعظیم خاں بھرسولی - (۲) عزیز الرحمٰن خاں (۳) سائرہ بیگم

زوجہ حافظ عبداللطیف خاں بھرسولی۔ **اولاد حافظ عبدالسلام خاں** ۔ (۱) ابوالہاشم خاں
(۲) ابوالقاسم خاں ۔ **اولاد ابوالہاشم خاں** ۔ مقصود ہاشم خاں کم سن۔
اولاد عزیز الرحمٰن خاں ۔ پیر ناکتخدا فوت۔ **اولاد غوث علی خاں** ۔ (۱) ولی محمد خاں
عرف بڈھن خاں زوجہ مطلوب فاطمہ دختر غلام نبی خاں سہاور (۲) حمیدا زوجہ امداد علی خاں
سہاور (۳) حفیظاً زوجہ حبیب اللہ خاں کناوہ۔ **اولاد ولی محمد خاں** ۔ عبدالرحمٰن خاں
دخیل سہاور۔ **اولاد یوسف خاں** ۔ ابن حاتم خاں۔ (۱) رسمت خاں زوجہ رحیما دختر
تاج خاں کناوہ دخیل بوڑہ گانوں۔ (۲) سرمست خاں (۳) رحیم داد خاں زوجہ
" لاولد (۴) نوری بی بی۔ زوجہ خوشحال خاں بھیکم پور۔
اولاد رسمت خاں ۔ (۱) سرفراز خاں۔ زوجہ ممتازی بیگم دختر بہادر خاں کناوہ
(۲) مراد علی خاں زوجہ عزیزا دختر مداری خاں۔ (۳) منیر النسا زوجہ نجف خاں کناوہ
(۴) سکینہ بیگم زوجہ شفاعت نبی خاں ٹھوری۔
اولاد سرمست خاں ۔ (۱) نجف خاں زوجہ منیر النسا دختر رسمت خاں کناوہ (۲)
امین اللہ خاں زوجہ آمنہ بیگم دختر اشرف خاں کنوئی۔ **اولاد نجف خاں** ۔ (۱) حاجی احسان اللہ
خاں زوجہ آبادی دختر مراد علی خاں کناوہ۔ (۲) عاشق اللہ خاں زوجہ دختر عبدالشکور خاں
بہرام پور۔ لاولد (۳) امت الوہاب زوجہ عزیز خاں کنوئی۔
اولاد حاجی احسان اللہ خاں ۔ جیلانی بیگم زوجہ جمیل الرحمٰن خاں سرائے برلہ
دخیل کناوہ۔ **اولاد امین اللہ خاں** ۔ (۱) علیم اللہ خاں زوجہ ظہور فاطمہ دختر عزیز خاں
کنوئی لاولد (۲) ظہور اللہ خاں حمایت اللہ خاں عنایتی (۳) دختر زوجہ بدر الہدیٰ خاں
دھنساری۔ (۴) دختر۔ **اولاد ظہور اللہ خاں** ۔ امان اللہ خاں
(۲) کرامت اللہ خاں (۳) شاد زمانی بیگم
(۴) راحت زمانی بیگم **اولاد امان اللہ خاں** ۔ (۱) خالد امین خاں (۲) دختر۔
اولاد کرامت اللہ خاں ۔ دختر۔

شاخ چہارم | **اولاد ہمت خاں** ابن عزیز خاں اول۔ ثابت خاں۔

اولاد ثابت خاں ۔ (۱) نعمت خاں (۲) عشرت خاں لاولد ۔

اولاد نعمت خاں ۔ (۱) چاند بی بی زوجہ کالے خاں ولد بہرام خاں ۔ (۲) دختر زوجہ سعادت خاں ٹنڈولی ۔ (۳) رفعت خاں ۔ **اولاد رفعت خاں** ۔ (۱) دختر زوجہ نوازش علی خاں دھنساری ۔ (۲) کفایت اللہ خاں وسط ۱۸۷۷ئہ زوجہ کریم النسا رنگھنوہ ۔

اولاد کفایت اللہ خاں ۔ (۱) ہدایت اللہ خاں زوجہ اول ہمشیرہ ارشاد علی خاں دھنساری زوجہ دوم عالیہ خانم دختر حاجی عبدالرشید خاں باونہ وسط ۱۹۲۸ئہ ۔ **اولاد ہدایت اللہ خاں** ۔ از نکاح دوم (۱) شاکرہ بیگم زوجہ حاجی غلام مجتبے خاں برلہ ۔ (۲) فاخرہ بیگم زوجہ شفیع اللہ خاں حسن پور (۳) ناصرہ بیگم زوجہ جمیل اللہ خاں سب انسپکٹر حکومت غیر کفو ۔ (۴) کفایت کریم خاں عرف ارد میاں (۵) ہدایت کریم خاں عرف ننھوں میاں ۔

۱۴ - عنابی

مورث اعلیٰ کا نام معلوم نہ ہوسکا ۔ یہاں دو بھائی تھے حشمت خاں اور بنیو خاں ان کی اولاد حسب ذیل ہے ۔

اولاد حشمت خاں ۔ (۱) زینب النسا زوجہ بنو خاں عنابی ۔ (۲) معراج النسار (۳) بدر النسا (ان کی اولاد ذکور میں کوئی نہ تھا) **اولاد بنیو خاں** ۔ بنو خاں زوجہ زینب النسا دختر حشمت خاں ۔ **اولاد بنو خاں** (۱) عنایت اللہ خاں زوجہ بخشی بیگم دختر خواجہ علی خاں دھنساری زوجہ بیگم (۲) سعادت اللہ خاں زوجہ مشکور النسا دختر کالے خاں کناوہ وسط ۱۹۱۷ئہ (۳) حمایت اللہ خاں وسط ۱۹۲۸ئہ زوجہ حبیبہ فاطمہ دختر اشرف خاں کناوہ ۔ (۴) ہدایت اللہ خاں زوجہ محفوظ النسا دختر خداوند خاں کلوری ۔ (۵) کفایت اللہ خاں عرف نمبر خاں زوجہ قمر النسا دختر عبدالکریم خاں چھبرہ ۔ (۶) عنایت النسا زوجہ کالے خاں کناوہ ۔ (۷) شرافت النسا زوجہ عبدالرشید خاں کنولی ۔

اولاد عنایت اللہ خاں ۔ (۱) رفیق اللہ خاں وسط ۱۹۱۳ئہ بمقام کوٹ لوہدی زوجہ ملہ بیٹا خاں دختر کالے خاں کناوہ ۔ (۲) شفیق اللہ خاں زوجہ اول صبور النسا دختر جیون خاں بجاموں

زوجہ دوئم اکرام فاطمہ دختر عبدالرزاق خاں بربہرہ (۳) دختر کم سن فوت۔

اولاد شفیق اللہ خاں۔ (۱) خاتون جنت زوجہ حکیم ارشد اللہ خاں عنایتی دخیل علی گڑھ
(۲) مشوق اللہ خاں زوجہ طیبہ خاتون دختر منعم خاں برلہ پاکستان۔

اولاد معشوق اللہ خاں۔ (۱) مقتدر اللہ خاں۔ (۲) معتقد اللہ خاں (۳) سودہ بی بی۔

اولاد شفاعت اللہ خاں۔ (۱) عثمان بیگم زوجہ مصلح الدین خاں عنایتی۔ (۲) ابرار فاطمہ زوجہ عثمان خاں کناوہ۔ (۳) مبین فاطمہ زوجہ عبدالرشید خاں کناوہ (۴) شمس الضحیٰ خاں زوجہ کافیہ بیگم دختر یعقوب خاں سہاور۔ **اولاد شمس الضحیٰ خاں۔** (۱) شفاعت احمد خاں زوجہ راحت زمانی دختر ظہور اللہ خاں کناوہ (۲) عنایت احمد خاں زوجہ ناصرہ سلطان دختر عباد اللہ خاں شنڈولی دخیل سہاور (۳) ریاض احمد خاں زوجہ حبیب خاتون دختر حکیم ارشد اللہ خاں (۴) اعجاز احمد خاں

اولاد شفاعت احمد خاں۔ (۱) راشدہ خاتون (۲) عذرا خانم۔

اولاد حمایت اللہ خاں۔ (۱) عائشہ بیگم زوجہ ظہور اللہ خاں کناوہ (۲) زبیدہ بیگم زوجہ بدر الہدیٰ خاں دھنساری (۳) احمد اللہ خاں زوجہ ہاشمی بیگم دختر ارادت علی خاں حسن پور۔ (۴) حکیم ارشد اللہ خاں زوجہ اول خاتون جنت دختر شفیق اللہ خاں عنایتی۔ زوجہ دوئم فیاضی بیگم دختر عباس خاں ڈھولنہ۔ **اولاد حکیم ارشد اللہ خاں۔** (۱) وجاہت اللہ خاں (۲) حبیب خاتون زوجہ ریاض احمد خاں عنایتی۔ **اولاد ہدایت اللہ خاں۔** (۱) مصلح الدین خاں زوجہ عثمان بیگم دختر شفاعت اللہ خاں عنایتی۔ (۲) محمد شریف خاں نوجوان عمر (۳) دختر۔ **اولاد مصلح الدین خاں۔** زینب النساء زوجہ مسیح الزماں خاں ڈھولنہ

اولاد بشیر خاں۔ (۱) ابراہیم خاں زوجہ امت الودود دختر عبدالغنی خاں صہرائے (۲) مظفر خاں دسمبر ۱۹۲۱ء زوجہ خدیجہ بیگم۔ (۳) اصغری بیگم زوجہ محمد خاں برلہ۔ **اولاد مظفر خاں** کفایت نبی خاں زوجہ شاہجہانی بیگم۔ **اولاد کفایت نبی خاں** (۱) شفاعت نبی خاں (۲) طہٰ احمد خاں۔

نوٹ:۔ عنایت اللہ خاں کی کئی اولادیں ایک غیر کفوبی بی سے ہوئیں۔ ان کے متعلق ہائی کورٹ تک مقدمہ بازی رہی جس کا ذکر متروک کیا جاتا ہے سوائے اس مختصر ذکر کے جو اخلاقاً ضروری ہے کہ ایک کلیم اللہ خاں دخیل اپنے بڑے باغدا اور پاک باطن ہوئے۔

۱۵ - گھنونہ

مورث اعلیٰ محمد کرم خاں تھے جو بھرسولی میں رہتے تھے خاندانی روایات کے مطابق ان کے بیٹے محمد مکرم خاں نے موضع گھنونہ حاصل کیا۔ اور وہاں جا کر بسے۔ اُن کے بیٹے شجاعت خاں ہوئے۔

اولاد شجاعت خاں ۔ (۱) حضور خاں ۔ (۲) عاشور خاں ۔ (۳) چیتوں خاں (۴) رسول خاں لاولد ۔ (۵) حسن خاں لاولد ۔ **اولاد حضور خاں** ۔ (۱) بلور خاں لاولد (۲) بدھو خاں ۔ (۳) محمور خاں ۔ لاولد ۔ **اولاد بدھو خاں** ۔ (۱) یوسف خاں (۲) اکبر خاں لاولد (۳) منور خاں ۔ **اولاد یوسف خاں** ۔ ارادت خاں ۔

اولاد ارادت خاں ۔ سمیع اللہ خاں لاولد ۔ **اولاد منور خاں** ۔ اشرف خاں لاولد ۔ حضور خاں، عاشور خاں کا سلسلہ منقطع ہوگیا ۔

اولاد چیتوں خاں ابن شجاعت خاں ۔ (۱) الو خاں لاولد (۲) دولت خاں (۳) محمود خاں ۔ (۴) فیض اللہ خاں ۔ **اولاد دولت خاں** ۔ منیر خاں لاولد ۔

اولاد محمود خاں ۔ منصور خاں لاولد ۔ **اولاد فیض اللہ خاں** ۔ حاجی امام خاں ۔

اولاد حاجی امام خاں ۔ (۱) یعقوب خاں زوجہ رضیاً دختر اصالت خاں پرورہ (۲) خواجہ علی خاں (۳) غلام نبی خاں ۔ زوجہ کمال دختر اصالت خاں پرورہ (۴) شہباز خاں (۵) نجف خاں زوجہ نذیر النساء دختر اصالت خاں پرورہ **اولاد یعقوب خاں** ۔ کرامت اللہ خاں ۔

اولاد کرامت اللہ خاں ۔ (۱) عبدالکافی خاں ۔ (۲) عبدالباقی خاں لاولد

اولاد عبدالکافی خاں ۔ قدسی بیگم زوجہ امان الرحمٰن خاں پسر عزیز الرحمٰن خاں پرورہ دخیل کاسگنج ۔ **اولاد امان الرحمٰن خاں** ۔ دو پسر ایک دختر

اولاد خواجہ علی خاں ۔ (۱) مولاداد خاں ۔ (۲) نادر داد خاں ۔ (۳) الہ داد خاں ۔

اولاد مولاداد خاں ۔ (۱) رازق داد خاں ۔ (۲) حبیب احمد خاں لاولد ۔

اولاد رازق داد خاں ۔ (۱) شکر اللہ خاں لاولد ۔ (۲) حاجی حسین احمد خاں (۳) محمد صدیق خاں

(۳) سلطان خاں ۔ اولاد حاجی احمد حسین خاں ۔ (۱) حسن احمد خاں (۲) شاکر خاں
اولاد صدیق خاں ۔ (۱) نورالعابدین خاں ۔ (۲) زین العابدین خاں ۔ زوجہ زاہدہ خاتون
دختر الیاس خاں گھوسنہ ۔ اولاد نورالعابدین خاں تصدیق احمد خاں
اولاد زین العابدین خاں (۱) صدیق العابدین خاں ۔ (۲) دختر کمسن ۔
اولاد سلطان خاں ۔ ابوبکر خاں ۔ اولاد ابوبکر خاں ۔ (۱) محمد حسن خاں (۲) ابوظفر خاں
اولاد قادر داد خاں ۔ (۱) رفیق محمد خاں زوجہ عزیز فاطمہ دختر حبیب اللہ خاں حسین پور ۔ بعدہٗ
نثار فاطمہ دختر حبیب اللہ خاں حسین پور ۔ (۲) الیاس خاں ۔ اولاد محمد رفیق خاں ۔ (۱) عزیزی بیگم
(۲) امین فاطمہ ۔ (۳) شمس فاطمہ اولاد الیاس خاں ۔ زاہدہ خاتون زوجہ زین العابدین خاں ۔
گھوسنہ ۔ اولاد اللہ داد خاں ۔ نوراللہ خاں دختر یوسف خاں پردہ ۔
اولاد نوراللہ خاں ۔ (۱) لطافت اللہ خاں (۲) رضوان اللہ خاں ۔ (۳) عباد اللہ خاں ۔
اولاد لطافت اللہ خاں ۔ حشمت اللہ خاں ۔ اولاد عباد اللہ خاں حفاظت اللہ خاں
اولاد حفاظت اللہ خاں ۔ نصرت اللہ خاں ۔
اولاد غلام نبی خاں ابن حاجی امام خاں ۔ عثمان خاں زوجہ امت الحیٰ دختر دوست محمد خاں
پردہ ۔ اولاد عثمان خاں ۔ آسیہ خانم زوجہ محمد احمد خاں گھوسنہ
اولاد شہباز خاں ۔ ابن امام خاں (۱) محمد شریف خاں (۲) شیراز خاں ۔
اولاد محمد شریف خاں ۔ محمد احمد خاں زوجہ آسیہ خانم دختر عثمان خاں گھوسنہ ۔
اولاد شیراز خاں ۔ وجاہت فاطمہ زوجہ عزیز الرحمٰن خاں پردہ ۔ اولاد یوسف خاں ابن امام خاں
(۱) کریم داد خاں (۲) رحیم داد خاں ۔ اولاد کریم داد خاں ۔ نور فاطمہ ۔
اولاد رحیم داد خاں ۔ عبدالمتین خاں زوجہ امت الرب دختر دوست محمد خاں پردہ
اولاد عبدالمتین خاں ۔ عبدالرحمٰن خاں ۔

۱۶ ۔ دھساری

اس موضع کا سلسل اور مکمل شجرہ نہیں مل سکا ۔ اس موضع نے بارہ گردی اور گوشہ نشینی

اور مرہٹوں کے زمانہ میں بہت عزل و نصب دیکھا اور چونکہ جھترہ رفوت پور سے ملحق ہے جہاں جاٹوں نے قلعہ بنایا اس لئے ہر وقت ان کی زد میں تھا۔ یہ حالات ہم اوپر شروانی نامہ حصہ اول میں عرض کر چکے ہیں۔ جو نام معلوم ہو سکے وہ ذیل میں درج ہیں۔ اس شجرہ کے شاخ ہائے اول، دوئم، سوئم کی بابت معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے مشترک مورث اعلیٰ کون تھے۔ اور ان کی آپس میں کیا رشتہ داری تھی۔ اس شجرہ میں پرویز خاں کا نام نہیں ہے جن کے خاندان میں سرفراز خاں مورث بھیکم پور کی شادی ہوئی۔

شاخ اول

اس کے مورث ثابت خاں تھے۔ ان کی اولاد حسب ذیل ہوئی (۱) شجاعت خاں۔ (۲) صلابت خاں۔ (۳) قائم خاں۔

اولاد شجاعت خاں ۔ دختر۔ **اولاد صلابت خاں** ۔ (۱-۴) دختران (۵) کالے خاں

اولاد کالے خاں ۔ (۱) جھبو خاں زوجہ خان دختر رضا خاں بھاموں۔ (۲) ولی احمد خاں و ۱۹۱۶ء زوجہ الٰہی بیگم۔ (۳) علی احمد خاں د ۱۹۱۱ء زوجہ ظہور فاطمہ دختر اصغر علی خاں حسن پور (۴) سراج احمد خاں زوجہ ننھی بیگم کھجوری۔ (۵) نبی احمد خاں زوجہ حبیب فاطمہ دختر اسد علی خاں بھاموں

اولاد ولی احمد خاں ۔ (۱) بدر الہدیٰ خاں زوجہ زبیدہ بیگم دختر حمایت خاں عنایتی۔ (۲) ادریس خاں زوجہ محبوب فاطمہ دختر رحمت اللہ خاں کناوہ۔ (۳) محمد طاہر خاں زوجہ نجیب فاطمہ دختر احمد حسین خاں رھنساری۔ (۴) کلثوم بیگم زوجہ شفیع الرحمٰن خاں سہاور۔

اولاد بدر الہدیٰ خاں ۔ (۱) خالدہ بیگم زوجہ حامد خاں ابراہیم پور (۲) محمودہ بیگم زوجہ راحت اللہ خاں کناوہ (۳) دختر رضیہ بیگم۔ **اولاد ادریس خاں** ۔ دختر۔ **اولاد طاہر خاں** ۔ (۱) محمد طیب خاں زوجہ دختر عبد الباسط خاں بھاموں۔ (۲) اطہر خاں۔ (۳) طاہرہ خاتون زوجہ دختر شریف خاں (۴) مشرف جہاں زوجہ غلام احمد خاں بریرہ۔ **اولاد طیب خاں** ۔ دو لیسران۔

اولاد علی احمد خاں ۔ جمیل احمد خاں زوجہ شاہدہ بیگم دختر قدرت اللہ خاں کناوہ۔

اولاد جمیل احمد خاں ۔ (۱) شکیل احمد خاں ۔ ۱۹۴۳ء زوجہ نبی فاطمہ دختر ظہور اللہ خاں بھاموں۔ (۲) عقیل احمد خاں زوجہ دختر بدیع الزماں خاں حسن پور۔ (۴) جمال احمد خاں زوجہ قدسی فاطمہ دختر ولی محمد خاں حسن پور۔ (۳) کمال احمد خاں زوجہ بیوہ شکیل احمد خاں (۵) دختر نا کتخدا

اولاد جمال احمد خاں ۔ دختر شباہت فاطمہ ۔ **اولاد سراج احمد خاں** ۔ (۱) نثار احمد خاں زوجہ بنو بیگم دختر ہدایت علی خاں بہ دلی ۔ (۲) نور الہدے خاں زوجہ بپر درہ ۔

اولاد نثار احمد خاں ۔ افتخار احمد خاں زوجہ دختر ظہور احمد خاں بردلی ۔

اولاد نبی احمد خاں ۔ وصی احمد خاں زوجہ معزز فاطمہ دختر کامل خاں بہ بہرہ ۔

اولاد وصی احمد خاں ۔ (۱) نبی مصطفےٰ خاں کم سن (۲ و ۳) دختران کمسن ۔

اولاد قایم خاں ۔ خواجہ علی خاں ۔ **اولاد خواجہ علی خاں** ۔ (۱) جھنڈے خاں ۔ (۲) ننھے خاں ۔ دخیل بہاموں ۔ (۳) جھنڈی بیگم ۔ **اولاد جھنڈے خاں** ۔ دختر ہاجرہ جن کی لڑکی مریم، کامل خاں بہ بہرہ کو بیاہی گئیں ۔ **اولاد ننھے خاں** ۔ فقیر اللہ خاں متوطن بہاموں۔

اولاد فقیر اللہ خاں ۔ انوار احمد خاں ۔

شاخ دوئم

اولاد شادی خاں مورث شاخ دوئم (۱) نوازش علی خاں وفات ۱۹۰۷ء لاولد ۔ (۲) مظہر علی خاں عرف مجو خاں (۳) وارث علی خاں لاولد

اولاد مظہر علی خاں ۔ (۱) بتول فاطمہ زوجہ حاجی نور احمد خاں بہ بہرہ ۔ (۲) ارشاد علی خاں وفات ۱۹۲۱ء زوجہ نمبر ۱ گھونہ ۔ زوجہ نمبر ۲ زینب فاطمہ دختر احمد رضا خاں دتاولی ۔

اولاد ارشاد علی خاں ۔ (۱) مدثر اللہ خاں زوجہ دختر عبدالحیٔ خاں جھوری (۲) اکرام اللہ خاں زوجہ دختر شریف خاں کمیادہ ۔ (۳) امت المقیت زوجہ مجیب الرحمٰن خاں بہ بہرہ (۴) انیسہ بیگم زوجہ عباد اللہ خاں گھونہ ۔ (۵) ساجدہ بیگم زوجہ اشفاق احمد خاں بہ بہرہ (۶) فرخ زمانی بیگم زوجہ محمد طاہر خاں بہ بہرہ **اولاد مدثر اللہ خاں** (۱) مکرم خاں (۲) اکرام خاں ۔ (۳) دختر

اولاد اکرام اللہ خاں ۔ (۱) معظم خاں ۔ (۲) احتشام خاں ہر دو کم سن ۔

شاخ سوم

اولاد احمد حسین خاں ۔ (۱) شکور خاں ۔ (۲) مذکور احمد خاں (۳) دختر محبوب فاطمہ زوجہ طاہر خاں دھنساری (۴) دختر زوجہ عبدالہادی خاں بہ بہرہ ۔ احمد حسین خاں کے مورثان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۷ ۔ شدولی

بھیکم پور ، حبیب گنج ، دادوں ، جھوری کے مورث اعلیٰ ابدل خاں عرف عبداللہ خاں

کے بیٹے مکارم خاں اُن کے بیٹے فصاحت خاں۔ ان کے بیٹے یحییٰ خاں اُن کے بیٹے قطب خاں۔ اُن کے بیٹے خان جہاں خاں اور گھاسی خاں۔ ان خان جہاں خاں کے بیٹے اصالت خاں سے ٹنڈولی کا سلسلہ چلتا ہے۔ اصالت خاں سب سے پہلے ٹنڈولی میں آکر رہے۔ یہاں کے شروانی رزم و بزم میں بھیکم پور بھیجوری کے شریک رہے ہیں۔

اولاد اصالت خاں۔ صاحب داد خاں زوجہ دختر گھاسی خاں بھیجوری۔

اولاد صاحب داد خاں۔ (۱) عصمت فاطمہ زوجہ صلابت خاں دھنساری۔ (۲) دختر زوجہ زکریا خاں بھیجوری۔ (۳) دختر زوجہ دانش خاں سہاور دخیل ٹنڈولی۔ (۴) دختر زوجہ نظام خاں بیالوں۔ (۵) حاجی حسن علی خاں۔ زوجہ دختر نصیب خاں بھیکم پور۔ (۶) عبداللہ خاں زوجہ دختر شفیع خاں بیرہ۔ (۷) سعادت خاں زوجہ اول از خاندان چاند خاں دھوری زوجہ دوئم ہمشیرہ رفعت خاں کناوہ۔ (۸) حاجی طالمند خاں۔ زوجہ ہمشیرہ امام خاں گنگونہ۔

اولاد دانش خاں دخیل ٹنڈولی۔ (۱) غلام نبی خاں زوجہ کبیر النساء دختر سرمست خاں کناوہ (۲) چھوٹے خاں زوجہ نیاز ا دختر یحییٰ خاں بھیجوری۔ (۳) سبکتگین خاں زوجہ ہمشیرہ کالے خاں دھنساری (۴) علاء الدین خاں زوجہ ہمشیرہ کالے خاں دھنساری۔

اولاد غلام نبی خاں۔ (۱) رفعت النساء زوجہ قمر علی خاں کنوبی۔ (۲) نذیر اللہ خاں زوجہ اول نصر اللہ خاں سہاور زوجہ دوئم دختر عبدالرشید خاں بھیکم پور۔ (۳) ہاجرہ بیگم زوجہ حبیب اللہ خاں سہاور۔ (۴) حلیمہ بیگم زوجہ حامد علی خاں سہاور۔ اولاد نذیر اللہ خاں۔ (۱) ضیاء اللہ خاں از نکاح اول زوجہ دختر حامد علی خاں سہاور (۲) دختر زبیدہ خاتون زوجہ چودھری توصیف اللہ خاں اسسٹنٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آگرہ۔ حکیم ظہیر اللہ خاں برادر زوجہ دختر عبدالحمید خاں بھیکم پوری۔ (۴) پاکستان (۵) دختر

اولاد سبکتگین خاں۔ ابن دانش خاں۔ (۱) کمال فاطمہ زوجہ احمد علی خاں پھاسی۔ (۲) جمال فاطمہ زوجہ احمد رضا خاں سہاور۔ (۳) محمد شرافت خاں زوجہ اول سراج النساء دختر گھاسی خاں بھیجوری زوجہ نمبر ۲ حمید النساء دختر طالب حسین خاں نادل دخیل رکاوالی۔ اولاد محمد شرافت خاں۔ (۱) ابو سعید خاں از نکاح اول زوجہ حلیمہ بیگم دختر حبیب اللہ خاں پیوستہ دخیل مدن پور (دیکھو شجرہ مدن پور نگلہ) (۲) ناجرہ بیگم زوجہ عزیز الرحمٰن خاں السپکٹر احمد خاں سہاور (۳) دختر زوجہ عبداللہ خاں السپکٹر احمد خاں سہاور

نہیں ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ سدن خاں مورث اعلیٰ سے قبل کوئی رفوت خاں یہاں ہوں۔ پشتوں کے حساب سے یہاں کے پٹھان بھی لودی سوری زمانہ میں آئے ہونگے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہاں کے پٹھانوں کا نکاس خاندانی روایت کے مطابق محمد بیگ خاں سے ہے۔ جن کا تعلق پرورہ۔ ڈناولی برلہ وغیرہ سے تھا۔ اور جن کا آنا عہد سکندر لودی میں بتایا جاتا ہے۔ جاٹ سورج مل کے زمانے میں اُن کے خسر کے لڑکوں نے سب سے پہلے یہاں ہی قلعہ بنایا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

شجرہ

مورث سدن خاں۔ اُن کے بیٹے مجاہد خاں ہوئے۔

اولاد مجاہد خاں - (۱) مسند علی خاں (۲) سلطان خاں لاولد (۳) نتھے خاں۔ **اولاد مسند علی خاں** - فاضل خاں۔ اُن کے بیٹے افضل خاں ہوئے **اولاد افضل خاں** - (۱) بنے خاں - (۲) سیپے خاں لاولد **اولاد نتھے خاں** - لال خاں ان کے بیٹے رسول خاں (جن کی زوجہ پیارن دختر سرمست خاں) چھیرہ تھیں۔

شاخ اول

اولاد رسول خاں - (۱) بہادر خاں زوجہ ماھن بی بی ہمشیرہ غلاق خاں دھنساری۔ لاولد۔ (۲) شاہ دل خاں زوجہ تھولا دختر بھیکن خاں چھیرہ (۳) خیر النساء زوجہ بھجو خاں کھرسولی (۴) ماہ النساء زوجہ عبداللہ خاں کھرسولی **اولاد شاہ دل خاں** - (۱) عزت خاں زوجہ رحیم النساء دختر اللہ وردی خاں چھیرہ (۲) مریم زوجہ قادر خاں سراسے - (۳) حبیب النساء زوجہ عبدالرحیم خاں - (۴) حافظ عبداللہ خاں زوجہ سلیم النساء دختر محمد خاں سراسے۔ **اولاد عزت خاں** - (۱) عنایت النساء نا کتخدا فوت - (۲) محمد یار خاں زوجہ مجید النساء دختر عبدالرحمٰن خاں چھیرہ زوجہ دوم حکیم النساء دختر بصری خاں چھیرہ - (۳) عمر النساء زوجہ [illegible] اللہ خاں چھیرہ (۴) [illegible] زوجہ [illegible] خاں چھیرہ -

اولاد محمد یار خاں - امت الہادی [illegible] زوجہ (۱) حاجی عبدالمجید خاں بریلہ ضلع چھیرہ - **اولاد عبدالمجید خاں** - ضلع چھیرہ - (۱) محمد مظہر خاں زوجہ دختر صادق علی خاں حسن پور ضلع چھیرہ (۲) عبداللہ [illegible] خاں از نکاح دوم - $\frac{(۳)}{(۴)}$ دو دختران از نکاح دوم (۵) پسر از نکاح سوم - **اولاد مظہر خاں** - شائستہ بیگم زوجہ عزیز احمد خاں بی اے پسر حکیم شبیر احمد خاں کنڈہ ضلع علی گڑھ۔

اولاد عزیز احمد خاں ۔ (۱) شمشاد احمد خاں ۵ سال (۲) پروین خانم دو سال ۔
اولاد حافظ عبداللہ خاں ۔ (۱) ہدایت النساء زوجہ عبدالصمد خاں سرائے ۔ (۲) دختر زوجہ احمد سعید خاں سرائے ۔ (۳) جھینتی بیگم زوجہ عبداللطیف خاں سرائے ۔

شاخ دوم

مورث ۔ سرمست خاں ابن محمود خاں ۔ ابن مصری خاں ابن عمر خاں ابن مداری خاں ابن مجاہد خاں منذکرہ بالا ۔

اولاد سرمست خاں ۔ (۱) پیارن زوجہ رسول خاں چھپرہ (۲) ججیکن خاں زوجہ منگو دختر افضل خاں برلہ (۳) دختر والدہ سعادت خاں بھیسادلی ۔
اولاد ججیکن خاں ۔ (۱) جہان خاں زوجہ ہمشیر زادی حسن خاں برلہ (۲) بی بی فتولا زوجہ شاہ دل خاں (۳) الہ دیدی خاں زوجہ امیر النساء دختر عبداللہ خاں گھنونہ (۴) صبیح بیگم زوجہ عبداللہ خاں سرائے (۵) حنیفاً زوجہ محمد خاں سرائے (۶) قائم خاں زوجہ دختر نعیم خاں برلہ ۔
اولاد جہان خاں ۔ (۱) بخشا زوجہ حافظ مداری خاں سرائے ۔ (۲) نورجہاں زوجہ حاجی ہدایت اللہ خاں چھپرہ (۳) غلامی خاں زوجہ دختر حسن خاں برلہ ۔ (۴) جمال خاں زوجہ فتولا دختر حسن خاں برلہ ۔ (۵) فضل علی خاں زوجہ ۱ دختر داؤد خاں الوا ۔ زوجہ ۲ زینب دختر علی مردان خاں چھپرہ ۔ اولاد غلامی خاں ۔ (۱) چھدن زوجہ سعید خاں برلہ (۲) وزیر خاں زوجہ دختر ناہر خاں کنونی ۔ اولاد وزیر خاں ۔ عبدالرؤف خاں زوجہ دختر علی مردان خاں کھیر ۔ (۲) صغیرا زوجہ عبداللطیف خاں پیرورہ (۳) رؤفا زوجہ اسد علی خاں بھرسولی ۔ (۴) حفیظا زوجہ عظمت اللہ خاں طبال پور ۔ اولاد عبدالرؤف خاں ۔ (۱) عباسی بیگم زوجہ حافظ عبداللطیف خاں بھرسولی ۔ (۲) عائشہ بیگم زوجہ قمر الزماں خاں (۳) اصغری بیگم زوجہ نذیر احمد خاں کناوہ ۔ (۴) ابو بکر خاں زوجہ دختر غفور اللہ خاں کھیر ۔ (۵) مولوی ابو ظفر خاں پاکستان ۔
اولاد جمال خاں ۔ (۱) نبی خاں زوجہ عیرکفو اترولی ۔ (۲) دختر جمال زوجہ الو خاں لبودہ منیو خاں برلہ ۔ (۳) کمان تا کتخدا فوت (۴) غفورا ۔
اولاد فضل علی خاں ۔ ابن جہان خاں (۱) ادریس خاں زوجہ آمنہ دختر نوازش علی خاں برلہ لاولد (۲) رقیہ بیگم زوجہ عبدالستار خاں چھپرہ ۔ (۳) رابعہ بیگم زوجہ مصطفےٰ خاں برلہ ۔

اولاد صادق علی خاں ۔ ذیل چھترہ (۱) عامل خاں ب ۱۸۹۳ء و ۱۹۵۲ء زوجہ طاہرہ بیگم دختر صدیق خاں حسن پور ۔ (۲) عباس خاں زوجہ غیر کفو ۔ (۳) زبیر خاں زوجہ غیر کفو پٹھان خورجہ (۴) عزیز خاں زوجہ عابدہ بیگم دختر عبدالودود خاں چھترہ ۔ (۵) قدرت الاحسان زوجہ مطہم خاں چھترہ (۶) زبیدہ بیگم زوجہ عبدالمجید خاں چھترہ ۔ **اولاد عبدالودود خاں** ۔ ذیل چھترہ (۱) عون خاں زوجہ دختر اسرائیل خاں سہاور پاکستان ۔ (۲) رشید خاں زوجہ دختر یوسف خاں کھرسولی (۳) کیف خاں پاکستان (۴) حامدہ بیگم زوجہ محمود علی خاں ڈھولنہ ۔ (۵) عابدہ بیگم زوجہ عزیز خاں چھترہ ۔ **اولاد عبدالرحیم خاں** ۔ ابن قائم خاں (۱) عثمان خاں ۔ (۲) اسمٰعیل خاں ہر دو ناکتخدا فوت (۳) یعقوب خاں زوجہ قمر النساء دختر عبدالکریم خاں چھترہ لاولد (۴) عبدالرشید خاں زوجہ حمیدا دختر عبدالحمید خاں برلہ (۳) کلثوم النساء زوجہ محمد علی خاں چھترہ (۴) ننھی بیگم زوجہ محمود خاں چھترہ (۵) خاتون زوجہ محمود خاں بھیکن پور ۔ **اولاد عبدالرشید خاں** ۔ (۱) رفیع اللہ خاں زوجہ دختر عبدالرزاق خاں برلہ ۔ (۲) سمیع اللہ خاں (۳) عابد خاں ہر دو ناکتخدا فوت ۔

اولاد ہادی یار خاں ۔ جن کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا ۔ اُن کی زوجہ نور فاطمہ دختر جیون خاں سرا سے ۔ نفیس [illegible] الدین خاں زوجہ دختر نواز [illegible] خاں سرنے سے مصلح الدین خاں کا بیٹا معین الدین خاں پاکستان میں ہے معین الدین خاں کی شادی دختر خلیل خاں برلہ کے ساتھ ہوئی اور ان کا ایک بیٹا حسام الدین اور ایک بیٹی ہے ۔

۱۹ ۔ برلہ

اولاد منگو خاں ۔ ابن الف خاں [illegible] کے نام کے مواضعات الف پور ، منگو پور زمینداران برلہ و سرا سے کے قبضہ میں رہے)

(۱) یحییٰ خاں ۔ (۲) نعمت خاں ۔ (۳) بہادر خاں ۔ (۴) مداری خاں ۔

شاخ اول

اولاد یحییٰ خاں ۔ (۱) فاضل خاں ۔ (۲) افضل خاں ۔

اولاد فاضل خاں ۔ (۱) امیر خاں لاولد (۲) جہان خاں

اولاد جہان خاں ۔ (۱) خواجہ علی خاں [illegible] خاں قطب پور (۲) عمر خاں زوجہ

ہمشیرہ خان زمان خاں ۔ طبال پور ۔ (۳) حبیب النسا زوجہ جیون خاں برلہ ۔

اولاد خواجہ علی خاں ۔ (۱) سہراب خاں عرف پیرجی ۔ زوجہ دختر داؤد خاں الوا (۲) قطب الدین خاں زوجہ سہادر ۔ (۳) مولوی حاجی شمس الدین خاں زوجہ ۱ گھنو نہ زوجہ ۲ پرورہ (۴) بشیر النسا زوجہ حاجی خاں سراسے ۔ (راقم الحروف کی دادی) (۵) سراج النسا زوجہ محمد حسین خاں برلہ ۔

اولاد سہراب خاں ۔ (۱) حیات بیگم زوجہ ولی محمد خاں پرورہ (۲) امیر بیگم زوجہ عبد الجلیل خاں برلہ (۳) نوازش علی خاں عرف حاجی خاں پہلوان زوجہ قطب النسا دختر علی مردان خاں چھپرہ (۴) حافظ غازی خاں زوجہ امت النسا دختر عبد الکریم خاں بیجھرہ ۔

اولاد نوازش علی خاں ۔ (۱) مصطفٰے خاں زوجہ رابعہ بیگم دختر تفضل علی خاں چھپرہ (۲) عبد الجبار خاں زوجہ جنت فاطمہ دختر رحمت اللہ خاں کنادہ بعد انتقال زوج اول رفیع اللہ خاں سراسے (۳) آمنہ زوجہ ادریس خاں چھپرہ ۔ (۴) عبد القہار خاں زوجہ قریشہ دختر تفضل علی خاں چھپرہ (۵) امت الباقی زوجہ عثمان خاں سراسے ۔ **اولاد مصطفٰے خاں** ۔ کیف خاں کمسن فوت ۔

اولاد عبد الجبار خاں ۔ (۱) بدیع الرحمٰن خاں (۲) سلیم الرحمٰن خاں (۳) عنایت الرحمٰن خاں (۴) اعجاز الرحمٰن خاں (۵) رشیدہ خاتون زوجہ مرتضٰے خاں برلہ ۔

اولاد عبد القہار خاں ۔ (۱) شعیب خاں زوجہ مدیحہ خاتون دختر رفیع اللہ خاں سراسے ۔ (۲) مرتضٰے خاں زوجہ رشیدہ خاتون دختر عبد الجبار خاں برلہ ۔ (۳) شیث خاں زوجہ امراؤ فاطمہ دختر رفیع اللہ خاں کھجوری ۔ (۴) ابو طالب خاں زوجہ دختر رفیع اللہ خاں کھجوری ۔ (۵) رحانہ خاتون زوجہ عبد الاحد خاں برلہ ۔ (۶) عابدہ خاتون زوجہ شفیع اللہ خاں سراسے (۷) حجازی بیگم زوجہ حافظ خلیل خاں برلہ بعدہٗ سلیم الرحمٰن خاں برلہ ۔

اولاد حافظ غازی خاں ۔ (۱) ذکریا خاں زوجہ قمر تاج بیگم دختر عزیز الرحمٰن خاں بیرہرہ لاولد (۲) حافظ خلیل خاں زوجہ ۱ بیوہ ذکریا خاں زوجہ ۲ حجازی بیگم دختر عبد القہار خاں برلہ ۔

اولاد قطب الدین خاں ۔ (۱) عبد الجلیل خاں زوجہ (۱) امیر بیگم دختر سہراب خاں برلہ زوجہ (۲) دختر رحیم داد خاں پرورہ علی النسا (۲) مقبول فاطمہ زوجہ سرفراز خاں طبال پور دخیل سراسے ۔ (۳) عبد الکریم خاں زوجہ ولی النسا دختر رحیم داد خاں پرورہ ۔ **اولاد عبد الجلیل خاں** ۔ (۱) منعم خاں

شاخ دوم

اولاد نعمت خاں ۔ ابن منگو خاں ۔ (۱) خان جہاں خاں ۔
اولاد خان جہاں خاں ۔ (۱) شاہ دل خاں عرف شادل خاں
(۲) ایدل خاں ۔ **اولاد شاہ دل خاں** ۔ (۱) عزت خاں زوجہ ہمشیرہ داؤد خاں الوٹا ۔ (۲)
الم خاں زوجہ مریم دختر ذو الفقار خاں برلہ **اولاد عزت خاں** ۔ (۱) علی مردان خاں زوجہ
دختر حسن خاں برلہ ۔ (۲) علی محمد خاں زوجہ دختر فضل علی خاں چھپرہ (۳) الہ یار خاں زوجہ حلیم النساء
دختر مداری خاں سراسے ۔ (۴) دختر زوجہ چھوٹے خاں طیال پور ۔
اولاد علی مردان خاں ۔ (۱) عبد الحفیظ خاں زوجہ اول محمدی بیگم دختر ظہور اللہ خاں برلہ زوجہ
دوم کنیز فاطمہ دختر حافظ نور خاں برلہ (۲) حافظ عبد اللطیف خاں زوجہ عاشورا دختر حافظ
نور خاں برلہ (۳) کنان زوجہ شمس الدین خاں کھیرسہ (۴) سنجیبا زوجہ وارث علی خاں
قطب پور ۔ **اولاد عبد الحفیظ خاں** ۔ (۱) عبد القدیر خاں زوجہ امت الحبیب دختر عبد اللطیف
خاں برلہ ۔ (۲) حافظ عبد الکبیر خاں زوجہ ملکہ دختر حاجی عبد الواسع خاں برلہ (۳) اصفیہ بیگم
زوجہ خلیل خاں برلہ (۴) امت القدیر زوجہ صابر خاں بہیرہ ۔
اولاد عبد القدیر خاں ۔ (۱) عزیز الرحمن خاں زوجہ اول ریاض فاطمہ دختر عبد الماجد خاں برلہ ۔
زوجہ دوم ننو بیگم دختر مسیح الزماں خاں سراسے پاکستان ۔ (۲) امت الحلیم زوجہ عبد الواحد
خاں برلہ (۴) نظیر فاطمہ زوجہ شعیب خاں برلہ ۔ **اولاد عزیز الرحمن خاں** ۔ (۱) محبوب الرحمن خاں
(۲) (۳) دختران **اولاد عبد الکبیر خاں** ۔ (۱) ابو القاسم خاں پاکستان (۲)
ابو الہاشم خاں پاکستان ۔ **اولاد عبد اللطیف خاں** ۔ (۱) حافظ عبد الواحد خاں
زوجہ دختر وارث علی خاں قطب پور ۔ (۲) امت الحبیب زوجہ عبد القدیر خاں برلہ
(۳) عبد الماجد خاں زوجہ امت [illegible] عبد الستار خاں برلہ بتیہ درگاہ شریف بہرائچ فوت و مدفون بمقام بہرائچ
اولاد عبد الواحد خاں ۔ (۱) [illegible] الواحد خاں زوجہ امت الحلیم دختر عبد القدیر خاں برلہ
پاکستان ۔ (۲) [illegible] بیگم زوجہ عثمان خاں سراسے ۔ (۳) دختر، زوجہ عبد الصمد خاں برلہ
(۴) دختر زوجہ صابر خاں برلہ (۵) [illegible] بیگم زوجہ عمر خاں سراسے
اولاد عبد الماجد خاں ۔ (۱) [illegible] الرحمن خاں [illegible] ہمراہ عمر سندیا ۔ (۲) شمیم الرحمن خاں

(۳) رفیق احمد خاں عرف کشور۔ (۴) ریاض فاطمہ زوجہ عزیز الرحمٰن خاں برلہ (۵) عمران فاطمہ
زوجہ نوح اللہ خاں برلہ۔

اولاد ماہم خاں ابن شاہ دل خاں (۱) ظہور اللہ خاں زوجہ دختر حسن خاں برلہ (۲)
حافظ نور خاں زوجہ محبوب النساء دختر کرامت خاں برہرہ۔ (۳) شاہ محمد خاں زوجہ کفایت النساء
دختر عنایت خاں برلہ۔ (۴) شکور النساء زوجہ حاجی سرفراز خاں سراسے (۵) حمی النساء
زوجہ ہادی یار خاں دادوں۔ **اولاد ظہور اللہ خاں** ۔ مہدی بیگم زوجہ عبد الحفیظ خاں برلہ

اولاد حافظ نور خاں ۔ (۱) بدیع الزماں خاں زوجہ مغفور النساء دختر حاجی سرفراز خاں
سراسے لاولد (۲) عبد الستار خاں زوجہ حنیفا دختر شاہ محمد خاں برلہ (۳) حاجی عبد الواسع
خاں زوجہ منیر فاطمہ دختر شاہ محمد خاں برلہ (۴) کلثوما زوجہ ہدایت اللہ خاں سراسے۔
(۵) عاشورا زوجہ عبد اللطیف خاں برلہ۔ (۶) کنیز فاطمہ زوجہ عبد الحفیظ خاں برلہ

اولاد عبد الستار خاں ۔ (۱) مریم بیگم زوجہ عبد المالک خاں سراسے (۲) امت الجلیل
زوجہ عبد الماجد خاں برلہ۔ **اولاد حاجی عبد الواسع خاں** ۔ (۱) عزیز خاں زوجہ اول امت الحبیب
دختر حاجی اسحاق خاں برلہ زوجہ دوم امت المتین دختر حاجی اسحاق خاں برلہ۔ (۲) محمد شعیب خاں
زوجہ نیلوفر فاطمہ دختر عبد القدیر خاں برلہ فوت (۳) اویس خاں زوجہ نورجہاں بیگم دختر حاجی عباس خاں
سراسے۔ (۴) مغیث احمد خاں زوجہ غیر کفو سیلی بھیت۔ پاکستان مشرقی۔ (۵) انوار فاطمہ زوجہ
حاجی غلام مجتبیٰ خاں برلہ۔ (۶) اعجازی بیگم زوجہ حبیب الرحمٰن خاں سراسے (۷) حامدہ زوجہ
عبد الجلیل خاں برلہ۔ **اولاد عزیز خاں** ۔ (۱) رفعت فاطمہ عرف طلعت خانم زوجہ غلام کبریا خاں برلہ
(۲) نصرت فاطمہ عرف نکہت خانم زوجہ عارف میاں دادوں۔ (۳) دختر کم سن فوت (۴)
مشکات محمد خاں کم سن (۵) دختر کم سن بشریٰ ہمایوں **اولاد شعیب خاں** ۔ (۱) ریاض احمد خاں
نالمتیز افوت (۲) محاذ احمد خاں۔ (۳) عفیفہ بیگم زوجہ فصیح الزماں خاں سراسے۔ (۴) فرحت لذی بیگم
کم سن۔ **اولاد محمد اویس خاں** ۔ (۱) انور عباس عرف چمن بانو ایم۔ ایس سی (۲)
خالد عباس خاں (۳) ساجدہ صابرہ خاں (۴) منور جہاں (۵-۶-۷) دو لڑکے ایک دختر کم سن فوت

اولاد شاہ محمد خاں ۔ (۱) حاجی محمد اسحاق خاں نائل زوجہ امت الغنی دختر

ہادی یار خاں دادوں (۲) حنیفاً زوجہ عبدالستار خاں برلہ (۳) تمیز فاطمہ زوجہ حاجی عبدالواسع خاں برلہ۔ (۴) حجن امت الرقیب زوجہ حاجی محمد عباس خاں سراسے۔ (۵) امت المجیب زوجہ عبدالجلیل خاں برلہ۔ **اولاد حاجی محمد اسحاق خاں**۔ (۱) حاجی غلام مجتبےٰ خاں زوجہ اول دختر حاجی عبدالواسع خاں برلہ زوجہ دوم شاکرہ خاتون دختر ہدایت اللہ خاں گناوہ (۲) امت العزیز زوجہ اول حاجی مولوی محمد جان خاں دادوں (۳) دختر امت الحسیب زوجہ محمد عزیز خاں برلہ۔ (۳) امت الرب زوجہ نواب ابوبکر خاں دادوں (۴) امت المعین زوجہ دوم عزیز خاں برلہ۔
اولاد حاجی غلام مجتبےٰ خاں۔ (۱) غلام کبریا خاں عرف معصوم میاں زوجہ طلعت خانم دختر عزیز خاں برلہ پاکستان (۲) امت المنعم زوجہ یاسین خاں سراسے پاکستان۔ (۳) رابعہ بیگم زوجہ حافظ اکرام اللہ خاں بلونہ پاکستان۔ (۴) غلام سرور خاں عرف نظام میاں (۵) غلام ربانی خاں عرف جمال میاں۔ **اولاد علی محمد خاں**۔ (۱) سلیمان خاں زوجہ مریم دختر سرفراز خاں طبال پور تحصیل سراسے۔ (۲) لطیف النسا زوجہ عبدالشکور خاں سراسے۔ (۳) صفیہ بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں پرورہ (۴) امت اللہ بیگم زوجہ عبدالحلیم خاں چھترہ۔
اولاد سلیمان خاں۔ (۱) عبدالصمد خاں زوجہ ننھی بیگم دختر فیض محمد خاں برولی۔ (۲) شاہ زماں خاں زوجہ یونس فاطمہ دختر خلیل خاں پرورہ (۳) امت الرحمٰن زوجہ شیخ الزماں خاں سراسے۔ (۴) امت الحی زوجہ اعانت اللہ خاں سراسے۔ (۵) آبادی بیگم زوجہ طبال پور
اولاد عبدالصمد خاں۔ (۱) و (۲) عزیز احمد خاں شمیم احمد خاں پاکستان (۳) دختر **اولاد الہ یار خاں ابن عزت خاں**۔ (۱) عبدالقیوم خاں زوجہ صغرا بیگم دختر وارث علی خاں قطب پور۔ (۲) مقصود النسا زوجہ چودھری رفیق اللہ خاں برلہ۔
اولاد عبدالقیوم خاں۔ (۱) محمد خاں زوجہ فاطمہ بیگم دختر عبدالواحد خاں برلہ زوجہ دوم حسین فاطمہ دختر حکیم شیخ الزماں خاں پرورہ (۲) امت اللہ زوجہ مسلم خاں برلہ۔
اولاد محمد خاں۔ دو پسران دو دختران کم سن آجکل مقیم قصبہ جلالی۔
اولاد ایدل خاں ابن خان جہاں خاں ابن منصف خاں۔ (۱) الو خاں زوجہ طبال پور (۲) ملو خاں۔ **اولاد الو خاں**۔ تمیز النسا زوجہ غلام رسول خاں برلہ۔

اولاد بلنو خان ۔ (۱) رحمت خان زوجہ طبال پور لاولد (۲) فضل علی خان زوجہ دختر پہاڑ خان گکھر سے لاولد (۳) دختر زوجہ طبال پور ۔

شاخ سوئم

اولاد بہادر خان ابن منگو خان ۔ (۱) صلابت خان (۲) غلامی خان ۔

اولاد صلابت خان ۔ (۱) شمشیر خان ۔ (۲) صاحب خان ۔

غلامی خان ۔ شمشیر خان ۔ صاحب خان کے سلسلہ کا پتہ نہیں لگا ۔ غالباً یہ تینوں لاولد تھے یا برلہ میں ان کی اولاد میں کوئی باقی نہ رہا ۔

شاخ چہارم

اولاد مداری خان ابن منگو خان ۔ گھاسی خان ۔
اولاد گھاسی خان ۔ ننگل خان ۔

اولاد ننگل خان ۔ (۱) سردار خان ۔ (۲) طاہر خان لاولد ۔ **اولاد سردار خان** (۱) ذوالفقار خان زوجہ سہاور (۲) پیردل خان (۳) جمعیت خان (نام مشکوک) (۴) عاشور خان

اولاد ذوالفقار خان ۔ (۱) مریم زوجہ امام خان برلہ (۲) حیات النساء زوجہ ننگل خان سراے

اولاد پیردل خان ۔ (۱) نعیم خان (۲) عمر خان لاولد ۔ **اولاد نعیم خان** ۔ جیون خان زوجہ حسیب النساء دختر خان جمال خان برلہ ۔ **اولاد جیون خان** ۔ (۱) محمد حسین خان زوجہ سراگیا دختر خواجہ علی خان برلہ (۲) اوسو خان زوجہ دختر جمال خان چھپرہ لاولد (۳) فیضو خان زوجہ بیوہ اوسو خان لاولد (۴) سیف اللہ خان زوجہ ہمشیرہ محمد علی خان چھپرہ لاولد ۔ (۵) حبیب النساء زوجہ علی مردان خان چھپرہ (۶) منظور النساء زوجہ کالے خان سہاور

اولاد محمد حسین خان ۔ حاجی حافظ قاری طاہر خان لاولد ۔ سلسلہ پیردل خان ختم ۔

اولاد جمعیت خان ۔ نظام خان ۔ **اولاد نظام خان** ۔ رحم علی خان زوجہ دختر سعادت خان برلہ ۔ **اولاد رحم علی خان** ۔ (۱) جگا بی بی زوجہ رحم اللہ خان سراے (۲) کمال فاطمہ زوجہ نور خان ... ۔ **اولاد عاشور خان** ۔ (۱) سید حسن خان ۔ (۲) حسن خان (۳) ... لاولد ۔ **اولاد سید حسن خان** ۔ طالب خان زوجہ دختر جمال خان کھجوری ۔ **اولاد طالب خان** ۔ سعادت خان ۔

اولاد سعادت خاں ۔ اکبر خاں زوجہ ہمشیرہ حاجی بیچلے خاں سسرا سے ۔ (۲) چھوٹے خاں زوجہ دختر یار اللہ خاں بھرسولی ۔ (۳) غلام رسول خاں زوجہ تمیزاً دختر الوفا خاں برلہ ۔ (۴) رجب علی خاں (۵) ہمت خاں (۴ و ۵) ناکتخدا فوت ۔ (۶) (۷) (۸) تین دختران جو بھرسولی برلہ میں بیاہی گئیں۔ **اولاد اکبر خاں** ۔ زینب زوجہ احمد حسین خاں باونہ ۔

اولاد غلام رسول خاں ۔ (۱) یعقوب خاں زوجہ دختر احمد سعید خاں بہیرہ (۲) زبیدہ زوجہ سعید خاں مرہسے (۳) امت اللہ زوجہ ستنے خاں باونہ **اولاد یعقوب خاں** ۔ (۱) یوسف خاں زوجہ فاطمہ دختر ستنے خاں باونہ (۲) یونس خاں ۔ **اولاد یوسف خاں** ۔ دو پسر ایک دختر ۔

اولاد حسن خاں ۔ ابن سردار خاں ۔ (۱) عنایت خاں (۲ لغایت ۶) پانچ دختران

اولاد عنایت خاں ۔ (۱) عبد الحمید خاں زوجہ اول جنت النسا چھپرہ زوجہ دوم فاطمہ چھپرہ (۲) محمد سعید خاں زوجہ دختر غلامی خاں چھپرہ ۔ (۳) کفایت النسا زوجہ شاہ محمد خاں برلہ ۔ (۴) جنت النسا زوجہ ہدایت علی خاں کھجوری ۔

اولاد عبد الحمید خاں ۔ (۱) عبد الصمد خاں زوجہ دختر محمد علی خاں چھپرہ دخیل چھپرہ ۔ (۲) عبد الجلیل خاں زوجہ امت المجیب دختر شاہ محمد خاں برلہ (۲) حامدہ دختر حاجی عبد الواسع خاں برلہ (۳) حامد خاں زوجہ اول دختر ابراہیم خاں سہاور زوجہ دوم دختر محمد خاں برلہ (۴) حمیداً زوجہ عبد الرشید خاں چھپرہ ۔ (۵) زہرا بیگم زوجہ عبد المتین خاں برلہ ۔

اولاد عبد الجلیل خاں ۔ (۱) نوح اللہ خاں زوجہ عمران فاطمہ دختر عبد الماجد خاں برلہ ۔ (۲) حکیم سمیع اللہ خاں پاکستان ۔ (۳) ہدایت النسا زوجہ یاسین خاں سراسے ۔

اولاد نوح اللہ خاں ۔ دو دختران ۔ **اولاد حامد خاں** ۔ (۱) زاہد خاں زوجہ اول دختر محمد خاں برلہ زوجہ دوم دختر عثمان خاں سراسے پاکستان ۔ (۲) شاہد خاں (۳) فرید الحسن خاں ۔ (۴ لغایت ۷) چار دختران ۔ **اولاد محمد سعید خاں** ۔ (۱) مولوی حاجی عبد الماجد خاں دخیل چھپرہ ۔ (دیکھو شجرہ چھپرہ) (۲) عبد المتین خاں زوجہ زہرہ دختر عبد الحمید خاں برلہ ۔ (۳) محمد خاں زوجہ دختر تمیز خاں عنایتی (۴) خلیل خاں زوجہ اصفیہ دختر عبد الحفیظ خاں برلہ پاکستان (۵) حبیب خاں زوجہ دختر عبد الصمد خاں چھپرہ پاکستان ۔

اولاد عبدالمتین خاں ۔ (۱) نورالعابدین خاں زوجہ دختر حاجی عبدالمجید خاں چھترہ (۲) زین العابدین خاں زوجہ دختر حاجی عبدالمجید خاں چھترہ ذیل چھترہ ۔ (۳) پسر (۴) دختر ۔

اولاد نورالعابدین خاں ۔ (۱) نورالعارفین خاں (۲) شمس العارفین خاں (۳ و ۴) دختران ۔

اولاد محمد خاں ۔ (۱) سعیدالحسن خاں عرف چمن زوجہ دختر یامین خاں سرائے پاکستان ۔ (۲) دختر (۳) دختر ۔

اولاد خلیل خاں ۔ (۱) حکیم یونس خاں پاکستان (۲) دختر زوجہ معین الدین خاں سراسے (۳) دختر زوجہ حکیم حمیدالزماں خاں حسن پور ۔

اولاد حبیب خاں ۔ (۱) عبیدالرحمٰن خاں ۔ (۲) فصیح الرحمٰن خاں ۔ (۳) صبیح الرحمٰن خاں (۴) دختر (۵) دختر پاکستان ۔

شاخ پنجم برلہ میں ایک خاندان بی بی کرامت النساء کا تھا جن کی زمینداری اچھی خاصی تھی ۔ ان کے شوہر اور مورثوں کے نام معلوم نہ ہو سکے ۔ ان کی لڑکی کی شادی عنبر کفو پٹھانان سکندرہ راؤ میں ہوئی ۔ اور ان کے بیٹے چودھری رفیق اللہ خاں ہوئے ۔ جو جوان عمری میں چند روز عیش کر کے فوت ہو گئے ۔ چودھری رفیق اللہ خاں کے بیٹے محمد مسلم خاں ہیں جن کی شادی عبدالقیوم خاں برلہ کی دختر کے ساتھ ہوئی ۔ چودھری رفیق اللہ خاں اور مسلم خاں کے زمانہ منسوخی زمینداری سے بہت قبل زمینداری ختم ہو گئی ۔

چودھری رفیق اللہ خاں کی شادی مقصود النساء دختر اللہ یار خاں برلہ کے ساتھ ہوا ۔

چودھری رفیق اللہ خاں کے انتقال کے بعد مقصود النساء نے دوسرا نکاح مصطفےٰ خاں برلہ کے ساتھ کر لیا ۔ چودھری رفیق اللہ خاں کی تین بہنیں تھیں ۔ ایک کی شادی طبال پور میں ہوئی ۔ اور ان کے بیٹے محمد خاں پولیس میں ملازمت کی حالت میں لاپتہ ہو گئے ۔ دوسری بہن کی شادی نواکے شروانی پٹھان خاندان میں حاجی خاں (عرف چپتلے حاجی خاں) کے ساتھ ہوئی ۔ تیسری کی شادی عمر خاں بجوری کے ساتھ ہوئی ۔ یہ خاندان شروانیوں میں گھل مل گیا ۔ چپتلے حاجی خاں کے چار بیٹے ہوئے یعنی (۱) شفیق اللہ خاں (۲) صالح خاں (۳) صابر خاں (۴) شمس الرحمٰن خاں ۔ شفیق اللہ خاں کی زوجہ دختر عبدالستار خاں چھترہ کی تھیں ۔ دوسری زوجہ طبال پور کی ہیں ۔ شفیق اللہ خاں مع خاندان پاکستان میں ہیں

اُن کے تین بیٹے ہیں یعنی عتیق اللہ خاں ۔ قمر الغنی خاں اور ایک جسکا نام نہیں معلوم ۔
صالح خاں اپنے لڑکے احمد نبی خاں کے ساتھ بھاموں میں رہتے ہیں ۔ جہاں حمدنی خاں
کی شادی ہوئی ۔ صابر خاں مع اپنے خاندان کے برلہ میں ۔ شمس الرحمٰن خاں کی
شادی طبال پور میں ہوئی اور اب وہ پاکستان میں ہیں ۔

۲۰ ۔ سراے

یہ موضع برلہ کا مزرعہ ہے مگر آبادی دونوں جگہ کی متصل اور ایک دوسرے کے قریب
ہے جیساکہ نام سے معلوم ہوتا ہے ۔ اسلامی عہد میں کبھی بسایا گیا ۔ گر یہاں ہندو عہد کی
کوئی پرانی آبادی تھی ۔ کیوں کہ راقم الحروف نے موسم برسات میں راستہ درمیانی سے
مٹی ہٹ جانے کے بعد پرانے زمانے کی بہت بڑی پختہ اینٹیں دیکھی ہیں ۔ یہاں ایک شکستہ
مندر گوسائیوں کا تھا ۔ اور اب تک وہ گوسائیں خاندان آباد رہے ۔ اس کی آبادی سے
قریب جانب شمال مغرب گنج شہیداں ہے ۔ جہاں کئی ایک شہدا کے مزار ہیں ۔ یہ
نہیں معلوم کس زمانے کے ہیں ۔ اس سے آگے او موضع مدالپور کے قریب ایک پرانا کھیڑا
ہے جہاں پرانی آبادی کے نشانات ہیں ۔ اس کی تاریخ پر پردہ پڑا ہوا ہے ۔ اور جب تک
کہ یہ کھودا نہ جاسے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جا سکتی ۔ یہ بحث کہ برلہ اور سراے کے پٹھان
یک جدی ہیں یا علیحدہ علیحدہ او پر درج کی گئی ہے ۔ اور دکھایا گیا ہے کہ ان دونوں کے مورث
ایک قول کے مطابق صفات خاں تھے اور اسی بات پر دونوں مواضعات میں ۱۸۲۰ء کے
لگ بھگ مقدمہ بازی رہی ۔ اور زمینداری متعلقہ دونوں مواضعات میں تقسیم ہوئی ۔

واللہ اعلم بالصواب !

شجرہ ۔ مورث اعلیٰ سراے کا نام صفات خاں کے بعد معلوم نہیں ہو سکا ۔ ان کی
اولاد میں محمد شیر خاں اور نصرت خاں ہوئے ۔

شاخ اول
اولاد محمد شیر خاں ۔ (۱) شہباز خاں (۲) دختر ۔
اولاد شہباز خاں ۔ (۱) جیون خاں ۔ (۲) قطب النسا

زوجہ کالے خاں سراے۔ **اولاد جیون خاں۔** (۱) عبدالشکور خاں زوجہ لطیف النساء
دختر علی محمد خاں برلہ۔ زوجہ ثانی غیر کفو رامپور ریاست۔ (۲) سعید خاں زوجہ اول حاجی نجیب خاں
دخیل سراے زوجہ دوئم دختر غلام رسول خاں برلہ۔ (۳) حافظ عبدالعزیز خاں زوجہ غیر کفو کھیرے
(۴) نور فاطمہ زوجہ ہادی یار خاں جھیرہ۔ **اولاد عبدالشکور خاں۔** (۱) بیتر فاطمہ زوجہ
حاجی حافظ فقیر اللہ خاں سراے (۲) عبدالغفور خاں زوجہ دختر عبدالحکیم خاں جھیرہ پاکستان
(۳) مسیح الزماں خاں زوجہ دختر سلیمان خاں برلہ پاکستان۔ (۴) محمد زماں خاں دخیل
بھوپال۔ (۵) از نکاح دوئم دختر زوجہ غلام محمد خاں قائم گنج پاکستان۔ (۲) کلیم الرحمٰن خاں
بی۔ اے پاکستان زوجہ غیر کفو جے پور۔

اولاد عبدالغفور خاں۔ (۱) قمر الزماں خاں پاکستان۔ (۲) دختر زوجہ حافظ
حفیظ اللہ خاں سراے۔ **اولاد مسیح الزماں خاں۔** (۱) وضیع الزماں خاں
زوجہ دختر شعیب خاں برلہ۔ (۲) دختر زوجہ عزیز الرحمٰن خاں برلہ (۳) دختر۔

اولاد محمد زماں خاں۔ (۱) پسر (۲) و (۳) دختران **اولاد محمد سعید خاں۔** (۱) مولوی
مسیح اللہ خاں زوجہ دختر ننھے خاں بابونہ۔ (۲) سمیع اللہ خاں زوجہ دختر یوسف خاں
سراے۔ (۳) انیسہ خاتون زوجہ مولوی خلیل احمد خاں عرف پیارے میاں قطب پور
علی گڑھ دخیل پاکستان۔ **اولاد مولوی مسیح اللہ خاں۔** دو پسران دو
دختران کم سن۔ **اولاد سمیع اللہ خاں۔** (۱) رضی اللہ خاں کم سن دو دختران
کم سن۔ **اولاد حافظ عبدالعزیز خاں۔** ایک پسر ایک دختر دخیل علی گڑھ۔

نور فاطمہ دختر جیون خاں کے بیٹے مصلح الدین خاں جھیرہ کی شادی امت القدیر دختر
نوازش علی خاں سراے کے ساتھ ہوئی۔ اُن کا بیٹا معین الدین خاں ہے جس
کی شادی دختر خلیل خاں برلہ کے ساتھ ہوئی۔ معین الدین خاں کی والدہ اور ان کا خاندان
(زوجہ۔ ایک بیٹا حسام الدین خاں ایک بیٹی اب پاکستان مغربی میں ہیں)

شاخ دوئم

اولاد نصرت خاں۔ (۱) شہراب خاں (۲) محراب خاں
(۳) عبداللہ خاں زوجہ سمیع بیگم دختر مصطفیٰ خاں جھیرہ۔

(۴) محمد خاں زوجہ حنیفاً دختر بھیکن خاں چھرہ۔ (۵) مجبو خاں لاولد۔ زوجہ پھوپی احمد حسین خاں باونہ۔ **اولاد شہراب خاں** ۔ (۱) گُل خاں پ ۱۸۰۰ئہ زوجہ حیات النساء دختر ذوالفقار خاں برلہ۔ **اولاد گل خاں** ۔ (۱) حاجی سرفراز خاں مصنف شروانی نامہ کے نانا زوجہ شکور النساء دختر امام خاں برلہ۔ (۲) حاجی خاں زوجہ بشیر النساء دختر خواجہ علی خاں برلہ مصنف شروانی نامہ کے دادا۔ (۳) جمعیت خاں زوجہ عہ۱ معصوماً دختر عمر خاں برلہ زوجہ دویم سراجاً ہمشیرہ بھیکن خاں باونہ۔
(۴) ہدایت اللہ خاں زوجہ عہ۱ کلثوماً دختر حافظ نور خاں برلہ زوجہ عہ۲ دختر کالے خاں سراے۔

اولاد حاجی سرفراز خاں ۔ (۱) سرور فاطمہ زوجہ حافظ عبدالحی خاں سراے راقم الحروف کی والدہ (۲) مغفور النساء زوجہ بدیع الزماں خاں برلہ (۳) عبدالملک خاں زوجہ مریم دختر عبدالستار خاں برلہ۔ **اولاد عبدالملک خاں** ۔ (۱) حبیب الرحمٰن زوجہ امجازی بیگم دختر حاجی عبدالواسع خاں برلہ (۲) شفیع الرحمٰن خاں زوجہ دختر محمد خاں برلہ۔ (۳) بشریٰ بیگم کمسن فوت (۴) حفیظہ بیگم زوجہ حکیم نور احمد خاں برلہ دخیل جلالی۔ (۵) اختری بیگم زوجہ یامین خاں سراے۔

اولاد حبیب الرحمٰن خاں ۔ (۱) فاروق احمد خاں پاکستان (۲) شہیر احمد خاں فوت ناکتخدا جوان ۔ (۳) شبیب نصرت خاں (۴) بشیر احمد خاں۔ (۵) ملکوتی بیگم زوجہ غیر کفو پاکستان۔ **اولاد شفیع الرحمٰن خاں** ۔ (۱) مسعود الرحمٰن خاں کمسن۔
(۲ - ۳ - ۴) دختران کمسن۔ **اولاد حاجی خاں** ۔ (۱) حافظ عبدالحی خاں زوجہ سرور فاطمہ دختر حاجی سرفراز خاں سراے۔ (۲) عبدالغنی خاں زوجہ عہ۱ فاطمہ دختر وارث علی خاں چھرہ زوجہ عہ۲ نور فاطمہ دختر عبدالصمد خاں سراے۔

اولاد حافظ عبدالحی خاں ۔ (۱) پسر فوت ناکتخدا (۲) دختر کمسن۔ (۳) حاجی محمد عباس خاں مصنف شروانی نامہ (۴) زبیدہ بیگم زوجہ یامین خاں سراے۔ (۵) ولدی حاجی الیاس خاں زوجہ امت القدیر بیوہ صلاح الدین خاں چھرہ لاولد۔ **اولاد حاجی محمد عباس** (۱) نورجہاں بیگم زوجہ محمد اویس خاں برلہ (۲) دختر کمسن فوت (۳) عنایت احمد خاں کمسن فوت۔

اولاد عبدالغنی خاں ۔ (۱) یامین خاں زوجہ زبیدہ بیگم دختر حافظ عبدالحی خاں سراے زوجہ دویم اختری بیگم دختر عبدالملک خاں سراے۔ (۲) عثمان خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر

عبدالواحد خاں برلہ زوجہ عـــ۲ دختر نوازش علی خاں برلہ پاکستان (۳) امت الودود زوجہ فراہیم خاں عنایتی پاکستان۔ **اولاد یامین خاں** ۔ (۱) یاسین خاں زوجہ اول ہدایت النساء دختر عبدالجمیل خاں برلہ۔ زوجہ دوم دختر حاجی غلام مجتبےٰ خاں برلہ پاکستان۔ (۲) حافظ شمس العارفین خاں پاکستان زوجہ دختر عثمان خاں سرائے۔ (۳) ولایت خاں (۴) دختر اشوری زوجہ بسیر محمد خاں برلہ پاکستان۔ **اولاد شمس العارفین خاں** ۔ سراج العارفین کم سن فوت۔ **اولاد عثمان خاں** ۔ (۱) لقمان خاں زوجہ دختر عبدالقہار خاں برلہ۔ (۲) دختر زوجہ حافظ شمس العارفین خاں سرائے۔ (۳) دختر صفدر زوجہ زاہد خاں برلہ (۴) دختر کشور پاکستان۔ **اولاد یاسین خاں** ۔ (۱) دختر زبدۃ الرحمٰن (۲) ناصر عباس خاں (۳) منصور عباس خاں پاکستان **اولاد جمعیت خاں** ۔ ابن گل خاں عرف موٹے میاں از نکاح اول (۱) وفاتی خاں زوجہ رحمت النساء دختر ہدایت اللہ خاں سرائے (۲) از نکاح دوم عبدالجبار خاں زوجہ فخر النساء دختر ہدایت اللہ خاں سرائے (۳) دختر ناکتخدا فوت۔ **اولاد وفاتی خاں** ۔ (۱) فضل الرحمٰن خاں ناکتخدا فوت (۲) محسن امت المغنی زوجہ حاجی عبدالسلام خاں برلہ دخیل سرائے۔ (۳) عبدالمنان خاں زوجہ امانت فاطمہ دختر عبدالجبار خاں۔ (۴) امت السمیع زوجہ مجیب الرحمٰن خاں سرائے۔

اولاد عبدالمنان خاں ۔ (۱) اخلاص احمد خاں زوجہ دختر رضوان اللہ خاں گھونہ۔ (۲) عفیفہ خاتون زوجہ تسبیح اللہ خاں سرائے۔ (۳) نہرا احمد خاں (۴) سعیدہ خاتون زوجہ نعیم انوار خاں ساکن قطب پور۔ علی گڑھ۔

اولاد اخلاص احمد خاں ۔ پسر کم سن فوت۔ **اولاد سعیدہ خاتون** ۔ (۱) پسر کم سن۔ (۲) دختر کم سن۔ **اولاد عبدالجبار خاں** ۔ (۱) مجیب الرحمٰن خاں زوجہ امت السمیع دختر وفاتی خاں سرائے۔ (۲) امانت فاطمہ زوجہ عبدالمنان خاں سرائے

اولاد ہدایت اللہ خاں ۔ ابن گل خاں۔ (۱) از نکاح اول رحمت النساء زوجہ وفاتی خاں سرائے (۲) از نکاح اول فخر النساء زوجہ عبدالجبار خاں سرائے۔ (۳) از نکاح دوم حشمت اللہ خاں زوجہ کنیز فاطمہ دختر عبدالرزاق خاں سرائے فوت جوان العمر لاولد۔

(۴) عظمت اللہ خاں فوت نا کتخدا۔ (۵) محیط اللہ خاں زوجہ بیوہ حشمت اللہ خاں (۶) امت العتیق زوجہ امانت اللہ خاں سرا سے۔

اولاد محیط اللہ خاں ۔ (۱) مطیع اللہ خاں زوجہ عفیفہ خاتون دختر عبدالمنان خاں (۲) اطیع اللہ خاں زوجہ محمدی بیگم دختر امانت اللہ خاں سراسے۔ **اولاد مطیع اللہ خاں** دختر۔ **اولاد اطیع اللہ خاں** ۔ پسر کم سن۔

شاخ سوم

اولاد محراب خاں ابن نصرت خاں ۔ (۱) کالے خاں زوجہ قطب النسا دختر شہباز خاں سراسے۔ (۲) دختر عرف بڑی بوا۔ **اولاد کالے خاں** ۔ وارث علی خاں ۔ زوجہ نواز دختر مداری خاں کناوہ۔ (۲) نوازش علی خاں زوجہ کبیر النسا دختر علی رضا خاں سراسے۔ (۳) دختر زوجہ ہدایت اللہ خاں سراسے۔ (۴) دختر زوجہ سکین خاں باونہ۔

اولاد وارث علی خاں (۱) حلیم النسا زوجہ خلیل خاں پردہ وغیل سراسے۔ (۲) اقلیم النسا زوجہ شفیق اللہ خاں کھجوری۔ (۳) ایوب خاں نا کتخدا فوت۔ (۴) زہرہ زوجہ سمیع اللہ خاں کناوہ

اولاد خلیل خاں وغیل سراسے حاجی ضیا الرحمٰن خاں۔

اولاد ضیاء الرحمٰن خاں ۔ پسران ۳ و دختران چار۔ **اولاد نوازش علی خاں** ۔ (۱) امانت اللہ خاں زوجہ امت العتیق دختر ہدایت اللہ خاں سراسے۔ (۲) اعانت اللہ خاں زوجہ امت الحیٔ دختر سلیمان خاں برلہ۔ (۳) نعمت اللہ خاں نا کتخدا فوت۔ (۴) امت القدیر زوجہ مصلح الدین خاں حصیرہ لیدہٗ مولوی حاجی الیاس خاں سراسے۔ **اولاد امانت اللہ خاں** ۔ محمدی بیگم زوجہ اطیع اللہ خاں سراسے۔ **اولاد اعانت اللہ خاں** ۔ (۱) امین الرحمٰن خاں (۲) فرید الرحمٰن خاں۔ (۳) دختر۔ **اولاد امین الرحمٰن خاں** ۔ دو پسران۔

اولاد فرید الرحمٰن خاں ۔ دو دختران۔

شاخ چہارم

اولاد محمد خاں ابن نصرت خاں ۔ (۱) قادر خاں زوجہ مریم دختر شاہ دل خاں حصیرہ لاولد۔ (۲) علی رضا خاں زوجہ دختر رحیب علی خاں کھیر۔ (۳) خدایار خاں زوجہ بی بی النسا دختر مداری خاں سراسے

(۴) منیر النساء زوجہ عبد الرحمٰن خاں چھپرہ (۵) سلیم النساء زوجہ حافظ عبد اللہ خاں چھپرہ۔

اولاد علی رضا خاں ۔ (۱) عبد الصمد خاں زوجہ ہدایت النساء دختر عبد اللہ خاں چھپرہ۔ (۲) احمد سعید خاں زوجہ دختر عبد اللہ خاں چھپرہ۔ (۳) عبد الرزاق خاں زوجہ نظیر النساء دختر خدا یار خاں سرائے۔ (۴) عبد اللطیف خاں زوجہ دختر عبد اللہ خاں چھپرہ۔ (۵) کبیر النساء زوجہ نوازش علی خاں سرائے۔ **اولاد عبد الصمد خاں** ۔ (۱) یوسف خاں زوجہ ہدایت النساء دختر حبیب اللہ خاں پردرہ۔ (۲) نور فاطمہ زوجہ عبد الغنی خاں سرائے۔

اولاد یوسف خاں ۔ (۱) محمد عمر خاں زوجہ برلہ (۲) دختر زوجہ پردرہ۔ (۳) دختر زوجہ سمیع اللہ خاں سرائے۔

اولاد محمد عمر خاں ۔ (۱) دختر (۲) پسر فوت کم سن ۲ دختران کم سن

اولاد احمد سعید خاں ۔ خلیل خاں عرف کلن خاں لاولد۔ **اولاد عبد الرزاق خاں** کنیز فاطمہ زوجہ حشمت اللہ خاں پسر حبیب اللہ خاں سرائے۔

شاخ پنجم

اولاد عبد اللہ خاں ابن نصرت خاں ۔ خانہ مداری خاں زوجہ دختر جہاں خاں چھپرہ۔

اولاد مداری خاں ۔ (۱) کریم اللہ خاں زوجہ دختر حضور محمد خاں طبال پور لاولد۔ (۲) رحیم اللہ خاں زوجہ چھگانی بی دختر رحیم علی خاں برلہ۔ (۳) نبی النساء زوجہ خدا یار خاں سرائے۔ (۴) علی النساء زوجہ اللہ یار خاں برلہ۔ **اولاد رحیم اللہ خاں** ۔ (۱) حمیداً زوجہ محمد خاں کھیرسہ (۲) رفیع اللہ خاں زوجہ جنت خاتون دختر رحمت اللہ خاں کناوہ۔ (۳) رفیق النساء زوجہ قطب الدین خاں کھیرسہ۔ (۴) صدیق النساء زوجہ حبیب الرحمٰن خاں پردرہ۔ (۵) محمودا عرف رنگوبی بی زوجہ حاجی عبد الرحمٰن خاں برلہ۔ **اولاد رفیع اللہ خاں** ۔ (۱) شفیع اللہ خاں زوجہ عابدہ خاتون دختر عبد القہار خاں برلہ۔ (۲) دختر مدینہ خاتون

اولاد شفیع اللہ خاں ۔ (۱) نصیح اللہ خاں۔ (۲) پسر (۳) پسر کم سن فوت۔ (۴-۵-۶) دختران

شاخ ششم

اولاد حاجی یحییٰ خاں ۔ جمیل سرائے زوجہ دختر بدر الدین خاں

کبیر ــــ (۱) دختر زوجہ سعید خاں سرائے (۲) حافظ حاجی فقیر اللہ خاں زوجہ انیہ فاطمہ دختر عبدالشکور خاں سرائے ۔ اولاد حاجی حافظ فقیر اللہ خاں (۱) حافظ حفیظ اللہ خاں زوجہ دختر عبدالغفور خاں سرائے ۔

اولاد حاجی حفیظ اللہ خاں (۱) دختر زوجہ کبیر ــــ (۲) پسر ۔ (۳) دختر ۔

۲۲ - پروره

ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ اس موضع کے شروانی پٹھان کئی ایک مواضعات میں جا کر آباد ہوئے ۔ یہاں کا سلسلہ اور مکمل شجرہ ہم کو نہیں مل سکا ۔ جو نام معلوم ہو سکے ذیل میں درج ہیں ۔ اس شجرہ میں کچھ لامعلوم نام درج نہیں ہیں اس سے سنہرہ اور قطب پور کے شجرہ پر روشنی پڑتی ہے ۔

شاخ اول مورث سعادت خاں ابن الہ دین خاں (الہ دین خاں کے والد کا نام معلوم نہ ہو سکا)

اولاد سعادت خاں ۔ (۱) بادل خاں زوجہ دختر ہمت خاں بہرام پور ۔ (۲) شکور النسا زوجہ شادل خاں گھونہ (۳) رحیم داد خاں (۴) کالے خاں زوجہ دختر ہمت خاں بہرام پور

اولاد بادل خاں ۔ (۱) دختر زوجہ پاسو خاں گھونہ ذیل پروره ۔ (۲) احمدی بیگم زوجہ عبدالمجید خاں برولی ۔ (۳) حبیب اللہ خاں زوجہ دختر کالے خاں پروره ۔ (۴) دختر زوجہ حبیب اللہ خاں ۔ (۵) دختر زوجہ قطب علی خاں گھونہ (۶) دختر زوجہ عنایت خاں برولی ۔

اولاد پاسو خاں ۔ کلن خاں ناکتخدا فوت جوان العمر ۔ **اولاد حبیب اللہ خاں** ۔ (۱) دختر اعجازی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں ۔ (۲) ہدایت النسا زوجہ یوسف خاں سرائے ۔

اولاد رحیم داد خاں ۔ (۱) عبداللطیف خاں زوجہ صغیرا دختر نذیر خاں چھچرہ (۲) علی النسا زوجہ عبدالعلیم خاں لبدہٗ عبدالجلیل خاں برلہ (۳) ولی النسا زوجہ عبدالکریم خاں برلہ

اولاد عبداللطیف خاں ۔ عبدالصمد خاں زوجہ دختر عبدالجلیل خاں برلہ ۔

اولاد عبدالصمد خاں ۔ (۱) دختر ۔ (۲) محمد خاں ۔

اولاد کالے خاں ۔ (۱) عبدالجلیل خاں زوجہ محمدی بیگم دختر فدایار خاں سراسے لاولد (۲) علی احمد خاں زوجہ عنایت خاں بیرولی لاولد ۔ (۳) دختر زوجہ حبیب اللہ خاں پرورہ ۔

شاخ دوم مورث نصرت خاں جو سعادت خاں مندرجہ بالا شاخ اول کے دادا کے بھائی تھے ۔ **اولاد نصرت خاں** ۔ مصطفےٰ خاں زوجہ الٹوا د بہرام پور ۔ **اولاد مصطفےٰ خاں** ۔ شاہ دل خاں زوجہ ہمشیرہ خواجہ علی خاں بھیرسولی ۔

اولاد شاہ دل خاں ۔ (۱) دختر زوجہ زین العابدین خاں بریرہ (۲) عبدالواحد خاں (۳) دختر زوجہ امام خاں برلہ ۔ **اولاد عبدالواحد خاں** ۔ (۱) علی مردان خاں زوجہ نیازی دختر علی رضا خاں طیال پور ۔ (۲) حسن رضا خاں زوجہ دختر محمد خاں بھیرسولی ۔ (۳) جیون بی بی زوجہ غلام قادر خاں کناوہ ۔ (۴) احمد رضا خاں زوجہ سراج النسا دختر محمد خاں بھیرسولی ۔

اولاد علی مردان خاں ۔ (۱) کلثوم زوجہ حفیظ خاں کناوہ ۔ (۲) ادریس خاں زوجہ خاتون دختر چھوٹے خاں طیال پور ۔ (۳) رقیہ زوجہ عبدالحفیظ خاں کناوہ ۔

اولاد حسن رضا خاں ۔ (۱) حبیب الرحمٰن خاں زوجہ دختر رحیم اللہ خاں سراسے ۔ (۲) عبدالرحمٰن خاں ۔ (۳) فضل الرحمٰن خاں ۔ (۴) حبیب فاطمہ ۔ **اولاد حبیب الرحمٰن خاں** (۱) امان فاطمہ زوجہ یونس خاں بھیرسولی ۔ (۲) نیاز فاطمہ زوجہ حاجی ضیاء الرحمٰن خاں پسر خلیل سراسے

اولاد احمد رضا خاں ۔ (۱) خلیل خاں زوجہ حلیمہ دختر وارث علی خاں سراسے ۔ (۲) الیاس خاں زوجہ عباسی دختر رحیم اللہ خاں کناوہ ۔ (۳) عبدالجبار خاں زوجہ ندیرا دختر عبدالغفور خاں بھیرسولی ۔ (۴) عبدالستار خاں زوجہ نجم اللہ خاں کناوہ ۔

اولاد خلیل خاں ۔ (۱) حاجی ضیاء الرحمٰن خاں زوجہ نیاز فاطمہ دختر حبیب الرحمٰن خاں پرورہ ۔ (۲) جمیل الرحمٰن خاں (۳) عرف ننھے خاں (۴) دختر زوجہ نور اللہ خاں دھنساری (۵) دختر ۔ **اولاد الیاس خاں** ۔ اسلام احمد خاں ۔ **اولاد عبدالستار خاں** ۔ (۱) ابراہیم خاں ۔ (۲) فراہیم خاں ۔

شاخ سوم **اولاد اصالت خاں مورث** (۱) وزیر النسا زوجہ نجف خاں گھونسہ ۔ (۲) کمان بی بی زوجہ غلام نبی خاں گھونسہ (۳) رضیا زوجہ

یعقوب خاں گھونہ (۴) صاحب النساء زوجہ علی رضا خاں پروره (۵) مرتضےٰ خاں زوجہ دختر بدھو خاں پروره دخیل سنہره ۔ (۶) خیر النساء زوجہ مداری خاں پروره ۔ (۷) یوسف خاں

اولاد مرتضےٰ خاں ۔ (۱) صدیقاً زوجہ عبدالعزیز خاں عرف اشیراتی خاں پروره (۲) دوست محمد خاں زوجہ دختر ہدایت اللہ خاں سہادرہ دخیل سنہرا ۔

اولاد دوست محمد خاں ۔ (۱) امت الرب زوجہ عبدالمتین خاں گھونہ (۲) امت الرحمٰن زوجہ عبداللطیف خاں سہادرہ (۳) امت المنی زوجہ عثمان خاں گھونہ (۴) عزیز محمد خاں زوجہ دختر عبدالستار خاں کناده دخیل سنہرا ۔ **اولاد یوسف خاں ۔** (۱) دختر زوجہ کریم داد خاں گھونہ (۲) دختر زوجہ نور اللہ خاں گھونہ (۳) فقیر اللہ خاں زوجہ اللہ بخشی دختر عمر خاں برلہ

اولاد فقیر اللہ خاں ۔ (۱) عزیز الرحمٰن خاں زوجہ اول وراثت فاطمہ دختر شیراز خاں گھونہ زوجہ دوم طاہرہ بیگم دختر حنیف خاں قطب پور ۔ (۲) عبدالغفار خاں زوجہ ۱ دختر نور اللہ خاں گھونہ زوجہ ۲ اکرام فاطمہ دختر عبدالرزاق خاں برلہ لاولد ۔ **اولاد عزیز الرحمٰن خاں ۔** از نکاح اول (۱) امان الرحمٰن خاں زوجہ دختر عبدالباقی خاں گھونہ دخیل گھونہ سکا سنگیج ۔ (۲) مخلص الرحمٰن خاں زوجہ منور فاطمہ دختر عبدالمتین خاں گھونہ دخیل گھونہ (۳) عنایت الرحمٰن خاں ۔ (۴) از نکاح دوم نبی الرحمٰن خاں ۔

شاخ چہارم نام مورث نامعلوم ۔ ان کے چار بیٹے ہوئے ۔ (۱) اختیار خاں (۲) مختار خاں ۔ (۳) دیندار خاں ۔ (۴) بخش اللہ خاں ۔

اولاد اختیار خاں ۔ (۱) لیاقت خاں دخیل قطب پور ۔ (۲) قایم خاں زوجہ ہمشیرہ شادل خاں دھنساری ۔ **اولاد قایم خاں ۔** (۱) جیون بی بی زوجہ اللہ وردی خاں قطب پور ۔ (۲) چھٹا بی بی زوجہ محمد خاں قطب پور (۳) مداری خاں زوجہ اصالت خاں پروره ۔

اولاد مداری خاں ۔ (۱) ولی محمد خاں زوجہ دختر سہراب خاں برلہ لاولد (۲) عبدالعزیز خاں عرف شیراتی خاں زوجہ ۱ صدیقاً دختر مرتضےٰ خاں پروره سنہرا ۔ زوجہ ۲ دختر کاسے خاں کھیسر ۔ **اولاد عبدالعزیز خاں ۔** (۱) رقیہ زوجہ صالح خاں برلہ ۔ (۲) نجیب فاطمہ زوجہ عبدالکفیل خاں چھپره ۔ (۳) شمیم فاطمہ زوجہ لیسر اعظم خاں کھجوری ۔ (۴) محمود خاں

زوجہ دختر محمود خاں جھیڑہ ۔ (۵) حکیم سمیع الزماں خاں دختر محمود خاں جھیڑہ ۔
اولاد حکیم سمیع الزماں خاں ۔ (۱) بسرا **اولاد بخش اللہ خاں** ۔ (۱) عزیز اللہ خاں
زوجہ دختر مداری خاں بہرام پور ۔ (۲) عبد اللہ خاں زوجہ ہمشیرہ احمد خاں سہاور ۔
اولاد عزیز اللہ خاں ۔ (۱) ہدایت اللہ خاں ۔ (۲) کفایت اللہ خاں زوجہ ۱ دختر
علی محمد خاں برلہ زوجہ ۲ دختر بخش اللہ خاں ۔ (۳) عبد الحمید خاں زوجہ کھموری ۔
اولاد کفایت اللہ خاں ۔ (۱) لطافت اللہ خاں زوجہ کنیز فاطمہ بردلی (۲) عنایت اللہ خاں
اولاد عبد الحمید خاں ۔ عبد النعیم خاں زوجہ مچھو خاں کھموری ۔ **اولاد عبد اللہ خاں** ۔ (۱)
حضور النسا یا وحید النسا زوجہ عنایت خاں طیال پور ۔

شاخ پنجم مورث کا نام نہیں معلوم ان کے دو بیٹے ہوئے ۔ (۱) جمال خاں (۲) کمال خاں ۔ **اولاد جمال خاں** ۔ (۱) علی محمد خاں زوجہ
غیر کفو ۔ (۲) دلاور خاں زوجہ غیر کفو ۔ (۳) دیا ... خاں نا کتخدا فوت ۔
اولاد علی محمد خاں ۔ (۱) رجب علی خاں ۔ (۲) فضل علی خاں ۔ (۳) ننھے خاں ۔ (۴)
جمیل خاں لاولد (۵) مجید خاں لاولد ۔ **اولاد فضل علی خاں** ۔ (۱) حمید خاں ۔ (۲)
حنیف خاں ۔ **اولاد حمید خاں** ۔ (۱) حبیب خاں ۔ (۲) حفیظ خاں ۔ (۳) حسین خاں
(۴) وحید خاں ۔ **اولاد حنیف خاں** ۔ شیث خاں ۔ **اولاد دلاور خاں** ۔ (۱)
حضور محمد خاں ۔ (۲) عیوض خاں ۔ (۳) جعفرو خاں ۔ **اولاد حضور محمد خاں** ۔ (۱) نور خاں
(۲) ظہور خاں ۔ **اولاد نور خاں** ۔ دختر

نوٹ ۔ یہاں عنایت خاں حضور پور والے رہتے تھے جو ستروالی برادری میں
ہر دلعزیز تھے ہم کی چولوں کا دعوے سے ذمت علاج کرتے تھے ۔ مگر افسوس ہے کہ ہم ان کے شجرہ
پر روشنی نہیں ڈال سکے ان کے مورثان کے نام نہیں معلوم ہو سکے وہ دتاولی میں بھی سکونت
رکھتے تھے ۔

۲۳ ۔ قطب پور

قطب پور میں جو کالی ندی کے کنارے آباد ہے ... التمش نے کچھ ایسی قوت جاذبہ

رکھی ہے کہ باہر سے کئی ایک شروانی خاندان یہاں آکر آباد ہوئے اور یہاں زمینداری اور خیلکاری کاشت حاصل کی۔ مکانات تعمیر کرائے۔ رؤسائے دتاولی نے نیل سازی کی کوٹھی تعمیر کرائی۔ مگر اب یہ موضع شروانی پٹھانوں سے قریب قریب خالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے پٹھانوں کی شاخیں جداگانہ ہیں۔ اگرچہ آپس میں شادی بیاہ ہوتے رہے۔ جو نام معلوم ہو سکے وہ ذیل میں درج ہیں۔

شاخ اول | مورث یاسین خاں ابن اعتبار خاں جو پروہ سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ اولاد یاسین خاں۔ (۱) الہ وردی خاں (۲) محمد خاں لاولد۔ (۳) خان زماں خاں لاولد۔ (۴) ہمت خاں (۵) دختر (۶) دختر۔

اولاد الہ وردی خاں۔ (۱) جہان علی خاں (۲) قطب علی خاں (۳) حنیف خاں (۴) اسماعیل خاں۔ (۵) فرخندہ بیگم زوجہ رحیم داد خاں پروہ۔ (۶) دختر زوجہ وارث علی خاں قطب پور

اولاد جہان علی خاں۔ (۱) احمد رضا خاں (۲) عبدالعلیم خاں۔ (۳) عبدالقدیر خاں لاولد۔ **اولاد احمد رضا خاں۔** (۱) رفیع اللہ خاں زوجہ دختر اسماعیل خاں بیرام پور دی (۲) ننھی بیگم زوجہ نور اللہ خاں بردلی۔ **اولاد عبدالعلیم خاں۔** ننھے خاں۔

اولاد قطب علی خاں۔ (۱) عبدالحلیم خاں۔ (۲) عبدالحق خاں۔ (۳) فاروق خاں (۴) دختر زوجہ بھاموں۔ **اولاد عبدالحلیم خاں۔** (۱) حقیق خاں (۲-۳-۴) پسران۔

اولاد عبدالحق خاں۔ دو پسران۔ اولاد فاروق خاں۔ پسر۔

اولاد حنیف خاں۔ (۱) نیاز احمد خاں زوجہ دختر امان اللہ خاں سہاور (۲) امۃ العزیز زوجہ صالح خاں برلہ۔ (۳) طاہرہ بیگم زوجہ عزیز الرحمٰن خاں پروہ۔

اولاد اسماعیل خاں۔ ننھے خاں۔ اولاد ننھے خاں۔ پسر۔

اولاد ہمت خاں۔ (۱) فاطمہ بیگم زوجہ عبدالرزاق خاں برلہ۔ (۲) کنیز فاطمہ زوجہ حنیف خاں قطب پور۔

شاخ دوم | اولاد وارث علی خاں جو سہاور سے یہاں آکر آباد ہو گئے۔ (۱) امۃ اللہ زوجہ عبدالغنی خاں سمرا سے راقم الحروف کی چچی

(۲) دختر زوجہ خوشوقت جلیل احمد خاں ۔ (۳) خلیل احمد خاں زوجہ بلقیس بیگم دختر خلیل علی گرڈھ دختر عباس علی خاں ڈھولنہ ۔ **اولاد خلیل احمد خاں** ۔ (۱) پرجبیں سلطانہ بیگم (۲) آصف سلطانہ بیگم ۔ **اولاد حاجی جلیل احمد خاں** ۔ (۱) پسر (۲) دختر پاکستان ۔

اولاد حاجی سعید احمد خاں ۔ (۱) پسر نا کتخدا فوت ۔ (۲) پسر عرف "ولد"

اولاد حیراتی خاں ۔ ابن نور خاں کنارہ خیل قطب پور ۔ (۱) نور محمد خاں زوجہ مسعودہ بیگم دختر عبد الصمد خاں [illegible] خیل تیجرہ پاکستان ۔ (۲) ادریس خاں ۔ (۳) دختر زوجہ شفیع الرحمن خاں [illegible] ۔ (۴) [illegible] بیگم زوجہ یونس خاں تیجرہ ۔ (۵) [illegible] بیگم زوجہ یونس خاں تیجرہ ۔

اولاد نور محمد خاں ۔ پسر پاکستان ۔

[illegible] سے اکبر قطب پور میں ہے ۔

اولاد نفیس احمد خاں ۔ فیاضی بیگم زوجہ شفیع الرحمن خاں بربرہ ۔

۲۴ - بہرام پور

اولاد حسین خاں ۔ (نام صاف نہیں ہے) ابن شہباز خاں ابن بندہ علی خاں ابن ملک معصوم خاں مورث اعلیٰ ۔ (۱) خدا بخش خاں ۔ (۲) یوسف خاں ۔

اولاد خدا بخش خاں ۔ (۱) ہادی خاں (۲) بہادر خاں ۔ (۳) خواجہ علی خاں ۔

شاخ اول | (۴) ہمت خاں ۔ (۱) و (۲) و (۳) کے بابت معلوم نہ ہو سکا کہ آیا سلسلہ منقطع ہو گیا یا اولاد کے کیا نام تھے ۔)

اولاد ہمت خاں ۔ (۱) محمد خاں ۔ (۲) ارادت خاں (۳) دختر (۴) حسن رضا خاں (۵) علی رضا خاں ۔ **اولاد محمد خاں** ۔ محمد شریف خاں ۔

اولاد محمد شریف خاں ۔ رجب علی خاں ۔ **اولاد رجب علی خاں** ۔ (۱) فیاض خاں (۲) ابراہیم خاں ۔ (۳) حافظ اسمٰعیل خاں پاکستان ۔ **اولاد ارادت خاں** ۔ (۱) سعد اللہ خاں (۲) ہدایت اللہ خاں ۔ (۳) انشاء اللہ خاں ۔ (۴) کالے خاں ۔

اولاد حسن رضا خاں ۔ دو دختران ۔ **اولاد علی رضا خاں** ۔ ایک دختر ۔

اولاد عیوض خان ۔ (۱) حضور محمد خان زوجہ دختر کالے خان کھیر ۔ (۲) احمد رضا خان زوجہ دختر صاحب داد خان ذیل چھپرہ ۔ **اولاد حضور محمد خان** ۔ (۱) شیراز خان زوجہ دختر علی مردان خان کھیر ۔ **اولاد احمد رضا خان** ۔ (۱) محمد خان زوجہ حمیدا دختر رحم اللہ خان سراسے ۔ (۲) عبدالستار خان زوجہ دختر ہادی یار خان ذیل شاہجہان آباد ۔ (۳) عبدالرشید خان زوجہ دختر علی مردان خان کھیر ۔ **اولاد اکبر خان** ۔ (۱) قطب علی خان زوجہ بہادر ۔ (۲) افضل خان زوجہ دختر عیوض خان کھیر ۔ (۳) رجب علی خان ۔

اولاد قطب علی خان ۔ دو پسر نام لامعلوم ۔ ایک دختر ۔ **اولاد افضل خان** ۔ (۱) محمد شریف خان ۔ (۲) پسر ۔ (۳) دختر زوجہ محمود خان کھیر ۔ (۳) دختر زوجہ تراب خان شاہجہان آباد ۔ (۴) دختر زوجہ بہرام پور ۔ (۵) دختر زوجہ احمد یار خان چھپرہ ۔

اولاد بخشش اللہ خان ۔ (۱) بدرالدین خان زوجہ دختر اکبر خان کھیر ۔

اولاد بدرالدین خان ۔ (۱) شمس الدین خان زوجہ دختر علی مردان خان برلہ (۲) کمال بی بی زوجہ حاجی بیگ خان سراسے ۔ (۳) دختر زوجہ علی رضا خان کھیر ۔ (۴) قطب الدین خان زوجہ دختر چاند خان کھیر ۔ بیوہ دختر رحیم اللہ خان سراسے ۔ (۵) احمد سعید خان ۔

اولاد شمس الدین خان ۔ (۱) عبدالحکیم خان (۲) پسر ۔

اولاد قطب الدین خان ۔ (۱) نصیر اللہ خان زوجہ دختر محمد خان کھیر ۔ (۲) حکیم اللہ خان زوجہ دختر قطب علی خان کھیر ۔ **اولاد ننھے خان** ۔ (۱) علی رضا خان زوجہ دختر بخشش اللہ خان کھیر ۔ (۲) حبیب خان زوجہ دختر بخشش اللہ خان کھیر ۔ (۳) ظہور اللہ خان نا کتخدا فوت ۔ **اولاد کالے خان** ۔ (۱) ارادت خان (۲) ہدایت خان (۳) کفایت اللہ خان (۴) کرامت خان (۵) محمود خان ۔ **اولاد حسین خان** ۔ (۱) غفور اللہ خان دختر وزیر محمد خان کھیر ۔ (۲) نور اللہ خان زوجہ کھیر ۔ (۳) دختر زوجہ وزیر محمد خان عرف بھیو خان کھیر ۔

ماسٹر عبدالحکیم خان کھوری سے بیان کیا اپنی سسرال میں آباد ہوئے ۔ ان کے لڑکے نثار اللہ خان ۔ انشاء اللہ خان ہیں ۔

علی مردان خان پیال کے سردار اور خوشحال پٹھانوں میں تھے ۔

۲۶۔ قصبہ سہاور ضلع ایٹہ

جیسا کہ ہم نے اوپر کتاب کے حصہ دوم کے آخر میں عرض کیا ہے سہاور کے بٹنی پٹھانوں کا مندرجہ ذیل شجرہ اس لحاظ سے نامکمل ہے کہ اس میں اولاد اناث اور زود گان کے بہت سے نام چھوٹ گئے ہیں۔ یہ شجرہ اس بڑے شجرہ سے نقل کیا گیا جو چودھری عبدالقیوم خاں صاحب سے ملا۔ چودھری عبدالواحد خاں اور دیگر حضرات سے بھی مدد لی گئی۔ اگر اس میں کچھ نادانستہ فروگذاشتیں ہوں تو ناظرین معاف کریں۔ چونکہ اس شجرے کے مندرجہ مورث اعلیٰ کے بعد ماشاءاللہ یہاں کے بٹنی خاندان میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کے بعض خاندان باوجود یک جدی ہونے کے ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ اور زمانۂ موجودہ کے اصحاب کو اپنے مورثان کے نام تک یاد نہ رہے۔ ان کے تفصیلی حالات تو کیا، بہرحال یہی غنیمت ہے کہ اتنے نام اس ناچیز کتاب کے ذریعہ محفوظ ہو جائیں گے۔ آئندہ کا علم عالم الغیب والشہادہ کو ہے۔

ہم نے اس شجرہ میں یہ ترتیب رکھی ہے کہ مورث کے بعد آخر تک ایک ایک شاخ کے نام لے لئے ہیں۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ معمولی طرز میں لکھنے میں بہت طوالت تھی۔

شاخ فیروز خاں خاندان چودھری نوراللہ خاں

مورث اعلیٰ ملک مغیث خاں تھے ان کے دو بیٹے ہوئے (۱) فیروز خاں اور (۲) مصطفیٰ خاں۔ فیروز خاں کی اولاد بہت پھیلی پھولی۔

اولاد فیروز خاں ۔ (۱) بچن خاں۔ (۲) جوہر خاں (۳) رحمن خاں لاولد (۴) علی خاں (۵) گدائی خاں۔ (۶) تکین خاں۔

اولاد بچن خاں ۔ فرید خاں۔ **اولاد فرید خاں** ۔ جھجو خاں۔ **اولاد جھجو خاں** (۱) بشارت خاں۔ (۲) کمال خاں لاولد۔ (۳) نصرت خاں۔ **اولاد بشارت خاں** ۔ بیجا خاں لاولد۔ **اولاد نصرت خاں** ۔ (۱) عمر خاں لاولد۔ (۲) علیم اللہ خاں (۳) ہادی خاں۔

اولاد علیم اللہ خاں ۔ (۱) بخشی خاں لاولد۔ (۲) خواجہ علی خاں (۳) امام خاں زوجہ دختر

دختر نبیر احمد خاں سہاور (۳) باشا راللہ خاں۔ زوجہ دختر نبیر احمد خاں سہاور (۴) بخشی بیگم زوجہ حافظ رفعت خاں ڈھولنہ۔

اولاد عظیم اللہ خاں ۔ (۱) عمر دراز خاں زوجہ دختر شفیع الرحمٰن خاں عرف شفیع اللہ خاں سہاور (۲) انیسہ بیگم زوجہ سبط علی خاں سہاور۔ (۳) نفیسہ بیگم زوجہ اول سبط علی خاں بعدہٗ زوجہ دوئم عبدالواجد خاں سہاور۔ **اولاد مجتبےٰ خاں** ۔ (۱) عابدہ خاتون زوجہ عبدالحلیم خاں مومن لنگاہ۔ (۲) منیرہ بیگم زوجہ انیس الرحمٰن خاں سہاور (۳) غلام مصطفیٰ خاں زوجہ دختر عبداللہ خاں ٹنڈولی۔ (۴) باسط اللہ خاں پاکستان۔

اولاد باشار اللہ خاں ۔ قدسیہ خاتون زوجہ حکیم الیاسین خاں سہاور۔

اولاد غلام مصطفےٰ خاں ۔ لیپر۔ **اولاد ہادی داد خاں ابن نصرت خاں** ۔ (۱) غلام علی خاں ۔ (۲) منو خاں زوجہ جیدو بی بی کھجوری۔ (۳) انور خاں (۴) دلکش خاں دخیل ٹنڈولی (۵) کالے خاں زوجہ عقیدہ النساء دختر جیوت خاں پیلہ۔ (۶) قطب الدین خاں۔

اولاد غلام علی خاں ۔ (۱) سہراب خاں (۲) ناصر علی خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ غالباً جیون بی بی دختر کالے خاں کھجوری۔ (۳) نصیب خاں (۴) بخشی النساء زوجہ اکبر خاں بن حیات خاں کھجوری۔ **اولاد سہراب خاں** ۔ (۱) علی مردان خاں زوجہ منیر النساء دختر محمود خاں لناوہ (۲) دقاتی خاں زوجہ دختر محمد علی خاں سہاور۔ (۳) علی حسین خاں (۴) نبیا زوجہ اشرف خاں کنوپی۔ (۵) مریم زوجہ ظہور احمد خاں بھیکم پور۔ (۶) مشرف النساء زوجہ دوندے خاں ادھولنہ (۷) بلاقا بی بی زوجہ رحمت خاں ڈھولنہ۔ **اولاد علی مردان خاں** ۔ (۱) علی احمد خاں زوجہ وہاجا دختر ظہور احمد خاں بھیکم پور (۲) ولی احمد خاں زوجہ سکینہ بیگم دختر غلام قادر خاں ٹنڈولی

اولاد علی احمد خاں ۔ (۱) منیر احمد خاں زوجہ اقلیمہ بیگم دختر غازی الدین خاں کھجوری۔ (۲) حامدت الہادی زوجہ فضل الرحمٰن خاں ڈھولنہ۔

شاخ فیروز خاں خاندان منیر احمد خاں

اولاد منیر احمد خاں ۔ (۱) رحانہ خاتون زوجہ مجتبےٰ خاں سہاور (۲) دختر زوجہ باشار اللہ خاں سہاور (۳) شبیر احمد خاں زوجہ عابدہ بیگم دختر ایوب خاں مومن لنگاہ۔

اولاد شبیر احمد خاں ۔ (۱) مشتیر احمد خاں زوجہ سعادت فاطمہ دختر حاجی عیسےٰ خاں دتاولی ۔ (۲) ضمیر احمد خاں ۔ (۳) دختر زوجہ جعفر علی خاں بلونہ کھبوری ۔ (۴) دختر زوجہ اسلام اللہ خاں بلونہ ۔ **اولاد ولی احمد خاں** ۔ (۱) ارشاد احمد خاں (۲) شفیع احمد خاں (۳) نذیر احمد خاں ۔ (۴) دختر زوجہ نبی احمد خاں ٹنڈولی ۔ **اولاد شفیع احمد خاں** ۔ (۱) عزیز احمد خاں (۲) حبیب احمد خاں ۔ **اولاد عزیز احمد خاں** ۔ (۱) نسیم احمد خاں (۲) حسین احمد خاں ۔ (۳) شبیہ احمد خاں (۴) فرید احمد خاں (۵) سعید احمد خاں

اولاد نذیر احمد خاں ۔ (۱) منظور احمد خاں (۲) شافیہ بیگم زوجہ عبد اللہ خاں ٹنڈولی ۔

خاندان ناصر علی خاں

اولاد ناصر علی خاں ابن غلام علی خاں ابن ہادی داد خاں منظہر علی خاں عرف نجو خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ عزیز النساء دختر گداسی خاں کھبوری ۔ **اولاد نصیب خاں** ابن غلام علی خاں ۔ (۱) غوث محمد خاں زوجہ دختر حاجی حسن علی خاں ٹنڈولی ۔ (۲) قمر علی خاں ۔

شاخ فیروز خاں خاندان غوث محمد خاں حمایت علی خاں کفایت علی خاں وغیرہ

اولاد غوث محمد خاں ۔ (۱) ولایت علی خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ جنت فاطمہ ہمشیرہ ہادی یار خاں دادوں ۔ (۲) حمایت علی خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ عفت فاطمہ ہمشیرہ ہادی یار خاں دادوں (۳) کفایت علی خاں د ۱۸۹۵ء زوجہ محبوبہ خاتون دختر ظہور اللہ خاں سہاور ۔ **اولاد ولایت علی خاں** ۔ خاتون زوجہ عبد الرشید خاں سہاور دختر خلیل دادوں ۔ **اولاد حمایت علی خاں** ۔ عبد الرشید خاں خلیل دادوں زوجہ خاتون دختر حمایت علی خاں سہاور ۔ **اولاد کفایت علی خاں** ۔ (۱) عزیز الحق خاں زوجہ ماجدہ بیگم دختر محمد شریف خاں رکھالہ ۔ (۲) عبد المعید خاں زوجہ امت الرقیب دختر قمر علی خاں گنوتیا (۳) سلیمان خاں زوجہ تمیز جہاں ہمشیرہ محمد انس خاں رحیم جلیل علی گڑھ (۴) سید علی خاں د ۱۹۲۳ء زوجہ انیسہ بیگم بیوہ نصیحہ بیگم دختر عظیم اللہ خاں سہاور (۵) عبد الواجد خاں زوجہ اول صابرہ بیگم دختر مسیح اللہ خاں ڈھولنہ ۔ زوجہ دوم نصیحہ بیگم دختر عظیم اللہ خاں سہاور ۔

اولاد عزیز الرحمٰن خاں ۔ (۱) مجیب الرحمٰن خاں (۲) ڈاکٹر جمیل الرحمٰن خاں زوجہ دختر حبیب اللہ خاں سہادر ۔ (۳) مولوی حمید الرحمٰن خاں (۴) حبیب الرحمٰن خاں (۵) حامد الرحمٰن خاں ۔ (۶) سعید الرحمٰن خاں

اولاد ڈاکٹر جمیل الرحمٰن خاں ۔ محبوب الرحمٰن خاں ۔ **اولاد عبد المجید خاں** (۱) معروف الرحمٰن خاں (۲) عارف الرحمٰن خاں (۳) انیس الرحمٰن خاں ۔

اولاد عارف الرحمٰن خاں ۔ (۱) محمود عارف خاں (۲) انیس عارف خاں ۔

اولاد سبط علی خاں ۔ آمنہ خاتون زوجہ حافظ علی خاں سہادر ۔

اولاد عبد الواجد خاں ۔ (۱) حافظ علی خاں زوجہ آمنہ خاتون دختر سبط علی خاں (۲) اصغر علی خاں و ۱۹۵۲ء (۳) محفوظ علی خاں فوت جوان ۱۹۵۳ء (۴) عبد الاحد خاں (۵) ناصر علی خاں (۶) مظہر علی خاں (۷) اکبر علی خاں (۸) عبد العلی خاں (۹) دختر زوجہ سعید الزماں خاں حسن پور پاکستان ۔ **اولاد منو خاں ابن ہادی داد خاں ابن نصرت خاں** (۱) شاہ محمد خاں ۔ (۲) نور خاں ۔ **اولاد شاہ محمد خاں** ۔ (۱) اعظم علی خاں (۲) امجد علی خاں زوجہ نذیر النساء دختر غلام مرتضٰے خاں باوڑہ ۔ **اولاد اعظم علی خاں** ۔ (۱) یعقوب خاں (۲) یونس خاں ۔ (۳) اکرام اللہ خاں ۔ **اولاد یعقوب خاں** ۔ (۱) نعمت خاں ۔ (۲) دختر زوجہ شمس الضحیٰ خاں عنانی ۔ **اولاد نعمت خاں** ۔ (۱) ۔۔۔ اللہ خاں ۔ (۲) رفعت اللہ خاں

شاخ فیروز خاں
خاندان حکیم الیاس خاں
سمیع اللہ خاں

اولاد امجد علی خاں (۱) اتفاق خاں زوجہ حامدت العزیز دختر حاجی مغفور اللہ خاں باوڑہ (۲) حکیم الیاس خاں زوجہ بتول فاطمہ دختر حاجی مغفور اللہ خاں باوڑہ (۳) امت العظیم زوجہ مولوی ظفر حسن خاں باوڑہ ۔

اولاد حکیم الیاس خاں ۔ (۱) حکیم الیاس یاسین خاں زوجہ قدسیہ خاتون دختر نشار اللہ خاں سہادر (۲) آل یاسین خاں فوت جوان عمر ۱۹۲۷ء ۔ بردواز زوجہ خاندانی (۳) ابو العاص خاں (۴) اخلاص خاں (۵) دختر بسم اللہ زوجہ غیر کفو ساہ بستی ساکنہ بیٹیالی ۔

اولاد نور خاں ۔ مغفور اللہ خاں ۔ **اولاد مغفور اللہ خاں** ۔ (۱) سلیم اللہ خاں (۲) سمیع اللہ خاں (۳) دختر زوجہ مذکور اللہ خاں دخیل شدہ ۔

اولاد سمیع اللہ خاں - صنعت اللہ خاں - **اولاد صنعت اللہ خاں** - (۱) ضیاء اللہ خاں (۲) رضاء اللہ خاں - (۳) ثناء اللہ خاں - **اولاد انور خاں** - ابن ہادی داد خاں - احمد خاں جنکا سلسلہ منقطع ہوگیا -

شاخ فیروز خاں
خاندان دانش خاں

اولاد دانش خاں - ابن ہادی داد خاں - (دانش خاں کبھی سہاور میں رہے کبھی ٹنڈولی میں - ان کی اولاد دونوں جگہ تقسیم ہوئی -) دانش خاں کی زوجہ اصالت خاں ٹنڈولی کی بیٹی تھیں - (۱) حفیظ محمد خاں - (۲) فیض محمد خاں - (۳) غلام رسول خاں - (۴) غلام محمد خاں - (۵) غلام قادر خاں - (۶) غلام نبی خاں زوجہ دختر عیوض خاں ٹنڈولی - (۷) بھیکن خاں دخیل ٹنڈولی - **اولاد حفیظ محمد خاں** - (۱) حافظ عبدالرحمن خاں - (۲) عبدالباقی خاں - (۳) عبداللہ خاں زوجہ دختر شیر [illegible] خاں رکھالہ (۴) دختر کنیز فاطمہ زوجہ نصیر اللہ خاں کناوہ - **اولاد عبدالباقی خاں** - عبدالہادی خاں -

اولاد عبداللہ خاں - (۱) امان اللہ خاں - (۲) رضوان اللہ خاں - (۳) عرفان اللہ خاں (۴) دختر زوجہ شاکر خاں بریہرہ - **اولاد فیض محمد خاں** - (۱) فیض احمد خاں دخیل قطب پور (۲) صدیق احمد خاں زوجہ اسرار فاطمہ دختر قمر علی خاں کناوہ

اولاد فیض احمد خاں - دختر زوجہ شفیع الرحمن خاں بریہرہ -

اولاد صدیق احمد خاں - (۱) تصدیق احمد خاں - (۲) لقولیقی احمد خاں (۳) دختر زوجہ فرخ زماں خاں حسن پور - **اولاد غلام نبی خاں** - مذکور اللہ خاں دخیل ٹنڈولی - (مذکور اللہ خاں کی اولاد کے لیے دیکھو شجرہ ٹنڈولی) (۲) مطلوب فاطمہ زوجہ ولی محمد خاں -

خاندان مذکور اللہ خاں
شریف خاں
ایوب خاں

اولاد بھیکن خاں دخیل ٹنڈولی محمد شریف خاں جو ٹنڈولی سے رکھالہ میں چلے گئے - اور ان کے بیٹے ایوب خاں وہاں سے موہن نگلہ میں جا بسے - ہادی داد خاں کے پسران کالے خاں - قطب الدین خاں کا سلسلہ نسل غالباً منقطع ہوگیا - یا ہم کو معلوم نہ ہو سکا -

اولاد داؤد خاں پسر چہارم نصرت خاں ابن پیر محمد خاں ۔ (۱) سرور خاں (۲) الف خاں
اولاد الف خاں ۔ (۱) ہمت خاں ۔ (۲) شجاعت خاں ۔
اولاد ہمت خاں ۔ (۱) مردان خاں لاولد ۔ (۲) شجاعت خاں زوجہ علیا دختر عیوض خاں بھوری بخیل بھوری ۔ (۳) دلاور خاں زوجہ کریا کنادہ ۔
اولاد سخاوت خاں ۔ (۱) صفدر خاں ۔ (۲) علی احمد خاں ۔
اولاد صفدر خاں ۔ شفیق خاں ۔ اولاد علی احمد خاں ۔ عبد الحیٔ خاں ۔
اولاد دلاور خاں ۔ (۱) ولی محمد خاں زوجہ کلثوما دختر علائی خاں کنادہ ۔ (۲) نور خاں ۔ (۳) محمد رضا خاں ۔ (۴) احمد رضا خاں زوجہ دختر سبکتگین خاں شنڈوتی ۔

خاندان نور محمد خاں

اولاد علی خاں پسر فیروز خاں ابن ملک مغیث خاں ۔ (۱) مصاحب خاں ۔ (۲) حسین خاں ۔ (۳) نور محمد خاں ۔
اولاد مصاحب خاں ۔ رسول خاں ۔ اولاد رسول خاں ۔ مکھن خاں ۔
اولاد مکھن خاں ۔ مظفر خاں ۔

خاندان بلند خاں اول چوک والے

اولاد مظفر خاں ۔ بلند خاں اول (جن کے نام سے محلہ چوک بلند خاں ہے)
اولاد بلند خاں اول ۔ عظیم اللہ خاں ۔
اولاد عظیم اللہ خاں ۔ (۱) قطب علی خاں زوجہ ہمشیرہ عبد الرحمٰن خاں بھاول (۲) وارث علی خاں ۔ اولاد قطب علی خاں ۔ طفیل احمد خاں زوجہ دختر تقی خاں سہادرہ
اولاد طفیل احمد خاں ۔ (۱) کفیل احمد خاں ۔ (۲) جمیل احمد خاں ۔ (۳) علی اوسط خاں
اولاد کفیل احمد خاں ۔ (۱) رحمت کمال خاں ۔ (۲) فضیل احمد خاں ۔ (۳) عقیل احمد خاں
اولاد وارث علی خاں ۔ دخیل قطب پور عبد الصمد خاں جو پھر سہاورہ میں واپس آ گئے ۔ (دیکھو شجرہ قطب پور) اولاد عبد الصمد خاں ۔ عبد الوارث خاں ۔
اولاد عبد الوارث خاں ۔ (۱) عبد الباسط خاں ۔ (۲) فرید احمد خاں ۔
اولاد حسین خاں ابن علی خاں ابن فیروز خاں ۔ خضر خاں ۔

اولاد خضر خان ۔ پسر اسم نامعلوم ۔ **اولاد پسر خضر خان** ۔ (۱) اللہ داد خان ۔
اولاد الہ داد خان ۔ عالم شیر خان ۔ (۲) طالعور خان ۔ **اولاد عالم شیر خان** ۔ (۱)
خیراتی خان ۔ (۲) پسر اسم نامعلوم لاولد ۔ **اولاد خیراتی خان** ۔ ننھے خان ۔
اولاد ننھے خان ۔ (۱) عبدالغفار خان (۲) عبدالجبار خان ۔
اولاد نودھو خان ابن علی خان ابن فیروز خان ۔ شیر خان ۔ **اولاد شیر خان** (۱)
حاجب خان ۔ (۲) شادی خان ۔ **اولاد حاجب خان** ۔ جہادم خان ۔
اولاد جہادم خان ۔ رحمت خان ۔ **اولاد شادی خان** ۔ بہچو خان ۔
اولاد بہچو خان ۔ (۱) محمد زمان خان ۔ (۲) شیر زمان خان ۔ (۳) عیوض خان
(۴) تاج خان ۔ **اولاد محمد زمان خان** ۔ علی رضا خان ۔ **اولاد علی رضا خان** (۱)
امداد علی خان زوجہ حمیدا دختر غوث علی خان کناوہ ۔ **اولاد امداد علی خان** ۔ (۱) انعام اللہ خان
(۲) دختر زوجہ زاہد خان کناوہ **اولاد انعام اللہ خان** ۔ (۱) امداد احمد خان ۔ (۲) سلامت اللہ
خان ۔ (۳) نعیم اللہ خان ۔ **اولاد نعیم اللہ خان** ۔ انعام کبریا خان ۔
اولاد تاج خان ۔ (۱) اکبر خان ۔ (۲) مرتضیٰ خان ۔ **اولاد اکبر خان** (۱) ولایت علی خان
(۲) سبحان علی خان ۔ **اولاد مرتضیٰ خان** ۔ (۱) غلام نبی خان ۔ (۲) فضل نبی خان (۳)
دختر زوجہ علی احمد خان بھوری ۔
اولاد جوہر خان پسر فیروز خان ۔ گداسی خان ۔ **روشن خان پسر فیروز خان** لاولد ۔

شاخ فیروز خان
خاندان گدائی خان

اولاد گدائی خان پسر فیروز خان (۱) چٹا خان (۲) سبحان خان
اولاد جان خان ۔ علی شیر خان ۔ **اولاد علی شیر خان** ۔ (۱)
جمشید خان ۔ (۲) ننھے خان ۔ **اولاد جمشید خان** ۔ شمشیر خان
اولاد شمشیر خان ۔ (۱) علم شیر خان لاولد (۲) فضل شیر خان ۔ (۳) کرم شیر خان (۴)
رحیم شیر خان ۔ **اولاد فضل شیر خان** ۔ محمد شیر خان ۔ **اولاد محمد شیر خان** ۔
نور محمد خان ۔ **اولاد کرم شیر خان** ۔ محمد علی خان ۔ **اولاد رحیم شیر خان** ۔ دل شیر خان
عرف سفو خان ۔ **اولاد دل شیر خان** ۔ (۱) محبوب اللہ خان لاولد ۔ (۲) حبیب اللہ خان ۔

شاخ فیروز خاں
خاندان حبیب اللہ خاں

اولاد حبیب اللہ خاں ۔ حبیب اللہ خاں زوجہ ہاجرہ بیگم دختر غلام نبی خاں ساکن ٹنڈولی ۔ **اولاد حبیب اللہ خاں** (۱) رحمت اللہ خاں زوجہ فاروقی بیگم دختر محمود خاں بھیکم پور ۔ (۲) طبیع اللہ خاں زوجہ اول دختر امیر اکبر خاں سماور زوجہ دوم فاروقی بیگم بیوہ مولوی ظفر حسن خاں بلونہ ۔ (۳) توصیف اللہ خاں زوجہ دختر مذکور اللہ خاں ٹنڈولی ۔ (۴) حکیم حشمت اللہ خاں زوجہ دختر حامد علی خاں سماور ۔ (۵) حکیم سعادت اللہ خاں زوجہ دختر شفیع الرحمٰن خاں سماور (۶) دختر زوجہ ڈاکٹر جمیل الرحمٰن خاں ۔ (۷) حفیظ فاطمہ زوجہ وحید الزماں خاں حسن پور ۔ **اولاد رحمت اللہ خاں** ۔ دختر ۔ زوجہ طفیل احمد خاں بھوری ۔ **اولاد طبیع اللہ خاں** ۔ از نکاح دوئم [illegible] بیگم بی ایس سی کلاس

اولاد توصیف اللہ خاں ۔ (۱) تعریف اللہ خاں (۲) و (۳) پسران و چہار دختران ۔

اولاد حکیم حشمت اللہ خاں ۔ (۱) وجاہت اللہ خاں ۔ (۲) صبغت اللہ خاں (۳) احمد حبیب خاں (۴) احتشام اللہ خاں ۔ **اولاد حکیم سعادت اللہ خاں** ۔ (۱) سعید الظفر خاں (۲) حمید الظفر خاں ۔ **اولاد نتھے خاں** پسر دوئم علی شیر خاں ۔ سردار خاں ۔

اولاد سردار خاں ۔ (۱) امیر خاں لاولد ۔ (۲) وزیر خاں ۔ **اولاد وزیر خاں** ۔ (۱) نور خاں ۔ (۲) ظہور خاں ۔ (۳) غفور خاں زوجہ دختر سرمست خاں کناوہ ۔

اولاد نور خاں ۔ (۱) یعقوب خاں (۲) جہان علی خاں ۔ **اولاد ظہور خاں** ۔ (۱) احمد علی خاں ۔ (۲) امداد علی خاں ۔ **اولاد غفور خاں** ۔ (۱) جلیل خاں ۔ (۲) جمیل خاں ۔

خاندان گدائی خاں
محمد خاں
حافظ احمد خاں

اولاد سبحان خاں ابن گدائی خاں ابن فیروز خاں ۔ (۱) حسن خاں ۔ (۲) دوندے خاں ۔ **اولاد حسن خاں** ۔ کالے خاں **اولاد دوندے خاں** ۔ سعادت خاں ۔ **اولاد سعادت خاں** ۔ (۱) ارادت خاں ۔ (۲) اکبر خاں ۔ **اولاد اکبر خاں** ۔ (۱) محمد خاں ۔ (۲) حافظ احمد خاں زوجہ دختر کرامت خاں بہرہ ۔ **اولاد محمد خاں** ۔ (۱) محمد سعید خاں زوجہ دختر ارادت خاں بہرہ (۲) تقی خاں

(۳) تقی خاں ۔ **اولاد محمد سعید خاں** ۔ (۱) ایوب خاں (۲) عبد القیوم خاں ۔ (۳)
دختر امت القدوس زوجہ عبد الخلاق خاں بریرہ ۔ **اولاد ایوب خاں** ۔ صغیر احمد خاں ۔
اولاد عبد القیوم خاں ۔ (۱) احمد رشید خاں پاکستان ۔ (۲) احمد عبد اللہ خاں ۔
(۳) محمد احمد خاں ۔ **اولاد تقی خاں** ۔ (۱) الیاس خاں ۔ (۲) دختر زوجہ طفیل احمد خاں
سہاور ۔ **اولاد الیاس خاں** ۔ (۱) ابو العاص خاں ۔ (۲) ابو العباس خاں ۔
اولاد ابو العباس خاں ۔ ابو الغیاث خاں ۔ **اولاد تقی خاں** ۔ دختر زینب زوجہ رفعت خاں
کناوہ ۔ **اولاد حافظ احمد خاں** ۔ (۱) ادریس خاں ۔ (۲) حامد علی خاں زوجہ حلیمہ بیگم
دختر غلام نبی خاں ٹنڈولی ۔ (۳) دختر ۔ **اولاد ادریس خاں** ۔ (۱) حافظ مقبول احمد خاں
(۲) سمیع الرحمٰن خاں ۔ **اولاد حافظ مقبول احمد خاں** ۔ (۱) ممدوح احمد خاں (۲)
مظاہر احمد خاں ۔ (۳) اعجاز احمد خاں ۔
اولاد سمیع الرحمٰن خاں ۔ (۱) شمیم احمد خاں ۔ (۲) نسیم احمد خاں ۔
اولاد حامد علی خاں (۱) محمود علی خاں زوجہ دختر نذر النبی خاں ٹنڈولی ۔ (۲) دختر زوجہ عبید اللہ خاں
ٹنڈولی ۔ (۳) دختر زوجہ حکیم حشمت اللہ خاں سہاور ۔ **اولاد محمود علی خاں** (۱) ذکی احمد
خاں ۔ (۲) طارق احمد خاں ۔ (۳) ضیا احمد خاں ۔ (۴) دختر ۔
اولاد حصین خاں ابن فیروز خاں ۔ (۱) رشید خاں ۔ (۲) تاج خاں ۔
اولاد رشید خاں ۔ (۱) رضا خاں ۔ (۲) عظمت خاں ۔ **اولاد تاج خاں** خلیل خاں
اولاد خلیل خاں ۔ عاشور خاں ۔ **اولاد عاشور خاں** ۔ (۱) روشن خاں لاولد ۔ (۲)
دلیل خاں ۔ **اولاد دلیل خاں** ۔ (۱) عبد اللہ خاں لاولد ۔ (۲) عبد الرحمٰن خاں لاولد (۳)
محب اللہ خاں ۔ **اولاد محب اللہ خاں** ۔ (۱) عطاء اللہ خاں ۔ (۲) سلیم اللہ خاں تیتر والیہ
(۳) احسان اللہ خاں لاولد زوجہ دختر مداری خاں کھوری ۔ **اولاد عطاء اللہ خاں** ۔ (۱) مطیع اللہ خاں
(۲) وسیع اللہ خاں ۔ **اولاد سلیم اللہ خاں** ۔ ولی اللہ خاں ۔
اولاد عظمت خاں ابن رشید خاں ۔ (۱) خدایار خاں ۔ (۲) اکبر خاں (۳)
بشارت خاں ۔ **اولاد اکبر خاں** ۔ جیون خاں ۔

شاخ مصطفیٰ خاں ابن ملک مغیث خاں

اولاد مصطفیٰ خاں ابن ملک مغیث خاں مورث اعلیٰ
(۱) شادی خاں ۔ (۲) یوسف خاں ۔ (۳) جمشید خاں ۔
اولاد جمشید خاں ۔ (۱) حاتم خاں لاولد ۔ (۲) مصاحب خاں
(۳) محمود خاں ۔ (۴) مراد خاں ۔ (۵) داماد خاں ۔ اولاد مصاحب خاں ۔ رسول خاں ۔
اولاد رسول خاں ۔ (۱) سرفراز خاں ۔ (۲) شفیع خاں ۔ اولاد سرفراز خاں ۔ ننھے خاں
اولاد ننھے خاں ۔ نظام خاں ۔ اولاد نظام خاں ۔ حکمت علی خاں زوجہ دختر قایم خاں
کھبوری ۔ اولاد شفیع خاں ۔ باز خاں ۔ اولاد باز خاں ۔ خیر اندیش خاں ۔
اولاد خیر اندیش خاں ۔ بلند خاں ثانی ۔

خاندان بلند خاں ثانی خادم حسین خاں ابراہیم خاں وغیرہ

اولاد بلند خاں ثانی ۔ (۱) خادم حسین خاں زوجہ اول
دختر جمال خاں کھبوری ۔ زوجہ دوم بھاولن ۔ (۲) دختر زوجہ رحمت خاں
بریرہ ۔ (۳) دختر زوجہ کرامت خاں بریرہ ۔
اولاد خادم حسین خاں ۔ از نکاح اول (۱) محمد سعید خاں
(۲) اسمٰعیل خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر سرمست خاں کناوہ ۔ (۳) ابراہیم خاں زوجہ شفیع النساء دختر
خوشوقت علی خاں کناوہ ۔ (۴) عثمان خاں ناکتخدا فوت (۵) از نکاح دوم شیخ اسد خاں حاجی روح اللہ خاں
زوجہ دختر احمد حسین خاں [illegible] بیوہ سمیع اللہ خاں (۶) یوسف خاں ۔ (۷) حمیدہ زوجہ کریم اللہ خاں بریرہ
(۸) دختر زوجہ احمد حسین خاں دھساری ۔ (۹) رجب النساء زوجہ کفایت اللہ خاں بریرہ ۔
اولاد محمد سعید خاں ۔ (۱) عبد المجید خاں زوجہ دختر کریم اللہ خاں بریرہ لاولد ۔ (۲) عبد القدیر خاں
لاولد ۔ (۳) نذیر احمد خاں ۔ (۴) حاجی عبد العزیز خاں زوجہ منیرہ بیگم دختر خوشوقت علی خاں کناوہ
(۵) نیاز احمد خاں زوجہ امت الودود دختر ممتاز علی خاں بریرہ (۶) دختر امت القدوس ۔
اولاد اسمٰعیل خاں ۔ (۱) حاجی اسرائیل خاں ۔ (۲) عبد العلیم خاں لاولد ۔
اولاد ابراہیم خاں ۔ (۱) شفیع الرحمٰن خاں عرف شفیع اللہ خاں زوجہ دختر حاجی برکت خاں
قطب پور ۔ (۲) حبیب الرحمٰن خاں زوجہ اول دختر سمیع اللہ خاں سہاور ۔ زوجہ دوم دختر
لطافت اللہ خاں گھونہ ۔ (۳) مبین فاطمہ زوجہ حاجی اسرائیل خاں سہاور ۔ (۴) بی بی فاطمہ

زوجہ حامد خاں برلہ۔ **اولاد یوسف خاں**۔ مسیح اللہ خاں۔
اولاد حاجی عبدالعزیز خاں۔ صالحہ بیگم زوجہ حافظ مقبول احمد سہاور
اولاد حاجی اسرائیل خاں۔ (۱) اسرار احمد خاں ایم۔ اے پاکستان (۲) پسر (۳) دختر، زوجۂ اول اطیع اللہ خاں سہاور (۴) دختر، زوجہ ابوالعاص خاں سہاور (۵) دختر زوجہ عون خاں چھپرہ۔ (۶) دختر۔ **اولاد مسیح اللہ خاں**۔ (۱) اقبال فاطمہ زوجہ حبیب الرحمٰن خاں سہاور۔ (۲) انوار فاطمہ زوجہ عبداللہ خاں سہاور
اولاد شفیع الرحمٰن خاں ابن ابراہیم خاں۔ (۱) حکیم انوار احمد خاں زوجہ سعیدہ خاتون دختر عبدالمنان خاں سراسے۔ (۲) ابراہیم احمد خاں زوجہ دختر مسلم خاں بھوری۔ (۳) عبیدہ خانم زوجہ حکیم سعادت اللہ خاں سہاور۔ (۴) حمیدہ خانم زوجہ عمر دراز خاں عرف ممن سہاور۔ **اولاد حکیم انوار احمد خاں**۔ (۱) خالد انور خاں۔ (۲) دختر نجیبہ انور۔ **اولاد حبیب الرحمٰن خاں**۔ (۱) محبوب الرحمٰن خاں۔ (۲ و ۳) پسران۔ (۴ و ۵) دختران
اولاد نیاز احمد خاں۔ (۱) افتخار احمد خاں زوجہ دختر محمد خاں کناده۔ (۲) سبحان فاطمہ زوجہ ایوب خاں برہرہ۔ **اولاد احمد نذیر خاں**۔ احمد نبی خاں ناکتخدا فوت۔
اولاد محمود خاں ابن جمشیر خاں ابن مصطفٰے خاں۔ مجیب خاں۔
اولاد مجیب خاں۔ بھجو خاں۔ **اولاد بھجو خاں**۔ خیر اللہ خاں۔
اولاد مراد خاں ابن جمشیر خاں۔ واصل خاں۔ **اولاد واصل خاں**۔ فتح خاں
اولاد فتح خاں۔ داد خاں۔ **اولاد داد خاں**۔ نصیب خاں۔
اولاد دا داد خاں۔ ابن جمشیر خاں۔ (۱) بیرم خاں (۲) دختر (۳) اعظم خاں۔

خاندان بیرم خاں

اولاد بیرم خاں۔ (۱) امیت خاں (۲) موسم خاں (۳) رنجیت خاں۔ (۴) دختر زوجہ دلیل خاں بلونہ (۵) حسن علی خاں (۶) زبردست خاں۔ **اولاد موسم خاں**۔ (۱) صلابت خاں۔ (۲) قمر الدین خاں (۳) محی الدین خاں۔ **اولاد قمر الدین خاں**۔ خدا بخش خاں۔

اولاد محی الدین خاں ۔ نصرت خاں ۔ اولاد زبردست خاں ابن بیرم خاں (۱) کالے خاں ۔ (۲) علی داد خاں ۔ اولاد علی داد خاں ۔ (۱) کبو خاں (۲) بدھو خاں
اولاد اعظم خاں ابن داداد خاں ابن جمشید خاں ۔ (۱) شجاعت خاں ۔ (۲) محبت خاں (۳) سبحان خاں ۔

خاندان افضل خاں

اولاد افضل خاں جن کے صرف دو کے نام معلوم ہو سکے (۱) فضل حسین خاں ۔ (۲) غوث محمد خاں ۔
اولاد فضل حسین خاں ۔ (۱) محمد حیات خاں لاولد (۲) ہدایت اللہ خاں ۔
اولاد ہدایت اللہ خاں ۔ (۱) یعقوب خاں کمارنده ۔ (۲) ادریس خاں ۔ (۳) عبدالرشید خاں
اولاد یعقوب خاں ۔ (۱) محمد علی خاں ۔ (۲) احمد علی خاں ۔ (۳) ارشاد احمد خاں (۴) شوکت اللہ خاں ۔ (۵) شاہد خاں ۔ اولاد ادریس خاں ۔ دختر زوجہ پسر احمد رضا خاں شاہ جہاں آباد ۔ اولاد غوث محمد خاں ۔ عشام قادر خاں لاولد ۔

خاندان آزاد خاں بلونہ دخیل سہاور

اولاد آزاد خاں دخیل سہاور ۔ (۱) ہمت خاں زوجہ شاہزادی بیگم دختر منگل خاں بیہره ۔ (۲) شادی خاں زوجہ خیر النساء سہاور ۔ اولاد ہمت خاں ۔ دختر زوجہ نصر تیر خاں ۔ اولاد شادی خاں ۔ (۱) جماعت النساء (۲) خالق داد خاں لاولد (۳) صاحب داد خاں زوجہ دختر قایم خاں کھمبوی ۔ (۴) ہدایت علی خاں ۔
اولاد صاحب داد خاں ۔ (۱) دختر نوازا زوجہ سہاور ۔ (۲) کالے خاں ۔ (۳) احسان اللہ خاں ۔ اولاد ہدایت علی خاں ۔ (۱) دختر امتیاز النساء زوجہ منگل خاں سہاور ۔ (۲) دختر عزیز النساء زوجہ عزیز محمد خاں سہنہرا ۔ (۳) رفیق النساء زوجہ محمد سعید خاں کنادہ ۔

نمبر (۱) عبدالوحید خاں کے شجرہ کا پتہ ہم کو نہیں لگ سکا ۔ ان کی تین لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک منڈولی اور دو کنڈل میں بیاہی گئیں ۔ ہدایت اللہ خاں ۔ عبداللطیف خاں اور

ولیداد خاں بھی یہاں کے پٹھانوں میں ہیں مگر ان کے شجرے ہم کو معلوم نہ ہو سکے ۔

شجرہ موہن نگلہ متصل سہاور

محمد شریف خاں ابن سبکتگین خاں ابن دانش خاں سہاور سے ٹنڈولی میں آکر بسے محمد شریف خاں کی زوجہ ۱ سراج النسا دختر گھاسی خاں ابن کالے خاں کھوری تھیں اور زوجہ ۲ حمیدہ دختر طالب حسین خاں ڈنڈولی ہیں ۔ ان کی ایک بیٹی ناجرہ بیگم تھیں جو عزیز الرحمن خاں سہاور کو بیاہی گئیں ۔ شریف خاں رکھالہ میں چلے آئے ۔

اولاد شریف خاں ۔ محمد ایوب خاں ۔ زوجہ حلیمہ بیگم دختر ہدایت اللہ خاں بلوچ ایوب خاں رکھالہ سے موہن نگلہ میں آکر بسے ۔ اور ۱۹۴۳ء میں فوت ہوئے ۔ ایوب خاں کی خالہ عزیز النسا زوجہ مظہر علی خاں شہید نے ان کو پرورش کیا ۔ اور موہن نگلہ ان کو دیدیا اس وجہ سے وہ یہاں آئے ۔

اولاد ایوب خاں ۔ (۱) عبید اللہ خاں ۔ زوجہ فردوسی بیگم دختر عباس علی خاں ڈھولنہ ۔ (۲) عبد الحلیم خاں زوجہ ۱ عبیدہ خاتون دختر یحییٰ خاں سہاور زوجہ ۲ ام سلمیٰ دختر شوکت اللہ خاں کنوپل ۔ (۳) دختر عابدہ خاتون زوجہ شبیر احمد خاں سہاور (۴) رقیہ بیگم زوجہ نصیب اللہ خاں حسن پور (۵) زاہدہ خاتون زوجہ مولوی ظفر حسن خاں (۶ و ۷) پسران عبد المقیت خاں ۔ عبد العلی خاں ناکتخدا فوت ۔

اولاد عبید اللہ خاں ۔ دختر عقیلہ بیگم ۔ **اولاد عبد الحلیم خاں** ۔ پسر کمسن

۲۷ قصبہ سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ

جیسا کہ ۔ ۔ ۔ ادپر دکھایا ہے اس قصبہ میں بھی شروانیان پٹھان آباد ہیں ۔ اگرچہ ان کا تعلق عمر خاں کے خاندان یا ضلع علی گڑھ اور ایٹہ کے دیگر شروانی خاندانوں سے نہیں نہ دیگر شروانیان سے یہاں کے شروانی پٹھانوں کے شادی بیاہ کے تعلقات ہیں ۔ یہاں کے شروانی پٹھان اس بات کے پابند نہیں رہے کہ صرف شروانیوں میں شادی

بیاہ ہوں۔ ذیل کا شجرہ اس مطبوعہ شجرہ سے لیا گیا ہے جو ۱۹۳۳ء میں منشی احمد یار خاں خلف عبدالرؤف خاں شروانی پنشنر پیشکار عدالت نے شائع کیا۔ یہ مکمل نہیں ہے اس میں اولاد اناث یا زوجگان کے نام درج نہیں ہیں۔ اور کچھ نام چھوٹے ہوئے ہیں۔ یہاں بہت کم شروانی رہ گئے ہیں۔ بہر حال اس خیال سے یہ شجرہ پیش کیا جاتا ہے کہ کم از کم اتنے نام تو ذریعہ کتاب محفوظ ہو جائیں۔ ہم کو سرفراز خاں مرحوم وکیل علی گڑھ کے (جن کے صاحبزادے مشرف علی خاں ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس علی گڑھ ہیں اور جو سکندرہ راؤ کے رہنے والے تھے) شجرہ کا پتہ نہیں لگا۔ یہاں دوسرے ضلعوں کے پٹھان بھی لیتے ہیں۔

شجرہ شاخ اول

مورث اعلیٰ مسند خاں

اولاد مسند خاں ۔ (۱) سلیم خاں ۔ (۲) ذہن خاں (۳) قاسم خاں ۔ **اولاد سلیم خاں** ۔ شادی خاں ۔

اولاد شادی خاں ۔ (۱) رحیم خاں (۲) فتح علی خاں ۔ (۳) ابراہیم خاں (۴) اسد خاں ۔ **اولاد رحیم خاں** ۔ (۱) بشارت خاں ۔ (۲) کالے خاں ۔

اولاد فتح علی خاں ۔ قائم خاں ۔ **اولاد قائم خاں** ۔ نظیر محمد خاں ۔

اولاد ابراہیم خاں ۔ (۱) راجمیر خاں ۔ (۲) احمد علی خاں ۔ (۳) بخش اللہ خاں (۴) بندہ علی خاں **اولاد راجمیر خاں** ۔ (۱) محمد وسیع خاں (۲) محمد شفیع خاں۔

اولاد احمد علی خاں ۔ (۱) محمود علی خاں ۔ (۲) مہدی علی خاں ۔

اولاد محمود علی خاں ۔ (۱) معشوق علی خاں ۔ (۲) محبوب علی خاں ۔

اولاد مہدی علی خاں ۔ حامد علی خاں ۔ **اولاد حامد علی خاں** ۔ (۱) شاہد علی خاں (۲) شفاعت علی خاں ۔ **اولاد بخش اللہ خاں** ۔ (۱) عزیز محمد خاں ۔ (۲) امداد علی خاں ۔ **اولاد عزیز محمد خاں** ۔ انوار احمد خاں ۔

اولاد امداد علی خاں ۔ محمد سمیع خاں ۔ **اولاد اسد خاں** ۔ عنایت خاں

شاخ دویم

اولاد ذہن خاں ابن مسند خاں ۔ (۱) خیر اندیش خاں

(۲) رفعت خاں ۔ **اولاد خیر اندیش خاں** ۔ (۱) شمشیر خاں ۔ (۲) سردار خاں
اولاد شمشیر خاں ۔ ارادت خاں ۔ **اولاد ارادت خاں** ۔ وزیر محمد خاں ۔
اولاد وزیر محمد خاں ۔ (۱) نصیر محمد خاں ۔ (۲) حیات محمد خاں ۔ (۳) عبدالعزیز خاں ۔
اولاد عبدالعزیز خاں ۔ شریف علی خاں ۔ **اولاد سردار خاں** ۔ (۱) نامور خنگ خاں
(۲) صاحب خنگ خاں ۔ **اولاد صاحب خنگ خاں** ۔ شوکت خنگ خاں ۔
اولاد شوکت خنگ خاں ۔ فتح خنگ خاں ۔
اولاد رفعت خاں ۔ (۱) خوشی خاں ۔ (۲) قایم خاں ۔ (۳) دلیر خاں ۔
اولاد قایم خاں ۔ (۱) ذوالفقار خاں ۔ (۲) دلاور خاں ۔ **اولاد ذوالفقار خاں** ۔
(۱) محمد خاں ۔ (۲) ولی داد خاں ۔ **اولاد دلاور خاں** ۔ محبوب خاں ۔
اولاد محبوب خاں ۔ (۱) حبیب داد خاں ۔ (۲) محمد علی خاں ۔ (۳) یعقوب خاں ۔
اولاد حبیب داد خاں ۔ (۱) اسماعیل خاں ۔ (۲) علیم داد خاں ۔ (۳)
بنی داد خاں ۔ **اولاد اسماعیل خاں** ۔ جمیل خاں ۔
اولاد محمد علی خاں ۔ (۱) وحید خاں ۔ (۲) شہامت خاں ۔
اولاد شہامت خاں ۔ (۱) رشید علی خاں ۔ **اولاد رشید علی خاں** ۔ شمشاد علی خاں
اولاد یعقوب خاں ۔ (۱) عبدالحمید خاں ۔ (۲) ایوب خاں ۔
اولاد ایوب خاں ۔ غلام قادر خاں ۔ **اولاد دلیر خاں ابن رفعت خاں** ۔ (۱) عبدالرؤف خاں
(۲) نصرت شیر افگن خاں ۔ **اولاد عبدالرؤف خاں** ۔ (۱) احمد یار خاں مصنف شجرہ
(۲) محمد یار خاں ۔ **اولاد احمد یار خاں** ۔ (۱) امانت اللہ خاں ۔ (۲) حمید اللہ خاں ۔ (۳)
عبید اللہ خاں ۔ (۴) احمد اللہ خاں مختار عدالت کلکٹری علی گڑھ ۔

شاخ سوم **اولاد قاسم خاں ابن مستند خاں** ۔ (۱)
شہباز خاں (۲) منور خاں ۔ (۳) خضر خاں ۔ (۴) میاں خاں
اولاد شہباز خاں ۔ (۱) خدایار خاں ۔ (۲) امراؤ خاں ۔ **اولاد خدایار خاں** ۔ (۱)
فیض محمد خاں ۔ (۲) احمد یار خاں ۔ **اولاد امراؤ خاں** ۔ (۱) کاظم علی خاں ۔ (۲) صادق علی خاں

اولاد صادق علی خاں ۔ (۱) قاسم علی خاں ۔ (۲) احمد حسین خاں ۔ (۳) عنایت حسین خاں ۔ **اولاد احمد حسین خاں** ۔ (۱) فرزند علی خاں ۔ (۲) ارشاد علی خاں ہیڈ ماسٹر ۔ (۳) حسین علی خاں ۔ (۴) فیاض علی خاں ۔ (۵) محمود علی خاں ۔

اولاد عنایت حسین خاں ۔ (۱) اصغر علی خاں ۔ (۲) امداد علی خاں ۔

اولاد منور خاں ۔ محمد نور خاں ۔ (جن کا ذکر ہم نے شروانی نامہ کے حصہ دوئم میں کیا ہے ۔ اور جن کے پاس کچھ رسالہ تاریخ شروانیاں سکندرہ راؤ کا تھا)

اولاد محمد نور خاں ۔ (۱) نور الحسن خاں ۔ (۲) احمد نور خاں ۔ (۳) غوث محمد خاں ۔

اولاد احمد نور خاں ۔ (۱) صمد نور خاں نمبردار ۔ (۲) صالح محمد خاں ۔

اولاد صمد نور خاں ۔ فضل الرحمٰن خاں ۔ **اولاد صالح محمد خاں** ۔ (۱) مسعود احمد خاں (۲) محمود احمد خاں ۔ **اولاد غوث محمد خاں** ۔ عنایت محمد خاں ۔

(نوٹ :۔ صمد نور خاں راقم الحروف کے ملاقاتی اور کرم فرما تھے)

یہ شجرہ داؤد خاں عرف راؤ خاں شروانی تک جن کا ذکر شروانی نامہ حصہ اول میں یہ سلسلہ بابر شاہ و سکندر لودی ہنیں پہونچتا ۔

تتمہ شجرہ بھیکم پور

(جو بھیکم پور کے بڑے شجرہ کے آخر میں درج کرنے سے رہ گیا اب ملاحظہ طلب صفحہ ۳۳۹)

شائستہ خاں ابن جہاں خاں ابن خان جہاں خاں ۔ شائستہ خاں کے بھائی سرفراز خاں تھے جو بڑے شجرہ میں درج ہیں ۔ **اولاد شائستہ خاں** ۔ (۱) دختر زوجہ بہرام پور (۲) دختر زوجہ بہرام پور ۔ (۳) جھبو خاں زوجہ دختر انوار خاں بیرولی ۔

اولاد جھبو خاں ۔ (۱) دختر زوجہ نور خاں سہاور ۔ (۲) دختر ناکتخدا فوت ۔ (۳) خوش حال خاں زوجہ نور بی بی دختر یوسف علی خاں کنادہ لاولد ۔

آخری گزارش

اب کہ یہ واقعی ناچیز تالیف بفضلِ خدا بظاہر "تمت بالخیر" ہوتی ہے شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ ؎

شاکر کہ جنازہ بمنزل رسید
زورقِ اُمید بساحل رسید

لیکن جاننے والے جانتے ہیں، اُن سے زیادہ یقین کے ساتھ (بلا شائبۂ انکسار) ہم خود جانتے ہیں (اور سب سے بہتر خدا جانتا ہے) کہ وہ جو "ساحلِ مراد" اور "منزلِ مقصود" ہے وہ نہ صرف "ہنوز دلّی دور" بلکہ مفقود ہے ؎

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجا ست،
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

مگر اس میں بھی شک نہیں کہ جو اور جتنا ہو گیا وہ احساس ناشکری سے جدا ہے کیوں کہ وہ بھی محض بفضلِ خدا ہے۔ اور اس (نظر بحالات بظاہر موہوم) امید پر کہ ؎

پارۂ درخاکِ معنیٰ تخمِ سعی افشاندہ ایم
بوکہ بعد از ما شود ایں تخم نخلِ باردار

شاید ہمارے بعد ؎

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

اور اس "تخم" سے "نخل" نکالے اور اس کی "آبیاری" کر کے اسے واقعی "باردار" بنائے بلکہ قادرِ مطلق کے فضل و کرم سے کیا بعید ہے کہ قابلِ لحاظ آبادیوں کے حالات اور لائقِ ذکر افراد کے سوانح و ملفوظات جدا جدا

لکھ جائیں جیسے کہ ہم سے (تقریباً پون صدی) پہلے ۱۳۰۶ھ میں سمیع اللہ خاں بلونوی مرحوم نے نہ صرف تخم ریزی کی بلکہ اچھا خاصا پودا لگایا جس کے بارے سے ہم نے لطف کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔ ہم اُن کے لئے دل سے دعا اور ناظرین سے آمین کی استدعا کرتے ہیں۔

علی ہذا نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی ہمت آفریں اور حوصلہ افزا تحریک یاد آتی ہے تو خدا جانے دل پر کیا گزر جاتی ہے سے

اے ہم نفسانِ محفلِ ما
رفتید، ولے نہ از دلِ ما

اسمٰعیل خاں صاحب حسن پوری اور مولوی ظفر حسن خاں بلونوی مرحومین بھی ہمارے شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں کہ ان کی قیمتی یادداشتوں سے بھی ہم نے بذریعہ حاجی عبد الجمیل خاں حسن پوری کافی استفادہ کیا۔

اور اپنے رفیق کار مولوی حاجی محمد تقدس علی خاں شروانی کا یکے از ہزار شکریہ ادا کرنے میں بے اختیار ہیں۔ کیونکہ خود ہم ایک طرف مبتلائے ضعف پیری و امراض و افکار دوسری طرف تصنیف و تالیف کے بعد کے مراحل کے میدان ناپیدا کنار اور بحر زخّار کے ناتجربہ کار۔ اگر وہ خشکی کے خضر اور تری کے الیاس نہ بنتے تو جانے اس جانِ حزیں پر کیا بنتی سے

اجرش دہد خدا سے کہ کردہ است یاوری
با آں کسے کہ نام و یاور نداشتہ

کسی اور سے ہرگز اس کی امید نہ تھی۔ اور طباعت کے از کار تاکوہ مراحل طے کرنا خداوند کارساز بے نیاز نے انھی کو مقدّر فرمایا تھا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدنیا و الآخرۃ۔ آمین ثم آمین۔

ناظرین تمکین سے ہماری التجا ہے کہ وہ ان اوراق کو محض "اساطیر الاولین" (اگلوں کے قصّے کہانیاں) کے طور پر نہ دیکھیں اور "لہم قلوب لا یفقہون بہا" (ان کے دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں) کے مصداق نہ بنیں۔ بلکہ یقین جانیں کہ "لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب" (اُن کے قصوں

میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت و نصیحت ہے) اگر بہت تفصیل و تطویل کے ساتھ نہیں
تو کم از کم "عاقلاں را اشارہ کافی" کے طور پر ان اوراق پریشاں میں ہیں اپنے بزرگانِ سلف اور
پیش روانِ خلف کے ایسے اسوات حسنات" (اچھے نمونے) ضرور ملیں گے جن کی پیروی کر کے ہم
شل ان کے سرد و گرم ہمت و نرم زمانہ کا مردانہ وار مقابلہ کر کے توکل بخدا فائز المرام ہو سکیں گے ۔

علی الخصوص ہمیں اپنی اولاد (اور ان سے بھی بعد میں آنے والی) نسلوں سے امید ہے کہ وہ موجودہ
حوادث زمانہ کو رو بہ راہ کرنے کی سعی کریں گے ۔ والاتمام من اللہ ۔

اب رہی یہ بات کہ سعی کی شکل کیا ہو ۔ یہ ہر خاندان اور ہر فرد کی ذاتی صوابدید پر منحصر ہے کیوں کہ
ظاہر ہے کہ سب کے سب حالات یکساں نہیں ہیں ۔ لہٰذا کوئی یکساں مشورہ بھی نہیں دیا جا سکتا ۔ ہم صرف
اصولاً یہ بتاتے ہیں کہ سب کو فکرِ معاش کرنی چاہیئے ہر کام (حتیٰ کہ ہل چلانا اور گھاس کھودنا تک) حتی الامکان
خود اپنے ہاتھ سے کیا جائے ۔ اور اسے عار نہ سمجھا جائے ۔ شرافت اور امانت اور دیانت کے ساتھ
جو کام سامنے آئے اسے "ہمت مرداں مدد خدا" پر اعتقاد رکھ کر بے تامل اختیار کیا جائے ۔
کیوں کہ یہ اصول تو صدیوں پہلے کا ہے کہ ؎

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف
مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کنی

۔ اور آج تو یہ حالِ پر ملال ہے کہ ؎

اب نہ خالی رہی وہ خانوں کی
کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی

اور جہاں شرکت اور امداد باہمی سے (مگر انتہائی ایمانداری کے ساتھ) کام چلتا نظر آئے
وہاں ہرگز ہرگز اس سے بھی گریز نہ ہونا چاہیئے ۔ اور جن ہوشمند و دور اندیش والدین
اور سعادت مند و مآل اندیش فرزندوں کی مثالیں نظر آئیں جنھوں نے تعلیم و تعلّم کی بنیاد کسی
حرفہ اور پیشہ کے سد ابہاد گلزار پہ رکھی اور بے پناہ سیل روزگار سے کو محفوظ ہو گئے

رہے) اُن سے کبھی سرسری نہ گزرنا چاہیے۔ بلکہ ان مبارک مثالوں سے کما حقہٗ عملی سبق
لینا چاہیے۔ "فہل من مدکر؟" ؎

یارب ایں آرزوے من چہ خوش ست
تو بدیں آرزو مرا برسال

اب آخر میں اس بے مایہ ہیچ میرز تالیف کی نسبت یہ ہے کہ حتی الامکان تحقیق ا
تدقیق اور قابل وثوق مشوروں پہ کام کیا گیا ہے۔ تاہم بتقاضائے بشریت اگر کوئی
سہو و خطا نظر آئے تو عفو و کرم کو کام فرمایا جائے۔ ہمارا اور مشیرانِ موصوف کا
باہم یہ حال رہا ہے کہ ؎

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش — او با صلاح راندہ خامۂ خویش
دیدہ ہر نکتہ را زتسم برقم — رنج بر خود نہاد و منت ہم
شمع من یافتہ ضیا از وے — مس من گشتہ کیمیا از وے
ہرچہ او گفت، من نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربتِ نوش
وآں چہ نبود من بجستم پے — عیبِ آں بر من ست نے بر وے
گر بماندہ زد شستہ آتش جائے
بے خسے نیست ہیچ دریائے

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ سید المرسلین و
آلہ وصحبہ الطیبین الطاہرین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

راقم آثم
عباس شروانی

چمنستان، علی گڑھ:
ذوالحجۃ الکرام ۱۳۷۲ھ
ستمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پڑھنا ضرور ہے یہ **پس گوئی** نام کی
خونِ جگر سے لکھی ہے اک چیز کام کی

اے غم نامۂ حافظ را ناخواندہ مکن پارہ
بے چارہ رقم کردہ است از خونِ جگر چیزے

مؤلف کتاب ہذا (شروانی نامہ) اور میرے سن و سال
عباس خاں کے فرق کا حال ناظرین کو میرے اور اُن کے احوال مندرجہ
متن سے معلوم ہوگا۔

علی گڑھ آنے سے پہلے ہم دونوں باہم متعارف یا روشناس اور نام آشنا بھی نہ تھے۔ کالج کی تعلیم کے زمانہ میں ہم دونوں ڈے اسکالر تھے۔ اور دونوں کی جائے سکونت میں بُعد المشرقین تھا۔ وہ شمال (ڈگی والی کوٹھی حال ….) میں تھے۔ اور میں جنوب (چھتاری کمپونڈ، رسل گنج) میں۔ کلاس میں (کالج) وہ مجھ سے "پھسڈی" (جونیر) تھے جب اُن کی تعلیم میں بہار آئی تو میری خزاں ہو چلی تھی۔ لہٰذا اس دور میں میرا ان کا صرف اتنا معاملہ رہا کہ ؎

دیداری نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کنی

جب سنہ ۱۹۰۴ء میں وہ زندگی کی دہلیز پر آئے تو میں اس میں داخل ہو چکا تھا۔ اور اب نور المشرقین تھا۔ میں مغربی پنجاب میں اور وہ اب کے اتر پردیش یعنی

مشرقی ہندوستان میں۔

میں ۱۹۰۹ء میں علی گڑھ آکر قطب بن گیا اور وہ ابدال وار چار دانگ صوبہ میں مانند پرکار دوار رہے۔ لہٰذا اس عہد میں کبھی ہم دونوں کو باہم چار چوڑن کی بھی یک جائی کا کبھی موقع نہ ملا۔ البتہ سرودس ہی کے دنوں میں جب انھوں نے مجھ سے اپنی قابلِ مطالعہ کتاب "حیاتِ مسعودی" (مسلم یونیورسٹی پریس ۱۹۳۵ء) چھپوائی تو ملاقاتوں کا سلسلہ کچھ بڑھ گیا۔

اس کے بعد پھر ایک لمبا طفرہ ہوا یہاں تک کہ وہ ریٹائر ہوئے، حاجی ہوئے علی گڑھ باشی ہوئے۔ اور ؎

سیاہی زمو رفت از رو نرفت

کا مصداق ہوئے۔

اور چونکہ خلاقِ مطلق نے میرے عناصر اربعہ کی ترکیب میں کم آمیزی کا ایک پانچواں عنصر بقدرِ معتدبہ رکھ دیا ہے اس لئے باوجود گویا مستقل یک جائی کے رونمائی کی نوبت شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ اور اب بھی یہ حال تھا ؎

رہ گئی اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے
محفلِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے

مگر جب برسوں کی سفر حضر کی جسمانی تگاپو اور روحانی روارَو کے بعد انھوں نے **شروانی نامہ** مرتب کرلیا، تو میں انھیں پھر یاد آیا۔ کیوں کہ ؎

تجھ سے رونق ہیں ہے گھر کے لئے
رکھ لیا ہے نظر گزر کے لئے

اور انھوں نے "چہار" کے لئے عرش نے دو "بےگاریں" اتاریں: (۱) مضمون کی نظر ثانی اور (۲) چھپائی کی نگرانی۔ اور چوں کہ اُن کی عادت یہ ہے کہ معدہ پیٹ بھر کے

ضعیف ہے۔ کانوں سے تقریباً بے بہرہ ہیں۔ بینائی آنکھیں دکھانے لگی ہے
گٹھیا نے الگ ہاتھ پاؤں نکال رکھے ہیں۔ اور عام کمزوری زوروں پر ہے۔
ادھر میری یہ حالت ہے کہ ستر اور اسّی کی ٹھیک درمیانی منزل میں چل رہا ہوں۔
دو ادویش کی معذوری بحمد اللہ تکلیف کی حد تک تو نہیں مگر تکلف کے درجہ میں ضرور
ہے۔ مگر چونکہ لکھنے پڑھنے اور علمی و ادبی خدمت کا ذوق موروثی اور سے

باشد بیر اندروں شد و باجاں بدر شود

ہے، میں نے اسے بخوشی تمام منظور کر لیا ہے

چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی کا آنا جانا
عادت ہے اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

جہاں تک مضمون کی نظر ثانی کا تعلق ہے یہ کام اس وقت بھی جب کہ اب سے
چند ہی سال پہلے ہمارا خاندان بھرا پرا تھا) صرف نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن
خاں کے کرنے کا تھا۔ مگر اب کہ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا ہے، عباس خاں کی نظر
مجھ پر پڑی (بلکہ اڑی) تو بلا مبالغہ گویا یہ حال ہوا سے

چو روانِ در غروب آورد خورشید | ز نہ سیارہ لاف ملک جاوید
چو شد سیارہ اندر ابر نایاب | چراغ دشت گردد کرم شب تاب

مگر یہاں آفتاب کا "غروب" ہو جانا اور ماہتاب کا "نایاب" ہو جانا تو مسلّم ہے، مگر میرا
اس صانع مطلق کی صنعت کاملہ کے اس روشن نمونہ "کرم شب تاب" (جگنو یا پٹ بیجنے)
کا مثیل ہونا نہایت ہی مشتبہ بلکہ بلا دلیل ناقابل تسلیم ہے۔ رہی چھپائی کی نگرانی تو
میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ عباس خاں کی جاں کاہی سفیدی و سیاہی میں آ گئی ہے۔
"مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" سے

زمانہ دگرگونہ آئیں نہاد | شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

عباس خاں نے مجھ سے
کی بھی اصرار کے ساتھ فرمائش فرمائی تھی۔ اور میں نے بھی ہامی بھر لی تھی۔ مگر
"پیش لفظ"
پھر میں نے اپنے لئے اسے مناسب نہ سمجھا۔ اور پہلے تو میں نے اپنے چہرہ
کی مکھی اڑا کر اپنے عزیز پیر و فقیر حاجی ہارون خاں کے چہرہ پر بٹھانی چاہی۔ مگر انھوں نے
ایک بار عذر کیا تو میں نے بجائے انھیں مجبور کرنے کے (جیسے مجھے ان کی سعادت و لیاقت
سے اُمید تھی کہ وہ ضرور مجبور ہو جاتے) میں نے اپنے اور اُن کے طبقہ سے ایک درجہ
نیچے کے عزیز مولوی ریاض الرحمٰن خاں شروانی ایم اے (استاذ عربی مسلم یونیورسٹی) کو
دو مصلحتوں سے تاکا۔ اول یہ کہ وہ نواب صدر یار جنگ کے پوتے ہیں۔ لہٰذا اگر
پدر نتواند پسر تمام کند" دوسرے میں نے جو یہ چاہا کہ موجودہ نسل کو اصلاح حال اور
فکر مآل کے ضروری (و قابل توجہ) مشورے دیئے جائیں تو وہ ہم عصری اور ہم عمری کے
لحاظ سے "دلدار سے میاں" (مولوی ریاض الرحمٰن خاں) ہی خوب دے سکتے تھے۔ اور وہ
عباس خاں یا ہارون خاں! ہماری زبان سے ہرگز و زنہار موزوں نہ ہوتے۔ کیوں کہ ہم
تینوں ہی سے کسی "ترسنے" کے بعد اگر ہم سے یہ پوچھا جانے لگتا کہ ؎

تو بجائے پدر چہ کردی خیر؟
کہ ہماں چشم داری از پسرت!

تو اگرچہ ہم ہر چند کہتے کہ ؎

روزگارم بشد بنادانی
من نکردم شما حذر بکنید

لیکن ہماری صدا "غالباً بصحرا" ہی رہتی اور ہماری مثال اُن میاں جی صاحب کی
سی ہوتی جو بوجہ لکنت چوں کہ حرف کاف (ک) کا تلفظ "ٹاف" کرتے تھے، لہٰذا
سارے شاگرد بھی باوجود اُستاد کی انتہائی کوشش و کاوش کے "ٹاف ٹاف" ہی کرتے تھے

تاہم عباس خاں کی خوشی کے لئے میں نے آخر میں کچھ لکھ دیا ہے۔ اور اس ژولیدہ نگاری کا عنوان اُس کے محلّ و توع کے لحاظ سے "پس گوئی" رکھ دیا ہے۔ اور خدا کا شکر ہے (اور ناظرین خود ملاحظہ فرمائیں گے) کہ اس پس گوئی میں غیبت یا چغلی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ بلکہ کتاب اور اس کے مضمون کے لحاظ سے میں نے بھی چند خیالات پریشان پیش کر دئے ہیں ؎

دیدم گلِ تازہ چند دستہ ‌ ‌ ‌ ‌ بر گنبدے از گیاہ بستہ
گفتم چہ بود گیاہ ناچیز ‌ ‌ ‌ ‌ تا در صفِ گل نشیند او نیز
بگریست گیاہ و گفت خاموش ‌ ‌ ‌ ‌ صحبت نکند کرم فراموش
گر نیست جمال و رنگ و بویم
آخر نہ گیاہِ باغِ اویم

بہر حال خدا مُصلح السبال اور مقلّب الاحوال ہے۔ کتاب کے

تین حصے

ہیں پہلے حصہ میں مبادی کے بعد ہند (براہِ سندھ) پر محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے حملہ (سنہ ۹۲ھ / ۷۱۱ء) سے لے کر (جب کہ پٹھان ہندوستان میں آئے) اُن کی (گویا شروانیانِ سلف کی) شروع اُنیسویں صدی (سنہ ۱۸۰۳ئہ) تک عہد بعہد تاریخ ہے۔ دوسرے حصہ میں اس سن (زمانہ باز خاں شروانی مورثِ خاندان بھیکم پور) سے (گویا شروانیانِ حال کا) احوال ہے۔ تیسرے حصہ میں مختلف خاندانوں کے جدا جدا اور شرح وار شجرے ہیں۔ اور یہی گویا کتاب کا لبِّ لُباب ہے۔

کتاب شروع کرنے سے پہلے ہی اس کی "فہرست ماٰخذ" کے دیکھنے سے عباس خاں کی دردسری کا تو شاید کچھ اندازہ ہو جائے گا جو انھوں نے ان اوراق کی ترتیب میں اُٹھائی۔ مگر اُس پامردی کا تصور ہرگز و زنہار نہیں ہو سکتا جو اس مواد کے فراہم

کرنے کے لئے انھوں نے ہزار ہا میل کا سفر طے کرنے میں اٹھائی ۔ اور ترقیِ زر سے

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

پہلوں کی کاوش

مگر عباس خاں سے بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے ۔ بے شک مرمر اور موتی اور رخام کی فلک فرسا اور نظر فریب عمارتیں اپنے معماروں کی اعلیٰ اور محیر العقول کاریگری کو ظاہر کرتی ہیں ۔ مگر دیدۂ عبرت و بصیرت ان سنگ و خشت ریزوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتی جو ان عمارتوں کو اپنی چھاتیوں پر لادے ہوتے ہیں اور جن کے بغیر وہ عمارتیں فرشِ خاک سے عرشِ افلاک تک نہیں پہونچ سکتی تھیں ۔

جیسا کہ شروانی نامہ کے مطالعے سے معلوم ہوا ہوگا ، خاندان کے شجروں کے مرتب کرنے اور نسبوں کے سلسلے ملانے کا خیال کئی پشت اوپر سے چلا آتا ہے لیکن سب سے زیادہ مرتب شکل میں اسے سمیع اللہ خاں بلوٹی مرحوم نے پیش کیا ۔ اور اس کی شانِ نزول یہ ہوئی کہ چار صاحبوں نے خاندان کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصہ کی تالیف و ترتیب کا ذمہ لیا ۔

۱ ۔ بھیکم پور ، دادوں ، گھوری وغیرہ مولوی حبیب الرحمٰن خاں

۲ ۔ دتاولی ، برلہ ، سراسے وغیرہ مولوی حاجی یونس خاں

۳ ۔ سہاور ، چودھری عبدالحمید خاں

۴ ۔ بلونہ ، کنوبی ، حسن پور وغیرہ سمیع اللہ خاں

مگر سوا موخر الذکر کے کسی سے اپنا اپنا کام انجام نہ پا یا ۔ انھوں نے اپنے بزرگوں (مثلاً عبد المجید خاں جو نجیب خاں کے بیٹے اور رشید خاں کے پوتے اور سمیع اللہ خاں کی نسل کے دادا نانا اور بڑے نسّاب تھے نیز اپنی پھوپھیوں [illegible] اور اپنے بعض

ہم عمروں سے (مثلاً حاجی عبدالرشید خاں والد شروانی برادرز جنھوں نے کچھ سلسلے اپنے دادا افضل علی خاں سے لکھے تھے) مدد لے کر ایک خاصہ رسالہ مرتب کیا جو ۱۳۰۶ھ میں (اب سے تقریباً پینسٹھ ۶۵ سال پہلے) تمام ہوا۔ میری عمر اُس وقت تقریباً دس سال کی تھی۔ اور اس کام کے لئے بلونہ کی بڑی کچہری کے بالاخانے پر جمع ہونا اور مذاکرات اور پُرانے کاغذات کی مدد سے یادداشت مرتب کیا جانا میرے لئے کل کی سی بات ہے۔

سمیع اللہ خاں کے اس مسودہ کی ایک نقل شمس الحسن خاں نے کی اور نقل در نقل میں نے بھی لی مگر یہ دونوں کی نقلیں تلف ہوگئیں۔ سمیع اللہ خاں کے قلم کی نقل حبیب گنج کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ اور عباس خاں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

شجروں کی موجودہ شکل حافظ حاجی عبدالجلیل خاں حسن پوری اور مولوی ظفر حسن خاں بلولوی کی کاوش و کاہش کا نتیجہ ہے جس کا ذکر متن میں جا بجا ہے۔

اس ماضی سے دور اور مستقبل سے نفور دور میں

نسب کا معلوم کرنا اور یاد رکھنا درکنار، عموماً اس کا ذکر اذکار بھی بے کار اور ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ حال میں ایک دن میں عباس خاں سے مل کر لوٹ رہا تھا کہ اُن کی کوٹھی کے قریب ہی ایک پُرانے ایم ایس سی پروفیسر دوست ملے جن کو شروانی نامہ کے متعلق انھیں پہلے سے علم تھا۔ میری اس سے دلچسپی کا حال معلوم کر کے ناک بھوں چڑھانے لگے۔ میں نے عرض کیا آپ کا خیال درست ہے نہ تاریخ ہیچ ہے۔ اصل فن سائنس ہے جو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنا سکتی اور لاکھوں انسانوں کو پل مارتے فنا کر سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ "کل حزب بما لدیہم فرحون" ؎

وللناس فی ما یعشقون مذاہب

اگرچہ نسب نویسی اور نسب دانی کا اہتمام کسی نہ کسی پیمانہ پر دنیا کے مختلف ملکوں اور

قوموں میں بہت قدیم سے رہا ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑوں، اونٹوں (اور اب بیلوں اور بھیڑ بکریوں اور مرغی مرغوں) تک کے نسب نامے مرتب ہوتے ہیں۔ مگر (جہاں تک میں سمجھتا ہوں) انسانی نسب دانی میں عرب سب پر فائق تھے۔ رسول اللہ صلعم افضل ترین نساب تھے۔ نسب دانی کا استحباب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے۔ قرآن کریم نے ذاتوں گوتوں کی تقسیم اور رشتوں ناتوں کے پیوند کے مصالح بیان فرمائے ہیں۔

نسب کی صحت و درستی خداوند تعالےٰ کی بڑی نعمت و موہبت ہوتی ہے۔ ذو نسب ہونا من جملہ دلائل نبوت کے ہے۔ اس کے تمام صاحب نصیب برگزیدہ بندے صاحب نسب ہوئے اور ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے آبا کی اصلاب طاہرہ اور اپنی امہات کے ارحام طیبہ کا (بلا فخر) بار ہا ذکر فرمایا۔

البتہ نسب پر بے جا فخر کی سخت ممانعت اور اس کے ارتکاب پر سخت ترو عید ہے۔ اور اس کو اعتدال پر رکھنے کے لئے قرآن کریم کے بحر ذخار ناپیدا کنار کا صرف ایک قطرہ "تقویٰ" کافی و بس کافی ہے۔ "اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُم" کیوں کہ "اذا نفخ فی الصّور فلا انساب بینہم"۔

میں اس موقع پر اس بحث کو پھیلانا مناسب نہیں سمجھتا۔ غالباً یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہمارے خاندان میں اپنے نام کے ساتھ "شروانی" اول کس نے استعمال کیا۔ اور پھر اس کا رواج کس طرح پڑا اور بڑھا۔ حتیٰ کہ اب سے

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ عشق جاں گئی

سب سے پہلے محمد حبیب الرحمٰن خاں (لعدہٗ مولوی، نواب صدر یار جنگ، حاجی) نے

اسے اپنے نام کے ساتھ ضم کیا اور وہ اپنے اُس مضمون میں جو فاتح اعظم شہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر (۸۸۸ھ – ۹۳۶ھ) پر انھوں نے فرخندہ بنیاد حیدر آباد کے اپنے زمانہ کے لاثانی اور متین رسالہ حسن میں سنہ ۱۸۹۰ء میں (اب سے اڑسٹھ ۶۸ سال پہلے) لکھا اور اس پر ایک اشرفی انعام پایا تھا جو رسالہ کے چیدہ مضامین پر دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد اپنی نادرہ روزگار تصنیف علماء سلف کے ساتھ بھی لکھا جو سنہ ۱۳۱۲ھ (اب سے اٹھاون ۵۸ سال پہلے) وجود میں آئی۔ مگر جہاں تک میرے قیاس کو دخل ہے انھوں نے اس کا اہتمام کبھی نہیں کیا۔ جو میں نے اپنے ان محترم بزرگ کی تقلید میں کیا۔ اور چونکہ میرا تعلق اس صدی کے شروع (سنہ ۱۹۰۲ء) ہی سے اخبار نویسی کے ساتھ ہو گیا تھا، اس لیے مجھے اس کے چلانے اور پھیلانے کا زیادہ موقع ملا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت میں اس نسبت سے اس سے زیادہ واقف نہ تھا کہ "پدرم سلطان بود" اور بعض وقت اسے نبھانے میں مجھے بڑی دقت اور مصیبت پیش آجاتی تھی جس کا حل میں نے یہ نکال رکھا تھا کہ ہر قیاس آرائی کے ساتھ ہم رائی کرتا۔ کوئی پوچھتا کہ "آپ خاقانی شروانی (متوفی سنہ ۵۸۲ھ) کے سلسلہ میں ہیں"؟ تو میں کہتا "جی ہاں"۔ کوئی سوال کرتا کہ "آپ کے اجداد شروان سے آئے تھے"؟ تو میں جواب دیتا "اور کہاں سے"؟ ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

ہاں مقام شکر ہے کہ مجھ سے ایسے سوال نہیں ہوتے تھے جیسے بقول خود عباس خاں کے اُن سے ہوئے کہ:

"کیا شروانی شروفساد کے بانی مبانی تھے"؟ یا "کیا شروانی شتر پالی کرتے تھے"؟ (شروانی نامہ صفحہ ۸ س ۲۰۱۹) سچ ہے ۔۔۔

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سب سے زیادہ اطلاع اس کے متعلق مجھے مرزا محمود طرزی سے بہم پہونچی جو کابل کے باشندہ اور امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم کے زمانہ کے خارج البلد تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کی سیاحت ہند کے بعد (لعفو لتقیہ) ۱۹۰۵ء میں شام سے کابل جاتے ہوئے لاہور میں مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار کے مہمان ہوئے۔ مولوی صاحب نے اپنی طرف سے مجھے ان کی مدارات پر مقرر کر دیا اور ساتھ ہی یہ خدمت بھی سپرد کر دی کہ مرزا صاحب پیسہ اخبار کے لئے ترکی زبان کے چھوٹے چھوٹے رسالوں کا ترجمہ فارسی میں بولتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہ رسالے بعد میں فارسی سے اردو میں ترجمہ ہو کر پیسہ اخبار کے مطبع خادم التعلیم میں چھپے۔

مرزا محمود ترقی کرکے کابل (سلطنت افغانستان) کے وزیر معارف (تعلیمات) اور وزیر اعظم ہوئے۔ ان کے حسنِ سنائی اور اب عباس خاں کے شروانی نام میں بڑی پڑھائی اطلاعیں ملی نے باہم بہت کچھ ملتی جلتی پائیں۔

۱۹۱۰ء میں جب تصدق احمد خاں ولایت گئے۔ اور ۱۹۱۲ء میں بیرسٹر ہو کر آئے تو وہ صرف "مسٹر شروانی" تھے۔ اور جب خلافت کی آندھی میں پڑے تو (بمقابلہ پہلے کے صرف تقابی کے اب) آل انڈیا مسٹر شروانی تھے۔ اور جب اُن کے دونوں برادرانِ عزیز (مسٹر نثار احمد خاں شروانی سلمہٗ اور مسٹر فدا احمد خاں شروانی مرحوم) اُن کے پس رو ہوئے اور یہ حال ہوا کہ ؎

گو گرد راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

تو یہ تینوں بھائی ہندگیر "شروانی برادرز" تھے۔

اس موقع پر یہ معلوم کرنا یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ "برادرز" کے ڈوسٹ اس سے پہلے بن چکے تھے۔ (۱) خلافت کی تحریک سے پہلے پٹنہ کے دو نامور بیرسٹر بھائی

[illegible] تھے جیسا کہ [illegible] ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگری [illegible] شروانی [illegible]

مسٹر سید علی امام اور مسٹر سید حسن امام "امام برادرز" تھے۔ پھر خلافت کے زمانہ میں دو علیگ بھائی مسٹر شوکت علی اور مسٹر محمد علی "علی برادرز" ہوئے۔

میں نے اوپر جو مصرعہ لکھا ہے وہ اکبر مرحوم کے اُس زمانہ کے زبان زد عام و خاص شعر کا دوسرا مصرعہ ہے۔ پورا شعر یوں ہے ؎

"بُدھو میاں" بھی حضرتِ گاندھی کے ساتھ ہیں
گو گردِ راہ ہیں، مگر آندھی کے ساتھ ہیں

اس شعر کے خاص و عام نے جو بار یک اور تاریک پہلو لئے (اور اتفاق سے ایک واقعی "بُدھو میاں" بزرگ نے رونما ہو کر جو اثر لیا) وہ اکبر کی غالب کے ساتھ ہرا ہم نوائی کے باوصف نہ ٹھا پڑتا۔ غالب ؎

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ شنیدنی ہے۔ اسی زمانہ میں ایک بار چودھری احمد اللہ خاں صاحب کی دعوت پر میر ولایت حسین صاحب، مولوی طفیل احمد صاحب اور میں مکرر کے معائنہ کے لئے سبادر گئے۔ ایک صحبت میں ایک جعادری خلافتی بھی تشریف فرما تھے۔ اتفاقاً کچھ سیاسی باتیں چھڑیں تو میر صاحب اور جعادری صاحب "شروانی صاحب" کی سیاسی روش بیان کرنے لگے، مگر دونوں کی بیان کردہ راؤں میں سفید و سیاہ سے بھی زیادہ فرق تھا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ لی کہ ؎

تو گوئی که دو ستان شاطر بجنگ
فتادند باہم بہ گفتار و جنگ

ادھر چودھری احمد اللہ خاں دونوں بغلیں جھانکنے لگے تو یہ راز فاش ہوا کہ "ہمارے شروانی صاحب" سے میر صاحب کی مراد مولوی حبیب الرحمٰن سے تھی (جو اس وقت

تک" نواب صدر یار جنگ "نہ ہوئے تھے) اور ان صاحب کے "ہمارے شروانی صاحب" مسٹر تصدق احمد خاں تھے (جن کا اصل نام اب اس کی کمی استعمال کے سبب سے بہت سوں کو معلوم ہی نہ تھا۔ اور شاید بہت سوں کو اب یاد نہ رہا تھا)۔ اور اب میں ؎

دل کو رد دوں و یا جگر کو تیر
میری دونوں سے آشنائی تھی

اور پروفیسر حاجی ہارون خاں شروانی نے اسے ہمالیہ کی چوٹی سے اتار کر اور بحر ہند کے ساحلوں سے گزار کر چار دانگ عالم میں بکھیر اتب سے نہ صرف ہندوستان کی بلکہ یورپ اور امریکہ تک کی دنیا گل زار بنی اور بڑے بڑے خوش نما اور خوشبو گل کھلے یسلمہ اللہ جزاہ اللہ۔ (اس دعا پر میں آمین بھی نہ کہنے پایا تھا کہ یہ خبر پڑھی کہ عزیز

اور اب خدا کے فضل سے شروانیوں کا جتنا پھیلاؤ ہے وہ "شروانی نامہ" سے معلوم ہوگا۔ کتنوں کے حالات شروانی نامہ کی ترتیب کے دوران میں (بلکہ چھپائی کی بھی تقریباً آخری منزل پر) معلوم ہوئے۔ اور کتنے اور کہاں کہاں کے نام اس کی تکمیل کے بعد علم میں آئے جن کو شامل کرنا افسوس کے ساتھ ممکن نہ ہو سکا۔

اور شروانی پر ماشاء اللہ بجا ناز ہوا اس سے ثابت ہے کہ علی گڑھ ڈسٹرکٹ گزیٹیر" بر لدوالوں کو بجائے شروانی کے "درانی" بتاتا ہے (شروانی نامہ صـ ۱۳۸ سطر) تو حاجی عباس خاں جی ناک بھول چڑھاتے ہیں۔

عباس خاں نے شروانی نامہ کی "تالیف و تکمیل" میں جو خون جگر کیا ہے وہ لائق صد شکر و صد ہزار آفریں ہے۔ ان اجری الا علی اللہ۔

مگر اب اس سے

استفادہ کرنا ان نوخیز شروانی نسلوں کا ہے جن کے علم و عمل کے لئے

دراصل یہ ہے۔ کیوں کہ عباس خاں اور اُن کے ساتھیوں کے لیۓ تک انکی کو بظاہر جینا ہے۔ لہٰذا کشاکش زمانہ کے پیدا کئے ہوئے چاک گریباں کو سینا ہے۔

قرآن کریم کا واحد مقصد نزول پند و موعظت اور اس کے ذریعہ سے بندوں کی دنیوی و اخروی صلاح و فلاح ہے۔

قرآن بلحاظ مضامین بظاہر تین برابر کے حصّوں میں منقسم ہے:۔ (۱) توحید (۲) قصص (۳) احکام۔ مگر ان سب کا مقصد اصلی اور مرکز ثقل وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا۔

قرآن نے قصّوں کے ذریعہ سے ایسے دور رس نتیجے نکالے ہیں کہ انسانوں کی ناقص فہمیں ان کا احاطہ کر ہی نہیں سکتیں۔ ہر ملک اور ہر زبان میں اخلاق کی جتنی بہترین کتابیں اب تک ہیں وہ سب قصّوں کے پیرایہ میں ہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ کون ان سے ہدایت پاتا ہے اور کون ضلالت میں جاتا ہے "یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْراً وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْراً"۔

اسی طرح ادبی تاریخ اور محض تقلیدی پیمانہ پر شروانی نامہ ہے جسے "قصّے" بتانے میں مجھے کچھ تامل نہیں ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسے کون کس روشنی میں دیکھتا ہے۔ میں نے اسے اس روشنی میں دیکھا ہے کہ "دُرِ مع الدّہر کیف ما دار" ؎

سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

ہمارے اسلاف اب سے تقریباً بارہ سو سال پہلے ہندوستان میں آئے اور زمانہ کے ساتھ ساتھ چل کر دولت بدولت جو ترقیاں کیں وہ عباس خاں کی بدولت ان اوراق سے معلوم ہوں گی۔ وہ خدا کی اس عادت اور سنّت کے مطابق (جو اس کی اپنے سب بندوں کے ساتھ یکساں ہے) برابر الٹے ملٹے کھاتے رہے۔

"تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ" یہاں تک کہ خود ہم نے اپنے اسلاف کو (جو اپنی نوبت میں اپنے اسلاف کے اخلاف تھے) اُس مرتبہ پر دیکھا جس پر دیکھا۔

اور جب ہم ان کو دیکھ رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ (اور اُن کے بعد خود ہم) کبھی
پست تر درجہ میں نہیں آئیں گے۔ "یحسب ان مالہ اخلدہ" (انسان گمان کرتا ہے
کہ اس کا مال ہمیشہ اُس کے پاس رہے گا)۔ اور آج وہ حال ہے کہ اس کا بیان میں
آنا محال ہے۔ اور یہ ایسا یکایک اور اچانک ہوا کہ ہمیں سنبھلنے کی بالکل مہلت
نہ ملی۔ اور اب ششدر و حیران ہیں۔

لیکن یہ بھی مشیات الٰہیہ ہیں۔ ایسے (اور ان سے بھی بڑے بڑے) انقلاب
کبھی تدریجاً آتے ہیں اور کبھی پل مارتے ایسی تیزی سے پہونچ جاتے ہیں کہ سنبھلنا
کیسا دائیں بائیں دیکھنے اور سوچنے کی بھی مہلت نہیں دیتے۔

دنیا کی تاریخ کے پچھلے چالیس سال کے واقعات ہمارے سامنے ہیں
پہلی جنگ عظیم میں ترک صدیوں کی حکومت کے بعد بیت سے ایک دن میں اور عراق
سے ایک رات میں نکل گئے۔ اُس وقت کا روس (جسے اسٹیم رولر بتایا جاتا
تھا) تاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ جرمنی جیتا جتایا ہار گیا۔ اور کتنے گمنام اور پامال
ملک برسات کے گھورے کی گھاس کی طرح دنیا کے نقشہ پر رونما ہو گئے۔
دوسری عظیم تر جنگ میں فرانس ایک ہفتہ بھی ڈٹا نہ ٹھہرا اور تاش ہو پایا گیا، صفحۂ
ہستی سے معدوم ہوتا دیکھا گیا۔ جاپانی (جو زندگی کو بچوں کا ایک کھیل سمجھتے تھے)
لاکھوں کی تعداد میں اور اربوں قیمت کے سامان جنگ کے ساتھ بھیڑ بکریوں کی طرح گرفتار
ہو گئے۔ ———— ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریز
(جن کی سلطنت پر سورج نہیں ڈوبتا تھا) اچھے خاصے جمے جمائے بیٹھے بٹھائے
گدھے کے سر سے سینگ کی طرح چلتے بنے۔
اس وقت کچھ ملک ہیں کہ ان کی قسمت ادھر میں ہے۔ مراکش کشمکش میں
ہے۔ مصر فیصلہ کن انقلاب پر مصر ہے۔ ایران کی سلطنت ہلتی ڈولتی نظر آرہی ہے۔

ہندوستان کی گُسو نا احرکتِ مذبوحی کر رہا ہے۔ چین خانہ جنگی سے بے چین ہے۔ مشیت پر کوریا نے اپنی مخالف بڑی بڑی متحدہ طاقتوں کو دھارے سے کودا کر دیا ہے۔

مگر یہ بھی خدا کی قدرت اور مشیت ہے کہ ابھی ابال ہیں سے کتنے اتنے پیپ سے گئے ہیں کہ دفعتاً خود تقاضا موقع ہوتے ہمارے برِاعظم کو چک ہندوستان کی دست گیری کے لیے ہاتھ آمادہ و مستعد رہتے ہیں ؎

چکور اور دُرّاج سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

کیا عجب ہے کہ خدا ہمارے بھی دن پھیرے "وما ذلک علی اللہ بعزیز"
خدا نے انسان کو جو شعور انتفاع دیا ہے اسے کام میں لا کر سعی کریں (کہ بس یہی انسان کے ہاتھ میں ہے) تو اس کے فضل سے انعام کی ضرور امید رکھ سکتے ہیں

"ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم"

(اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ) پیغمبروں تک نے (جو افضل البشر ہیں) تقدیر پر کامل ایمان اور خدا پر کامل توکل کے باوجود خدا ہی کی بتائی ہوئی تدبیروں سے کبھی گریز نہیں کیا۔ نوحؑ نے طوفان سے بچنے کے لیے کشتی بنائی۔ ابراہیمؑ نے کافروں کی زبانیں کاٹنے کے لیے بتوں کے اعضاء کاٹے۔ موسیٰؑ نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو فرعون کی "خدائی" سے نکال لے جانے ہی کا سفر کیا۔ رسول اللہ صلعم نے ہجرت ہی سے عافیت پائی۔ اور پھر مشکلات پر غالب آنے کے لیے تمام وہ تدبیریں اختیار کیں جن سے نہ صرف اس وقت ابوجہل اور عتبہ اور ولید جیسے دشمنانِ اسلام موذی کتوں کی موت مارے گئے بلکہ وہ ایسی تھیں کہ ان کی ادنیٰ تقلید کر کے آج کے

اہل دنیا کبھی کامیاب ہو رہے ہیں ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

قرآن کریم نے اچھے اور برے اعمال کے نتائج بتا بتا کر اچھوں کی پیروی اور بروں
سے کج روی کی مسلسل تاکید فرمائی ہے۔ "اسوہ حسنہ" (اچھے نمونہ) میں ابراہیمؑ اور
رسول اللہ صلعم کا خاص طور سے مذکور اور ان کی پیروی کا صاف طور پر امر ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے
کہ پیغمبروں کی زندگیاں عیش و آرام کی زندگیاں تھیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ
سب سے زیادہ سخت بلائیں بھرنے والے انبیا تھے۔

شروانی نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگوں کو بھی زمانہ کے نشیب و فراز
سے کیا سابقہ رہا۔ مگر انھوں نے ہمیشہ مناسب وقت عمل کیا۔ حتیٰ کہ گردش روزگار سے
دوچار ہو کر ریاست سے محروم ہو گئے تو ادنیٰ ادنیٰ چاکریاں کر کے پیٹ پالنے سے عار نہ
کیا۔ اور پھر موقع پاتے ہی بزور شمشیر اپنے متروکات و مقبوضات کو واپس لیا۔ ہم سے قریبا
تر زمانے میں غدر ۱۸۵۷ء کا واقعہ بڑا ہوشربا زمانہ تھا: (میں اسے "ہولناک" نہیں
کہوں گا، کیوں کہ ۱۹۴۷ء کے ہوشربا حادثہ نے اسے گردکرد کر دیا) "یہ خلق خدا کی، ملک
بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر" کا دور تھا۔ اس سے ٹھیک ایک صدی پہلے (۱۷۵۷ء
میں) پلاسی کے میدان میں انگریزوں کے لئے "لمن الملک الیوم" کا نقارہ بج چکا تھا۔
کچھ شک نہیں کہ انگریزوں کی زیادتیاں تھیں۔ مگر کچھ غلط فہمیاں ہونے پر سہاگا [illegible]
صحیح طور پر "آگ پر تیل" ہوئیں۔ انگریزی فوج کے ہندوستانی حصہ کا ایک حصہ ابھرا
اور کچھ منتظر موقع لوگوں نے اسے ابھارا۔ اور اس بغاوت و غداری کو "شاہی وفاداری"
کے نام سے پکارا۔ بے شک شاذ علماء نے غدر کے جواز کے فتوے دیے۔ بے
شک بعض انگریز [illegible] نے ان سے خونی انتقام لئے۔ مگر یہ بھی ایک مسلم تاریخی کلیہ ہے

کہ وہ فتوے نُفصتی ہیں اور وہ "تاثُرات متفق علیہ نہ تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے طول و عرض میں رعایا کا سوادِ اعظم اُس طاقت کا حامی تھا جس نے تقریباً ڈیڑھ صدی کی طوائف الملوکی کے بعد فی الجملہ امن کی صورت پیدا کی تھی۔ انسان بالطبع امن کو فساد پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے لیے ملکی و غیر ملکی اور قوم اور دین کا بھی امتیاز نہیں کرتا۔ چنانچہ جب رومی کئی صدی تک انگلستان پر فاتحانہ قابض رہتے اور انگریزوں کو امن و امان کا عادی بنا دیتے کے بعد سنہ ۴۱۰ء میں محض اپنی خانگی ضروریات کی بنا پر انگلستان کو خیرباد کہنے لگے، (جیسا کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان کو کہا) تو مفتوح و مملوک انگریز اُن کے جانے میں بڑے رنجیدہ (دل گیر؟) آتے تھے۔ (اور سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریز جو ہندوستان سے کس بیری کے ساتھ رفوچکر ہو گئے تو یہ ہمارے نفسوں کے دھوکے اور ہماری انانیت کے کرشمے تھے۔) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب حضرت ابو عبیدہؓ شام کو فتح کر کے اور خیدرہ (محض چند روز) اُس پر متصرف رہ لیے تو عیسائی بادشاہ ہرقل کے فوجی دباؤ کی وجہ سے مفتوحہ ملک کو (فی الوقت) چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ مگر اول تو اسی نہایت مختصر مدت میں شام کی عیسائی رعایا کو عیسائی اور مسلمان حکمرانوں کے طرزِ حکومت (ظلم و عدل) کا کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ دوسرے اسلام کے اصول کے مطابق حضرت ابو عبیدہ نے غیر مسلموں سے جو جزیہ "(فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنے کا ٹکس) وصول کیا تھا وہ نہایت اہتمام کے ساتھ حبّہ حبّہ یہ کہہ کر (بلکہ لکھ دے کر) واپس کر دیا کہ "ہمیں خبر ملی ہے کہ ہمارے خلاف بہت بڑا فوجی اجتماع ہوا ہے، اور تم نے ہم سے یہ شرط کی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور اب کہ ہم یہ نہیں کر سکتے، لہٰذا جو کچھ ہم نے تم سے لیا وہ ہم تم کو واپس کرتے ہیں۔" لکھا ہے کہ اس وقت غیر مسلم رعایا رو رو کر دعائیں کرتی تھی کہ خدا تمھیں پھر لائے۔ عیسائی لی ہوئی رقم واپس کرنا کیسا ہمارا اور رہا سہا بھی لوٹ لے جاتے۔

جیسے غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے باغیوں نے "ٹیپو راجہ" بنایا تھا (بہادر شاہ) وہ خود

اہل دنیا کبھی کامیاب ہو رہے ہیں ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پہ
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

قرآن کریم نے اچھے اور بُرے اعمال کے نتائج بتا بتا کر اچھوں کی پیروی اور بُروں سے کج روی کی مسلسل تاکید فرمائی ہے۔ "اسوۂ حسنہ" (اچھے نمونہ) میں ابراہیمؑ اور رسول اللہ صلعم کا خاص طور پر مذکور اور ان کی پیروی کا صاف طور پر امر ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پیغمبروں کی زندگیاں عیش و آرام کی زندگیاں تھیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ سخت بلائیں بھرنے والے انبیا تھے۔

شروانی نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگوں کو بھی زمانہ کے نشیب و فراز سے کیا سابقہ رہا۔ مگر انھوں نے ہمیشہ مناسب وقت عمل کیا۔ حتیٰ کہ گردش روزگار سے دوچار ہو کر ریاست سے محروم ہو گئے تو ادنیٰ ادنیٰ چاکریاں کر کے پیٹ پالنے سے عار نہ کیا۔ اور پھر موقع پانے پر بزور شمشیر اپنے متروکات و مقبوضات کو واپس لیا۔ ہم سے قریب تر زمانے میں غدر ۱۸۵۷ء کا واقعہ بڑا ہوشربا تھا۔ (میں اسے ہولناک "نہیں کہوں گا، کیوں کہ ۱۹۴۷ء کے ہوش ربا حادثہ نے اسے گرد کر دیا) "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر" کا دور تھا۔ اس سے ٹھیک ایک صدی پہلے (۱۷۵۷ء میں) پلاسی کے میدان میں انگریزوں کے لئے "لمن الملک الیوم" کا نقارہ بج چکا تھا۔ کچھ شک نہیں کہ انگریزوں کی غلطیاں تھیں۔ مگر کچھ غلط فہمیاں ہونے پر سپاہ گاؤ یا زیادہ صحیح طور پر "آگ یا تیل") ہوئیں۔ انگریزی فوج کے ہندوستانی حصہ کا ایک حصہ ابھرا اور کچھ منتظر موقع لوگوں نے اسے ابھارا۔ اور اس بغاوت و غداری کو "شاہی وفاداری" کے نام سے پکارا۔ بے شک شاذ علماء نے غدر کے جواز کے فتوے دیئے۔ بے شک بعض آنش گیر مادوں نے ان سے خوب اثر لئے۔ مگر یہ بھی ایک مسلم تاریخی کلیہ ہے

کہ وہ فتوے متفقہ یہ اور وہ تاثرات متفق علیہ نہ تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے طول و عرض میں رعایا کا سوادِ اعظم اُس طاقت کا حامی تھا جس نے تقریباً ڈیڑھ صدی کی طوائف الملوکی کے بعد فی الجملہ امن کی صورت پیدا کی تھی۔ انسان بالطبع امن کو فساد پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے لئے ملکی و غیر ملکی اور قوم اور دین کا بھی امتیاز نہیں کرتا۔ چنانچہ جب رومی کئی صدی تک انگلستان پر فاتحانہ قابض رہتے اور انگریزوں کو امن و امان کا عادی بنا دینے کے بعد سنہ ۴۱۱ء میں محض اپنی خانگی ضروریات کی بناء پر انگلستان کو خیر باد کہنے لگے، (جیسا کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان کو کہا) تو مفتوح و مملوک انگریز اُن کے جانے میں برد بالغ آتے تھے۔ (اور سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریز جو ہندوستان سے کس بیبسی کے ساتھ رفو چکر ہو گئے تو یہ ہمارے نفسوں کے دھوکے اور ہماری انانیت کے کرشمے تھے۔) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب حضرت ابو عبیدہؓ شام کو فتح کر کے اور چند روز (محض چند روز) اُس پر متصرف رہ لئے تو عیسائی بادشاہ ہرقل کے فوجی دباؤ کی وجہ سے مفتوحہ ملک کو (فی الوقت) چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر اول تو اسی نہایت مختصر مدت میں شام کی عیسائی رعایا کو عیسائی اور مسلمان حکم رانوں کے طرزِ حکومت (ظلم و عدل) کا کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ دوسرے اسلام کے اصول کے مطابق حضرت ابو عبیدہ نے غیر مسلموں سے جو جزیہ " (فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنے کا ٹیکس) وصول کیا تھا وہ نہایت اہتمام کے ساتھ حبہ حبہ یہ کہہ کر (بلکہ لکھ دے کر) واپس کر دیا کہ "ہمیں خبر ملی ہے کہ ہمارے خلاف بہت بڑا فوجی اجتماع ہوا ہے، اور تم نے ہم سے یہ شرط کی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور اب کہ ہم یہ نہیں کر سکتے، لہٰذا جو کچھ ہم نے تم سے لیا وہ ہم تم کو واپس کرتے ہیں۔" لکھا ہے کہ اس وقت غیر مسلم رعایا رو رو کر دعائیں کرتی تھی کہ خدا انہیں پھر لائے۔ عیسائی ملی ہوئی رقم واپس کرنا کیسا، ہمارا اور رہا سہا بھی لوٹ لے جاتے۔

جیسے غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے باغیوں نے "حضور راجہ" بنایا تھا (بہادر شاہ) وہ خود

ہمایوں کے مقبرہ میں روپوش، واقعات سے بےخبر تھا۔ جہاں تک مشرالیہا اسلام کا تعلق ہے نہ امیر تھا، نہ فقیر تھی۔ بے تحاشا لوٹ مار جاری تھی۔ غریب، بچے، بوڑھے، ضعیف، بیمار بے دریغ تہ تیغ تھے۔ یہ کیسی جنگ آزادی تھی؟! سہ

گر ہمیں است مسلمانی کہ واعظ دارد

وائے گر از پس امروز بود فردائے

ان حالات میں ہمارے دور بیں اور مآل اندیش بزرگوں نے اگر ایسی حکومت کا ساتھ دیا کہ اُس وقت صرف اسی سے امن و عافیت کی اُمید ہو سکتی تھی، تو غیر ملکیوں کی نہیں، کافروں کی نہیں، بلکہ اپنے ملک، اور اپنی قوم اور نوع انسان کی خدمت کا فرض ادا کیا!!!

انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے "کفر" کا ارتکاب نواب فضل اللہ خاں اور نواب صدر یار جنگ کے پردادا (باز خاں) سے ہوا۔ اس نے بڑھ کر انگریزوں کی نصرت و حمایت کی "بدعت" ۱۸۵۷ء میں باز خاں کے بیٹے اور دونوں نوابوں کے دادا داؤد خاں سے سرزد ہوئی۔ کیوں کہ انگریزی حکومت کا جو کام اور استحکام باز خاں کے زمانہ میں نظری تھا وہ داؤد خاں کے عہد میں بدیہی ہو چکا تھا۔

دوسرے یہ کہ انگریزوں اور اُن کی حکومت کے خلاف جو فتوے تھے وہ مفتیٰ بہ نہ تھے۔ اور ان فتووں کی تائید و تقلید میں جو خیالات و جذبات تھے وہ متفق علیہ نہ تھے۔ میں ان مفتی علماء اور اُن متشدد عقلا کی نیتوں کو نعوذ باللہ مشتبہ نہیں سمجھتا، بلکہ اُن علماء کے اجتہاد اور اُن عقلا کے اعتقاد کے اجر کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اور گو باوجود یافت حق سواد اعظم کے اتباع کا حوالہ دیتا ہوں۔

پھر آج جو اس نام نہاد جنگ آزادی میں شریک نہ ہونے والوں پر تفریں کرتے ہیں وہ یہ بھی سوچیں کہ اس ہنگامہ کو جنگ آزادی بتانے کی عادت ذہن میں منتقل ہوئے کتنے

جو اسے عقلی اور نقلی دلائل سے غدر اور بغاوت ثابت نہ کرتے تھے اور اپنے آباد اجداد کے اس میں مبتلا نہ ہونے پر نازاں نہ تھے ؟!!

۱۸۵۷ء کے بعد ایک اور طوفان جو "عدم تعاون" کے نام سے اٹھا وہ ایسا تھا جس کی کوئی اخلاقی اور عقلی آئین اجازت نہیں دیتا تھا۔

اس کے مخالف زندہ ہیں، اس کے موافق زندہ ہیں، لہٰذا ان واقعات کی ادنیٰ مرتبہ میں بھی تفصیل طول فضول ہے۔ یہ مطبوعہ شکل میں اس مقدار میں اب تک موجود ہیں کہ ان کے بوجھ سے کتاب خانوں کی الماریاں کراہ رہی ہیں اور جن لوگوں نے وہ طوفان اٹھایا تھا ان میں سے بہت سے اس کے بعد سے تاریخ پر سر دھنتے دھنتے مر گئے۔ اور جو آج زندہ ہیں وہ رات دن سر دھنتے ہیں کہ اور کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی۔ اور یہ کہنے میں بھی مطلق باک نہیں ہو کہ آج کے چلتے الفاظ "جمہوریت" "انصاف" "بے لوثی" "حق پسندی" "ایثار" "اتحاد" "تعاون" وغیرہ وغیرہ وغیرہ قطعاً بے معنی اور ان کے مصداق یکسر بے وجود ہیں ۔

ہیں یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوئے

یہ سب اپنی خونوں ... ... کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا ہی پاپ کیا جو اُن لوگوں کا کہنا نہ سنا جو یہ کہتے تھے کہ ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل، جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی یہ لوگ اپنی قسمتوں کو بدلنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ کیوں کہ جس حکومت کی بنیاد خود خواستہ لادینی اور دانستہ نادانی اور (دنیا کی سب سے بڑی ۱۸ / ۱۹ کروڑ کی) ناحق شناس رائے دہی پر ہو اس کی جمہوریت کیا ہوگی؟ اور اس جمہوریت کا صدر کیا ہوگا؟! اور اس حکومت کا صدر اعظم کیا ہو سکے گا۔!!!

چڑھتے ہوئے خون کو ابراہیم اور پیر ہلاد کی ظاہری دل فریب مثال سے مشتعل کر دینا آسان تھا، مگر نواب صدر یار جنگ جیسے "عالموں" اور نواب مزمل اللہ خاں جیسے "جاگیرداروں" کا یہ کہنا کہ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

اللہ کے دور رس مصالح کو سمجھنا ایک ٹھنڈا دل اور فانی ذہن چاہتا تھا جس سے "مقاومت مجہول" یا "عدم تشدد" کی بے معنی اصطلاحوں کے واضع یکسر عاری و محروم تھے۔

ان صفحات میں اس بحث کی گنجائش نہیں ہے، ورنہ اگر میں نواب صدر یار جنگ یا نواب مزمل اللہ خاں کی سوانح عمریاں لکھنے لگوں (جس کا بفضل خدا اہلیت رکھنے کا میں بلاخوف تردید مدعی ہو سکتا ہوں) تو بتاؤں کہ ان لوگوں نے کس جنگ کو جنگ آزادی سمجھا اور اس کے جیتنے کے لئے انھوں نے کس قسم کے آلات حرب استعمال کئے اور جن کی کامیابی کا ثبوت وہ روشنی ہے جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک پھیلی نظر آتی تھی اور جو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے رفتہ رفتہ ماند پڑتی دکھائی دیتی اور شاید عن قریب بجھ جانے والی ہے ؎

در آرند دیوار روئیں ز پاے
جواناں بشمشیر و پیراں برائے

اور اگر "شیروانی نامہ" کے مبحث کا میدان تنگ نہ ہوتا تو میں بتاتا کہ ان جامع حیثیات اصحاب نے اپنے اپنے دائرۂ عمل کے اندر ملک اور قوم کی ترقی کے لئے کیا کچھ کیا ہے ؎

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا، ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی، ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

جیسا کہ ناظرین کو شروانی نامہ کے متن کے مطالعہ سے خود بھی محسوس ہوا ہوگا اس خاندان کی چند مابہ الامتیاز

خصوصیات بھی تھیں۔ میں نے "تھیں" کا لفظ قصداً اور دانستہ اس لئے استعمال کیا کہ افسوس کہ اب وہ تیزی کے ساتھ محو ہو رہی ہیں۔

ازاں جملہ ایک ان میں **موقع شناسی** تھی۔ وہ گرم و سرد اور سفید و سیاہ زمانہ کا پوری ہمت اور دور اندیشی سے مقابلہ کرتے تھے۔ اگر جنگ کی واقعی ضرورت معلوم ہوتی تھی (اور بغیر اس کے مفر نظر نہ آتا تھا۔) تو وہ ایک بے جگر سپاہی کی طرح سر بکف نظر آتے تھے۔ اور اگر اس میں فائدہ نہ دیکھتے تو اس سے کترا بھی جاتے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

مگر منزل مقصود کو برابر سامنے رکھتے اور امید کی صبح صادق ہوتے ہی مصروف کار ہو جاتے۔ اور اس درمیانی وقفہ کو بھی کسی نہ کسی مفید کام میں صرف کرتے، یہاں تک کہ خداوند تعالےٰ ان پر فتح و نصرت کا دروازہ کھول دیتا۔

ہمارا خاندان **دین داری** میں نیک نام تھا لیکن لوگ اعمال میں سست تھے، عقاید میں وہ بھی بڑے چست تھے۔ ایک بزرگ (جو اپنے خاندان کے خود مختار سردار تھے) رمضان کا روزہ نہ رکھتے تو کواڑوں کے اندر حقہ بھی پانی کا پیتے، اور کھانا ٹھنڈا رات کا بچا ہوا کھاتے اور افطار کا استقبال اس شان سے کرتے جو ایک اعلیٰ درجہ کے روزہ دار کے شایاں ہے۔

ایک رئیس (جن کا تعلقہ دور دور تک مشہور تھا) نماز کے پابند نہ تھے۔ اتفاق سے ایک صاحب آ گئے جو اگرچہ نئی اسکول کے تعلیم یافتہ تھے مگر بڑے کٹر پابند شریعت تھے۔ اور انھوں نے ٹوٹی جوتیوں کا ایک ہار بنوا رکھا تھا جو بے نمازی کے گلے میں بے تکلف

ڈال دیتے تھے۔ انھوں نے بیسیوں (کم از کم موسمی) نمازی پیدا کر دیئے تھے۔ ایک دن
وہ صاحب ان بے نمازی رئیس صاحب کے مستقر ریاست میں بھی وارد ہوئے۔ رئیس صاحب
نے انھیں بلوایا۔ یہ گئے (لرزاں و ترساں) مگر جب وہ صاحب جوتیوں کا وہ ہار ہاتھ
میں لیے ہوئے اس بندۂ خدا کے سامنے پہونچے تو اس نے اپنی گردن جھکا دی اور خلوص
نیت سے کہا کہ "یہ ہار پہلے میرے گلے میں ڈال دیجئے" یہ کہہ کر اور یہ سن کر دونوں رو دیئے
حتی کہ (سوا ایک قدر قلیل حصہ خاندان کے) بکثرت سے ایسے لوگ تھے
جو کسی نہ کسی خانوادہ کے ساتھ سلسلۂ بیعت میں منسلک تھے۔

بزرگ چھوٹوں کے ساتھ (خواہ وہ دور ہی کے رشتہ دار ہوں) شفقت کا برتاؤ کرتے
اور ان کے مستقبل کا لحاظ رکھتے۔ چھوٹے اپنی نوبت میں اپنے بڑوں کا (خواہ وہ کسی مرتبہ
میں بڑے ہوں۔) پورا پاس و ادب کرتے۔ مگر افسوس یہ اوصاف حمیدہ اب جا بجا نہیں بلکہ
مفقود ہیں۔

انھوں نے اپنی طرز معاشرت وہی قدیم سادہ رکھی جو شریف گھرانوں میں پشتوں اوپر
سے چلی آتی تھی۔ اور باوجودیکہ سر سید مرحوم کے زمانہ میں (سر سید کی تحریک سے)
پتلون، ترکی کوٹ اور ترکی ٹوپی کا رواج ہو چلا تھا، مگر سوائے معدودے چند صاحبوں کے
شروانی من حیث القوم انھی شرعی پائجامہ، انگرکھے یا اچکن اور عمامہ یا دو پلی ٹوپی
(اور آخر میں آگرا مد بہ اور نیز لٹھے کے کام کی) ٹوپی میں رہے۔ نواب صدر یار جنگ نے
ترکی ٹوپی ۱۹۰۶ء میں اس وقت پہنی جب وہ لارڈ منٹو کے سامنے مطالبۂ حقوق کے وفد میں
گئے۔ اور ممبروں کے لئے ترکی ٹوپی اور کالی اچکن یا کوٹ کی یونیفارم میں ہونا ضروری ہوا۔

اس وقت کے رواج کے لحاظ سے تعلیم عام تھی۔ اور تعلیم دینیات مقدم تھی۔ تعلیم
کا رواج لڑکیوں میں بھی تھا۔ اور چونکہ اسکولوں کی افراط نہ تھی، اس لئے مرد معلم
حتی الامکان شیخ فانی رکھے جاتے اور وہ بھی پردے میں بٹھائے جاتے تھے۔

تمام تہذیبی "روشنی" سے اتنی تاریکی میں تھے کہ نواب مزمل اللہ خاں صاحب اپنی بیوی اور بیٹیوں میں سے کبھی کسی کو کسی نسوانی جلسہ میں بھی شریک ہونے کے روادار نہ ہوئے میری والدہ کو بوجہ دانت نہ ہونے کے کھانے کی تکلیف رہتی تھی۔ مگر تادم مرگ برسوں بہ مصیبت جھیلی اور پردہ کے شگاف میں سے بھی دندان ساز کو ساخیہ لینے کی اجازت نہ دی۔ باوجود اس کے ہم میں تربیت اور تعلیم کے لحاظ سے بھی لڑکیاں نمونہ کی لڑکیاں ہوئیں۔

فیاضی میں خدا کے فضل سے ہمارا خاندان چاردانگ عالم میں مشہور ہوا جو نہ صرف خاندان یا ضلع یا صوبہ تھی کہ نہ صرف ہندوستان کے اندر محدود رہی بلکہ اس کا فیض برِاعظم ہندوستان سے باہر تک پہونچتا تھا۔ سید احمد خاں نے شروانی اور لال خانی خاندانوں کی تقویت پر علی گڑھ میں کالج قایم کیا تھا۔ مصارف خیر کا سلسلہ اگرچہ خصوصًا (خاں کی تاریخ میں) باز خاں اور داؤد خاں کے زمانہ سے جاری تھا اور عنایت اللہ خاں اور اسمٰعیل خاں سید صاحب کے معاونین سابقین اولین میں تھے۔ مگر نواب مزمل اللہ خاں نے اسے معراج کمال کو پہونچایا بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ نواب صاحب کے چندوں کا مجموعہ کسی خود مختار والی ریاست کے عطایا کے مقابلہ میں آسانی سے لایا جاسکتا ہے۔ ہر مذہبی اور قومی اور ملکی اور رفاہِ عام کی تحریکات میں مالی امداد کے لحاظ سے ہمارا خاندان کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ پھر یہ کہ ہمارے خاندان (خصوصًا نواب مزمل اللہ خاں) کی فیاضی بلا تفریق مذہب و ملت بھی رہی۔

باوجود ایک خاص زمیندار اور رئیس خاندان ہونے کے ہمارے خاندان نے سیاست اور حقیقی جنگ آزادی میں بھی اس سے بہت زیادہ کام کیا جتنا "ٹین کے سپاہیوں" اور "گھوڑ کے گدوں" نے کرنے کا دعویٰ کیا۔

علی گڑھ کو جس حد تک ہمارے خاندان نے "علی گڑھ" بنایا وہ کوئی راز نہیں ہے۔ مگر یہ ضرور ایک راز ہے کہ ہمارے خاندان نے اس سے مطلق کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اور یہ بھی کوئی راز نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں "علی گڑھ" کا مطلق کوئی قصور نہیں ہے، بلکہ

اس میں ہماری ہی لیست ہمتی اور کوتہ اندیشی کو سراسر دخل ہے ؎

طالب لعل و گہر نیست، وگرنہ خورشید
ہم چناں در عمل معدن و کان ست کہ بود

علی گڑھ نے اپنی پون صدی کی زندگی میں علوم کے مختلف شعبوں میں ہزاروں نوجوانوں کو فائز المرام کر دیا۔ مگر ہمارے بچوں میں تمام شعبوں میں نکل کر بھی اتنے نہ ہوئے کہ ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی پندرہ پوروں پر بھی پورے گن لئے جائیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بچوں کے والدین کے تساہل کو بھی کچھ کم دخل نہیں ہے لیکن (جہاں تک مجھے اپنے خاندان کے بچوں کا تجربہ ہے) میں اس الزام کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ سب بچوں پر ایک وقت آتا ہے کہ شرعاً و عرفاً وہ خود مکلف ہوتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

چو شد جامہ بر قدِ فرزند راست
نشاید از و مہرِ فرزند خواست

اس وقت اپنی عاقبت کو بنانے کی کوشش نہ کرنا (اور اکثر مثالوں میں والدین کی امیدوں کو پامال کرنا) اس میں کس کا قصور ہو سکتا ہے ؎

گر دستِ تو گشتن و مردن گناہِ من — دیدن بپاکی و رحم نہ کردن گناہ کیست
گیرم کہ وقتِ ذبح تپیدن گناہِ من — دانستہ تیغ تیز نہ کردن گناہ کیست

ایک اور خصوصیت ہمارے خاندان کی یہ ہے جسے چراغ تلے اندھیرا کہنا چاہیے یا فارسی کی ضرب المثل "مشعل بدست کوراں" ہے۔ کہ ہم نے دنیا بھر کو روشنی دکھائی، اور اس سے مطلق فائدہ نہ اٹھایا۔ ہم نے لاکھوں روپیہ مسلم و غیر مسلم اور (شیدائیوں ہی کو سمجھیں) غیر رشتہ داروں پر صرف کیا۔ اس کا نعوذ باللہ افسوس نہیں، بلکہ بحمد اللہ اس پر فخر ہے۔ مگر حسرت اس کی ہے کہ ہم قرآن کریم کی بتائی ہوئی ترتیب سے

نہ چلیے ہو دزی الفرقیا سے ملتی ہے ۔ نہ ہم نے خاص شروانیوں کو وظائف دیئے نہ اُن کے لئے میڈل قایم کئے ، نہ اُن کے لئے خاص بورڈنگ ہاؤس بنائے اور اس کا کیا ذکر کہ نہ خاص (کالج نہ سہی) خاص مدارس کھولے ۔ ہمارے (یادش بخیر) **شروانی اسکول چھترہ** کے ساتھ جلالی (ضلع علی گڑھ) مارہرہ (ضلع ایٹہ) اور کئی اور جگہ مدرسے کھلے ۔ ان سب غیر شروانی اسکولوں کو شروانیوں (خصوصاً نواب مزمل اللہ خاں) نے وقتاً فوقتاً واتر مالی امداد دی ۔ مگر انھوں نے اپنے شروانی اسکول کو (میں یہی کہوں گا نہ چلا سکے ، بلکہ میں نے ہمیشہ یہی کہا اور اب بھی یہی کہتا ہوں) کہ نہ چلا یا ، نہ چلا یا ، نہ چلایا ۔ حال آں کہ نہ صرف سر سید مرحوم اور کالج کے اس وقت کے پرنسپل مسٹر بک اور پروفیسر (بعدہٗ سر تھیوڈور) مارلیسن کو خاص توجہ تھی ۔ اس نے ہندوستان سے باہر تک شہرت حاصل کی ۔ اس کا خرچ صرف ڈیڑھ سو روپے ماہوار تھا اور فی طالب علم مصارف تقریباً دس روپے ماہوار ہوتے تھے ۔ اور اس نے پہلی ہی کھیپ میں طالب علم ایسے ایسے نکالے جن کا نمونہ تصدق احمد خاں ، صابر علی خاں ، افتخار احمد خاں ، فدا احمد خاں ہیں ۔ اسے میں کیا کہوں گا اور کوئی کیا کہے سوائے اس کے کہ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ہماری برادری میں رسوم کا مسئلہ بھی قابل ذکر ہے ۔ ایک زمانہ میں (شروانیان سلف سے) نہایت مسرفانہ اور خلاف شرع رسوم جاری تھیں ۔ مگر باز خاں کے بیٹوں داؤد خاں اور حافظ زماں خاں نے نہایت قوت کے ساتھ یک بارگی ان کو مٹا دیا ۔ یہ اب سے ستر برس سے زیادہ کی بات ہے ۔ اُن کے متعلق "مسائل اربعین" کے نام سے کتاب کی شکل میں چالیس فتوے تیار ہوئے تھے ۔ اور اسی زمانہ میں اردو

میں ترجمہ ہو کر "تحفۃ المسلمین" کے نام سے شایع ہوئے تھے جس کا دوسرا ایڈیشن
بہت اہتمام سے مولوی حاجی عبیدالرحمن خاں نے شروانی پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر
حسبۃ للہ شائع کیا۔ مگر اب بھی بہت سی رسوم اصلاح طلب ہیں جن میں سے سب
کی سب مسرفانہ ہیں، اکثر مفسدانہ ہیں اور بعض حیاسوز (لہذا بالکل ہی خلاف شرع)
ہیں۔ ایک رسم (جو سرنگ کی طرح نہایت خاموشی سے اب تک اپنا کام کر رہی ہے)
سلسلۂ مناکحت کی تنگی ہے۔ اس سلسلہ میں خود ہماری برادری کے اندر حلقے اور
دائرے ہیں۔ اگرچہ وہ ہم سے ایک پشت اوپر ہی سے ٹوٹنے شروع ہو گئے تھے
اور اب ان میں اور بھی بڑے بڑے رخنے پیدا ہو گئے ہیں تاہم ان کا وجود ابھی واضح
نمایاں ہے۔ میں سول میرج کو حرام جانتا ہوں۔ کتابیات کے نکاح کی حلت پر میرا
ایمان ہے۔ مسلمانوں کی باہم مناکحت بلا لحاظ ذات برادری قطعاً جائز ہے۔ تاہم کفو"
(جوڑ) کو جو اسلام نے مستحب قرار دیا ہے اس میں بڑے اجتماعی فوائد ہیں جن پر
بحث کرنا طول سے خالی نہیں جوڑ کا عمل حیوانات (حتیٰ کہ نباتات) میں بھی ہے۔ چرند، پرند
درند، جوڑا بناتے ہیں۔ مگر ان کی نسلیں ضرور بھینس ہوتیں۔ اور نہ وہ اپنی نسلی اور نوعی
خصوصیات سے جدا ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے دو مختلف النوع حیوانوں کو ملانے سے
جو ایک تیسری نوع پیدا ہو گی بے شک اس کی بھی کوئی مفید خصوصیت ہو گی۔ مگر ان دونوں
کی متعدد خوبیاں زائل ہوں گی۔ مثلاً گدھے اور گھوڑی کو ملانے سے ایک بارکش حیوان
ضرور پیدا ہو جائے گا مگر اس میں وہ گھوڑے کی تیزی اور شائستگی دور تک نہ ہو گی۔
آم کی قلم سے ثمر بہشت ضرور پیدا ہو جاتا ہے مگر وہ تخمی کی سی لچک اور لطافت اور زود
ہضمی اور خوشبو جاتی نایاب ہوتی ہے عملی درست کاری سے گلاب کے پھول کو غیر معمولی
حد تک بڑا بنایا جا سکتا ہے مگر اس میں وہ قدرتی پھول کی مشام نوازی اور نظر فریبی نہیں
ہوتی ہے

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت، نہ تیری سی بُو ہے

نئے خاندانوں اور نئے گھرانوں میں (خواہ وہ کتنے ہی اونچے کیوں نہ ہوں) رشتے کرنے سے نفرت کی حد تک احتیاط ہی کا نتیجہ تھا۔ ورنہ حاجی داؤد خاں (بھیکم پور) اور حاجی حسن علی خاں (بلونہ) اور ان سے بھی اوپر حاجی باز خاں (بھیکم پور) اور نجیب خاں خدا بخش خاں (بلونہ) کے عہد سے پہلے اگر نواب[1] ثابت خاں والی (گورنر) کول (علی گڑھ) کی بیٹی دلیل خاں ابن شاہ محمد خاں (مورث خاندان بلونہ) کو بخوشی آجاتی اور یا پھر بنتی بیرام[2] خاں نائب حکومت (لفٹنٹ گورنر) نواب بنگش والی فرخ آباد (متبنہ سہاور) کی بیٹی بکراہت و ناخوشی نہ آتی (کہ چوکوٹ ڈھلوائی گئی اور جہیز کی ہزاروں روپیہ کی مالیت لٹوائی گئی) تو شاید کم از کم خاندان بلونہ کی املاک کا جغرافیہ آج بالکل ہی مختلف ہوتا۔ اور یہ دوسری بات ہے کہ اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو مثل چھوٹے کاشتکاروں کے چھوٹی زمینداریوں اور مثل سلطنتوں کے بڑی بڑی ریاستوں کا ہوا۔ اور کون جانتا ہے کہ آج کی شمالاً جنوباً کوہ ایورسٹ سے راس کامران اور شرقاً غرباً خلیج بنگال سے بحیرہ عرب تک پھیلے ہوئے براعظم کو چپ ہندوستان کا کل کے دن کیا حشر ہوگا۔ کیوں کہ ؎

ریاست بہ بیت اک بے خطا ست	کہ اندر بیت شان وستہا بجا است
وفادر کہ جوید چو بیال گسیخت	خراج از کہ خواہد چو دہقاں گریخت
ہمیتا لہ بند ست گر بشنوی	کہ گر خار کاری سمن ندروی

---

[1] شروانی نامہ حصہ اول ص ۱۰۸ حصہ دوم ص ۲۳۸ نیز رسالہ حافظ محمد سمیع اللہ خاں مرحوم سنہ ۱۳۰۶ھ

[2] شروانی نامہ حصہ دوم ص ۲۳۹ و رسالہ محمد سمیع اللہ خاں مرحوم

میں نے خاندانِ شیروانی کی جو خصوصیات اوپر شمار کرائی ہیں اور اُن کی جو
بھلی بری نوعیت بتائی ہے وہ صرف اپنی ناقص فہم کی حد تک ہیں۔ بالکل ممکن ہے
کہ اُن سے میرے ناظرین کو اختلاف ہو۔ لیکن جس بات سے انصافاً کسی کو اختلاف
نہ ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو اپنے بزرگوں کی خوبیوں کو لینا اور اُن کی
برائیوں سے درگزرنا چاہیئے۔ اور اخلاقاً انھیں اس کا یقین رکھنا چاہیئے کہ
ان کے باپ دادا نے انھیں اپنے سے بڑا دیکھنا چاہا۔ اور یہ ایک فطری جذبہ
ہے کہ انسان اگر کسی کو اپنے سے بڑا اور بہت بڑا اور بہت ہی بڑا دیکھنا چاہتا
ہے تو صرف اپنی اولاد کو۔ اور اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس دور کے باپوں
نے اپنے بیٹوں کو

"میاں"

بنایا۔ بے شک اب سے پہلے بھی "میاں" ہوتے تھے، مگر وہ صرف
تعارف کے لئے (مثلاً بڑے میاں، منجھلے میاں، چھوٹے میاں) بخلاف
اب کے "میوں" کے کہ وہ ترقی کے لئے ہوئے۔ اور اپنے نام کے لحاظ سے گویا عَلَم نام
ہی ہو گئے۔ لہٰذا اپنے زمانہ کے "ملاؤں" کی طرف سے (کہ خود میں بھی اُن میں
سے ایک ہوں) ان "میوں" سے ادب کے ساتھ التجا ہے کہ وہ اپنے اندر اپنے
بزرگوں کی خوبیاں پیدا کریں کہ ؎

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف
مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کنی

کون کہہ سکتا ہے کہ نواب صدر یار جنگ اور نواب مزمل اللہ خاں نے باز خاں کا نام
روشن نہ کیا اور ان کی روح کو مسرور نہ رکھا ہوگا۔ بغیر ذاتی خوبیوں کے باپ دادا
پر فخر کرنے والوں کو لامحالہ یہ سننا پڑتا ہے کہ ؎

اِنِ افتخرت بآباءٍ مضوا سلفاً   قلنا صدقت ولکن بئس ما ولدوا

(اگر تمھیں گزرے ہوئے باپ دادوں پر فخر ہو، تو ہم کہیں گے کہ تم سچے ہو، وہ ایسے ہی تھے، مگر اُن کی اولاد بری ہوئی)۔

بے شک وقت بہت سخت پڑا ہوا ہے، اور انسانوں کے انسانوں پر ظلم بہت بڑھے ہوئے ہیں، لیکن میں زمانہ کو بُرا کہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ خداوند تعالےٰ کے اس ارشاد پر ہے جو اُس نے اپنے مخبر صادق صلعم کی زبانی دیا ہے کہ "لاتسبّوا الدہر فانا الدہر" (زمانہ کو بُرا نہ کہو، کیوں کہ زمانہ تو میں ہی ہوں) بے شک انسان بدلتا اور بد سے بدتر ہوتا رہتا ہے، مگر وہ نیلی چھت والا اپنی شان رحیمی و کریمی و حلیمی کے ساتھ جیسا ازل میں تھا، اب بھی ہے اور ویسا ہی ابد تک رہے گا۔

ہمہ تندد میرد تو جاوید پایہ
کہ ہرگز نمرد و نمیرد خدائے

پس اے عزیزو! اور اے وہ جن سے آئندہ امیدیں وابستہ ہیں!! تم خدا کے بنائے اور بتائے ہوئے قانون پر چلو۔ اپنے اخلاق اور اعمال درست کرو۔ خوف کے ساتھ کوشش کرو، اور اُمید کے ساتھ کامیابی کا انتظار کرو۔ بظاہر ہماری اب صرف چند ساعتیں اور بس چند سانسیں باقی ہیں۔ اور ہم سوائے دعا کے (کہ اگر سمجھو تو وہ بھی بڑی چیز ہے) تمھارے لیے اب کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم نے تمھیں زندگی کے دوشاخہ راستہ پر کھڑا کر کے حتی الامکان تمھیں سیدھا راستہ بتایا تھا، اگر تم اس پر چلے تو ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا صرف خدا ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک ابھی تم اپنی عمر کی اس منزل میں ہو کہ اگر غلط راستہ پر چل نکلے تھے تو مڑ کر اور دو قدم واپس چل کر سیدھے راستہ پر آسکتے ہو۔ آگے تم جانو، ہم تو سے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں! خوش رہو! ہم دعا کر چلے!!!

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ○

ترجمہ :- میں نے نہیں کہا اُن سے مگر وہی کہ حکم دیا تو نے مجھے اُس کا، وہ یہ کہ بندگی کرو اللہ کی جو پالنے والا ہے میرا اور پالنے والا ہے تمہارا۔ اور میں اُن کا نگراں تھا جب تک میں اُن میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے پھیر لیا تو تو ہی اُن کا نگہبان تھا، اور تو ہی سب چیز سے خبردار ہے۔

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

[illegible] ۱۹۵[illegible]ء

از راقم الحروف محمد مقتدیٰ خاں شروانی

اے عزیزو! اور اے مری جانو! دورِ گردونِ دوں سے بیگانو!!

دل سے نکلی ہوئی مری مانو!!! اور نہیں مانتے تو تم جانو!!!!

فہرستِ معطیان

ذیل میں ہم اُن مہربانانِ قدردان کی فہرست دلی شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں جنھوں نے مالی امداد فرمائی جس سے ان اوراقِ پریشاں نے اشاعت پائی۔

ایک وقت تھا کہ ہم میں کتنے ایسے اصحاب موجود تھے جو اس کتاب سے کہیں زیادہ کے مصارف کی انفرادی طور پر بے تکلّف کفالت فرما سکتے، بلکہ اگر انھیں اس کا موقع نہ دیا جاتا تو وہ اپنے لئے عار تصوّر فرماتے۔ مگر ؎

زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد
شد آں مرغ کو خایہ زرّیں نہاد

تاہم مقام شکر ہے کہ بفضلِ خدا خاندان کی اجتماعی توجہ سے موجودہ حالات میں بھی یہ کام سرانجام پا سکا۔ جن سرپرستوں کی رقوم معتد بہ ہیں اُن کی ہمدردی ظاہر ہے، مگر قلیل رقم والے بھی قابلِ صد آفریں ہیں کہ انھوں نے اس کڑی گھڑی ...

دادوں

۲ ۔ مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب

حبیب گنج

۳ ۔ مولوی حاجی عبید الرحمٰن خاں صاحب

بھیکم پور

۴ ۔ نواب رحمت اللہ خاں صاحب

علی گڑھ

۵ ۔ مولوی احمد اللہ خاں صاحب سکندرہ (راؤ) مختار عدالت کلکٹری

دتاولی

۶ ۔ پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب (حال شریک حیدرآباد دکن)

حسن پور

۷ ۔ حافظ حاجی عبد الجلیل خاں صاحب

۸ ۔ حاجی نصرت اللہ خاں صاحب بی اے (علیگ) حال تحصیل دار رائے بریلی ضلع ہمیر پور۔

[illegible] صاحب

۱۵ - خالد عباس سلمہٗ طالب علم مسلم یونیورسٹی اسکول

۱۶ - مطیع اللہ خاں صاحب سرائے۔

بلونہ

۱۷ - بغرض یادگار و ایصال ثواب محمد سمیع اللہ خاں مرحوم جنھوں نے خاندان شروانی میں شجرہ (شاخ بلونہ) سب سے پہلے بصورت رسالہ ۱۳۰۶ھ میں مرتب کیا جس نے کتاب ہذا (شروانی نامہ) کی ترتیب میں بہت مدد کی۔

۱۸ - بغرض یادگار و ایصال ثواب حاجی عبد الرشید خاں مرحوم (والد شروانی برادرز) جنھوں نے اپنے دادا سے خاندانی شجرہ کی یادداشتیں لکھیں جن سے سمیع اللہ خاں نے فائدہ اٹھایا۔

۱۹ - بغرض یادگار و ایصال ثواب مسٹر تصدق احمد خاں شروانی مرحوم بیرسٹر ایٹ لا جنھوں نے بچپن سے سیاست میں حصہ لیا اور پھر گاندھی جی کے دوش بدوش کام کیا۔

۲۰ - مسٹر نثار احمد خاں شروانی [illegible]
[illegible] اپنے بھائی تصدق احمد خاں [illegible]

گولڈورکس نزمل کراچی پاکستان)

۳۵۔ محمد شاکر علی خاں صاحب بی اے (علیگ) حال پاکستان ملٹری سروس متعینہ راولپنڈی (مغربی پنجاب)

۳۶۔ محمد ناظر علی خاں صاحب (مطابق صدر)

۳۷۔ محمد ناصر علی خاں سلمہٗ (زیر ٹکنیکل ٹریننگ)

۳۸۔ محمد جعفر علی خاں صاحب۔

۳۹۔ محمد مملوک الرحمٰن خاں صاحب۔

۴۰۔ ڈاکٹر مشکور الحسن خاں صاحب (ہومیوپیتھک) نزمل کراچی پاکستان)

۴۱۔ بغرض یادگار و ایصال ثواب محمد منظور الحسن خاں مرحوم (بنیٹ کالج شیفیلڈ انگلستان سیلس مین شپ اسکالر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس گولڈن جوبلی میڈلسٹ الکٹرکل ڈپلما ہیڈ اِن کراچی پیدائش ذوالحجہ ۱۳۲۷ھ ستمبر ۱۹۱۹ء وفات در علی گڑھ رجب ۱۳۷۰ھ اپریل ۱۹۵۱ء

۴۲۔ محمد منصور الحسن خاں صاحب (سابق نیدروکنگ ٹاؤن ہولڈر کانپور مالک شروانی شو شو علی گڑھ و اگزامینر گورنمنٹ ہارنس و سیڈلری فیکٹری کانپور حال اسٹینو ٹائپسٹ ۔ ۔ ۔ ۔

ال مرحت حاجی مرحوم (طباخ وحیات و کیمہ

اب کتاب کی تیاری و تکمیل کے بالکل آخری مرحلہ میں جو اطلاع میاں محمد حسن مرتضےٰ خاں عرف راحت میاں سلمہٗ (پسر مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی الکٹرک ڈپلوما ہولڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ حال متعینہ براڈ کاسٹنگ و سگنیلنگ ڈپارٹمنٹ کراچی پاکستان) کے ذریعہ سے ملی ہے یہ ہے کہ ان کو ایسے اصحاب ملتے ہیں جو پنجاب اور راجستھان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو شروانی بتاتے ہیں۔ کراچی میں ایک سال سے زیادہ سے "شروانی کلب" قائم ہے جس کے باقاعدہ عہدہ دار اور ممبر اور قواعد ہیں۔ وقتاً فوقتاً جلسے ہوتے ہیں۔ ایک صاحب بالکل حال ہی میں آکر ایک جلسہ میں شریک ہوئے جن کا نام سردار خاں شروانی ہے سیالکوٹ (پنجاب) کے رہنے والے ہیں۔ کھیل کے سامان کی تجارت کرتے ہیں۔ بروایت اُن کے سیالکوٹ میں تقریباً بیس[20] خاندان شروانیوں کے آباد ہیں ان کا اپنا مدرسہ، مسجد، قبرستان ہے۔ انھی کے زیر اہتمام ایک مسافر خانہ اور لائبریری ہے۔ افراد خاندان کا عام پیشہ زمینداری ہے۔ مورث اعلیٰ کا نام اکبر خاں شروانی بتاتے ہیں جو کافی عرصہ ہوا سیالکوٹ میں آکر بس گئے تھے۔ راقم آثم عباس شروانی کی دعا ہے کہ خدا [illegible] بالعموم پر رحم و کرم فرمائے آمین۔

مجلس

"لوح کشائی" و "ورق نمائی" شروانی نامہ

نواب رحمت اللہ خاں صاحب (حیات میاں) مجسلہٗ خلف رشید نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر مرحوم کے علمی و ادبی ذوق کی بنا پر منزل میں منعقد ہوئی۔ کتاب کا مطبوعہ نسخہ مولف صاحب کی خدمت میں مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب نے پیش کیا۔ جس کے غلاف پر مولف اور کتاب کا نام لکھا ہوا تھا اور حبیب اللہ خاں ("چھٹن میاں") پسر کو چک تر مولوی حاجی محمد مقتدی خاں شروانی صاحب کی کھینچی ہوئی تصویر لگی تھی۔ مقامی اصحاب خاندان شروانی شریک تھے۔ کتاب کی تمام حاضرین نے زیارت کی۔ اور ایک نہایت ضروری اور دیرینہ آرزو کے بعد پورا ہونے والے کام پر خدا کا شکر اور خوشی کا اظہار کیا۔ اور مولف صاحب کو مبارکباد اور دعا دی۔ معزز و علم دوست نوجوان ... تکلف عصرانہ بھی تھا جس سے پہلے

مولف حیات مسعودی و تاریخ التواریخ و سابق سکریٹری سنٹرل سنی وقف بورڈ صوبجات متحدہ ثانی مورخ عباس خاں شروانی (عہد اکبر اعظم دہم صدی ہجری) ملاحظہ ثانی۔

عباس خاں! احباب گرامی و محترم | شروانی نامہ ایک گلستاں عجیب ہے
گلہائے رنگارنگ ہیں جس میں کھلے ہوئے | ہر گل ہر اک صفت میں عجیب و غریب ہے
بیدار بخت اگلوں کا اک قصہ خواں ہے یہ | خوابیدہ بخت پچھلوں کا گویا نقیب ہے
اپنی ہی سعی آپ نے کی (تا بحد قدر) | انجام خیر کا تو خدا ہی حسیب ہے
اعراض اس سے جو کرے ایسوں کو کیا کہوں | سیکھے ادب جو اس سے وہ صاحب نصیب ہے
اصلی ہنر ہے پیروی اہل فضل و مجد | ظاہر میں گو اصیل و شریف و نسیب ہے
وہ درد کون سا ہے کہ جس کی دوا نہیں | بے حال درد ہی نہیں ہے اور گر نہ طبیب ہے
سمجھ ہمارے میں یہ بیرا (بلا ریب شک) مگر | اور بھی کوئی حافظ و یار و رقیب ہے
حلال مشکلات ہے وہ ذات باثبات | گو اس میں شک نہیں ہے کہ طوفاں مہیب ہے
جو ہے خدا پرست بھلا اس کو اس سے کیا | ناقوس کی صدا کہ نشان صلیب ہے
اصلی ہے ماضی، حال کا کیا اعتبار ہے؟ | جس کی نظر مآل پہ ہو وہ لبیب ہے
بس کام اپنا گوشت نشینی | ایماں ہے کہ روز جزا اب قریب ہے